
سپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
وت کے سوداگر
10
سواں حصہ

شکیلہ علیہ

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

ایک نوجوان کی خود نوشت۔ اس ... ت کے عالمی اسمگلروں کے خلاف
ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز ... ں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔
شہر شہر، شک شک در بدر ... کھیل کے لیے خاک اڑانا اس
نوجوان کا شغل ہو گیا مگر ... کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے
بھی اپنی طرف سے کوئی ... جو ابھی تک جاری ہے۔

میں نے جتنا غور کیا' وہ نظریہ اسی قدر راسخ ہوتا چلا گیا۔

اس دوران میں شیر شاہ بغور میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اسے بھی سلطان شاہ کی وہاں موجودگی کا علم تھا۔ پھر وہاں موجود بھیڑ بھاڑ میں سلطان شاہ کا دور دور تک پتا نہیں تھا اس لئے وہ میری ذہنی اذیت اور دلی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ہجوم میں واپسی کا راستہ بنانے لگا۔

میں کوئی مزاحمت کئے بغیر' کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ہولیا۔

"ضروری نہیں کہ یہاں وہی کچھ ہوا ہو جو تم سوچ رہے ہو۔" دوبارہ کار میں بیٹھنے کے بعد شیر شاہ نے جھجکتے ہوئے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "جب تک فائر مین ملبے اور مکان کے آتش زدہ ڈھانچے کو ٹھنڈا کر کے اندر نہیں پہنچ جاتے اس وقت تک اندر کی صورت حال کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"لیکن یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم اسے مکان میں چھوڑ کر گئے تھے۔"

"باس! تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن وہ دودھ پیتا بچہ نہیں بلکہ ایک جوان مرد ہے۔" وہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے آج ہمارے ستارے ہی کچھ گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ تم بھی پے در پے بری خبریں سن کر تھک چکے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم واپس چل کر تازہ دم ہو لو۔ اس وقت تک یہاں آگ بھی ٹھنڈی ہو چکی ہوگی۔ اس دوران میں ہم واپس لوٹ آئیں گے۔"

اس کی بات خاصی حد تک درست تھی۔ ایک طرف بری خبریں میرا تعاقب کر رہی تھیں تو دوسری طرف بے نتیجہ بھاگ دوڑ نے مجھے تھکا ڈالا تھا۔ میں نے اس کی تجویز پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس نے میری خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے کار چلا دی۔

وہ مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر لے جانا چاہ رہا تھا جہاں مافیا کے کل وقتی کارکنوں کے لئے مکمل رہائشی سہولتیں موجود تھیں مگر میں اس وقت بھیڑ بھاڑ کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے میں نے گورا قبرستان کے چوراہے سے آگے نکلنے کے بعد اپنے ہوٹل چلنے کی ہدایت کی اور سگریٹ سلگا کر خیالوں کی دنیا میں کھو گیا جہاں اس وقت صرف اور صرف سلطان شاہ کا راج تھا' غزالہ بھی پس پردہ چلی گئی تھی۔

ہم دونوں نے اس ہوٹل میں دوہرے بستر والا ایک ہی کمرا حاصل کیا تھا۔ جب میں نے کاؤنٹر کے عقب میں اونگھتے ہوئے استقبالیہ کلرک سے اپنے کمرے کی چابی طلب کی تو اس نے کی بورڈ کا جائزہ لینے کے بعد مجھے بتایا کہ کمرے کی چابی وہاں موجود نہیں تھی۔

میرے لئے وہ پہلی خوش خبری تھی۔ کاؤنٹر پر چابی نہ ہونے کا یہ مطلب تھا کہ میرے کمرے میں پہلے سے کوئی موجود تھا اور وہ سلطان شاہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ خبر سن کر میں اس قدر مسرور ہوا کہ شیر شاہ کو حیران و پریشان چھوڑ کر' پوری قوت سے دوڑتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا

اور کشادہ زینے پھلانگتا ہوا آناً فاناً میں اپنے کمرے کے بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ چند ثانیوں تک مبہوت رہنے کے بعد شیر شاہ بھی لپکتا ہوا میرے پیچھے آگیا تھا۔

میری مضطربانہ دستک کے جواب میں اندر سے سلطان شاہ کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ دروازہ مت توڑو۔ میں آرہا ہوں" اس نے اندر سے دروازہ مقفل کیا ہوا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے بے اختیار ہو کر' والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر سینے سے لگالیا۔ سلطان شاہ سمجھ ہی نہ سکا کہ میں اتنا جذباتی کیوں ہو رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت ہو۔" میں اس کے ساتھ اسی حالت میں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا "ورنہ میں تو فکر مند ہوگیا تھا کہ کہیں تم آگ میں نہ گھر گئے ہو۔"

"ہم نے تمہیں اس مکان میں چھوڑا تھا۔ تم یہاں کب اور کیسے پہنچ گئے؟" شیر شاہ نے میرے تبصرے کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک ہی فقرے میں پوری صورت حال کی وضاحت کرڈالی۔

"ویرا وہاں کس وقت پہنچی تھی؟" شیر شاہ کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال کردیا۔

سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا "تم دونوں پے درپے سوالات کئے جارہے ہو۔ کم از کم مجھے جواب دینے کا موقع تو دو۔ اب بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں زندہ وسلامت تمہارے سامنے موجود ہوں۔ دراصل وہاں جو کچھ ہوا' اس بھیڑیے داری مجھ پر ہی آتی ہے۔"

"وہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ صورت حال یک بیک تمہارے قابو سے باہر کیسے ہوگئی؟" میں نے آرام سے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ میرے اشارے پر شیر شاہ بھی بیٹھ چکا تھا۔

"ویرا کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔ یہ سارا کیا دھرا اسی بدنصیب ملازم کا تھا جو اپنے کمرے میں بندھا ہوا بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ بہت بری موت مرا ہے۔ خود مصیبت اور آگ میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود' اس کا حشر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔"

"اب تجسس بڑھانے کے بجائے پوری کہانی ہی سنا ڈالو تو زیادہ بہتر رہے گا۔" شیر شاہ نے کہا۔ "باس کو تمہاری طرف سے ناقابلِ بیان پریشانی لاحق ہوگئی تھی جو کہانی سن کر ہی دور ہو سکتی ہے۔"

سلطان شاہ بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا "دراصل میں نے میر اکبر خان کے پالتو طوطے کا گلا کاٹ کر اس کا خون' احتیاط سے ایک پیالے میں جمع کرلیا تھا جو کچن ہی میں موجود تھا....."

"یہ کس طوطے کا ذکر ہے؟" شیر شاہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورا اور کہا "پہلے اسے اپنی بات پوری کرنے دو۔ یہ جرح بعد میں کرلینا۔ وہ بتا چکا ہے کہ وہ میر اکبر خان کا پالتو طوطا تھا اور تم اس کا شجرہ جاننا چاہ رہے ہو۔"

وہ شرمسار ہو کر خاموش بیٹھا رہا اور سلطان شاہ پھر بولنے لگا۔

"میرے نزدیک اہم نکتہ یہ تھا کہ میر اکبر خان کے بے گناہ ملازم کو ہلاک نہ کیا جائے بلکہ اسے ہوش میں آتے ہی اس قدر خوفزدہ کیا جائے کہ وہ فرار ہونے کے بعد دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کرسکے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد' غیر متوقع طور پر وہ جلد ہی ہلنے جلنے لگا۔ اس کے ہوش میں آنے کے آثار دیکھتے ہی میرے ذہن میں ایک نئی تدبیر آگئی۔ میں نے کچن میں جاکر طوطے کا خون اپنے دہانے کے اردگرد لگالیا اور دوبارہ اس کے سر پر سوار ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آیا تو مجھے دیکھتے ہی خوفزدہ ہوگیا۔ میں نے کسی جنونی کے سے انداز میں اس کی کھوپڑی کو بار بار چومتے ہوئے اسے آزاد کیا اور اسے بتایا کہ مجھے انسانی مغز اور کھوپڑیاں غذا کے طور پر بہت پسند ہیں۔ میں نے جب اسے اپنے ساتھ لے جاکر میر اکبر خان کی بغیر سر کی لاش دکھائی تو وہ بدحواس ہوگیا۔ میں نے اسے ڈرانے کے لئے مزید کہا کہ اس کے مالک کا مغز چھوٹا تھا اس لئے ہوسکتا ہے کہ صبح ہونے تک اس کی بھی باری آجائے۔ میرے چہرے اور اکبر کی جلی ہوئی گردن پر لگے ہوئے خون کی بنا پر شاید اسے یقین ہوگیا کہ وہ کسی آدم خور کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ اس سے فضول باتیں کرتے ہوئے میں نہ صرف نشے میں ہونے کی اداکاری کرتا رہا بلکہ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ انسانی مغز اور سری میں زبردست خمار ہوتا ہے۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کے مالک کو ٹھکانے لگانے کے بعد گھنٹوں سوتا رہتا۔ میں دانستہ اس کی طرف سے بے پروائی اختیار کرکے اسے ڈھیل دیتا رہا جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور وہ موقع ملتے ہی دروازہ کھول کر فرار ہوگیا۔ میں دروازہ مقفل کرکے منہ ہاتھ دھونے میں مصروف ہوگیا تاکہ باہر نکلنے کے قابل ہوسکوں۔ لیکن اسی اثنا میں میرے نتھنوں میں پٹرول کی بو آئی جسے میں نے نظرانداز کردیا۔"

"تھوڑی دیر بعد پٹرول کی بو تیز ہوگئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔" قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ باہر کوئی کارروائی ہو رہی ہوگی۔ میں مختلف کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا کہ اچانک باہر سے بھق کی ایک زوردار آواز آئی جیسے آتش گیر مادے کے کسی ذخیرے نے آگ پکڑ لی ہو۔ اسی کے ساتھ کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے پیچھے سے تیز روشنی اندر پڑنے لگی۔ اس وقت مجھے ہوش آیا اور میں تیزی سے عقبی دروازے کی طرف دوڑا۔ دروازہ کھولتے ہی ہوا کے زور سے شعلے اندر آنے لگے اور فضا میں دلخراش انسانی چیخیں سنائی دیں۔ گھر میں دیوانہ وار چکرانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ مکان کے چاروں طرف پٹرول ڈال کر آگ لگائی گئی تھی۔ کئی مقامات پر وہ آگ مکان کے اندر داخل ہوچکی تھی۔ پردوں کے ساتھ ہی قالین اور خشک فرنیچر بھی دھڑا دھڑ جلنا شروع ہوگیا تھا۔ میں بمشکل تمام ایک ایسے مقام تک پہنچنے میں کامیاب

ہوا جہاں آگ کا زور کم تھا۔ میں شعلوں کو عبور کرکے باہر نکلا تو اکبر خان کا ملازم ایک طرف پڑا ہوا بری طرح بلبلا رہا تھا۔ اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور احاطے میں جابجا پٹرول کے خالی کین بکھرے ہوئے تھے۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اکبر کے مکان میں اتنا زیادہ پٹرول کیوں موجود تھا مگر ایک بات یقینی نظر آرہی تھی کہ مکان کے گرد پٹرول ڈالتے ہوئے' غالباً اس کا لباس بھی پٹرول میں بھیگ گیا تھا اور جب اس نے مکان کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی تو اس کے لباس نے بھی آگ پکڑلی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ آگ میں جھلس کر ناقابلِ شناخت ہوچکا تھا اور چند ہی لمحوں کا مہمان تھا۔"

"وہاں سے نکلتے ہی تم سیدھے ہوٹل بھاگ آئے؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت میرے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ ہولناک شعلوں میں زندہ جل جانے کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ائرپورٹ کا چکر لگا کر وہیں واپس آؤ گے لیکن اس ڈراؤنے تجربے سے گزرنے کے بعد مجھ میں وہاں رکے رہنے کی ہمت نہیں تھی۔ آگ بھڑکتے ہی وہاں بھیڑ لگنی شروع ہوگئی تھی۔ میرے وہاں رکنے میں کچھ خطرات بھی مضمر تھے اس لئے میں نرسری سے ٹیکسی پکڑ کر ہوٹل چلا آیا۔ میرا خیال ہے کہ کلوروفارم کے اثرات سے نجات پانے کے بعد وہ گزرے ہوئے واقعات کو فراموش کربیٹھا تھا۔ میرے خون آلود چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ ہی اپنے مالک کا بے جان دھڑ دیکھ کر وہ سمجھا ہوگا کہ میں کوئی آدم خور جناتی مخلوق ہوں جسے آگ ہی سے فنا کیا جاسکتا ہے اور وہ آتش زنی کی کارروائی میں ملوث ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے نیم مفلوج ذہن میں محیرالعقول طلسماتی کہانیوں کا وہ تصور جاگ اٹھا ہو کہ میرے جلتے ہی اس کا آقا اپنے سر سمیت دوبارہ زندہ ہوسکتا تھا۔"

"یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اگر وہ کوئی عام گھریلو ملازم ہوتا تو اپنی جان بچنے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا اور اپنی ساری وفاداریوں کے باوجود بگٹٹ کسی محفوظ جائے پناہ کی طرف بھاگ لیتا۔ اس نے وہاں رک کر جو خوفناک حرکت کی' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شی کا کوئی کارندہ تھا۔ وہ اپنی حماقت اور کم فہمی کی وجہ سے مارا گیا ورنہ وہ اکبر کی موت کا انتقام لے کر اپنے بڑوں کے سامنے سرخرو ہوسکتا تھا۔"

"تم نے ویرا کے بارے میں کیوں سوال کیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ بھی اڑا چکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ ہم جہاں تھے' وہیں کھڑے ہوئے ہیں۔" میرے جواب سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

جب تک سلطان شاہ سامنے نہیں آیا تھا' مجھے اس کی طرف سے شدید تشویش اور فکر لاحق تھی لیکن اس سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے غزالہ کی فکر دامن گیر ہوگئی تھی۔ وہ ویرا کی سفاکانہ قید میں تھی۔ اس بار ویرا کے عزائم بھی بہت سنگین تھے۔ وہ شہر ہی میں موجود تھی یا سڑک کے راستے وہاں سے ایران کے لئے روانہ ہوچکی تھی' یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے پیغام کے مطابق' میر اکبر خان کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتی اور جب اسے معلوم ہوتا کہ میر اکبر خان بدقسمتی کی زد میں آچکا ہے تو وہ لازماً ساری ذمہ داری مجھ سے منسوب کرکے غزالہ کے ساتھ بدسلوکی پر تل جاتی۔ ان امکانات کی وجہ سے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ ہم جلد از جلد ویرا تک پہنچیں۔

اس وقت مجھے اول خان کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اگر وہ کراچی میں موجود ہوتا تو اس کی مدد سے ویرا کے گرد گھیرا تنگ کیا جاسکتا تھا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہوتی کہ اول خان اپنے رسوخ سے کام لے کر کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے سے کسی ہیلی کاپٹر کا بندوبست کرسکتا تھا جس کے ذریعے کراچی سے' حب کے راستے کوئٹہ جانے والی نیم پختہ اور ناپختہ سڑک پر ایک طویل پرواز کرکے چند گھنٹوں میں یہ پتا چلایا جاسکتا تھا کہ سیاہ کار اس راستے پر گئی تھی یا نہیں۔

سیاہ فورڈ کے دیکھ لئے جانے کی صورت میں سارا کھیل وہیں ختم ہوسکتا تھا۔ اونچے اونچے ریتیلے ٹیلوں اور چٹانی سلسلوں کے درمیان سے گزرنے والی نام نہاد سڑک پر سفر کرنے والے لوگ' کسی بھی فضائی مشن کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ فضا سے کارروائی کرکے' غزالہ کو اس کی تحویل سے آزاد کرایا جاسکتا تھا۔

دوسری طرف اول خان کی نفری شہر میں پھیل کر سیاہ فورڈ کی تلاش کی بھرپور مہم شروع کرسکتی تھی۔ لیکن یہ بدقسمتی ہی تھی کہ وہ کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں شہربدر کیا جاچکا تھا۔

میں نے اس امکان پر بھی غور کیا کہ اول خان میرا ذاتی دوست نہیں تھا۔ اس سے میری ملاقات ایک اہم افسر کے ایما پر ہوئی تھی جسے جانو ماچھی کے آدمیوں کے ہاتھوں' محفوظ ماموں اور ان کے لواحقین کے انتقامی قتل کی تفتیش پر مامور کیا گیا تھا۔ بعد میں اول خان کے خلوص اور ذاتی خوبیوں کی بنا پر میرے اور اس کے تعارف نے گہرے ذاتی مراسم کی صورت اختیار کرلی۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ میں اسپیشل ٹاسک فورس میں اول خان کے عہدے پر آنے والے نئے شخص سے پرانے حوالوں سے ملاقات کرکے اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ کوئی سہل کام نہیں تھا۔ اول خان کے جانشین سے تعارف حاصل کرنے کے بعد میں اسے مطمئن کرنے کا پابند ہوجاتا جس کی وجہ سے میری آزادی متاثر ہوتی جب تک وہ مطمئن ہوتا' ویرا میرے ہاتھ سے نکل سکتی تھی۔

دوسری طرف اول خان بہت ہوشیار اور فراخدل آدمی تھا۔

اس نے میری کمزوریوں سے واقف ہونے کے باوجود کبھی ان جرائم کے حوالے سے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی جو ملکی قوانین کے تحت سنگین جرائم میں شمار کئے جاتے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے ایسے جرائم حالات کے ناقابلِ برداشت دباؤ کے تحت سرزد ہوئے تھے اور ان کے ارتکاب میں کسی ذاتی منفعت کے حصول سے زیادہ ملکی مفاد کے تحفظ کا جذبہ کارفرما تھا۔ اگر اس کا جانشین اس سے مختلف ذہنی ساخت کا مالک ہوتا تو ان ہی جرائم کی بنیاد پر مجھے نہ صرف خود رگید سکتا تھا بلکہ اس کے بعد پولیس کے حوالے بھی کرسکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس خیال کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔

یہ غنیمت تھا کہ اس بار ویرا کی تلاش کی مہم پر نکلنے سے پہلے میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کو ایک حد تک اعتماد میں لے لیا تھا۔ اسے غزالہ کے معاملے کی بھنک بھی نہیں ملنے دی تھی۔ لیکن یہ ضرور بتا دیا تھا کہ میں ویرا کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے شیر شاہ کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ میرا اکبر خان سے ہونے والی گفتگو سے اسے دور رکھ کر میں نے غزالہ کا معاملہ صیغۂ راز ہی میں رکھا تھا۔ اس کے نزدیک سارا معاملہ صرف اتنا تھا کہ ویرا خطرہ بھانپ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ لیکن ہم نے اس کے ایک اہم مہرے کو جہنم واصل کردیا تھا جبکہ دوسرا اپنی ہی غلطی کی وجہ سے آگ میں جل مرا تھا۔

لیکن درحقیقت بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ میں سلطان شاہ سے ایٹمی سازوسامان کی چھ سو ٹن وزنی اس کھیپ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا جو ایران سے پاکستان منتقل کی جانے والی تھی۔ میرے لئے جہاں غزالہ کی ذات اہم تھی وہیں یہ بھی ضروری ہوگیا تھا کہ ویرا کا تخریبی مشن کامیاب نہ ہوسکے۔

"تم نے بھی ساری رات جاگتے ہوئے گزاری ہے۔" اپنا ذہن بنالینے کے بعد میں نے مکاری اختیار کرتے ہوئے شیر شاہ سے کہا۔ "سلطان شاہ کی خیریت مل جانے کے بعد ویرا کی تلاش کی مہم رہ جاتی ہے جو کسی بھی وقت شروع کی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم جاکر آرام کرو' ضرورت ہوئی تو میں تمہیں طلب کرلوں گا۔ چیف سے بات ہو تو اسے اب تک کے حالات سے آگاہ کردینا۔"

"اور اگر اس نے یہ جاننا چاہا کہ ویرا ایران کی طرف کیوں فرار ہوئی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اول تو ہمیں اب تک یقین ہی نہیں ہوسکا کہ وہ یہیں ہے یا بھاگ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے آدمی نے مرنے سے پہلے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہو اور اگر وہ فرار ہو بھی گئی ہے تو چیف یہ احمقانہ سوال ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ سوال ہر اس منزل کے بارے میں کیا جاسکتا ہے جدھر ویرا گئی ہو۔ بالفرض یہ سوال کرہی لیا جائے تو میں یہی کہہ سکوں گا کہ اس نے اپنی منزل کے انتخاب میں مجھ سے کوئی مشورہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ مجھ سے بات کرتی تو میں ضرور اسے ہنالولو جانے کا مشورہ دیتا۔"

وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ کیونکہ میری وضاحت نے اسے لاجواب کردیا تھا۔

سینڈو کی موت بلکہ قتل کے بعد اسے مافیا میں ابھرنے کا نیا نیا موقع ملا تھا۔ مقامی مافیا میں چیف کے بعد میری دوسری پوزیشن تھی۔ اس لئے شیر شاہ میرے ساتھ رہ کر اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا وہ سنہری موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ شرف آباد والے فلیٹ کے احمقانہ واقعے اور پھر راضی روڈ پر تاجے کی بدترین ناکامی نے بھی اسے خفت سے دوچار کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے میرے ساتھ رکے رہنے پر خاصا اصرار کیا لیکن اس کی موجودگی میری سرگرمیوں سے میل نہیں کھاتی تھی۔ اس لئے میں نے سختی کے ساتھ اسے روانہ کرہی دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ کے ساتھ کھل کر تبادلۂ خیال شروع کردیا۔

ایران سے اہم ایٹمی آلات اور سازوسامان کی پاکستان منتقلی کے ذکر پر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کے لئے یہ بات تشویش ناک تھی کہ اس قدر اہم کارروائیوں کی خبریں دشمنوں تک کیسے پہنچ جاتی ہیں۔ وہ یہ بات بھول رہا تھا کہ پاکستان کے خلاف ایک سپرپاور کی پروردہ' شی میدان میں اتری ہوئی تھی جسے جدید ترین ایجادات اور سہولتوں تک رسائی حاصل تھی۔ سیٹلائٹ فون' چپ کے ذریعے نقل وحرکت کی نگرانی اور کارڈیو مانیٹرنگ یونٹ کی کارکردگی کی کہانیاں وہ خود سن چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کہوٹہ کے لئے درآمد کئے جانے والے سازوسامان کو کڑی دیکھ بھال کے بعد موقعے پر پہنچایا جاتا ہے کیونکہ ان میں ایسے خفیہ سینسر چھپائے جانے کے امکانات دن بہ دن قوی ہوتے جارہے تھے جو ہزاروں میل دور سے فائر کئے جانے والے میزائلوں کی رہنمائی کرسکیں اور ان تمام کارروائیوں میں شی کسی نہ کسی طرح اور کہیں نہ کہیں ضرور ملوث تھی۔

کافی دیر کی بحث کے بعد مجھے اس نکتے پر قائل ہونا پڑا کہ غزالہ کا تحفظ بے شک میرا ذاتی معاملہ تھا لیکن ایران اور پاکستان کے درمیان اہم ترین نوعیت کے سازوسامان کا تبادلہ ایک بہت بڑا قومی مسئلہ تھا۔ جسے اپنی ذات تک محدود رکھنا مجرمانہ غفلت کے مترادف تھا۔ وہ معاملہ فوری طور پر ملکی سلامتی کے ذمے داروں کے علم لایا جانا ضروری تھا تاکہ اس محاذ پر تمام تر ریاستی وسائل کو بروئے کار لاکر سازش کو ناکام بنایا جاسکتا۔

شی کے مقابلے میں' میں ہمیشہ انفرادی جنگ لڑتا رہا اور اسے بھاری نقصانات پہنچا کر کامیابی کے ساتھ اپنا دفاع کرتا رہا۔ البتہ اول خان سے ملاقات ہونے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ شی کی ناکامیوں کے تناسب میں بھی اضافہ ہوگیا جس میں ملا سرکار کی موت اور گھوڑا کریک کے واقعات سرفہرست تھے۔ اس اعتبار سے میرے سامنے اسپیشل ٹاسک فورس کے علاوہ کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جس کی مدد سے ویرا کے عزائم کو ناکام بنانے میں مدد مل سکتی۔

ان دنوں صوبے میں امن وامان کی صورتِ حال بہت زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔ سنگین جرائم میں پولیس کے محکمے کی کالی بھیڑوں کے ملوث ہونے کی خبریں آئے دن چلی آرہی تھیں۔ جن کی وجہ سے نیک نام پولیس افسران دل برداشتہ ہوکر بہت زیادہ جھلائے ہوئے تھے۔ ان قانونی اداروں کا اپنا طریقہ کار تھا۔ وہ لوگ گمنام ذرائع سے ملنے والی بڑی سے بڑی خبر کو نظرانداز کردینے کے لئے آزاد تھے۔ انہیں اعتماد میں لینے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں خود ان کے سامنے آتا اور جب اطلاع دہندہ سامنے آجائے تو وہ لوگ اس کی لائی ہوئی خبر سننے سے پہلے اس کا ماضی کرید کر اس کی اہلیت' ذمے داری اور حب الوطنی کے بارے میں اپنے اندازے قائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد کہیں خبر سننے اور اس پر کوئی کارروائی کرنے کی نوبت آتی۔ جبکہ میں ان کے ابتدائی معیار پر ہی پورا نہیں اترتا تھا۔ میرے جن جرائم کو اول خان نے نظرانداز کردیا تھا وہی میری نااہلی بلکہ گرفتاری تک کا جواز بن سکتے تھے۔

خاصی سوچ بچار کے بعد میں نے ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فون کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جو ویرا کے متروکہ مکان میں قائم تھا۔ اول خان اپنے تبادلے تک وہیں مامور تھا اور اس کے ماتحت عملے کے کچھ افراد بھی مجھ سے بخوبی واقف تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ ان ماتحت افراد ہی کے ذریعے اول خان کے جانشین سے غائبانہ تعارف حاصل کیا جائے تاکہ وہ میری باتوں پر فوری توجہ دے کر بھرپور کارروائی کا آغاز کرسکے۔

اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل تھا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ آپریٹر سے درخواست کرکے لائن اپنے کمرے ہی میں لے لی۔ اس کی آواز نیند کے خمار سے بوجھل ہورہی تھی اس لئے اس نے آسانی کے ساتھ میری درخواست قبول کرلی تاکہ دوبارہ خوابِ خرگوش کے مزے لے سکے۔

میرا اندازہ تھا کہ مجھے دوسری طرف سے جواب کے لئے کافی دیر تک انتظار کرنا ہوگا۔ لیکن ادھر سے دوسری ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ بولنے والے کی دبنگ آواز اور شائستہ لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کوئی تعلیم یافتہ اور سلجھا ہوا شخص تھا جو پوری رات گزر جانے کے باوجود' اتنی صبح فون سے لگا ہوا بیٹھا تھا۔

"میں مجید سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اول خان کے ایک ماتحت کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"مجید اس وقت گہری نیند سویا ہوا ہے۔ کوئی ضروری کام ہو تو اسے جگا دیا جائے۔" وہی بھاری آواز ابھری۔ "تم کون بول رہے ہو اور اتنی صبح مجید سے کیا کام ہے؟"

"میں اول خان کا ایک گہرا دوست ہوں۔ مجید مجھے جانتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا کوئی نہ کوئی نام بھی ہوگا؟" اس کی آواز سپاٹ اور طنز سے عاری تھی۔

"بہتر ہوتا کہ میری بات براہِ راست اسی سے ہوتی۔ اب تم مُصر ہو تو بتائے دیتا ہوں کہ میرا نام ڈینی ہے۔"

"ڈینی!" دوسری طرف سے اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "تم کہاں ہو؟ تم سے تو میں بھی ملنے کا متمنی ہوں۔ میرا نام ظفر ہے اور اول خان کی جگہ میرا ہی تقرر ہوا ہے۔"

اس کی حوصلہ افزا گفتگو سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں اس سے تعارف حاصل کرنے کے لئے معتبر حوالوں کی تلاش میں تھا جبکہ وہ خود ہی میری تلاش میں تھا۔

"میں اسی شہر میں ہوں اور تم ہی سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن تعارف نہ ہونے کی وجہ سے مجید کا سہارا لینا چاہ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب اس کی نیند خراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔"

"اگر تم جاگ ہی رہے ہو تو یہاں کیوں نہیں آجاتے گرما گرم کافی پیتے ہوئے باتیں کرنے میں بڑا لطف آئے گا۔"

"اس وقت جاگنا میری مجبوری ہے لیکن تم اپنے اسٹیشن کے سب سے سینئر افسر ہونے کے باوجود' اپنے ماتحتوں کو سلا کر خود کیوں جاگ رہے ہو؟ میرا اندازہ تھا کہ مجھے تم تک رسائی میں خاصی دشواری ہوگی۔"

ریسیور پر اس کا جاندار قہقہہ سنائی دیا۔ "اول خان کی رپورٹوں میں تمہاری بہت تعریف کی گئی ہے لیکن تم اتنے سمجھدار معلوم نہیں ہوتے۔ ارے بھائی' ہمارا ڈسپلن سویلین اداروں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ وہاں ماتحتوں پر سارا بوجھ رہتا ہے اور افسر عیش کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دیر سے آتے ہیں' جلدی چلے جاتے ہیں' دفتر میں دوستوں کی محفلیں سجاتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے ماتحتوں کے لئے ہر وقت مثالیں قائم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس وقت میں باہر سے آنے والی کچھ رپورٹوں کا انتظار کررہا ہوں کیونکہ رپورٹیں لینے کے بعد مجھے اگلی ہدایات بھی دینی ہیں۔"

"لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"دلیر اور محبِ وطن لوگوں سے مل کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ ویسے مجھے اس وقت ایک اہم معاملہ بھی درپیش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد کرسکو۔ اگر تم آسکتے ہو تو اب فون پر وقت ضائع نہ کرو۔ میرے پاس صرف دو لائنیں ہیں جن پر کسی بھی لمحے اہم پیغامات آنے کی توقع ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں آرہا ہوں۔ مگر میرا ایک دوست میرے ساتھ ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو شاید اس کا نام سلطان شاہ ہے؟" اس کی قیاس آرائی سنائی دی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور حاضر دماغ ہو۔" میں فون کا سلسلہ منقطع کرکے گھوما تو سلطان شاہ کے چہرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہارا ایس ٹی ایف سے پھر رابطہ استوار ہوگیا۔ اول خان کے چلے جانے کے بعد ہم بالکل بے آسرا اور یتیم ہوکر رہ گئے۔ اب ویرا ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔"

ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ اپنا حلیہ درست کیا اور ظفر سے ملنے کے لئے روانہ ہوگئے۔

اسٹیشن فور میں اول خان موجود نہیں تھا۔ لیکن اس مکان کے گیٹ پر پہنچنے کے بعد ہمیں اس کی کمی کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ محافظ انہی میں سے تھا جو ہمارے پرانے شناسا تھے۔ شاید ظفر اسے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا اس لئے جوں ہی میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے اور اس نے ہمیں پہچانا' آہنی گیٹ کھول دیا گیا اور میں بلا روک ٹوک کار اندر لیتا چلا گیا جہاں ایس ٹی ایف کی تین گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔

ہمارے کار سے اترتے ہی پہلے ایک صحت مند اور متوسط قامت شخص برآمدے میں آچکا تھا۔ اس نے نہایت تپاک کے ساتھ ہم دونوں کا استقبال کیا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس نے محض تحریری رپورٹوں کی بنیاد پر ہم دونوں کو فرداً فرداً پہچان کر ہمارے ناموں سے مخاطب کیا تھا۔

اول خان ہی کی طرح وہ بھی فراخ دل اور خوش اخلاق تھا۔ اس سے مل کر یہ احساس ہوا کہ ہماری بہت پرانی شناسائی ہو۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اسپیشل ٹاسک فورس جیسے مایہ ناز خفیہ ادارے کو اول خان کی ذات سے وابستہ سمجھ کر ہم نے ایک سنگین غلطی کی تھی۔ اچھے اور مستحکم اداروں کی خوبی ہی یہی ہوتی ہے کہ اعلیٰ ترین عہدوں تک بہترین افراد کے آنے جانے سے اداروں کے استحکام اور کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سارے کام طے شدہ ضابطوں کے مطابق اپنی نہج پر چلتے رہتے ہیں جبکہ ہمارے ملک میں اداروں کو بھول کر افراد کو ہیرو بنانے کی ریت چلی ہوئی ہے۔ جو جہاں ہوتا ہے خود کو ناگزیر بنائے رکھنے کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے حواری اور خوشامدی ڈھول پیٹ پیٹ کر اس کی ناگزیریت کے افسانوی قصے تراشتے ہیں لیکن جب وہ اچانک ہی چلا جاتا ہے تو یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اچھائیاں تو اب شروع ہوئی ہیں اس سے پہلے ہر طرف گول مال اور گھپلوں کی اندھیر نگری چل رہی تھی۔ ہم دونوں اسی نظام کے پروردہ تھے۔ اس لئے اول خان کے تبادلے یا سزایابی پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس کے جاتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی ڈھانچہ منہدم ہوگیا تھا اور ہمارے لئے وہاں کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوچکے ہوں گے لیکن وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ ایک فرد کے علاوہ وہاں کا مجموعی مزاج اور ماحول تک وہی تھا جو ہم پہلے دیکھ چکے تھے۔

اس کے دفتر میں دونوں فون قالین پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ صوفے پر دراز ہوگیا اور ہم نے بھی اس کے قریب ہی صوفوں پر نشستیں سنبھال لیں۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک شخص بھاپ اڑاتی کافی کی پیالیوں کے ساتھ دیگر لوازمات بھی لے آیا اور ہمارے سامنے میز پر چننے لگا۔

"بات صرف کافی کی ہوئی تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن تم نے بہت زیادہ تکلف کرلیا۔"

"تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہونے والا ہے۔ تم آگئے ہو تو تمہارے بہانے میں بھی ناشتا کرلوں گا ورنہ صبح ہونے تک خالی کافی ہی پر گزارہ ہوتا رہتا۔" اس نے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

کافی نوشی بلکہ ناشتے کے دوران میں وہ ماضی کے ان واقعات کا ذکر لے بیٹھا جن میں اول خان نے قابلِ رشک کارکردگی کا مظاہرہ کرکے ایس ٹی ایف کو سرخروئی دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

"لیکن اس کا تبادلہ عجیب وغریب انداز میں ہوا۔" ایک بار موقع ملتے ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا۔ "یہ محسوس ہوا جیسے اسے کسی بدعملی کے الزام میں سزا دی گئی ہو۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا پھر کہا۔ "اس نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا تھا۔ آپریشن گھوڑا کریک نے سفارتی حلقوں میں کھلبلی مچا رکھی ہے۔ پریس کو دانستہ اندھیرے میں رکھا جارہا ہے۔ اگر اول خان کو فوری طور پر یہاں سے نہ ہٹایا جاتا تو دشمن اس کی جان لینے میں کامیاب ہوجاتے۔ اسے تو ترقی کے ساتھ ہی بھاری نقد انعام دیا گیا ہے۔"

"یہ میرے لئے نئی خبر ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "اس کے یہاں سے تبادلے پر اس کی بیوی بہت پریشان تھی اور یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اسے آرام یا تیاری کا کوئی وقفہ دیئے بغیر اچانک باہر کیوں بھیج دیا گیا۔"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں سے جاتے ہوئے اول خان بھی اداس تھا لیکن نیا چارج لینے کے ساتھ ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ اس کی کتنی عزت افزائی کی گئی ہے۔ اس نے اپنی فیملی بھی اپنے پاس بلا لی ہے اور میں اس کے چھوڑے ہوئے معاملات میں سر کھپا رہا ہوں جن کا کوئی سرا نہیں ملتا۔"

"میرا خیال ہے کہ گھوڑا کریک اس کا آخری کیس تھا جسے وہ مکمل کرکے گیا ہے۔"

"غلام رسول کے اغوا کا معاملہ ابھی تک لاینحل ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے مجرموں کے کسی منظم گروہ نے پولیس کی تحویل سے آزاد کرایا ہے لیکن وہ کہاں ہے یہ کوئی نہیں جانتا نہ ہی اس کے اغوا کا کوئی مقصد سامنے آیا ہے۔ اب ہم بھی اس کیس پر کام کررہے ہیں مگر کامیابی کی امید نہیں ہے۔"

"اگر اگلے چند روز تک کراچی ایئرپورٹ کی کڑی نگرانی کی جائے تو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ادھر ادھر وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں تم بہت کچھ جانتے ہو۔" وہ صوفے میں پہلو بدل کر بولا۔

"صرف اتنا کہ وہ کراچی ہی میں رکھا گیا ہے اور کسی بھی وقت اسے ملک سے باہر بھیجنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس کا معاملہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ میری دانست میں اسے گرفتار کرکے عدالت میں لے جانے کے بجائے گولی ماردینا ہی بہتر رہے گا۔ وہ یک بیک بہت سے ناپسندیدہ لوگوں کا منظورِ نظر بن گیا ہے۔"

"بھارتی حکومت بھی درپردہ اس کی تلاش میں ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔ "وہ لوگ اسے سندھ میں بدامنی پھیلانے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ہاسرکار کی موت کا علم نہیں ہے۔ لیکن اس کی طویل [illegible] کی صفوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ انہیں ان پر کڑی نگاہ رکھنی پڑ رہی ہے۔"

"تو کیا آج کل انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں' اس وقت بھی میں ان ہی لوگوں کی رپورٹوں کا انتظار کررہا ہوں جو ان خبیثوں کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔" وہ بولا۔ "انہوں نے یہاں ضرورت سے زیادہ عملہ رکھا ہوا ہے جس میں جوان' خوبرو اور بے باک لڑکیوں کی بہتات ہے جو بارسوخ مقامیوں کو بہت آسانی کے ساتھ شیشے میں اتار لیتی ہیں۔ یہ فاضل عملہ دن رات لوگوں سے دوستیاں بنانے اور اپنا کام نکالنے میں لگا رہتا ہے۔"

"دوسری طرف ویرا بھی بھڑک اٹھی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "آپریشن گھوڑا کریک کی کامیابی میں اس نے بہت اہم اور قابلِ تعریف کردار ادا کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہی سے وہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی ہے۔ اس بار وہ ایران میں ایٹمی سازوسامان کی چھ سو ٹن وزنی ایک کھیپ کو تباہ کرنے کے درپے ہے جو ایران کی حکومت خیرسگالی کے طور پر پاکستان کو دینے کا فیصلہ کرچکی ہے۔"

"اوہ!" میرے انکشاف پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو ان لوگوں کو بلو کراس ڈیل کے بارے میں بھی علم ہوچکا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کتنے محاذوں پر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے!"

"میرا خیال ہے کہ محاذ ایک ہی ہے۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "شانتی کا پورا سفارتی عملہ' ہیری کیسنجر اور اس کا سفارت خانہ اور ویرا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ہماری سرزمین کے خلاف ان کے مفادات یکساں اور مشترک ہیں۔ وہ ایک جگہ مار کھاتے ہیں تو دوسری طرف پورا زور لگا دیتے ہیں۔"

"ویرا اب کہاں ہے اور کیا کررہی ہے؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو وہی جانتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سڑک کے راستے ایران کی طرف روانہ ہوچکی ہے۔"

"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"حالات!" میں نے کہا۔ اور پھر اسے ان واقعات کا خلاصہ سنانے لگا جو میر اکبر خان سے بازپرس کے بعد سے رونما ہوتے چلے آئے تھے۔ وہ حیرت سے منہ کھولے میری کہانی سن رہا تھا۔

"وہ کار ایئرپورٹ پر نہیں ملی اس لئے تم سمجھ رہے ہو کہ ویرا سڑک کے راستے ایران کی طرف روانہ ہوگئی ہوگی؟" میری کہانی ختم ہونے پر اس نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ کیونکہ ویرا کے بارے میں میرے پاس اور کوئی سراغ نہیں تھا۔

"تم مجھے اس کار کا میک' ماڈل' رنگ اور نمبر بتاؤ میں ابھی وائرلیس پر سارے یونٹوں کے لئے پیغام نشر کرادیتا ہوں۔ وہ راستہ بہت خراب ہے' اگر ویرا ادھر ہی سے گئی ہے تو دن چڑھنے سے پہلے کوئٹہ نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ راستے میں جہاں بھی ہوئی' وہیں دھرلی جائے گی۔ ہتھیاروں وغیرہ کی اسمگلنگ کے سدباب کے لئے اس روٹ پر ہمارے کئی یونٹ تعینات ہیں۔ وہ کہیں نہ کہیں سے گھیر لیں گے۔ بلو کراس ڈیل کا معاملہ ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے۔ ہمیں سب کچھ بھول بھال کر ویرا کو روکنا ہوگا۔ وہ کامیاب ہوگئی تو ہمیں شدید جھٹکا لگے گا۔"

"وہ تقریباً دس سال پرانی سیاہ فورڈ ہے۔" میں نے بتانا شروع کیا' مگر میری بات ادھوری رہ گئی۔

"پرانی سیاہ فورڈ!" اس نے اپنی ران پر زور سے ہاتھ مار کر مضطربانہ انداز میں دہرایا اور اضطراری طور پر صوفہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ "یہ اتنی اہم بات ہے اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔"

میں اسے حیرت سے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ تم نے پوچھا ہی کب تھا جو یوں بگڑ رہے ہو؟"

"نمبر...... مجھے نمبر بتاؤ اس کار کا!" وہ مجھے جھنجھوڑتے ہوئے بولا "ایسی ایک کار تو کل رات سے انڈین کاؤنسلیٹ میں گئی ہوئی ہے اور اب تک واپس نہیں لوٹی۔ وہ کار پہلی بار وہاں گئی ہے اس لئے مجھے تشویش تھی۔"

میں نے میر اکبر خان کا دیا ہوا نمبر دہرایا تو وہ مسرت سے اچھل پڑا۔ "یہ بالکل وہی کار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا ابھی ہماری دسترس میں ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ وہ وہاں سے نکل کر کیسے بچتی ہے۔"

"تمہارا یہ جوش اور جذبہ قابلِ رشک ہے مگر ایک امکان اور بھی ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"بولو' بولو! جو دل میں آرہا ہے وہ کہہ ڈالو۔ پتا نہیں تم اور کیا

کیا جانتے ہو۔"

"میری منگیتر کو اس نے یرغمال بنایا ہوا ہے اور اسے اپنے ساتھ لئے پھر رہی ہے۔ ایران کے سفر میں غزالہ اس کے لئے کئی دشواریاں کھڑی کر سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ویرا اسے انڈین کاؤنسلیٹ میں چھوڑنے کی نیت سے وہاں گئی ہو اور اس سے جان چھڑانے کے بعد کسی اور کار میں وہاں سے نکل گئی ہو۔"

میری بات سن کر ظفر کو شدید ذہنی جھٹکا لگا اور وہ فوراً ہی اپنی میز کی طرف بڑھ گیا۔ میرا نکتہ اپنی جگہ پر تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ میر اکبر خان کی کار کا سراغ ملنے سے مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ویرا اور غزالہ میں سے کوئی بھی وہاں ہوتی یا نہ ہوتی لیکن یہ امید ضرور بندھ چلی تھی کہ اس کاؤنسلیٹ پر محنت کر کے ان کا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا ہیری کیسنجر اور اس کے دفاتر سے ویرا کے گہرے مراسم تھے۔ لیکن گھوڑا کریک پر الحدید کے پکڑے جانے کے بعد ان مراسم میں یکلخت سرد مہری سرایت کر گئی تھی۔ لیکن بھارتی کاؤنسلیٹ سے ویرا کا کوئی رابطہ نہیں تھا یا کم از کم اس نے مجھے اپنے کسی رابطے کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ جن دنوں ملا سرکار کے لئے ہتھیاروں کی کھیپ کی فراہمی کا معاملہ نیا نیا اٹھا تھا تو ویرا نے اسلام آباد میں واقع بھارتی سفارت خانے کے ایک افسر کا ذکر ضرور کیا تھا جس کا نام کرنل

میش پال تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی ضمانت پر "شی" ملا سرکار کو لاکھوں ڈالر کے ہتھیار دینے پر آمادہ تھی۔

لیکن میش پال کو سلطان شاہ نے اسلام آباد سے اغوا کر لیا تھا اور آخر کار وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ویرا ہمیشہ یہی ظاہر کرتی رہی تھی کہ بھارتی سفارت خانے یا کاؤنسلیٹ میں اس کا کوئی شناسا نہیں تھا۔ لیکن وہ غزالہ کے ساتھ جس بے دھڑک انداز میں کاؤنسلیٹ پہنچی تھی اس سے پتا چلتا تھا کہ اس نے وہاں درپردہ اپنے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ لیکن کسی برے وقت کی پیش بینی میں اس نے وہ راز مجھ سے چھپایا ہوا تھا۔

"اس کار کے اندر جانے کے بعد اس عمارت سے دو گاڑیاں روانہ ہوئی ہیں' ایک میں ڈرائیور کے ساتھ عملے کے تین ارکان تھے' دوسری گاڑی میں تین مرد تھے اور ایک ہندوستانی عورت۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا یا غزالہ میں سے کوئی بھی واپس نہیں گیا۔" ظفر نے میز پر پڑے ہوئے ایک کاغذ کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں آگاہ کیا۔

"اگر تمہیں اتنی تفصیلی اطلاعات ملتی رہی ہیں تو یہ بھی بتایا گیا ہو گا کہ کاؤنسلیٹ میں داخل ہوتے وقت سیاہ فورڈ میں کتنے لوگ سوار تھے۔" میں نے تحسین آمیز انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"میری اطلاعات تمہارے بیان کی تائید کرتی ہیں۔ ایک خوبرو' سفید فام عورت کار چلا رہی تھی۔ اس کے برابر میں ایک نوجوان مقامی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔" اس نے آگاہ کیا اور فوراً ہی فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فون پر اس نے کسی کو ہدایت دی کہ ٹرانسیٹر پر زیبرا فور اور جے سی ون کو بتا دیا جائے کہ سیاہ فورڈ بہت اہم ہے۔ کار یا اس کے مسافروں کے نظر آتے ہی اسے باخبر کیا جائے۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟" اس کے قدرے نارمل ہو جانے کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ بات تو طے ہے کہ ویرا یہاں سے نکل کر ایران کی طرف نہیں جا سکے گی۔" ظفر نے مضبوط اور پرعزم لہجے میں کہا "البتہ غزالہ کی رہائی کا معاملہ ذرا نازک نظر آتا ہے۔"

"میر اکبر خان پراسرار حالات میں مر چکا ہے۔ اس کی بغیر سر کی لاش جل چکی ہے۔ اس کا گھریلو ملازم بھی جل کر مر گیا ہے اور اس کی کار بھارتی کاؤنسلیٹ میں موجود ہے۔ کیا اس بنیاد پر اپنے خصوصی اختیارات کے تحت وہاں کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سنجیدگی سے کہا۔

وہ دھیمے سے ہنس دیا۔ "تم بھول رہے ہو کہ ہم کوئی سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ اس سے ہمارے کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ ہم جس کی لاٹھی' اس کی بھینس کے اصول پر عمل کرتے ہیں اور اپنے

حریفوں کو پوری طاقت سے کچل کر غائب ہو جاتے ہیں۔ وار اوچھا پڑے تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جو کچھ تم نے تجویز کیا ہے اس پر پولیس عمل کر سکتی ہے لیکن سفارتی معاملات میں بہت سی پیچیدگیاں ہوتی ہیں انہیں دور کئے بغیر ضابطے کی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت تک وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"نامعلوم افراد پر مشتمل کوئی مسلح گروہ وہاں حملہ آور ہو کر اپنا کام دکھا سکتا ہے۔" سلطان شاہ کا ذہن بھی اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس کی تجویز قابلِ عمل بھی نظر آتی تھی۔

"سفارتی عمارات کا تحفظ' میزبان حکومت کی پوری ذمے داری ہوتی ہے۔ وہاں کوئی حملہ ہوا تو نہ صرف ہماری حکومت کی بدنامی ہو گی بلکہ اس واقعے سے زبردست سیاسی اسکینڈل کھڑا ہو جائے گا۔ دوسری طرف ہم اس عمارت کی ساخت سے ناواقف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی گوریلا کارروائی کی افراتفری میں غزالہ ہی ہماری یا کسی اور کی گولیوں کا نشانہ بن جائے۔ اور اسے اٹھالانے کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے۔" ظفر نے اس تجویز کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "بہترین صورت یہی ہو گی کہ صبر اور خاموشی کے ساتھ ان کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ویرا زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکے گی۔ اگر اسے بلوکراس زیل تباہ کرنے پر مامور کیا گیا ہے تو اسے بہت جلد اور بہت تیزی کے ساتھ حرکت

میں آنا ہو گا۔"

وہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ظفر سے ملاقات ہوتے ہی میری خاصی الجھنیں دور ہو گئی تھیں اور میں سڑک کے راستے کوئٹہ کی طرف دوڑ لگانے کا ارادہ ترک کر کے بھارتی کاؤنسلیٹ پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جہاں پورے وثوق کے ساتھ غزالہ کی موجودگی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری عاجلانہ اور جذباتی تجویز کے مقابلے میں ظفر کی رائے صائب اور قابلِ عمل تھی۔

ایک نکتے پر متفق ہونے کے بعد ہم نے ویرا کو گھیر کر' غزالہ کو نکالنے کے منصوبے کے عملی پہلوؤں پر جوش و خروش سے تبادلۂ خیال شروع کر دیا۔

پھر اچانک ہی فون کی تیز گھنٹی نے ہم تینوں کو بری طرح چونکا دیا۔ پہلی گھنٹی بند ہونے سے پہلے ہی اس کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ کیونکہ ظفر نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا تھا۔

وہ خاموشی سے دوسری طرف کی رپورٹ لے رہا تھا اور اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

وہ فوجی تھا' نہ نیم فوجی لیکن آدمی بہت کھرا تھا۔ اس کا گفتگو کرنے کا انداز بھی' ادل خان کی طرح دل کو موہ لینے والا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے ساتھ چند ہی لمحوں کی رفاقت کے بعد کم از کم مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں سے میرا دوست اور شناسا رہا ہو۔ اس کے بارے میں سلطان شاہ کے دلی جذبات ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں تھا لیکن اس کے انداز سے بھی یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ظفر سے مانوس ہو چکا تھا۔

ظفر کئی منٹ تک ریسیور کان سے لگائے' دوسری طرف کی گفتگو سنتا رہا۔ اس دوران اس نے اختصار کے ساتھ ہوں ہاں کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہا اور پھر خاموشی کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے' آنکھوں میں فکر و تشویش کے سائے لہرا رہے تھے اور چہرے پر سختی کی علامات نمایاں تھیں۔ اس فون کال پر ظفر کا تردد آمیز ردِ عمل دیکھتے ہوئے میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے خود ہی بولنے کے انتظار میں' وقت گزاری کے لئے ماچس کی تیلیوں سے کھیلنے لگا۔

"تمہارے آتے ہی واقعات میں تیزی پیدا ہو گئی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ظفر نے اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبیث میری اور تمہاری ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے ورنہ اتنی صبح حرکت میں آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

میں خاموشی کے ساتھ کچھ دیر تک اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ کسی زخم خوردہ شیر کی طرح خاموشی اور تیزی کے ساتھ کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے دفتر میں ہماری موجودگی کو یکسر فراموش کر بیٹھا ہو۔

آخر کار مجھے اس کو ٹوکنا پڑ گیا۔ "میں سمجھ نہیں سکا' کون لوگ حرکت میں آ گئے ہیں؟"

وہ چونک کر میری طرف گھوما اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اسی کاؤنسلیٹ کے عملے کا ذکر ہے جہاں ویرا گھسی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ایک ڈرائیور سیاہ فورڈ لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ اس کے پیچھے عمارت سے ایک اسکوٹر سوار روانہ ہوا تھا' جس کا چہرہ ہیلمٹ میں پوشیدہ تھا۔ میرے آدمیوں نے دونوں کا تعاقب کیا تو وہ لوگ میٹرو پول اور پرل کانٹی نینٹل سے ہو کر پولو گراؤنڈ کی طرف چلے گئے اور سیاہ فورڈ میدان کے کنارے چھوڑ کر' دونوں آدمی اسی اسکوٹر پر واپس کاؤنسلیٹ کی طرف چلے گئے۔ میرا ایک آدمی فورڈ کے پاس رک گیا۔ دوسرا اسکوٹر کا پیچھا کرتا رہا جب کہ تین افراد پیشہ ور اور نشہ باز بھکاریوں کے روپ میں کاؤنسلیٹ کے آس پاس کی فٹ پاتھوں پر جمے ہوئے تھے۔ میرے آدمی نے میدان صاف ہونے پر سیاہ فورڈ کی تلاشی لینے کی کوشش کی تو ایک دھماکے کے ساتھ کار کی ڈکی میں آگ لگ گئی جس نے پٹرول کی ٹنکی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا دیکھتے ہی دیکھتے وہ کار آگ کی نذر ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ویرا کو میر اکبر خان اور اس کے مکان کے انجام کا علم ہو گیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کے بعد ہی ان لوگوں نے سیاہ فورڈ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی کیونکہ اس کی وجہ سے ان کا اور میر اکبر خان کا تعلق ثابت ہو سکتا تھا۔"

"ویرا کے گٹھ جوڑ سے وہ لوگ کوئی بڑا ہی کھیل کھیلنے کے چکر میں نظر آ رہے ہیں۔ ان کی ریشہ دوانیوں کا سدِباب کرنے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔"

اس معاملے میں ظفر کی فکر مندی بالکل بجا تھی۔ وہ کوئی سرکاری اہل کار نہیں تھا۔ قانونی طور پر اس کی بھی وہی پوزیشن تھی جو میری تھی۔ اگر قانون سے ماورا کسی کارروائی کے دوران میں وہ خود یا اس کا کوئی ماتحت گرفت میں آ جاتا تو اس کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جاتا جو عام قانون شکنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستگی کا وہ اظہار کر سکتا تھا اور نہ اس بنا پر کسی قانونی رعایت کا حقدار بن سکتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ ایس ٹی ایف کی درپردہ سرپرستی کرنے والے بارسوخ افراد نادیدہ ڈوریاں ہلا کر مقدمہ کمزور کرا دیتے اور ان لوگوں کو قانون کے چنگل سے نجات مل جاتی لیکن اس کمزور قانونی پوزیشن کے باوجود ظفر کی ذہنی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ ملک کے خلاف ہونے والی

کسی بھی سازش پر مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے نزدیک ویرا اور انڈین کاؤنسلیٹ کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔

لیکن میرا خیال ظفر سے مختلف تھا۔ میری دانست میں اس وقت اصل اہمیت صرف ویرا کی تھی۔ انڈین کاؤنسلیٹ سے اس کے پرانے مراسم جیسے بھی رہے ہوں لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو ملا سرکار جیسے اہم سیکرٹ ایجنٹ کی موت کی خبر نہیں پہنچائی تھی۔ دوسری طرف ہیری کیسنجر کے دفتر کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ لوگ ملا سرکار کی موت کے سب سے بڑے گواہ تھے لیکن اعتماد شکنی کے بھارتی الزام سے بچنے کے لئے انہوں نے ملا سرکار کے بارے میں چپ سادھ رکھی تھی جس کے نتیجے میں بھارتی سیکرٹ سروس اور اس کے سفارتی کارندے پوری تندہی کے ساتھ ملا سرکار کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

میری طرف سے مایوس اور دل برداشتہ ہونے کے بعد ویرا' ہیری کیسنجر کی طرف نہیں گئی تو اس کے اسباب بہت واضح تھے۔ وہ لوگ سیاسی' مالی اور معلوماتی اعتبار سے بہت مضبوط تھے۔ ان کا خفیہ سراغرسانی کا نظام جدید ترین اور ناقابل شکست تھا' اس لئے وہ ویرا پر بالادستی قائم کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ ویرا ایک بار وہاں جا کر بہت بری طرح پھنس چلی تھی۔ اسے اہم مہمان قرار دے کر' مسلح پہرے میں عملاً قیدی بنا لیا گیا تھا اور اگر ہیری کیسنجر نے اسے گھوڑا کریک بھیجنے کی حماقت نہ کی ہوتی تو ویرا کے لئے ان لوگوں کی قید سے نکلنا محال ہو جاتا۔ الحدید سے آنے والے ہتھیاروں کے پکڑے جانے کی ساری ذمہ داری ویرا پر ڈال کر جی لائیڈ سے شکایت کی جاتی اور ویرا کا مستقبل بے یقینی کا شکار ہو جاتا۔ یہ اور بات تھی کہ گھوڑا کریک سے میرے ساتھ نکل آنے کے بعد اس نے فون پر نہایت چالاکی و مکاری کے ساتھ ہیری کیسنجر کو خوفزدہ کر کے زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتی ہو گی کہ وہ دوبارہ ہیری کیسنجر کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے بے قابو کر کے اپنے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے سے نہیں چوکے گا۔

مجھ سے دوبارہ جدا ہو کر اس نے غزالہ کو ایک بار اغوا کرا لیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کو بلو کراس ڈیل تباہ کرنے کا مشن سونپا گیا تھا جس کے لئے ویرا کو ایران کے اجنبی ماحول میں کام کرنا تھا۔ اس لئے اس مرحلہ پر غزالہ اس کے گلے کی چھچھوندر بن گئی۔

اس نے دوستی کی آڑ اور اعتماد میں غزالہ کو اغوا تو کرا لیا تھا لیکن غزالہ سے یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہو گی کہ وہ ویرا کی قیدی بن چکی تھی۔ اگر ویرا اسے اپنے ساتھ ایران لے جانے کی حماقت کرتی تو غزالہ پہلا موقع ملتے ہی اس کی عیاریوں کا بھانڈا پھوڑ کر اسے پکڑوا سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ غزالہ' ویرا کی نجی قید میں تھی۔ اس پارٹی کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا' اس لئے ویرا چاہ رہی ہو گی کہ غزالہ کو کراچی ہی میں کسی کی تحویل میں دے کر خود ایران کی طرف نکل جائے اور وہاں اپنا مشن پورا کرنے کے بعد دوبارہ غزالہ کو اپنے قبضے میں لے لے۔

اس مقصد کے لئے ہیری کیسنجر یا اس کے سفارتی کارندے تو ویرا کے لئے شجرِ ممنوعہ بنے ہوئے تھے۔ میر اکبر خان کی ساری قوت اس کے اکلوتے ملازم تک محدود تھی جسے ویرا نے غزالہ کی قید کے لئے ناکافی تصور کیا ہو گا۔ ان حالات میں لے دے کر انڈین کاؤنسلیٹ ہی رہ جاتا تھا جہاں ویرا کی پذیرائی کی جا سکتی تھی۔ ماضی کے خفیہ یا کمزور مراسم کو تقویت دینے کے لئے اس نے ان لوگوں کو ملا سرکار کی دردناک موت سے بھی آگاہ کر دیا ہو گا۔ وہ ایک ترقی پذیر ملک کے سفارت کار تھے جنہیں ویرا آسانی کے ساتھ شیشے میں اتار سکتی تھی۔ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں اس کی کامیابی کے ثبوت سامنے آ چکے تھے۔ ان لوگوں نے ویرا کو غزالہ سمیت قبول کر لیا تھا اور آخری خبریں آنے تک وہ دونوں اسی سفارتی عمارت میں مقیم تھیں۔ ان دونوں کے باہر نکلے بغیر ویرا کو میر اکبر خان کے گھر پر آگ لگنے کا علم ہو چکا تھا اور وہ معلومات یقینی طور پر کاؤنسلیٹ کے کسی ملازم ہی نے فراہم کی تھیں جس کے جواب میں ویرا نے میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ سے نجات حاصل کرنے کے لئے آتش زنی کا ہی سہارا لیا تھا۔ کار کو جلانے سے اسے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ اول یہ کہ پولیس کی تفتیش غلط راہ پر جا سکتی تھی۔ مکان اور کار کو یکساں طور پر نذرِ آتش کئے جانے کو کسی ایک ہی دشمن کی کارروائی قرار دینا بہت سہل ہوتا۔ دوسری طرف جلی ہوئی کار میں سے ویرا وغیرہ کے نشاناتِ انگشت تلاش نہیں کئے جا سکتے تھے۔

خاصی دیر کی بحث و تکرار کے بعد ظفر کو میرے اندازوں سے اتفاق کرنا پڑا لیکن وہ ویرا اور ہیری کیسنجر کے درمیان کشیدگی کا نظریہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

ہیری کیسنجر نے میری آواز ویرا کے ایک دوست کے طور پر سنی ہوئی تھی لیکن وہ میرے نام سے لاعلم تھا۔ اس لئے میں نے اسی وقت اسے نیند سے بیدار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چوتھی گھنٹی بجنے پر مجھے دوسری جانب سے ہیری کیسنجر کی نیند سے بوجھل آواز سنائی دی۔

"مجھے تمہاری نیند خراب کرنے پر افسوس ہے۔" میں نے بھاری اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن ایسا کرنا ناگزیر تھا کیونکہ ویرا صبح سات بجے تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

ویرا کا نام سنتے ہی اس کی نیند کافور ہو گئی کیونکہ اس بار اس کی آواز صاف اور واضح ہو گئی تھی۔ "ویرا؟ مگر تم کون بول رہے ہو؟ کیا میں کسی ویرا کو جانتا ہوں؟"

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو!" میں نے سخت آواز میں کہا۔ "ویرا ابھی میری موجودگی میں تم سے فون پر بات کرتی رہی ہے۔ میری آواز بھی تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ اب بھی تمہارے حافظے نے کام کرنا چھوڑا ہوا ہے۔ تو تمہیں وہ گفتگو ضرور یاد ہو گی جو ویرا نے ٹیپ کر لی تھی۔"

"خاموش رہو!" اس کی اضطراری آواز ابھری۔ "احمقانہ باتوں کی ضرورت نہیں' یہ بتاؤ وہ مجھ سے کب اور کہاں ملنا چاہتی ہے؟ میں تو اس کے بارے میں یہ رپورٹ دیتا رہا ہوں کہ ہم اچانک اس کا سراغ کھو بیٹھے ہیں۔ اس طرح ملنا ہم دونوں کے حق میں نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مجھ سے دور رہنا خود اس کے مفاد میں ہے۔ ایسی ہی کوئی ضروری بات تھی تو تمہارے بجائے وہ خود مجھ سے فون پر بات کر سکتی تھی۔ ملاقات کا مقام طے کرنے کے بجائے تم میرا پیغام اس تک پہنچا سکتے ہو؟"

"میں حکم کا بندہ ہوں مسٹر کیسنجر!" میں نے ظفر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا "ویرا نے حکم دیا تو اس کا پیغام تم تک پہنچا دیا' اب تم جو کہو گے وہ اسے سنا دوں گا۔ مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔ اس وقت میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر اس سے کہو مجھ سے فون پر بات کرے۔ یہ صرف میری نوکری ہی کا نہیں بلکہ میری اور اس کی زندگی کا بھی معاملہ ہے۔ اوپر والوں کی نظروں میں ویرا کی پوزیشن بہت مشکوک ہو چکی ہے۔ خود اس کا باپ بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا کیونکہ میں اپنے مطلب کی بات معلوم کر چکا تھا۔

"ویسے وہ آجکل کہاں ہوتی ہے؟" اس نے جلدی سے پوچھا تھا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ میں اپنی بات پوری کرتے ہی فون کا سلسلہ منقطع نہ کر دوں۔

اس کے سوال پر معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کو بوکھلانے کے لئے کیوں نہ ہیری کیسنجر کو اس سے بھڑا دوں۔ پھر میں نے پل بھر میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں تم سے سمجھوتا ہو جانے کے بعد رازداری کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ کل وہ کہاں ہو گی' اس بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ میں آرام کر رہی ہے۔ چاہو تو تم خود ہی اسے فون کر لو۔"

"اوہ!" ایک بار پھر اس کی اضطراری آواز سنائی دی۔ "یہ شری مان سنگھ بھی پکا بلاڈی باسٹرڈ ہے۔ ہر وقت فون کر کے بلیک کیٹ ٹی اور اگلے پلان کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے لیکن اس نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ ویرا اس کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے۔"

میں نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "زبان سنبھال کر بات کرو! یہ نہ بھولو کہ میں اس کا خیرخواہ ہوں۔ شاید میں نے اس کا پتا بتا کر غلطی کی ہے کیونکہ تمہارے لب و لہجے سے عناد کی بو آ رہی ہے۔ شری مان سنگھ کی آڑ لے کر تم نے ویرا کی مزید کوئی توہین کی تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" وہ فوراً ہی سنبھل کر مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "یہ سارے ہی انڈین ڈپلومیٹ' مکار' سازشی اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ شری مان کل دیر تک ہماری کاک ٹیل پارٹی میں پیتا پلاتا رہا لیکن اس نے بہک کر بھی ویرا کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں اس مردود سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ وہ صبح اپنے گھر سے ناشتا لینے کے لئے بیکری جاتا ہے۔ میں آج ہی اپنے آدمیوں سے اس کی مرمت کروا ڈالوں گا۔ اس معاملے کا ویرا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شری مان نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"میں ان جھمیلوں میں نہیں پڑتا۔" میں نے بےزاری کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ظفر اس دوران آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے گھورے جا رہا تھا۔ میرے فارغ ہوتے ہی وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

"یہ تم نے کیا کیا کہ اسے ویرا کی کمین گاہ کا پتا بتا دیا۔ اب وہاں کسی بھی لمحہ' کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم ان امریکنوں کی خودغرضی سے بے خبر ہو۔ کوئی بڑا مفاد سامنے آ جائے تو یہ دشمن کے ساتھ اپنوں کو بھی بے رحمی کے ساتھ پیس ڈالتے ہیں۔ اب کوئی گڑبڑ ہوئی تو اس کی ذمے داری تم پر ہو گی۔"

"تم نے یکطرفہ گفتگو سنی ہے اس لئے بگڑ رہے ہو۔" میں نے تحمل کے ساتھ کہا۔ "پوری بات سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ویرا نے امریکنوں سے لاتعلقی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"اچھی بات ہے کہ تمہارا ایک اندازہ درست ثابت ہو گیا' اب دوسری بات بتاؤ۔"

اس کے تیور خراب تھے' چہرے پر بھی برہمی کے آثار تھے لیکن اس کے ایک ایک لفظ اور انداز میں کوٹ کوٹ کر اپنائیت بھری ہوئی تھی اس لئے میں نے برا مانے بغیر بات شروع کر دی۔

دو طرفہ گفتگو کا خلاصہ سن کر ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری ایک سرسری سی فون کال کے نتائج اتنے سنسنی خیز اور حیرت ناک ثابت ہوں گے۔

"مجھے اچانک ہی ان دونوں کو لڑا دینے کا خیال آیا تھا۔ اب وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون چوسنے کی فکر میں لگے رہیں گے اور ہم چین سے بیٹھ کر ان کا تماشا دیکھیں گے۔" میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک قہقہہ کے ساتھ کہا۔

"ہیری کیسنجر نے شری مان سنگھ کے معمولات کے بارے میں جو کچھ کہا وہ سو فیصد درست ہے۔" ظفر نے میرے قہقہے کا اثر لئے بغیر فکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ کہا "وہ ڈیفنس اتھارٹی کے فلیٹوں میں رہتا ہے اور روز صبح سات بجے اپنا ناشتا لینے ڈیفنس مارکیٹ آتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ لوگ آپس میں گہری دوستیاں رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے معاملات کی اتنی کڑی نگرانی کراتے ہیں۔"

"دشمنوں کے ساتھ ساتھ دوستوں کے سیاہ کرتوتوں کا ریکارڈ رکھنے کا رواج بھی امریکا ہی نے دنیا کو سکھایا ہے تاکہ سنگین اختلافِ رائے کی صورت میں دوستوں کو بھی بلیک میل کیا جا سکے۔" میں نے کہا "اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہیری کینسنجر کا امریکی نظر آتا ہے۔"

"لیکن اس وقت تم نے سنگین غلطی کی ہے۔ یہ وقت بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے لئے سازگار نہیں تھا۔ اگر ہیری اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر تل گیا تو ہمارے لئے دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"ہیری اور شری مان کے جھگڑے میں ہمارا کیا بگڑے گا؟" ظفر کی تاویل میرے لئے ناقابلِ فہم تھی۔

اس کی تفکر آمیز نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ "تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہیری کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ خود شری مان سنگھ کی ٹھکائی نہیں کرے گا۔ یہ کام کرائے کے مقامی غنڈوں کو سونپا جائے گا۔" وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا پھر گہرا سانس لے کر بولا۔ "بھارتی حکومت اس واقعہ کی ساری ذمے داری ہماری حکومت پر ڈال کر عالمی سطح پر واویلا مچائے گی اور سستی انتقامی کارروائی کے طور پر بھارت میں ہمارے کسی سفارت کار کے ساتھ سرکاری غنڈے کوئی بڑی زیادتی کرسکتے ہیں۔"

اس کی بات میری سمجھ میں آنے لگی۔ میں نے رائے دی۔ "ہمیں ہیری کے عزائم کا پیشگی علم ہو چکا ہے۔ ہم شری مان کی نگرانی کر کے ان غنڈوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکتے ہیں۔ اس طرح ہیری خود ہی بے نقاب ہو جائے گا۔ بلکہ یہی راستہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح بھارتی اور امریکی سفارتکاروں میں غلط فہمیاں پھیل جائیں گی جن کے نتیجے میں ان کا گٹھ جوڑ ٹوٹ سکتا ہے۔"

ظفر کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کاش یہ سب اسی قدر آسان ہوتا! ہم ایسے کئی واقعات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم ان کی پیچیدگیوں سے لاعلم ہو۔ ایسے واقعات میں اصل مجرم کبھی سامنے نہیں آتا۔ تشدد اور مار پیٹ کے نتیجے میں وہ غنڈے کسی اور مقامی کی نشاندہی کریں گے اور دو تین ناموں کے بعد یہ سلسلہ کسی ایسے مقامی بدمعاش پر جاکر ختم ہو جائے گا جسے کسی نے فون پر اس کام کے لئے تیار کیا ہو گا۔ فون پر کام اور معاوضہ طے ہو جانے کے بعد اسے کسی مقررہ مقام پر معاوضے کا لفافہ رکھا ہوا ملا ہو گا اور اس نے اپنا کمیشن رکھ کر وہ کام کسی اور کو سونپ دیا ہو گا۔ ہیری کینسنجر جیسے گھاگ ایجنٹ کچے کاموں میں کبھی ہاتھ نہیں ڈالتے۔ غنڈوں کو پکڑ کر بھی اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں کیا جاسکے گا۔ تم نے میرے لئے ایک نیا کام پیدا کر دیا ہے۔ اب دو چار آدمی شری مان سنگھ کی حفاظت پر بھی مامور کرنے پڑیں گے۔ اس کو اپنی نگرانی کا شبہ ہو گیا تو نیکی برباد گناہ لازم والی مثل صادق آئے گی۔ وہ شور مچا دے گا کہ کچھ مسلح اور مشتبہ آدمی سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔"

اس کی باتوں میں بہت وزن تھا۔ ہیری کو بھڑکاتے ہوئے میں نے ان باریکیوں کا تصور تک نہیں کیا تھا لیکن وہ تیر میری کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس لانا محال تھا۔

"اس نے جس طرح کل کی کاک ٹیل پارٹی کا ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ویرا کی نقل و حرکت کے بارے میں لاعلم ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ ویرا کل سے انڈیا کاؤنسلیٹ میں ہے جبکہ وہ پچھلی رات ہی وہاں پہنچی ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ظفر نے آہستگی سے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ ڈپی نے سوچے سمجھے انداز میں ہیری کے دل میں شری مان سنگھ کے لئے شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ اور اب ہمیں شری مان سنگھ کی حفاظت کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ ہمارے ملکوں کے تعلقات ایسی سطح پر چل رہے ہیں کہ مان سنگھ کو کوئی کتا بھی کاٹ لے تو شور مچا دیا جائے گا کہ پاکستانی حکومت نے بھارتی سفارت کار پر کتے چھوڑ دیے۔ ایسی ناسازگار فضا میں ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"کیوں نہ مان سنگھ کو فون کر کے ہوشیار کر دیا جائے تاکہ وہ اگلے دو چار روز کے لئے اپنے معمولات تبدیل کر لے۔ گمنام فون کال کے ذریعے یہ کام بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ اپنی حرکت کے پیچیدہ مضمرات سامنے آنے پر میں دل ہی دل میں نادم ہوا جا رہا تھا۔

"ہونے کو بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب دونوں طرف کشیدگی کی فضا نہ پائی جاتی ہو۔ موجودہ حالت میں گمنام فون کالز کو بھی غلط معنی پہنا دیے جائیں گے۔ یہ تک کہا جا سکتا ہے کہ کسی سرکاری ایجنسی نے مان سنگھ کی تذلیل اور تحقیر کا پروگرام بنایا ہو گا مگر اس ایجنسی میں موجود کسی ڈرپوک ہمدرد نے خود سامنے آئے بغیر مان سنگھ کو ہوشیار کر دیا۔ اس طرح وہ پٹے بغیر ہمیں بدنام کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے....."

"تو اب تم بھی اسے پٹوانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جب ہر طرح سے بدنامی اپنے سر آنے کا خطرہ ہے تو گناہِ بے لذت کیوں کیا جائے؟ ویسے بھی محض شبے کی بنا پر راہ چلتے لوگوں کو نہیں پکڑا جا سکتا۔ ہیری کے آدمی جب شری مان سنگھ کی مرمت کریں گے تو ان پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا تاکہ اس کی زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہ ہو سکے۔"

"جب تمہیں کوئی اختیار ہی حاصل نہیں ہے تو تم ان لوگوں کو کیسے پکڑ سکو گے؟"

"فسادی اور شرپسند افراد کو ہر امن پرور شہری پکڑ سکتا ہے۔" ظفر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم کراچی میں ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہاں آج کل بیشتر پولیس والے ملزموں کو چھوڑ کر دخل در معقولات کرنے والے امن پرور شہریوں کو جوتے لگاتے ہیں۔ ان کی دانست میں شر کو روکنا صرف ان ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی امن و امان قائم رکھنے کی ذمے داری سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے وہ سرکاری کام میں مداخلتِ بے جا کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے....."

"تم بلاوجہ میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔" وہ جھلاہٹ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "جو کچھ تم کہنا چاہ رہے ہو وہ میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ شری مان سنگھ کی حفاظت پر میرے آدمی مامور نہیں کئے جائیں گے۔ البتہ ہم کسی متعلقہ ایجنسی کو اس طرف متوجہ کر دیں گے۔"

اس نے فوری طور پر فون اٹھا لیا اور سلسلہ مل جانے پر کسی نامانوس زبان میں بولنا شروع کر دیا۔

"تمہاری کھوپڑی ہر وقت کوئی نہ کوئی گل کھلاتی رہتی ہے۔" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "آخر تمہیں ان دونوں کو لڑانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بکواس مت کرو!" میں اس پر آنکھیں نکال کر دھیمی آواز میں غرایا۔ "یہ سب باتیں تمہاری عقل سے بالا ہیں۔ اپنی زبان بند رکھو اور بدلتے ہوئے حالات پر غور کرتے رہو۔"

میری پُراعتماد پھٹکار نے اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

ظفر فون پر اپنی پُراسرار گفتگو میں مصروف تھا کہ اچانک دوسرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ شاید ظفر کی خاصی گفتگو باقی تھی کیونکہ دوسری بار گھنٹی بجتے ہی اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں ریسیور اٹھا کر وہ کال سن لوں۔ میں نے تجسس آمیز انداز میں ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔

"اوٹی گرین لگون!" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں ہیجان آمیز آواز آئی اور میں چونک پڑا۔ میرے لئے وہ الفاظ مہمل نہیں تھے تو قابلِ فہم بھی نہیں تھے۔

"ہولڈ کرو، کمانڈر دوسرے فون پر مصروف ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کیا بکتا ہے؟ تم کدھر سے بول رہا ہے؟" میری ہدایت سن کر دوسری طرف والے کا پارہ یک بیک چڑھ گیا۔

"اسٹیشن فور سے.... تم ذرا صبر سے کام لو!" میں نے اس کے اضطراب کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں کمانڈر کا مہمان ہوں۔ اس نے مجھے فون اٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔"

"سوری مہمان!" اس کی معذرت خواہانہ آواز سنائی دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی جیتا جاگتا انسان کسی بت سے [illegible] کے بعد اس سے معذرت کرنی شروع کر دے۔

ظفر فون پر اپنی بات تیزی سے نمٹا رہا تھا لیکن اس کے کان میری طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میرا معاملہ نازک صورت اختیار کرتے کرتے رہ گیا تھا۔ اس لئے اس نے جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے پہلے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور جھپٹ کر میرے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"اوٹی گرین لگون!" میں نے ظفر کی مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں احمقانہ انداز میں کہا۔

"بولو، میں سن رہا ہوں۔" ظفر نے اپنا کوئی کوڈ دہرائے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کے ماتحت شاید اس کی آواز پہچانتے تھے کیونکہ ظفر کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوا کہ اس کے مخاطب نے اس کی آواز سنتے ہی اپنی کتھا سنانی شروع کر دی تھی۔

وہ گفتگو میری توقع سے کہیں زیادہ مختصر ثابت ہوئی۔ ظفر ریسیور رکھ کر پلٹا تو اس کا چہرہ جوش سے دمک رہا تھا اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک پیدا ہو چکی تھی۔

"تم نے اچانک ہی افراتفری پھیلا دی ہے۔" اس نے میرا شانہ مضبوطی سے تھام کر کہا۔

"میں نے کیا کیا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"تم نے ہیری کینسنجر کی دم پر پیر رکھ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم سے بات کرنے کے بعد وہ چند گھنٹے تک صبر نہ کر سکا۔ غالباً اس نے ویرا کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کیا ہو گا اور وہ بوکھلا کر وہاں سے نکل بھاگی ہے۔ میرا آدمی اسی کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔"

"غالباً ہم سب بھی اسے جلد از جلد انڈین کاؤنسلیٹ سے نکالنا چاہ رہے تھے۔ ہیری نے طیش میں آکر ہمارا کام آسان کر دیا ہے ورنہ ہم نہ جانے کب تک اس کے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے؟"

"آؤ۔ وہ گاڑی لے کر تیزی کے ساتھ کلفٹن کی طرف گئی۔ میری دو گاڑیاں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اجالا پھیلنے سے پہلے ہی یہ قصہ بھی نمٹ جائے گا۔" اس نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے جوشیلی آواز میں کہا۔

"وہ اکیلی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اکیلی ہے، خود ہی کار چلا رہی ہے۔" ظفر نے جواب دیا۔ "وہ بتا رہا تھا کہ وہ بے پروائی کے ساتھ بہت تیز اور رف ڈرائیونگ کر رہی ہے۔"

"فون کرتے ہوئے اس نے یہ سب کیسے دیکھ لیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ بڑے شہروں میں اہم مہمات پر ہمارا عملہ وائرلیس ٹرانسمیٹرز کے علاوہ موبائل فون سے بھی لیس رہتا ہے۔ تھوڑے

دنوں کی بات ہے' پھر پاکستان میں بھی لوگ عرب شیوخ کی طرح چلتے پھرتے فون پر باتیں کرتے نظر آئیں گے۔"

ان لوگوں کا ڈسپلن اتنا سخت اور مکمل تھا کہ اپنے دفتر سے نکلتے ہوئے ظفر کو کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے تین آدمی لینڈ روور جیپ میں جا بیٹھے تھے۔ ان تینوں نے ہی اگلی نشست پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے جیپ کا طاقتور انجن اسٹارٹ کیا اور پھر ہم اس کشادہ جیپ کی درمیانی نشست پر براجمان ہو گئے۔

جیپ کے حرکت میں آتے ہی پھاٹک کھلا اور ہم سبک رفتاری سے باہر نکل گئے۔

اس اثنا میں ظفر کے ماتحتوں میں سے ایک نے کار میں موجود موبائل فون پر کوئی نمبر ملا کر انسٹرومنٹ اس کے حوالے کر دیا تھا۔

دوسری طرف سے رابطہ ہونے پر ظفر بولنے لگا۔ "ہم چل پڑے ہیں' اب کیا پوزیشن ہے؟"

"اس طرف زیادہ آبادی نہیں ہے۔" چند ثانیوں تک خاموش رہ کر دوسری طرف کی رپورٹ سننے کے بعد وہ بولا۔ "اپنے ہیڈ لیمپس گل رکھو اور اس گاڑی کو کسی قیمت پر اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ ضرورت ہو تو اپنی رفتار بڑھا کر تم اسے ٹکر بھی مار سکتے ہو لیکن یہ خیال رہے کہ وہ عورت دہشت گرد ہے۔ اس کے پاس جدید ہتھیاروں کے علاوہ بم بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اس طرف مڑی ہے تو یقینی طور پر کسی کمین گاہ کا رخ کر رہی ہے۔ اسے وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔"

وہ ایرپیس کان سے لگائے سنتا رہا۔ پھر بولا "لائن پر رہ کر پوزیشن دیتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو ہدایات بھی دیتا رہوں گا۔"

"پل سے اترنے کے بعد وہ تین تلواروں سے داہنی طرف مڑی ہے۔" ظفر نے ایرپیس کان سے ہٹائے بغیر ہمیں اور اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ اس کی آواز یقینی طور پر دوسری طرف بھی سنی جا رہی ہوگی لیکن ظفر کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "رفتار تیز کرو۔ اس سے پہلے کہ اسے کہیں گھس کر سنبھلنے کا موقع ملے' ہمیں اس پر ہلّہ بول دینا چاہئے۔"

لینڈ روور غراتی اور اچھلتی ہوئی شہر کی ناہموار شاہراہوں پر دوڑتی رہی۔

ہم کلفٹن کے علاقے سے دور تھے کہ اطلاع ملی' ویرا کار سمیت ایک وسیع و عریض مکان کے احاطے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس مکان کے مکینوں کو شاید پہلے سے ویرا کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی کیونکہ وہاں پھاٹک کی روشنیاں جلی ہوئی تھیں اور پھاٹک بھی کھلا ہوا تھا لیکن ویرا کی کار اندر داخل ہوتے ہی پھاٹک بند کر کے لیٹ لیمپس بجھا دیے گئے اور چند منٹ بعد پوری عمارت یوں اندھیرے میں ڈوب گئی جیسے اس کے مکین اول شب سے ہی گہری نیند سوتے رہے ہوں۔

اس وقت رات ڈھل چکی تھی اور وقت کا پہیہ صبح کے اولین لمحات میں داخل ہوا چاہتا تھا۔ اتنی صبح سویرے اگر کچھ لوگ ویرا کی پذیرائی کے لئے مستعد اور چاق و چوبند بیٹھے ہوئے تھے تو صاف ظاہر تھا کہ وہ ویرا اور انڈین کاؤنسلیٹ کے حامیوں اور ہمدردوں میں سے تھے' جن کے ساتھ کوئی رُو رعایت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لئے ظفر نے فوراً ہی اپنے جوانوں کو اس عمارت کے گرد پھیل کر اس کی کڑی ناکا بندی کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس کی ہدایت تھی کہ وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی نہ نکلنے پائے۔

میں نے ویرا کے ساتھ کہیں دوستی سے لے کر عاشقی تک کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا لیکن میں کبھی اس عورت کی گہرائیوں کا ادراک نہیں کر سکا تھا۔ جب جب میرے اور اس کے مراسم اچھے رہے' میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن ظفر کے ساتھ لینڈ روور میں سفر کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا نے مجھے کبھی اپنی تھاہ کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔

کراچی میں واقع انڈین کاؤنسلیٹ سے اس کے تعلق نے مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگایا تھا۔ وہ ان سے اس قدر قریب تھی کہ اب برا وقت آنے پر غزالہ کو ان کی تحویل میں چھوڑ کر آ گئی تھی۔ اور دوسرا معاملہ اس مکان کا تھا جہاں اس نے اب پناہ لی تھی۔ وہ کون لوگ تھے؟ ویرا سے ان کا کیا تعلق تھا؟ اور ان کو کس طرح زیر کیا جا سکتا تھا۔ یہ سب ایسے سوال تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ظفر نے شاید میرا ذہن پڑھ لیا کیونکہ وہ اسی لمحے بولا "ان اطراف میں لے دے کر ایک موتن لال ہی کا مکان ایسا ہے جہاں وہ جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ ہمارے حق میں بہت بہتر ہو گا۔"

"کیوں؟ یہ موتن لال کون ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"موتن لال ایک زمانے میں شراب بنانے والی کئی مشہور عالم کمپنیوں کا مقامی ایجنٹ رہ چکا ہے۔ اس کا نام ہماری لسٹ پر ہے۔ کئی بار اس کی نگرانی بھی کرائی گئی لیکن وہ بہت محتاط معلوم ہوتا ہے۔ کبھی بھی ہماری گرفت میں نہیں آ سکا۔ وہ اسی علاقے میں رہتا ہے جدھر ویرا گئی ہے۔"

"موتن لال پر کس قسم کا شبہ کیا جاتا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ پس پردہ ملک دشمن اور دہشت گرد افراد کی مالی اور اخلاقی اعانت کرتا رہا ہے۔" ظفر نے کہا۔ "مگر یہ ابھی تک ایک خیال ہے جس کو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اسی لئے وہ آج تک آزاد اور زندہ ہے۔"

"لیکن اس شبے کی کوئی بنیاد بھی تو رہی ہو گی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔ "جب تک یہاں شراب ممنوع نہیں ہوئی تھی تو اس کی ایجنسی بھی قابلِ اعتراض نہیں تھی۔ پھر موتن لال تو ویسے بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ صرف اس بنا پر اسے مشتبہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

"چند برس پہلے شہر میں آتش زنی اور قاتلانہ حملوں کی لہر چلی ہوئی تھی۔ ان وارداتوں میں سات دہشت گرد پکڑے گئے تھے جن کی عدالتوں سے ضمانت ہو گئی۔ بعد میں کمزور اور ناکافی شہادتوں کی وجہ سے وہ بری ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں ان کی ضمانت کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ جن جائیدادوں کے کاغذات زرِ ضمانت کے بدلے جمع کرائے گئے تھے وہ تمام جائیدادیں کسی نہ کسی وقت موتن لال کی ملکیت رہ چکی تھیں۔ بس وہیں سے وہ ہماری نظروں میں آیا تھا۔"

"اس کے بعد اس کے خلاف کیا شواہد سامنے آئے؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بہت محتاط آدمی ہے' اس لئے ہمیں کوئی ثبوت نہیں مل سکا لیکن بعد میں یہ حیرت ناک بات سامنے آئی کہ جس دن وہ کسی پروگرام میں جلترنگ بجاتا ہے اس کے اگلے ہی دن شہر یا صوبے میں دہشت گردی کی کوئی بڑی واردات رُونما ہو جاتی ہے۔"

"جلترنگ؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ جلترنگ کا کیا قصہ ہے؟"

"موتن لال جلترنگ بجانے کا شوقین ہے۔ چاندی' پیتل اور کانسی کی پیالیوں میں مختلف سطحوں تک پانی بھر کر جب وہ چوبی ڈنڈیوں سے ان پر ضرب لگاتا ہے تو سماں باندھ دیتا ہے۔ اس کے جاننے والوں میں اس کی بجائی ہوئی دھنیں بے حد مقبول ہیں۔ اس کے کسی دوست یا شناسا کے ہاں کوئی تقریب ہو تو راگ و رنگ کی محفل سجے یا نہ سجے لیکن موتن لال کا فرمائشی پروگرام ضرور ہوتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ ایسے بے ضرر شوق کا بھی دہشت گردی سے کوئی تعلق ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ لینڈ روور میں اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تینوں افراد نے ہماری گفتگو سے لاتعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ جیسے وہ بالکل ہی گونگے اور بہرے ہوں۔

"ہم نے ہر طرح دیکھ لیا لیکن ایسی تقریبات میں اس کے قریب کسی مشتبہ شخص کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی لیکن اگلے دن کوئی نہ کوئی بڑی واردات ضرور ہو جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مسئلے پر زیادہ مغز زنی نہیں کی گئی ورنہ اس کا حل زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہئے تھا۔" میں نے پُرفکر انداز میں کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی بات آئی ہو تو مجھے ضرور بتاؤ۔ بظاہر کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ مجرم ہے اور کسی مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر میں چین سے نہیں رہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مورس کوڈ کو بھول رہے ہو۔" میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ظفر اچھل پڑا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ جلترنگ بجاتے ہوئے وہ مورس کوڈ کے انداز میں اپنا پیغام کھلے بندوں سنا سکتا ہے۔ متعلقہ آدمی اس سے رابطہ کئے بغیر سمجھ جاتے ہوں گے کہ انہیں کہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"یہ مورس کوڈ کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

میں اسے سمجھانے لگا کہ مورس کوڈ ٹیلی گراف کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہے جس میں ایک مشین کے ذریعے حروفِ تہجی کو صوتی اشاروں میں تبدیل کیا جاتا ہے اور دوسری جانب والی مشین ٹک ٹک' ٹکا ٹک کی ان بے معنی آوازوں کو وصول کر کے ایک کاغذ پر حروف اور الفاظ کی صورت میں ٹائپ کر دیتی ہے۔ اگر موتن لال جلترنگ بجاتے ہوئے ایسے اشارے بھی دینے لگے تو مورس کوڈ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کی دُھن میں پوشیدہ پیغام سمجھ کر اپنا کام شروع کر سکتا ہے۔ وہ مورس کوڈ کی قدرے بدلی ہوئی صورت کہی جا سکتی تھی کیونکہ اصل مورس کوڈ میں ہر صوتی اشارے کو نقطے اور مختصر لکیر یا ڈوٹ اور ڈیش کی مختلف ترتیبوں سے ظاہر کرنے کا کلیہ ایجاد کیا گیا جو آگے چل کر ٹیلی گراف کی بنیاد بن گیا۔

جب تک ویرا بھارتی کاؤنسلیٹ میں پناہ گزین یا کراچی کی سڑکوں پر رواں تھی تو وہی ہماری گفتگو کا محور بنی ہوئی تھی لیکن اس کے نئے ٹھکانے پر چلے جانے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ یک بیک موتن لال کی طرف ہو گیا تھا جو کراچی کی شہری زندگی میں ایک معزز اور مقبول سرمایہ دار ہونے کے ساتھ مشتبہ افراد کی فہرست میں بھی شامل تھا اور کسی حد تک اسپیشل ٹاسک فورس اور ظفر کی کمزوری بنا ہوا تھا۔

ہالی ڈے اِن کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہمیں خیال آیا کہ ہماری منزل تیزی کے ساتھ قریب آتی جا رہی تھی لیکن ہم نے وہاں کے لئے اپنی حکمتِ عملی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

میرے خیال دلانے پر ظفر بولا "اگر وہ موتن لال کے مکان ہی میں گئی ہے تو وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا وہ مکان میرا دیکھا ہوا ہے۔ بظاہر وہاں کوئی غیر معمولی حفاظتی نظام نہیں ہے۔ صرف گیٹ پر ایک دو چوکیدار رہتے ہوں گے۔ وہاں غیر معمولی بات صرف یہ ہے کہ اس مکان کے احاطے کی دیواریں نو دس فٹ اونچی ہیں جنہیں عبور کر کے اندر داخل ہونا قدرے دشوار ثابت ہو گا۔"

"تو کیا تم اس عمارت میں گھسنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بابو! اس ذیل کو تباہی سے بچانے کے لئے ویرا کو بے بس کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کی کمین گاہ میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ وہ شرافت سے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔" ظفر نے جواب دیا۔

"میرے ذہن میں تمہارے اختیارات کا معاملہ تھا۔ اگر وہاں مزاحمت کی گئی تو خاصی خوں ریزی ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے پاس پولیس کی نفری بھی ہو تو ہم قانون کے نام پر بہ آسانی اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ صرف ویرا کو بچانے کے لئے موتن لال اپنی ساکھ اور عزت تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔"

"پولیس کو ساتھ لینے سے معاملہ بگڑ جائے گا۔ آج کل یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے کہ کس وردی میں کون چھپا بیٹھا ہے۔ ایسی ہی مجبوری پیش آ جائے تو ہم پولیس کے بجائے رینجرز یا فوج سے رجوع کر لیتے ہیں لیکن اس کارروائی میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"

اسی لمحے ظفر کے موبائل فون پر باہر سے کال آنے کا اشارہ موصول ہوا۔ ویرا کے غائب ہونے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

ظفر نے سوئچ سرکا کر وہ کال وصول کی پھر دھیمی آواز میں یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ "اسے ایک آدمی گاڑی میں اسٹیشن فور لے جائے' ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

"کیا ہوا؟" پے در پے بدلتی ہوئی صورتِ حال کی وجہ سے میں تجسس میں مبتلا تھا۔

"جس کار میں ویرا وہاں پہنچی تھی' اسے لے کر ایک آدمی وہاں سے بہت تیزی کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ میرے آدمی اسے روکنے میں ناکام رہے تو انہوں نے ایک موڑ پر اپنی بھاری پک اپ سے سائیڈ مار کر کار کو الٹ دیا۔ ڈرائیور کافی زخمی ہوا ہے۔ میں نے اسے اسٹیشن فور روانہ کر دیا ہے۔ تصادم اور کار الٹنے کا شور کافی زیادہ تھا جو یقینی طور پر اس مکان میں بھی سنا گیا ہو گا کیونکہ حادثے کے بعد اس مکان کی چھت پر تاریک اور ناقابلِ شناخت ہیولوں کی نقل و حرکت نوٹ کی گئی ہے۔"

ہم کلفٹن کا پل عبور کر کے داہنی طرف مڑے۔ پھر فرنچ کاؤنسلیٹ کے سامنے سے گزرے تو پرائیوٹ نمبر پلیٹ والی ایک براؤن ٹیوٹا کراؤن سڑک کے کنارے الٹی ہوئی نظر آئی۔ فرنچ کاؤنسلیٹ کے سلاخوں والے آہنی گیٹ کے عقب سے مسلح محافظ اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈیوٹی کے بارے میں سخت ہدایات کی وجہ سے ان میں سے کسی نے باہر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چند منٹ بعد لینڈ روور ایک نیلی پک اپ کے قریب جا رکی جہاں دو مضبوط مگر سادہ پوش افراد مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے اونچی دیواروں والے اس مکان کو پہچاننے میں کوئی وقت نہیں ہوئی جہاں ویرا نے پناہ لی ہوئی تھی۔

لینڈ روور کا ڈرائیور اپنی نشست پر جما رہا۔ بقیہ دو افراد نیچے اتر آئے۔

"یہ موتن لال ہی کا مکان ہے۔" ظفر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ پھر وہاں پہلے سے موجود آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اندر کی کیا خیر خبر ہے۔ آدمی کہاں کہاں ہیں؟"

وہ ظفر کو تفصیلی رپورٹ دینے لگا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کار کے حادثے کے بعد چھت پر نظر آنے والی پراسرار نقل و حرکت کے علاوہ اندر کے حالات معمول پر تھے۔ بظاہر ان لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کے وہاں پہنچتے ہی اس عمارت کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔

ظفر اس مکان میں کبھی داخل نہیں ہوا تھا لیکن اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لئے متعدد بار اس کا طواف کر چکا تھا اس لئے اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنی کارروائی کے بارے میں حکمتِ عملی ترتیب دینی شروع کر دی اور اسی کے ساتھ ہم مکان کی بغلی گلی کی طرف ہو لئے جو اسٹریٹ لائٹس نہ ہونے کی وجہ سے تاریک پڑی ہوئی تھی۔ ظفر کے ایما پر دونوں گاڑیاں ادھر ہی چل پڑی تھیں۔

اس وقت رات دم توڑ چکی تھی اور فضا پر چھائی ہوئی گھور تاریکی دھندلائے ہوئے' مدھم سے اجالے میں مدغم ہوتی جا رہی تھی اس لئے ظفر اور اس کے آدمیوں کے پاس وقت کم تھا۔ وہ لوگ قانون کا کوئی سہارا لئے بغیر ویرا کے فتنے کا سدِباب کرنا چاہ رہے تھے اس لئے یہ ضروری تھا کہ اجالا پھیلنے اور اس علاقے کے مکینوں کے بیدار ہونے سے پہلے پوری کارروائی مکمل کر لی جائے تاکہ کسی غیر متعلقہ فریق کی طرف سے مداخلت کا کوئی اندیشہ نہ رہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ ویرا کے معاملے سے فارغ ہوں تو پھر غزالہ کی بازیابی کی فکر کی جائے۔ وہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ میں قید تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ظفر کے آدمی بدستور اس سفارتی عمارت کی نگرانی پر مامور تھے یا ویرا کے فرار کے بعد اس کے تعاقب میں چل دیئے تھے۔ مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ نگرانی نہ ہونے کی صورت میں غزالہ کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا تو ہمیں ہوا بھی نہ لگتی اور ہم خلا میں ہاتھ پیر مارتے رہ جاتے لیکن پوری گفتگو میں ایسا کوئی موقع نہیں آ سکا تھا کہ میں انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی کے بارے میں ظفر سے کوئی سوال پوچھ سکتا۔

اس وقت ظفر نے اپنی پوری توجہ ویرا کو گھیرنے پر مرکوز کی ہوئی تھی وہ اسے بے خبری میں اپنے آہنی چنگل میں دبوچ لینا چاہتا تھا۔ پھاٹک سے عمارت میں داخل ہونے کی صورت میں تصادم اور وہاں رہنے والوں کے ہوشیار ہو جانے کا خطرہ مضمر تھا۔ اس لئے ظفر نے احاطے کی دیوار سے اپنے آدمی اندر پہنچانے کا منصوبہ بنایا تھا اس کو رہا! کارروائی میں وہ لوگ سرعت اور خاموشی کے ساتھ اپنا ہدف حاصل کر سکتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ طے کیا گیا تھا کہ اس کا ایک آدمی کسی محفوظ مقام سے احاطے کی دیوار پر چڑھ کر اندر کا جائزہ لے اور اس کے اشارے پر بقیہ تین افراد بھی پھرتی سے اندر کود جائیں۔ دیگر افراد جو موتن لال کے مکان کے گرد اہم مقامات سے نگرانی کر رہے تھے' انہیں چھیڑنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

وہ شخص نہایت اطمینان کے ساتھ احاطے کی دیوار کے نیچے پہنچ گیا۔ دیوار کا اوپری سرا اس کے ہاتھوں کی رسائی سے باہر تھا۔ اس نے دو تین بار اچھل کر اپنے ہاتھ کنارے پر ٹکانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ہمارے پاس موجود افراد میں سے ایک تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر دیوار کے اوپری کنارے تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے حرکت میں آتے ہی پہلے شخص کو ایک بڑا سا پتھر نظر آ گیا جو دیوار کے قریب ہی پڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ اس پتھر کی طرف گیا' اس پر چڑھ کر اوپر کی طرف اچھلا' اس کے دونوں ہاتھ احاطے کی دیوار کے کناروں کی طرف گئے پھر بیک وقت کئی باتیں رونما ہوئیں۔ جنہوں نے ہم سب کو مضطرب کر دیا۔

دیوار کے اس حصے پر آواز کے ساتھ ایک نیلگوں شعلہ لپک کر معدوم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ دیوار پکڑنے کی کوشش کرنے والے کے حلق سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی اور وہ یوں اچھل کر نیچے آ رہا جیسے کسی نادیدہ وجود نے اسے پکڑ کر دور اچھال دیا ہو۔

احاطے کی اس دیوار پر دور سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہاں لازمی طور پر نہایت مہارت کے ساتھ ننگے برقی تار پھیلائے گئے تھے جن میں درمیانی درجے کی برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ اگر وہ طاقتور برقی رَو ہوتی تو اس کا نشانہ بننے والا فوراً ہی ہلاک ہو جاتا لیکن اس نے گرتے ہی زمین سے اٹھنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں جو اس کی زندگی کی مظہر تھیں۔

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ سب کو اپنی جگہ تھم کر رہ جانا چاہئے تھا۔ ۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ناگہانی حادثے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ واقعہ ایس ٹی ایف والوں کے اعصاب پر اتنی شدت کے ساتھ اثر انداز نہیں ہو سکا۔ مشینی انداز میں دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے' دو آدمی برق زدہ شخص کی طرف لپکے' ظفر مجھے کھینچتا ہوا لینڈ روور میں سوار ہو گیا۔ سلطان شاہ کو میری تقلید کرنی پڑی۔

آناً فاناً میں وہ شخص لینڈ روور کے عقبی حصے میں پہنچایا جا چکا تھا اور دونوں گاڑیاں میدان صاف چھوڑ کر آگے بڑھ چکی تھیں۔

"کیا حال ہے' رحیم داد!" ظفر نے پیچھے مڑ کر اس شخص کی مزاج پرسی کی۔

"میں ٹھیک ہوں' سر!" اس کی قدرے نحیف سی آواز سنائی دی۔ "بجلی کا جھٹکا کھا کر بس میں اپنی چیخ پر قابو نہیں پا سکا۔ چند منٹ کے بعد میں ربر کے دستانے پہن کر دوبارہ کوشش کروں گا۔"

"تم آرام کرو' کام کرنے والے اور لوگ بھی موجود ہیں۔ تم میں ہمت ہو تو میں ذرا سی چھیڑ چھاڑ کرنی چاہتا ہوں۔ طبی امداد کی ضرورت محسوس کر رہے ہو تو فوراً واپس چلتے ہیں۔"

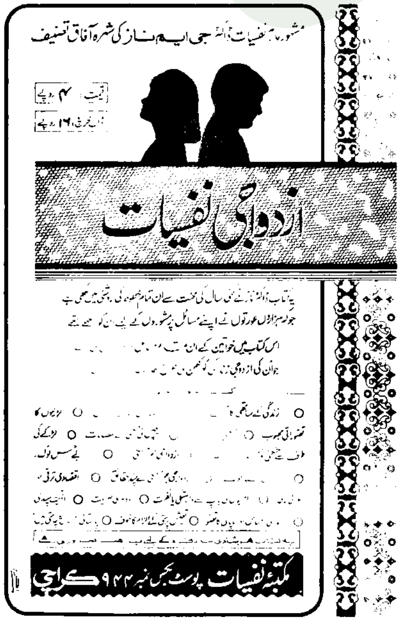
"نہیں' سر!" وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اس وقت ڈیوٹی زیادہ اہم ہے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو' کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

ظفر نے اس کے لئے بھرپور تعریفی کلمات ادا کئے اور اس کے حکم پر لینڈ روور واپس گھمالی گئی۔ پیچھے آنے والی پک اپ نے بھی اس کی تقلید کی اور ہمارا رخ موتن لال کے آہنی پھاٹک کی طرف ہو گیا۔

"کیا ارادہ ہے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ظفر سے پوچھا۔

"چیخ سن کر پھاٹک والوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کوئی شخص برقی رو کا شکار ہوا ہے۔ وہ لوگ صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لئے اِدھر اُدھر بکھر گئے ہوں گے۔ اس وقت ہم آسانی کے ساتھ پھاٹک پر قابض ہو کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اگر آہنی پھاٹک میں بھی برقی رَو موجود ہوئی؟" میں نے



سوال کیا۔

"انہوں نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی۔ پھاٹک پر چوکیداروں کی موجودگی کافی ہوتی ہے۔ اتنے وسیع احاطے کی دیوار کی حفاظت کرنا مشکل کام ہے۔ اس لئے دیواروں پر خفیہ برقی باڑھ لگائی گئی ہوگی۔"

اس بار ایک واضح پروگرام بن چکا تھا اس لئے دونوں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئیں۔ ان کا رخ پھاٹک کی طرف گھماتے ہی ہیڈ لیمپس وغیرہ گل کر دیے گئے پھر ایک آدمی باہر نکلا اس نے بہت احتیاط اور پھرتی سے پھاٹک کو چھو کر اس کے محفوظ ہونے کا اندازہ لگایا اور پھر پھاٹک کی ڈیزائن والی سلاخوں میں پیر پھنساتا ہوا' کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر چڑھتا چلا گیا۔

اس بار ظفر کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا کیونکہ اندر غائب ہونے کے بعد بھی وہاں سے کوئی احتجاج آمیز آواز نہیں سنائی دی اور چند ثانیوں بعد ہی پھاٹک اندر سے کھول دیا گیا۔

اس وقت تک سب لوگ غیر مسلح تھے لیکن پھاٹک کھلتے ہی ہر ایک نے نشستوں کے نیچے سے بھرے ہوئے خود کار ہتھیار نکال لئے۔ لمبے میگزین والی ایک سب مشین گن اس شخص کو تھما دی گئی جو پھاٹک پر چڑھ کر اُس احاطے میں داخل ہوا تھا۔

"تم دونوں کے لئے بھی کلاشنکوفیں اور ان کے فاضل میگزین موجود ہیں۔" ظفر نے ہمیں آگاہ کیا اور اگلے ہی لمحے میں ہم دونوں بھی مسلح ہو چکے تھے۔ میں نے ایک بھرا ہوا فالتو میگزین بھی ساتھ لے لیا تھا۔

بجلی کا جھٹکا کھانے والے شخص کو لینڈ روور سے اتار کر پک اپ میں منتقل کر دیا گیا اور وہ جیپ ہم تینوں سمیت' پھاٹک سے دور واقع رہائشی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

اچانک کہیں سے "کون ہے؟" کی تیز آواز بلند ہوئی۔ شاید احاطے میں بھٹکتے' بوکھلائے کسی چوکیدار نے پھاٹک کے ذریعے رونما ہونے والی تبدیلیاں دیکھ لی تھیں۔ مگر لینڈ روور کا ڈرائیور اس للکار کی پروا کئے بغیر جیپ کو آگے لیتا چلا گیا۔

رہائشی عمارت کی تمام کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ عمارت کے مکین ساری روشنیاں گل کر کے گہری نیند کے مزے لے رہے تھے یا پھر ان کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جن سے روشنی کی کوئی کرن باہر نہیں آ سکتی تھی۔

اچانک عمارت کے تاریک برآمدے سے پُرہول دھماکے کے ساتھ ایک شعلہ فضا میں بلندیوں کی طرف تیر گیا اور اس بار لینڈ روور کے ڈرائیور نے بوکھلا کر پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ وہ رائفل کا فائر تھا جو ہمیں رکنے کے لئے فضا میں داغا گیا تھا۔

عمارت کے مکین بالکل ہی غافل اور بے خبر نہیں تھے بلکہ اندھیرے میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر کسی بھی بری گھڑی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ رائفل کے ذریعے وہ لوگ کافی دور سے ہمیں نشانہ بنا سکتے تھے لیکن ہمارے ہتھیاروں کی مار اتنی لمبی نہیں تھی۔

ظفر کسی کو کچھ کہنے سننے کا موقع دیے بغیر' اپنی سب مشین گن لے کر جیپ سے اتر گیا اور لمحہ بھر بعد ہی فضا اس کی بارعب اور تحکمانہ آواز سے گونجنے لگی۔

"ہم قانون کے نام پر آئے ہیں۔ اگر دوسری بار گولی چلائی گئی تو ہم سمجھیں گے کہ تم بدنیتی کے ساتھ ہم سے مقابلے پر آمادہ ہو اور اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ خیریت چاہتے ہو تو اپنے ہتھیار گرا کر روشنی کر دو ورنہ برے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اچانک جیپ کے ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ روشنی کی اس چادر میں عمارت کا برآمدہ بھی منور ہو گیا جہاں دو مسلح افراد کھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک صحت مند نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ مگر وجیہہ شخص تھا جو شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہنے کھڑا تھا۔ وہ دونوں ہی بڑے بور کی شکاری رائفلوں سے مسلح تھے۔

روشنی کی زد میں آتے ہی' ان کی رائفلوں کی اٹھی ہوئی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ نوجوان اچھل کر ایک ستون کی اوٹ میں چھپ گیا لیکن ادھیڑ عمر شخص جہاں تھا' وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہی موتن لال ہو سکتا تھا۔

فضا میں ظفر کی مشین گن کا ہلکا سا برسٹ گونجا اور اس نے غصیلی آواز میں کہا "تم دونوں اپنی رائفلیں گرا کر روشنی میں نہ آئے تو چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

برآمدے سے ہمارا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور لینڈ روور کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم نے موتن لال کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھے پھر اس نے جھک کر اپنی رائفل آہستگی سے فرش پر ڈال دی۔ اس کی وہ رائفل غالباً بہت قیمتی تھی جسے وہ ہاتھ سے نیچے پھینکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ پھر اس نے ایک طرف سر گھما کر کسی سے کچھ کہا اور ستون کی آڑ سے اس کا ساتھی نوجوان بھی باہر آ گیا۔ اس بار اُس کے ہاتھوں میں رائفل موجود نہیں تھی۔

ہم لوگ جیپ میں تیزی کے ساتھ برآمدے کی طرف بڑھ گئے۔ ظفر ہمارے پیچھے اندھیرے میں پیدل آتا رہا۔ ہمیں پہلے بھیج کر وہ ان دونوں کا ردِعمل دیکھنا چاہ رہا تھا۔

جیپ رکتے ہی میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ ہم نے اپنی سب مشین گنیں شولڈر اسٹریپ کے ذریعے شانوں سے لٹکا لی تھیں۔

وہ دونوں ہماری پیشوائی کے لئے برآمدے کے کنارے تک آ گئے تھے۔ دونوں کے چہروں سے سراسیمگی اور تشویش ہویدا تھی۔

ادھیڑ عمر شخص کے مقابلے میں نوجوان زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"ہم موتن لال سے ملنے آئے ہیں۔" میں نے نیچے آتے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "برآمدے میں روشنی کرو اور فوری طور پر اسے بلانے کا بندوبست کرو۔"

نوجوان برآمدے کی روشنی کرنے کے لئے واپس مڑ گیا۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے گیا اور اس نے فرش پر پڑی ہوئی دونوں رائفلیں اپنی تحویل میں لیں۔

اس اثنا میں ادھیڑ عمر شخص دبے دبے مگر احتجاج آمیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "میرا ہی نام موتن لال ہے اور وہ میرا لڑکا موہن لال ہے۔ اگر تمہارا تعلق پولیس کے محکمے سے ہے تو میں حیران ہوں کہ تمہاری وردیاں کہاں ہیں؟ میرے چوکیدار کہاں مرے ہوئے ہیں اور تم کسی اطلاع کے بغیر زبردستی اندر کیوں آئے ہو؟ ان باتوں کا جواب ملے بغیر میں تم کو خوش آمدید نہیں کہہ سکوں گا۔"

"ہمارا تعلق اسپیشل برانچ سے ہے۔" میرے عقب سے ظفر کی آواز ابھری۔ "ہمارا عملہ وردی استعمال نہیں کرتا۔ اپنے چوکیداروں کے بارے میں تم کو باخبر ہونا چاہئے۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر ہی ہم پھاٹک کھول کر اندر آئے ہیں....."

"اور چند منٹ پہلے ابھرنے والی چیخ کیسی تھی؟" موتن لال نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کا جواب تم دو گے۔" ظفر نے آگے بڑھ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "کچھ دیر پہلے ایک سفید فام مجرمہ یہاں پہنچی ہے۔ تمہارے گھر سے ذرا آگے ایک کار حادثے میں تباہ ہوئی ہے جس کا زخمی ڈرائیور تمہارے نام کی مالا جپ رہا ہے پھر یہاں سے کسی کی چیخیں سنائی دی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ تم نے چھت کے نیچے مجرموں کو پناہ دی ہے اور وہ کسی قیدی پر تشدد کر رہے ہیں۔ ہم حقائق جاننے کے ساتھ ہی ان مجرموں کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ تعاون کرنے میں [illegible] حجت سے کام لیا تو ہم تمہیں بھی باندھ کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر موتن لال اپنے لڑکے سے بولا "تم اندر جاؤ' میں ان سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں یہیں رکوں گا بابا!" لڑکے نے اصرار کیا۔ "پتا نہیں تنہائی میں یہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں! مجھے ان کے تیور خراب نظر آ رہے ہیں۔"

"انہیں اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات مل گئے تو یہ کسی کو نہیں ستائیں گے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی میں اپنی حفاظت آپ کر سکتا ہوں۔" موتن لال نے سختی سے کہا۔ جوان بیٹے پر اس کا اتنا رعب تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زیر لب بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

موتن لال چند ثانیوں تک خاموش کھڑا' اس کے قدموں کی آواز سنتا رہا۔ جب وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تو موتن لال ایک گہرا سانس لے کر بولا "میں ایک معزز آدمی ہوں' میرا خیال ہے کہ تمہیں بھیج کر کسی نے میرے ساتھ سنگین مذاق کرنے کی کوشش کی ہے....."

"وقت برباد مت کرو!" ظفر نے بات کاٹ کر اسے ڈانٹا۔ "حقائق کی بات کرو یا پھر نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم یہاں تمہاری کہانیاں سننے نہیں آئے ہیں۔"

موتن لال کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ ہکلاتے ہوئے خفت آمیز لہجے میں بولا "وہ..... وہ میری خواب گاہ میں ہے۔ میرے چوکیدار کے علاوہ کسی کو اس کی موجودگی کا علم نہیں ہے۔"

اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رنگیلا بڈھا تھا اور ویرا کو ایک تحفے کے طور پر اس کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ انڈین کاؤنسلیٹ میں اس کا کوئی ایسا بے تکلف دوست موجود تھا جو اس کے خفیہ مشاغل کی تسکین کے لئے ویرا کو وہاں بھیج سکتا تھا۔

"اس کا نام کیا ہے؟" ظفر نے اسے پیچھے دھکیل کر برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مُیری..... مُیری سلائیٹ!" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا "اگر تمہیں اس پر کوئی شبہ ہے تو تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن موہن کو ان معاملات کی ہوا نہیں لگنی چاہئے۔"

"اپنی خواب گاہ کی طرف چلو!" ظفر نے اس کی بات نظر انداز کر کے حقارت سے کہا "جوان اولاد کی موجودگی میں جو باپ رنگ رلیاں مناتا ہو وہ کسی رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا۔"

موتن لال نہایت چالاک اور مکار آدمی تھا۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس نے اپنی خواب گاہ کے لئے اس مکان کا ایسا کمرا منتخب کیا ہوا تھا جو راہداری کے سرے پر ہی واقع تھا تاکہ [illegible] والوں کی لاعلمی میں وہاں آمد و رفت جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

لیکن اس ائر کنڈیشنڈ خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی وہ خود بھی بھونچکا رہ گیا کیونکہ شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا اور ایک کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ ویرا کے فرار کی کہانی سنا رہا تھا۔

ویرا وہاں خطرے کے بادل منڈلاتے ہوئے محسوس کر کے بھاگ نکلی تھی لیکن ظفر کو شاید یہ خیال تھا کہ اس کے باہر پھیلے ہوئے آدمی ویرا کے فرار کو ناکام بنا دیں گے اس لئے وہ کسی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کئے بغیر موتن لال کے ساتھ درشت رویے پر اتر آیا۔

"وہ کوئی عام اور آوارہ لڑکی نہیں بلکہ بہت بڑی مجرمہ تھی۔ اگر وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو میں تمہاری کھال میں بھس بھروا دوں گا۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"لل.... لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔" وہ خوف زدہ لہجے میں بولا "مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ ایک کھلنڈری لڑکی ہے جو ہر وقت نت نئے تجربات کے لئے آمادہ وتیار رہتی ہے۔ اسے میرے پاس بھیجنے والے نے مجھے اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔"

"اسے بھیجنے والا کون تھا؟" ظفر نے سوال کیا پھر موتن لال کے چہرے پر پس وپیش کے آثار دیکھ کر غرایا۔ "اب تم نے وقت برباد کیا تو قانونی کارروائی سے پہلے میں تمہارے تمام گھر والوں کو یہاں جمع کرکے' انہیں تمہارے سیاہ کرتوتوں سے آگاہ کردوں گا اور وہ سب تمہارے منہ پر تھوکیں گے۔"

"وہ لڑکی شاید انڈین کاؤنسلیٹ سے آئی تھی مگر مجھے شری مان سنگھ نے اپنے گھر سے فون کیا تھا' اس سے بات ہونے کے بعد ہی وہ یہاں آئی تھی۔"

"شری مان سنگھ کون ہے اور انڈین کاؤنسلیٹ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"شری مان سنگھ میرا گہرا دوست اور کاؤنسلیٹ کا سینئر پروٹوکول آفیسر ہے۔ وہ آکسفورڈ میں میرا کلاس فیلو تھا۔ اس کے علاوہ کاؤنسلیٹ سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

"میری سلائیٹ کی کار یہاں سے کون لے گیا تھا؟" ظفر اس سے باقاعدہ جرح پر اتر آیا تھا۔

"وہ... وہ میرا ڈرائیور تھا' صبح میری کار یہاں موجود ہوتی تو گھر میں اس کے بارے میں قیاس آرائیاں شروع ہوسکتی تھیں اس لئے میں نے وہ کار سڑک کے کنارے چھوڑ دینے کی ہدایت کی تھی۔ بعد میں میری وہاں سے اپنی کار لے سکتی تھی۔"

"تم جھوٹے ہو۔ اگر اب بھی تم راہِ راست پر نہ آئے تو مارے جاؤگے۔" وہ بولا۔

"میں حلفیہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست اور سچ ہے۔"

"اور جو کچھ نہیں کہا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ظفر نے زہریلے لہجہ میں پوچھا۔

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "تم اگر میری سلائیٹ کو مجرمہ سمجھتے ہو تو تمہیں اس کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔ وہ دور نکل گئی تو پھر تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گی اور تم مجھے پریشان کرتے رہوگے۔"

"میں اپنے کام سے اچھی طرح واقف ہوں' تم بے فکر رہو' اس مکان سے چڑیا کا بچہ بھی فرار نہیں ہوسکے گا۔ باہر میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ تم بتاؤ کہ جل ترنگ کا کیا قصہ ہے؟"

وہ بری طرح چونکا پھر سنبھل کر بولا۔ "کچھ بھی نہیں' وہ میرا بے ضرر شوق ہے۔"

"ہمارے پاس تمہاری زہریلی دھنوں کے ٹیپ موجود ہیں اور ہم نے ان میں موجود کوڈ حل کرکے وہ پیغام پکڑ لئے ہیں جو تم اپنے آدمیوں کو پہنچاتے تھے۔" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ غلط ہے۔" موتن لال کے دہانے سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی۔ "تم مجھے کسی نہ کسی چکر میں پھانسنے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ میرے اوپر سراسر بہتان ہے۔" وہ اپنا سر تھام کر مسہری پر بیٹھ گیا۔

اس دوران میں اس کے بیٹے' موہن لال نے دو مرتبہ خوابگاہ کی طرف آنے کی کوشش کی مگر اسے سختی کے ساتھ واپس لوٹنے پر مجبور کردیا گیا۔

جل ترنگ کی دھنوں میں پوشیدہ پیغامات کا ذکر آتے ہی موتن لال نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا برا وقت آگیا ہے۔ اس کے اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے' چہرہ یرقان کے کسی مریض کی طرح زرد ہوگیا تھا مگر پھر بھی اس نے اپنی زبان سے کوئی اعتراف نہیں کیا' جب ظفر نے اسے گرفتاری کی دھمکی دی تو اس نے تعاون کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ وہ وارنٹ اور باوردی افسران کی موجودگی کے بغیر' جان دے دے گا لیکن اپنی دہلیز سے پیر باہر نہیں نکالے گا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا کن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اس کی شرائط سن کر ظفر نے بظاہر اسے ڈھیل دے دی لیکن موقع ملتے ہی اس کی کنپٹی پر اپنی داہنی ہتھیلی کی ایسی تچی تلی ضرب لگائی کہ وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر مسہری پر ہی ڈھیر ہوگیا۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ اندرونی راستے کی نگرانی سنبھالی تاکہ موہن لال اچانک ہی اس طرف نہ آنکلے۔ اس دوران میں ظفر نے بے ہوش موتن لال کو اپنے کندھے پر لاد کر لینڈ روور میں پہنچادیا۔

اسی لمحہ اچانک فضا میں پستول کی فائر کی آواز گونجی پھر بہت سی سب مشین گنیں چلنے لگیں۔ ہم سب بوکھلا کر مکان سے باہر نکل آئے۔

غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ فائرنگ کا سارا جوش و خروش اس عمارت کے عقبی حصے میں مرکوز تھا' ہم تینوں جیپ میں سوار ہوئے تو ٹرانسمیٹر آن تھا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ چند لمحہ پہلے اطلاع آئی تھی کہ مکان کے عقبی احاطہ میں پستول سے ایک فائر سنائی دیا تھا جس کے نتیجے میں ایس ٹی ایف والوں نے نامعلوم افراد کو خوف زدہ کرنے کے لئے احاطہ کی دیوار پر فائرنگ شروع کردی تاکہ کوئی اس سمت سے فرار ہونے کی ہمت نہ کرسکے۔ ظفر نے وہ پیغام سن کر برا سا منہ بنایا اور ٹرانسمیٹر پر فائرنگ روک دینے کا حکم جاری کردیا جس کے چند ثانیوں کے بعد ہی فضا پُرسکون ہوگئی۔

اس کے بعد مکان اور احاطہ میں ویرا کی تلاش کی مہم کا آغاز ہوا لیکن میری توقع کے عین مطابق اس کا سایہ تک دریافت نہیں ہوسکا۔

ویرا بہت چالاک اور مکار عورت تھی۔ شاید اسے ابتدا ہی سے خدشہ رہا تھا کہ وہ موتن لال کے مکان میں پھنس سکتی ہے اس

لئے کار کے الٹنے کے شور اور پھر ایک انسانی چیخ نے اسے پوری طرح چوکنا کردیا اور جب موتن لال اسے خواب گاہ میں تنہا چھوڑ کر باہر نکلا تو ویرا خاموشی سے ایک شیشہ توڑ کر کھلی فضا میں نکل گئی جہاں وہ اپنی مرضی کی راہ کا انتخاب کرسکتی تھی۔

اسے اندازہ رہا ہوگا کہ مکان محاصرہ کی حالت میں ہے اس لئے اس نے اپنے بلاؤز میں چوبیس گھنٹے موجود رہنے والے پستول سے ایک ہوائی فائر کیا جس کے نتیجے میں فطری طور پر ہر ایک کی توجہ اسی طرف مبذول ہوگئی اور ویرا کسی اور سمت سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔

لیکن میرے اس نظریہ میں ایک بہت بڑا جھول تھا۔ پھاٹک پر ایس ٹی ایف والے موجود تھے اس لئے اس سمت سے ویرا کا باہر نکلنا خارج از امکان تھا۔ دوسری طرف احاطہ کی دیوار پر چھپے ہوئے ننگے تاروں میں برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ اگر ویرا دیوار پھاند کر باہر نکلی تو اس نے برقی باڑھ کا کیا توڑ کیا تھا؟

اس سوال کا ایک ہی جواب ہوسکتا تھا کہ موتن لال نے تحفہ میں ملی ہوئی' اپنی من موہنی محبوبہ کی دلجوئی کے لئے اسے بتادیا ہو کہ دیواروں پر برقی باڑھ موجود تھی جسے عبور کرکے کوئی اندر نہیں آسکتا اور ویرا نے فرار کے وقت اس خطرے کے سدباب کے لئے ربر کے دستانے استعمال کئے ہوں یا کسی تدبیر سے برقی باڑھ کو ناکارہ بنادیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس سوال کا جواب بھی سامنے آگیا' احاطہ کی دیوار پر ایک موٹے تار کا لنگر لٹکتا ہوا پایا گیا تھا۔ اس نرم اور موٹے تار کے دونوں سروں پر پتھر بندھے ہوئے تھے جن کے سہارے وہ لنگر دیوار کی دونوں جانب جھول رہا تھا۔ اس ننگے تار نے باڑھ کی لائنوں کو شارٹ کرکے پوری باڑھ کا فیوز اڑا دیا تھا جس کے نتیجے میں دیواریں بے ضرر ہوچکی تھیں۔ اس لنگر کی دریافت یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھی کہ ویرا کو موتن لال کے احاطہ کی دیواروں پر برقی باڑھ کی موجودگی کا علم تھا۔

وہ لنگر دریافت ہونے کے بعد ظفر نے اس سمت میں موجود اپنے ماتحت سے سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کی تو اس نے اعتراف کرلیا کہ پستول کے پہلے فائر کی آواز سنتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن جوں ہی اسے احکام یاد آئے' وہ فوری طور پر اپنی جگہ پر واپس پہنچ گیا تھا۔ اس دوران میں بمشکل چند منٹ کے لئے احاطہ کا وہ مخصوص حصہ اس کی نظروں سے اوجھل رہا تھا جہاں سے ویرا دیوار پھاند کر فرار ہوئی تھی۔

موتن لال کے گھر کے چوکیدار اور سامنے آنے والے اِکا دکا ملازم اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے طاقت کے ننگے مظاہرے سے بری طرح خوفزدہ تھے اس لئے ان میں سے کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ گھر کے دیگر مکین گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ لے دے کر موتن لال کا لڑکا موہن لال تھا جو اِن کارروائیوں پر رہ رہ کر احتجاج کر رہا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا گیا' جب وہ کام میں رکاوٹ کا سبب بننے لگا تو ظفر نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو اس سے پہلے اس کے باپ کے ساتھ کرچکا تھا اور اسے موتن لال کی خوابگاہ میں بند کرکے نکاسی کا دروازہ باہر سے بولٹ کردیا تھا۔ اس طرح ظفر اور اس کے آدمیوں نے سورج طلوع ہونے تک اس مکان میں اپنی کارروائی مکمل کرلی اور جب آسمان کے مشرقی گوشوں سے سورج سر ابھار رہا تھا تو تین گاڑیوں پر مشتمل کارواں موتن لال سمیت واپس روانہ ہوچکا تھا۔ تیسری گاڑی ٹویوٹا کراؤن کے زخمی ڈرائیور کو اسٹیشن فورچھوڑ کر واپس لوٹ آئی تھی۔

ہماری روانگی کے وقت موتن لال کے ملازمین خاموش ضرور تھے لیکن ان کے بشروں سے ناقابلِ بیان حیرانی و پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے تینوں گاڑیوں کے نمبر ضرور نوٹ کرلئے ہوں گے اور موہن لال ہوش میں آتے ہی ان نمبروں کے حوالے سے ایس ٹی ایف والوں کے لئے دشواریاں کھڑی کردے گا۔ مگر ظفر نے مجھے یہ بتا کر مطمئن کردیا کہ اس کا عملہ ہر قسم کی مہمات کے لئے اعلیٰ ترین تربیت کا حامل تھا اس لئے ان گاڑیوں پر دوہرے نمبروں والی پلیٹیں لگی ہوئی تھیں جنہیں ذرا سے اشارے پر الٹ پلٹ کر حسبِ مرضی اصلی یا نقلی نمبر سامنے لائے جاسکتے تھے اور اس مہم میں ہر گاڑی کے نمبر جعلی تھے۔

"یہ سب باتیں اپنی جگہ پر درست اور حوصلہ افزا ہیں لیکن اس بات کا افسوس رہے گا کہ ویرا ہمیں جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوگئی۔" میں نے راستے میں اس سے کہا۔

"ہاں!" اس کے لہجے سے بھی مایوسی مترشح تھی "اور اس بار ہم اس کا سراغ بھی کھو بیٹھے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ اس نے موتن لال کے گھر سے نکل کر کہاں کا رخ کیا ہوگا؟"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے یا تمہارے سب آدمی ویرا کے پیچھے دوڑ پڑے تھے؟" اس مرحلہ پر مجھے وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا جو بہت دیر سے میرے دل میں خلش پیدا کرنے کا سبب بنا ہوا تھا۔

"پیشہ ور گداگروں کے روپ میں دو آدمی اب بھی وہیں موجود ہیں۔" اس کے جواب سے مجھے اپنے دل ودماغ پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ ہم تمہارے آنے سے پہلے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ تمہاری کہانی سننے کے بعد میں نے انہیں ویرا اور غزالہ پر بھی نگاہ رکھنے کے لئے کہا تھا۔ ویرا باہر آگئی لیکن غزالہ ابھی اندر ہے۔ اس لئے وہ وہاں سے نہیں ہٹ سکتے۔ اس کے علاوہ جب تک انہیں کلیئرنس نہ ہوجائے وہ چوبیس گھنٹے زیرِ نگرانی رہیں گے۔"

"غزالہ کی سلامتی کے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ویرا اب

دوبارہ انڈین کاؤنسلیٹ میں نہ گھسنے پائے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"تو کیا وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی حماقت بھی کرسکتی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم اسے نہیں جانتے اس لئے یہ سوال کررہے ہو۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔" وہ ضدی اور مشتعل مزاج ہے۔ اس کی انا مجروح ہوجائے تو وہ اندھا ہوا بھی کھیل گزرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر مرتبہ اس کے ستارے یاوری کرجاتے ہیں اور وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔"

"کھل کر بات کرو تاکہ میں بھی کچھ سمجھ سکوں۔ پوری بات سمجھ لینے کے بعد میں اس کے خلاف بہتر حکمتِ عملی ترتیب دے سکوں گا۔ ویرا کے بارے میں' میں وہی کچھ جانتا ہوں جو فائلوں میں لکھا ہوا ہے لیکن تم جانتے ہی ہو کہ کسی شخصیت کے بارے میں کتابی معلومات مکمل نہیں ہوتیں۔"

مجھ سے دل برداشتہ ہوکر ویرا نے غزالہ کو فریب دے کر اغوا کیا تو وہ سیدھی میر اکبر خان کی طرف گئی تھی۔ وہاں ملنے والے اُس کے خط کے مندرجات سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ جلد یا بدیر میرے وہاں پہنچنے کی توقع رکھتی تھی۔ اس لئے اکبر کے مکان کے سامنے ایک مشتبہ آدمی کو دیکھتے ہی' اس نے نہ صرف اسے بلاک کردیا بلکہ فوراً ہی وہاں سے نکل کھڑی ہوئی۔ اکبر سے اس نے دانستہ ایسی گفتگو کی کہ اگر میں اپنے کسی حربے کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوجاؤں تو مجھے ویرا کے اصل پروگرام کی بھنک نہ مل سکے بلکہ میں گمراہ ہوجاؤں۔

ہوا بھی یہی کہ میں ویرا کو شہر میں تلاش کرنے کے بجائے ائر پورٹ وغیرہ کی خاک چھانتا رہا۔ اگر میں اتفاقاً ہی ظفر سے ملنے کا فیصلہ نہ کرلیتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ میں میر اکبر خان کی جس سیاہ فورڈ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں وہ گھنٹوں سے انڈین کاؤنسلیٹ میں کھڑی ہوئی ہے۔

میری چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں امریکی کاؤنسلیٹ کے سیکرٹ ایجنٹ' ہیری کیسنجر نے لازمی طور پر ویرا سے بات کرنے کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کیا ہوگا۔ ویرا نے اس سے بات کی یا نہیں کی' وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا' لیکن ہیری کے فون پر وہ بھڑک اٹھی ہوگی' ہیری کے بارے میں اس کے تجربات بہت تلخ تھے۔ وہ ویرا کی حیثیت کو خاطر میں لائے بغیر اس سے بالادستی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

پھر شاید ویرا کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہیری اور شری مان سنگھ میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ اگر ہیری اس کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کرسکتا تھا تو اس سے ملنے کے لئے بذاتِ خود وہاں آ بھی سکتا تھا اس لئے ویرا نے اپنی خودمختاری برقرار رکھنے کے لئے فوری طور پر انڈین کاؤنسلیٹ سے موتن لال کے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ موتن لال ویرا کے لئے اجنبی رہا ہوگا۔ ویرا کے لئے اس کا نام انڈین کاؤنسلیٹ ہی کے کسی ملازم نے تجویز کیا ہوگا اور ویرا' رنگینیوں کی دلدادہ ایک مغربی لڑکی کے روپ میں وہاں پہنچ گئی۔

اس کے لئے واقعات کی کڑیاں یکجا کرکے یہ سمجھنا دشوار نہیں رہا ہوگا کہ ہیری کو اکسانے والا کون ہوسکتا ہے۔ سفارتی حلقوں میں ویرا کی رسائی سے میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ کوئی تیسرا فرد واقف نہیں تھا اس لئے ویرا کو خطرہ محسوس ہوا ہوگا کہ ہیری کے ساتھ ہی ہم لوگ بھی اس امر سے واقف ہوچکے تھے کہ وہ انڈین کاؤنسلیٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ ان حالات میں وہ خود تو وہاں سے نکل کر کہیں بھی جاسکتی تھی لیکن غزالہ جیسی لڑکی کو ساتھ لئے پھرنا محال تھا۔ غزالہ کسی بھی وقت اس کے لئے بدترین مسائل پیدا کرسکتی تھی۔ اس وجہ سے ویرا اکیلی ہی موتن لال کے مکان کی طرف چل پڑی۔ غزالہ کو اس نے امانتاً انڈین کونسلیٹ میں چھوڑ دیا تاکہ بہتر وقت آنے پر اسے دوبارہ اپنی تحویل میں لے سکے۔

واقعات کے تسلسل میں میرا نام ہر جگہ سامنے آتا رہا تھا اس لئے موتن لال کے گھر بلکہ خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی' جب وہاں بھی مسائل نے سر اٹھانا شروع کیا ہوگا تو ویرا یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی ہوگی کہ میں کسی نادیدہ جونک کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور کسی بھی وقت اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔

میرے بارے میں اس کے وہ قیاسات اسے آپے سے باہر کردینے کے لئے کافی تھے اور جب وہ کسی بات پر مشتعل ہوجاتی تھی تو دنیا ومافیہا کو بھول کر اسی ایک بات کے پیچھے لگ جاتی تھی۔

اس بار بھی مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ غصہ اور جھلاہٹ میں وہ ایران سے آنے والے چھ سو ٹن وزنی سازو سامان کی تباہی کے مشن کو پسِ پشت ڈال کر اپنی پوری توجہ میری ذات پر مرکوز کردے گی تاکہ مجھ سے میری بڑھتی ہوئی گستاخیوں کا انتقام لے سکے۔

مگر میں اس کی دسترس سے باہر تھا۔ جب تک مجھے ایس۔ٹی ایف کی غیر مشروط حمایت حاصل تھی' ویرا کے فرشتے بھی میرے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔ دوسری طرف وہ اس امر سے واقف ہوچکی تھی کہ میں اس کی نقل و حرکت کے بارے میں پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کررہا تھا اس لئے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ فوری طور پر غزالہ کو انڈین کاؤنسلیٹ کی تحویل سے نکال کر اُس پر مجرمانہ تشدد کا آغاز کردیتی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کا بنفسِ نفیس اس سفارتی عمارت میں جانا ناگزیر تھا جہاں غزالہ قید تھی۔

اس پوری کہانی اور اس کے تجزیے سے ظفر نے پوری طرح اتفاق کیا۔ اس کا ویرا سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا لیکن اس جیسی ذہنیت رکھنے والے مجرموں کو وہ بارہا زیر کرچکا تھا اس لئے پوری بات نہایت آسانی کے ساتھ اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے راستے ہی میں اپنے نئے اقدامات پر غور کرنا شروع کردیا۔

اسٹیشن فور پر موتن لال کا ڈرائیور بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس [illegible] پہنچائے جانے کے بعد نہ صرف اسے بہتر طبی امداد دی گئی تھی بلکہ اس کی خورد و نوش کی ضروریات بھی فی الفور پوری کی گئی تھیں۔ وہ یہ سوچ سوچ کر ہی دہشت زدہ ہوا جارہا تھا کہ کھلانے پلانے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

موتن لال کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔ غالباً اس کے لئے یہ احساس طمانیت کا باعث تھا کہ انجان لوگوں میں وہ اکیلا نہیں رہا تھا بلکہ اس کا مالک بھی اسی کشتی میں سوار تھا۔

بے ہوش موتن لال کو کچھ لوگ دوسرے کمرے میں لے گئے تاکہ اسے ہوش میں لایا جاسکے اور ظفر اپنے ہاتھ میں بید سنبھال کر خونخوار تیوروں کے ساتھ اس کے ڈرائیور کے سر پر مسلط ہوگیا۔

"تمہارا نام؟" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجہ میں پہلا سوال کیا۔

"امرکمار" اس نے ایک قدم پیچھے سرکتے ہوئے' سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"موتن لال کے کن کن کرتوتوں سے واقف ہو؟ شہر کی کن عورتوں سے اس کا میل جول ہے؟ آج اس کے پاس آنے والی کون تھی؟ جو کچھ جانتے ہو فوری طور پر اگلنا شروع کردو ورنہ ادھیڑ ڈالے جاؤ گے اور یہاں کوئی تمہیں بچانے کے لئے نہیں آئے گا۔"

"تم لوگ مالک کو بھی لے آئے ہو۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر رودینے والی آواز میں بولا" میں تو ان ہی کے حکم کا غلام ہوں۔ بہت سی باتوں پر سوچے سمجھے بنا عمل کربیٹھتا ہوں۔ یہ باتیں تم ان ہی سے پوچھ لو تو زیادہ اچھا رہے گا ورنہ وہ ہماری چمڑی گرادیں گے....."

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا لیکن ظفر نے مجنونانہ انداز میں اس پر حملہ کردیا۔

میرے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ ظفر یک بیک اتنا برہم کیونکہ ہوگیا۔ اس کا بید والا ہاتھ بے رحمانہ انداز میں بہت تیزی کے ساتھ حرکت کررہا تھا اور بید شائیں شائیں کی آوازوں کے ساتھ امرکمار کی جلد ادھیڑ رہی تھی۔ ابتدا میں اس نے اِدھر اُدھر اچھل کر خود کو بید کی زد سے بچانا چاہا لیکن چند ہی شدید ضربات نے اسے کسی ذبح ہوتے ہوئے درندے کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے پر مجبور کردیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے امرکمار کا لباس تار تار ہوکر اُس کے زخموں سے رستے ہوئے لہو سے رنگین ہونے لگا۔ اس نے کئی بار بید کو اپنی گرفت میں بھی لیا لیکن ہر بار چکنی اور اس کے اپنے خون میں تر بید پھسل کر اُس کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ ظفر اس کے چہرے' گردن یا جسم کے دوسرے حصوں کا کوئی لحاظ کئے بغیر' اسے بے تحاشا ادھیڑے جارہا تھا۔ امرکمار کی دلدوز چیخیں اور پھر اس کی آہ و بکا بھی ظفر پر اثرانداز نہیں ہوسکی۔

وہ وحشت زدہ انداز میں اس مار سے بچنے کی ناکام کوشش کرتا رہا پھر اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ زخموں کی تاب نہ لاکر فرش پر گر جائے۔ اس کے گرنے کے بعد ظفر نے اسے دو تین انتہائی ٹھوکریں لگائیں اور پھر مار دھاڑ کا وہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

"جلدی سے بولنا شروع کردو ورنہ اسی طرح تمہاری پوری کھال اتار لی جائے گی۔" میں نے کہا"ہمارے پاس عدالت' مجسٹریٹ یا ریمانڈ کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اس لئے تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ اپنی زبان کھول کر ہی تم سکھ سے رہ سکو گے۔"

"سیٹھ موتن لال حرامی کا بچہ ہے....." وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے بولا۔ ظفر کی زبردست مار نے اس کے دماغ سے نمک حلالی اور وفاداری کا ہر تصور نچوڑ لیا تھا۔

"بڑے لوگ پاپ اور بدمعاشیاں کرتے ہیں لیکن مصیبت چھوٹے لوگوں کو اٹھانی پڑتی ہے۔ شراب اس کے گھر کی کھیتی ہے اور شہر میں درجنوں عورتوں سے اس کی دوستیاں ہیں۔" وہ گہرے گہرے سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔" وہ اپنی شامیں ان ہی کے ٹھکانوں پر گزارتا ہے۔ جب چھوٹا بابو شہر یا ملک سے باہر ہوتا ہے تو وہ میرے ذریعے عورتوں کو اپنی خوابگاہ میں بھی بلا لیتا ہے لیکن وہ چند گنی چنی عورتیں ہیں۔ اس کے گھر والوں کو پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ باہر والے کمرے میں کیا گل کھلاتا رہتا ہے۔ صبح سویرے میں ان عورتوں کو ان کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ گوری لڑکی آج پہلی بار وہاں آئی تھی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔ ہاں' میں دوسری تمام عورتوں کے نام اور پتے بتا سکتا ہوں۔ میم کے آنے کے بعد سیٹھ نے مجھے اس کی کار باہر پارک کرنے کے لئے کہا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔"

"موتن لال بڑے سرکاری افسروں سے بھی ملتا ہوگا؟" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پارٹیوں میں تو سب ہی لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن وہ خاص طور پر کسی سے نہیں ملتا۔ جب تک وہ گھر سے باہر رہتا ہے تو میں اس کی ڈیوٹی میں رہتا ہوں۔ پچیس برس سے مجھے ایک گھنٹے کی بھی چھٹی نہیں ملی۔ جب چھٹی کی بات کرتا ہوں وہ دو چار سو روپے دے کر میرا منہ بند کردیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ بخار اور بیماری تک میں اس کی ڈیوٹی سے جان نہیں چھوٹتی۔"

"اس کے خاص دوستوں میں کون لوگ شامل ہیں؟" ظفر نے اگلا سوال کیا۔

امرکمار نے یکے بعد دیگرے متعدد نام لئے جن میں شری مان سنگھ کے علاوہ کسی کا نام میرے لئے شناسا نہیں تھا۔ شاید ظفر کا بھی ویسا ہی معاملہ تھا کیونکہ اس نے ان سب میں سے صرف شری مان

سنگھ ہی کے بارے میں سوال کیا تھا۔ "مان سنگھ کون ہے؟"

"وہ ہندی سفارت خانے کا بہت بڑا افسر ہے۔ دونوں اکثر ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے ہیں۔" اس کی تمام مزاحمت دم توڑ چکی تھی اور وہ خود کو ہر طرف سے بے دست وپا محسوس کرنے کے بعد اپنے مالک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔

"موتن اس کے دفتر بھی جاتا ہوگا؟" ظفر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، وہ دوستوں کے گھروں پر ملتے ہیں۔ وہاں شراب کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں مگر مان سنگھ بڑا افسر ہونے کے باوجود پکا دلّال ہے۔ اس کی بیوی چھپ چھپ کر ہوٹلوں کے کمروں میں موتن لال سے ملتی رہتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ مان سنگھ اس کی حرکتوں سے بے خبر ہے مگر اس کو سب کچھ معلوم ہے۔ اس کے باوجود اس کی اور سیٹھ کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

"موتن شہر کے بدمعاشوں سے بھی میل جول رکھتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اس کے پاس ولایتی شراب کے ساتھ ہی دیسی شراب کی ایجنسی بھی ہے۔ وہاں ہر طرح کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی سے ملتا جلتا ہو تو مجھے نہیں معلوم۔"

"شری مان سنگھ کی بیوی کا نام کیا ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا تھا۔

"دبلی پتلی اور بہت خوب صورت عورت ہے۔ اس کا نام رجنی ہے۔ دیکھوگے تو سیکڑوں میں الگ نظر آئے گی۔ پتا نہیں وہ سیٹھ موتن کی کس ادا کو پسند کرتی ہے!"

وہ جس رتبے کا آدمی تھا اس سے اسی سطح کے متعدد سوالات کئے گئے اور جب اس کی گفتگو میں موضوع کی تکرار ہونے لگی تو ظفر بے پروایانہ انداز میں اس کمرے میں سے نکلتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم نے غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا ہے" ظفر کے دفتر میں آنے کے بعد میں نے حیرت آمیز لہجے میں کہا "وہ اس سے کہیں کم تشدد میں راہِ راست پر آسکتا تھا۔"

"میں غیر ضروری حرکتوں سے عام طور پر دور رہتا ہوں" وہ مسکراتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا "اس کی ٹھیک ٹھاک مرمّت کے بعد موتن لال آسانی سے ہتھیار ڈال دے گا۔ یہ تمام محنت میں نے اسی کے لئے کی ہے ورنہ امرکمار تو دو چار ہی تھپڑوں میں سیدھا ہو سکتا تھا۔"

اچانک ایک شخص ایک رقعہ لے کر دفتر میں داخل ہوا اور ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

اس کے چلے جانے کے بعد ظفر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ رقعہ میری طرف بڑھا دیا۔

ڈیفنس کے رہائشی علاقے میں انڈین فارن آفس کے شری مان سنگھ کی کار کے انجن میں دھماکا ہوا۔ شیشے ٹوٹنے کی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوا لیکن پولیس اسٹیشن جانے کے بجائے وہ ٹیکسی میں اپنے دفتر چلا گیا۔ بعد میں اُس کے عملے کے افراد اس کی کار ایک جیپ سے کھینچ کر لے گئے۔ ان لوگوں نے اس واقعہ پر پُراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور ایف آئی آر درج کرانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

وہ غالباً کوئی پیغام تھا جو شاید ٹرانسمیٹر پر وصول کیا گیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ ظفر کو لوٹا دیا۔

"ہیری اپنی بات کا پکا ہے۔ اس نے جو کہا، کر دکھایا۔ پولیس والے ہوا میں مُنہ اٹھائے رہ گئے ہوں گے۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ہم لوگ بھی غنڈوں اور حملہ آوروں تک سوچ کر رہ گئے تھے جب کہ ہیری ہر وقت جدید سے جدید تر ذرائع استعمال کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔"

"معاملات بہت تیزی کے ساتھ الجھتے جا رہے ہیں" ظفر پُرتشویش لہجے میں بولا "دھماکا ہوا، وہ خود بھی زخمی ہوا لیکن رپورٹ درج نہیں کرائی گئی۔ مجھے تو یہ اچھی خاصی پہیلی معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ وہ لوگ ہماری حکومت اور انتظامیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔"

"یہ معاملہ سلجھنے کی نشانی ہے۔ رات کو مان سنگھ کو اس کے گھر پر اطلاع دی جا چکی تھی کہ ہیری نے ویرا کے لئے کاؤنسلیٹ میں فون کیا تھا۔ اس کے بعد ہی مان سنگھ نے موتن لال کو میری سلائٹ کی کہانی سنا کر ویرا کو میری بنا کر وہاں بھیجا ہوگا۔ ویرا کی ذات میں ہیری کی گہری دلچسپی سامنے آنے کے بعد مان سنگھ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ویرا کی سرپرستی کر کے اس نے غلط معاملہ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ جنگل کے قانون میں شیر کے شکار پر مُنہ مارنے والے کو کڑی سزا ملتی ہے۔ مان سنگھ سمجھ گیا ہوگا کہ وہ دھماکا اس کے لئے ایک تادیبی درجہ رکھتا ہے۔ دوسری مرتبہ کوئی طاقتور دھماکا، کار کے ساتھ اس کے بھی ٹکڑے اڑا سکتا ہے۔ وہ اب تک ہیری سے بات بھی کر چکا ہوگا۔"

"آپس میں گہری دوستی ہونے کے باوجود، اس نے ہیری کی انتقامی کارروائی کا برا نہیں منایا ہوگا؟ دھماکا بے شک ہلکا رہا ہو لیکن پیٹرول کی لائن آگ پکڑ لیتی تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔"

"کھل کر ہیری اعتراف کرے گا نہ مان سنگھ اس پر الزام لگائے گا۔ یہ سب سفارتی کنائے ہوتے ہیں اور پیشہ ورانہ رقابت ہر تعلق یا دوستی پر حاوی رہتی ہے۔ اگر میرے قیاسات درست ہیں تو اب انڈین کاؤنسلیٹ والے ویرا کی مدد اور حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ ان کے لئے ہیری کی خوشنودی ویرا سے زیادہ اہم ہوگی کیونکہ سندھ میں گڑبڑ پھیلانے کے معاملے میں ان دونوں کے مفادات یکساں ہیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی حکومتوں کی نمائندگی کرتے ہیں جب کہ ویرا فردِ واحد ہے۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب ویرا ان لوگوں کی تحویل سے غزالہ کو حاصل نہیں کر سکے گی؟" ظفر نے چونک کر سوال کیا۔

"ایسا ہونا تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

"ہیری کو غزالہ کی اہمیت کا علم ہے نہ اُس کا اس سازش میں کوئی کردار ہے اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس کے انجام کا دارومدار انڈین کاؤنسلیٹ کے رویے پر ہے۔ ان لوگوں نے ویرا کو ایک بار بھی قریب آنے کا موقع دیا تو وہ غزالہ کو نکال لے جائے گی۔"

"وہ لوگ غزالہ کو چارے کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔" ظفر بولا "ویرا کو بلائیں اور پکڑ کر ہیری کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ان کے درمیان تیزی سے مفاہمت بڑھ سکتی ہے۔"

"پھر تو غزالہ بھی ماری جائے گی۔ اس کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اب ویرا خطرہ بھانپ کر خود ہی انڈین کاؤنسلیٹ سے دور رہنے کا فیصلہ کر لے۔ مگر یہ سب قیاسات ہیں۔ میں وقت کھونا نہیں چاہتا اس لئے تمہاری رضامندی سے ایک جوا کھیلنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" ظفر صوفے پر آگے جھک کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ تم غلام رسول کے بارے میں فکر مند تھے تو میں نے تمہیں ہوائی اڈوں کی طرف توجہ دینے کا مشورہ دیا تھا؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ہاں، ہاں، اچھی طرح یاد ہے" اس نے پہلو بدل کر اضطراری لہجے میں کہا "لیکن اس وقت غلام رسول کا ذکر کہاں سے آگیا؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو؟"

"خوش قسمتی سے میں ان لوگوں سے واقف ہوں جو اسے پولیس کی تحویل سے نکال کر لے گئے تھے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا اور ظفر فرطِ جوش میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اتنی اہم بات تم اب تک اپنے دل میں لئے بیٹھے ہو؟ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ اور پھر دیکھو کہ میری فورس ان کا کیا حشر کرتی ہے۔ غلام رسول کا معاملہ تمہارے اندازوں سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔"

"سب کچھ درست ہے لیکن تم بھول رہے ہو کہ میں نے پہلے بھی تمہیں مشورہ دیا تھا کہ غلام رسول کو دیکھتے ہی گولی مار دینا، اس فتنے کا یہی انجام سب سے بہتر اور سود مند رہے گا۔ اس کے خلاف جرائم کی فہرست بہت سنگین اور لمبی ہے لیکن عدالتوں میں بعض جرائم ثابت نہیں کئے جا سکیں گے اور وہ ان الزامات سے بری ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے کیس میں ایسے ایسے نیک ناموں اور پردہ نشینوں کے کرتوت سامنے آئیں گے کہ ملک کا پورا سماجی اور سیاسی شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اس کے لئے واحد اور سب سے موثر سزا صرف موت ہو سکتی ہے اور تم ابھی تک اسے اور اس کے حواریوں کو زندہ پکڑنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ اس کے اور اس کے ہمدردوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو اور تمہارے جوئے کا اس کی ذات سے کیا تعلق ہے؟" اس نے چڑ کر قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"میری ان لوگوں تک رسائی ہے۔ وہ غیر سیاسی عزائم رکھنے والے عام مجرم ہیں۔ انہوں نے بھاری معاوضہ کے لالچ میں غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اغوا کر کے اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے اور موقع ملتے ہی کسی بھی پرواز سے اسے باہر روانہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسے بھارتیوں کی تحویل میں دے کر اپنا باقی معاوضہ وصول کر سکیں" میں نے مافیا کی کہانی میں حسبِ ضرورت ترمیم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اور اگر تم چاہو تو ان کے ٹھکانے تک ہماری رہنمائی بھی کر سکتے ہو؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔ وہ میری گفتگو سے آگے ہی چھلانگیں لگا رہا تھا۔

"ہاں، یہ درست ہے" میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "اس کے اغوا کا مقصد میں نے تمہیں بتا دیا لیکن بھارتیوں کو غلام رسول سے محبت نہیں ہے۔ وہ اسے ایک طاقت ور مہرہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کاؤنسلیٹ اس کے لئے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جائے گا۔"

"کھل کر بات کرو" وہ مضطربانہ انداز میں بولا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"اگر میں مان سنگھ سے قیدیوں کے تبادلے پر بات کروں تو وہ فوراً میرے جال میں پھنس جائے گا" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر آہستگی سے کہا۔

وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور میری طرف پشت کر کے بولا "تم نے سب کچھ تباہ کر دیا، ڈینی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم جیسا شخص بھی محبت کے معاملہ میں اتنا خود غرض ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں تمہارا مقام بہت بلند تھا لیکن غلام رسول سے غزالہ کے تبادلے کی بات کر کے تم نے خود کو بہت سکیڑ لیا ہے۔ اب میں کچھ نہیں سنوں گا۔ مجھے ان لوگوں کے نام پتے بتاؤ جنہوں نے غلام رسول کو اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے۔ میں ان سب کے ٹکڑے اڑا دوں گا، ان کو فنا کر دوں گا۔"

"کوئی آخری رائے قائم کرنے سے پہلے، سکون سے بیٹھ کر میری پوری بات سنو!" میں نے اکھڑے ہوئے، سرد لہجے میں کہا، وہ تیزی سے میری طرف پلٹا تو اس کی آنکھوں میں برہمی کے آثار تھے۔

"اپنے تیور درست کرو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں موت سے پہلے کبھی ڈرا ہوں نہ اب ڈرتا ہوں۔ اگر تم نے اپنا توہین آمیز رویّہ نہ بدلا تو یہیں خون خرابا

شروع ہو جائے گا۔ میں ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

اس نے اتنی قوت کے ساتھ اپنے دانت بھینچے کہ اس کے جبڑوں پر وریدیں ابھر آئیں پھر وہ ایک جھٹکے سے یوں صوفے پر بیٹھ گیا جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ فعل کر رہا ہو۔ پھر بولا "کہو!"

"میں خود غرض ہوتا تو یہ تبادلہ تم کو اعتماد میں لئے بغیر بھی کر سکتا تھا" میں نے برہمی سے کہا "اس کے لئے مجھے کسی سودا کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں تھی" میں کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ مسلسل فرش کی طرف نگراں تھا اور اپنے داہنے جوتے کی نوک سے پختہ فرش پر یوں ٹھوکریں لگا رہا تھا جیسے یوں ہی اسے ادھیڑ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ میرے تلخ و ترش الفاظ پر اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ بالکل خاموشی اور تواتر کے ساتھ اسی شغل میں مصروف رہا تھا۔

"غزالہ میرے لئے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ ضرور ہے" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا اسی وجہ سے میرے ذہن میں غلام رسول کا خیال آیا تھا۔ وہ لوگ غزالہ کو لائیں گے اور میں غلام رسول کو لے جاؤں گا۔ تمہاری نفری انتظار کرے گی اور جوں ہی تبادلہ مکمل ہو گا تو تمہارے آدمی چھاپا مار کر بھارتی سفارت کاروں کو غلام رسول سمیت پکڑ لیں گے۔"

اس نے پہلی بار سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کافی دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر یوں ہی دیکھتا رہا۔ اس کے ایک دوسرے میں پیوست لب جدا ہو گئے تھے 'دانتوں کی مشقت ختم ہو گئی تھی' جبڑوں کی وریدیں جلد میں معدوم ہو چکی تھیں اور چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے تھے پھر یکایک اس کی دونوں آنکھوں میں نمی امڈ آئی 'اس کے حلق سے ہچکی جیسی ایک خفیف سی آواز برآمد ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر آپڑا۔

میں بیٹھا ہوا تھا' وہ کھڑا ہوا تھا۔ اس لئے پوری طرح بغل گیر ہونا ممکن نہیں تھا لیکن اس نے اپنا پورا وزن میرے شانوں پر ڈالا ہوا تھا اور اس کا بدن طوفان کی زد میں آئے ہوئے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح تیزی سے لرز رہا تھا "مجھے معاف کردو' مجھے معاف کردو' ڈینی! میں تمہاری عظمت کو لاکھوں سلام کرتا ہوں۔ میری جلد بازی نے تمہارا دل دکھایا ہے' مجھے معاف کردو!"

وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان میں بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ میری انا کو بڑی مدتوں کے بعد بھرپور خوراک میسر آرہی تھی۔ میں نے دانستہ جواب دینے میں تاخیر کی۔ بس ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتا رہا۔ سلطان شاہ بھی ہمارے قریب آکھڑا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس ڈرامائی صورت حال میں کیا کرے۔

"اپنی جگہ پر بیٹھو!" آخر کار میں نے زبان کھولی "غنیمت ہے کہ تم کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ورنہ آج واقعی ... باقی نہ رہتا۔ دشمنوں کے بدترین الزامات بھی انسان ... ہے لیکن دوستوں کے برے تیور بھی دلوں میں گھاؤ ڈال دیتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ تم کو فوراً ہی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا ورنہ ہماری دوستی ایک دن بھی برقرار نہ رہ پاتی۔"

سلطان شاہ نے اسے سہارا دیا اور مجھ سے الگ کر کے اس کی جگہ پر بٹھا دیا۔

ان چند ہی منٹوں میں ظفر کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرے سے ہی دل گرفتہ نظر آرہا تھا۔ خاصی دیر تک ہم اس ناخوشگوار واقعے کے اثرات کو زائل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے اور آخر کار ظفر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو گئے۔

"مجھ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ میں منافقانہ انداز میں بھی دشمن کی تعریف برداشت نہیں کر سکتا اور اس وقت میری یہ خرابی میری شرمندگی کا باعث بن گئی۔"

"خدا کسی پر ایسا برا وقت نہ لائے لیکن کبھی کبھار دشمن کی قید میں رہ کر وہ سب سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے جس کا تصور بھی محال ہے" سلطان شاہ نے کہا "ہم لوگوں نے بارہا دشمنوں کی صفوں میں رہ کر کام کیا ہے اس لئے ایسے معاملات میں جذبات کے بجائے عقل سے کام لینے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایسے ہر موقع پر خود پر قابو نہ رکھا جائے تو زندگی بہت مختصر ہو سکتی ہے۔"

"میری خوش قسمتی یہی ہے کہ میں نے آج تک کسی دشمن کی قید کا مزا نہیں چکھا" وہ پہلی بار پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "لیکن آج تمہارے ساتھ مجھے جو ذہنی جھٹکا ملا ہے' اسے میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس ناخوشگوار واقعے کے بعد بھی ہماری دوستی قائم ہے۔"

"پھر اب یہ بتاؤ کہ غلام رسول کے تبادلے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا "اس مشن کی کامیابی کا تمام تر انحصار تمہاری کارکردگی پر ہو گا۔"

"اپنے معاملات کو تم بہتر طور پر سمجھتے ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ غلام رسول کو اغوا کرنے والے اتنی آسانی کے ساتھ اسے تمہارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔" اس نے کہا۔

میں اسے کیا بتاتا کہ غلام رسول کسی اور کی نہیں بلکہ مقامی مافیا کی قید میں تھا جہاں سارے عملی اختیارات میرے پاس تھے میں سیٹھ حبیب جیوانی کو کوئی بھی پٹی پڑھا کر غلام رسول کو بآسانی اپنے ساتھ باہر لا سکتا تھا۔ اس سے آگے' اس کی اور مان سنگھ کی گرفتاری کا اسکینڈل بنتا تو میں بہ آسانی ساری ذمہ داری مان سنگھ پر ڈال کر اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

"وہ ایک الگ مسئلہ ہے" میں نے کہا "اگر غلام رسول

میں آگیا تو پروگرام پر عمل ہو گا ورنہ اسے وہیں ٹھپ کر دیا جائے گا۔ اگر تم راضی ہو تو میں کم از کم شری مان سنگھ سے مذاکرات کی داغ بیل ڈال سکتا ہوں۔ اس طرح ہم وریا کے لئے ہر راہ مسدود کر دیں گے۔"

"میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ اس شکار کے لئے غلام رسول ضرورت سے زیادہ بڑا چارہ ہے۔ ہم تشہیر اور ابلاغ کے معاملے میں بھارتیوں سے بہت پیچھے ہیں۔ وہ اس واقعے کو ہمارا بنایا ہوا اسکینڈل ثابت کر دیں گے اور ہمارے لئے دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر منصوبہ بنا رہے ہیں۔ باہر کے آدمی کی نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں اس منصوبے میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔"

"سب سے بڑا اور بنیادی نقص تو یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد غزالہ کا نام بھی اخبارات میں آئے گا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "شری مان سنگھ اس موضوع پر اپنی زبان بند نہیں رکھے گا اور اگر وریا بھی اس آگ پر تیل چھڑکنے پر تل گئی تو تمہارا نام بھی اس کہانی سے نتھی ہو جائے گا اور تم پاکستان میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کے حق سے ایک طویل مدت کے لئے محروم ہو جاؤ گے۔"

اس کی وہ دلیل بہت وزنی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں ہم میں سے کسی نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ قومی سطح کے اس واقعے کے ہر کردار کے بارے میں مقامی اخبارات اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کرتے اور میرا ماضی ایک مرتبہ پھر ڈراؤنا خواب بن کر میرے سامنے آجاتا۔

"اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک مہرہ اور بھی ہے" ظفر نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا "اپنی ذہانت سے تم اسے بھی استعمال کر سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ مان سنگھ بھی اس واقعے کو خاموشی کے ساتھ نمٹانا چاہے گا اور غزالہ بہ آسانی تمہاری تحویل میں آجائے گی۔"

"وہ کیا؟" ہم دونوں نے بیک وقت متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"موتن لال ہماری مضبوط گرفت میں ہے۔ اس کا ڈرائیور ہمیں بتا چکا ہے کہ شری مان سنگھ کی بیوی' رجنی' موتن لال کے عشق میں مبتلا ہے۔ ہم موتن لال کو مجبور کریں گے کہ وہ فون کر کے رجنی کو ملاقات کے لئے طلب کرے۔ مان سنگھ اس وقت دفتر میں ہے۔ رجنی فوراً دوڑی چلی آئے گی اور اسے اغوا کر کے یہاں لے آیا جائے گا۔ تم مان سنگھ سے غزالہ کے بدلے میں رجنی کی واپسی کا سودا طے کر سکتے ہو۔"

ظفر کی وہ تجویز سن کر میں مسرت سے اچھل پڑا۔ وہ واقعی بالکل سامنے کی اور سہل تجویز تھی جس پر کسی کا دھیان نہیں جا سکتا تھا۔ مان سنگھ کو بھرپور انداز میں بلیک میل کرنے کے لئے یہ بتایا جا سکتا تھا کہ اس کی بیوی موتن لال سے خفیہ ملاقات کے لئے جاتے ہوئے اغوا کی گئی ہے۔ اس طرح اس واقعے میں اس کی عزت نفس بھی داؤ پر لگ جاتی اور وہ جلد از جلد' خفیہ انداز میں اس معاملے کو نمٹانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتا۔

ظفر کا خیال تھا کہ شاید ہم اس کی تجویز سے اتفاق نہیں کریں گے لیکن جب ہم نے کھل کر اس کی تجویز کی داد دی تو اس کے

چہرے سے وہ تمام اداسی ڈھل گئی جو غلام رسول والی تلخ بحث کے بعد سے اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔

ظفر کے استفسار پر پتا چلا کہ موتن لال کافی دیر پہلے ہوش میں آچکا تھا اور اپنی نگرانی پر مامور افراد کو بار بار دھمکیاں دے رہا تھا۔

ظفر کے ایما پر امرکمار کے زخموں کی کوئی دیکھ بھال نہیں کی گئی تھی۔ ویسے بھی اسے کوئی شدید اندرونی ضرب نہیں لگائی گئی تھی بلکہ سارے ہی جلدی زخم تھے جو کوئی علاج نہ ہونے کے باوجود بھی چند روز میں بھر سکتے تھے۔ اس لئے وہ خون آلود' تار تار لباس میں اسی حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔

موتن لال کو دو کڑیل جوانوں نے زبردستی اس کمرے میں پہنچایا تو وہاں قدم رکھتے ہی موتن لال اپنی ساری چوکڑی بھول گیا۔ اس کی خوف سے پھٹی ہوئی نگاہیں امرکمار کے زخموں پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اسے دیکھ کر امرکمار کے ورم آلود' زخمی ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ زہریلے لہجے میں بولا "سیٹھ' دیکھ لو کہ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے میں کس حال کو پہنچا ہوا ہوں۔ میں نے کسی شریف آدمی کی نوکری کی ہوتی تو اس انجام سے دوچار نہ ہوا ہوتا۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ تمہیں مجھ سے زیادہ حصہ ملے گا۔"

"تو پاگل ہوگیا ہے' امرکمار؟" موتن لال اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "میں نے کون سی بدمعاشی کی ہے جس کا تو مجھے طعنہ دے رہا ہے۔"

اچانک ظفر نے موتن لال کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا۔ اس غیر متوقع تھپڑ نے اس کے اوسان خطا کردیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے کسی باز پرس کے بغیر ابتدا ہی زوردار تھپڑوں سے ہوگی۔

امرکمار اپنے سیٹھ کی اس تواضع پر زور سے ہنسا اور بولا "میری بید سے پٹائی ہوئی تھی۔ غنیمت ہے کہ انہوں نے تمہیں چمار نہیں سمجھا اور ہاتھ سے مارا ہے......"

"یہاں آواز نیچی رکھو' سیٹھ موتن لال!" ظفر نے امرکمار کی بکواس کی پروا کئے بغیر ہڈیوں میں پیوست ہوجانے والی کاٹ دار آواز میں کہا "یہاں امرکمار تمہارا نوکر نہیں بلکہ تمہاری ہی طرح ہمارا ایک قیدی ہے اور قیدیوں کو ڈانٹنا پھٹکارنا ہمارا حق ہے۔"

"تم کون لوگ ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ اپنا رخسار سہلاتے ہوئے' کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ایک معزز شہری بنا ہوا تھا اس لئے ظفر کے بے رحمانہ سلوک نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"دوسری بات یہ بھی یاد رکھنا کہ ہم اپنے کسی قیدی کو سوال کرنے کا کوئی حق نہیں دیتے۔" ظفر نے یہ کہتے ہوئے' آگے بڑھ کر پھر ایک تھپڑ رسید کیا جو اس کے ہاتھوں پر پڑے کیوں کہ اس نے اپنے دونوں رخسار ہاتھوں سے چھپائے ہوئے تھے۔

ظفر کہہ رہا تھا "ویسے تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو سنو کہ ہم لوگ تمہاری دُھنوں پر رجنی بائی کا مجرا دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے فوری طور پر فون کرکے اسے لال کوٹھی پر بلالو' ہمارے آدمی اسے عزت اور احترام کے ساتھ یہاں لے آئیں گے۔"

اس نے خوف' دہشت اور بے بسی سے امرکمار کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر زخموں کے باوجود شیطانی چمک نظر آرہی تھی لیکن موتن لال زبان سے ایک لفظ بھی نکالنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

سلطان شاہ کمرے سے باہر رکھا ہوا اسپیکر فون اٹھا کر اندر لے آیا۔

"فون کرو!" ظفر نے غرا کر موتن لال کو حکم دیا۔

"مم...... مگر میں اس سے کیا کہوں گا؟" موتن لال رو دینے والی آواز میں کراہا۔

"وہی جو آج سے پہلے' بار بار کہتے رہے ہو" ظفر نے زہریلے لہجے میں کہا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ لال کوٹھی آئے گی اس فون پر اس کی آواز بھی ہمیں سنائی دے گی۔ تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں فوراً ہی تمہارا نرخرا دبا دوں گا۔"

"لل...... لیکن ابھی بہت سویرا ہے۔ اس کا پتی گھر پر ہوگا۔ میں ہمیشہ دوپہر کے قریب اس سے بات کرتا رہا ہوں۔ جب وہ گھر میں اکیلی ہوتی ہے" وہ رک رک کر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ ظفر نے اس پر پس و پیش کے تمام دروازے سے پہلے ہی بند کردیے تھے۔

"مان سنگھ دفتر میں ہے' وہ گھر پر اکیلی ہی ہوگی۔ تم نے اس سے روتی ہوئی آواز میں بات کی تو میں تمہاری زبان گُدی سے کھینچ لوں گا۔ وہ خوش ہوگی کہ آج تم اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"پہلے مجھے پانی چاہئے۔ میرا گلا خشک ہورہا ہے" اس کی آواز واقعی حلق میں پھنس رہی تھی۔

پانی پینے کے بعد وہ ایک ڈیڑھ منٹ تک اپنے اوسان بحال کرتا رہا۔ جب وہ فون کی طرف بڑھا تو ظفر امرکمار کی طرف گھوم گیا "اب تم اپنی زبان بند رکھوگے۔ بولے تو بری طرح چوٹ کھاؤ گے۔"

امرکمار اثبات میں سرہلا کر رہ گیا اور ظفر نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔

دوسری گھنٹی کے بعد وہ کمرے کی فضا ایک مترنم نسوانی ہیلو سے گونج اٹھی۔

"ہائے موتی ڈارلنگ! تم کہاں ہو؟" بولنے والی اس کا نام سنتے ہی ایک دم سرور میں آگئی "میں دس بار تمہارے گھر فون کرچکی ہوں لیکن تمہارے دونوں نمبر ڈیڈ پڑے ہوئے ہیں۔ مان سنگھ بھی آج مارکیٹ سے سیدھا دفتر چلا گیا۔ اس نے فون کیا تھا کہ اس کی کار بیکری سے پہلے خراب ہوگئی تو وہ ٹیکسی سے سیدھا دفتر چلا گیا۔ تاکہ وہاں سے مستری بھیج سکے۔ وہ آواز سے پریشان لگ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ آج کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ میں نے اسی لئے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تمہیں اس کی اتنی فکر کب سے ہوگئی؟ اسے چھوڑو اور لال کوٹھی آجاؤ۔ میرا پرانا ڈرائیور بیمار ہے۔ میں کسی اور کو بھیجوں گا۔ ملوگی تو پھر باتیں ہوں گی" اس نے کہا "میں ہوٹل میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"ہاؤ سویٹ ڈارلنگ! میں ابھی نکلتی ہوں۔ مجھے مان سنگھ کی طرف سے بہت فکر ہے۔ تم سے ملوں گی تو ذہن پر سے بوجھ کچھ کم ہوجائے گا۔ تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو!"

ان دونوں میں مزید چند بے ہودہ اور لچر مکالمات کا تبادلہ ہوا اور پھر موتن لال ہی نے بات مختصر کرکے فون منقطع کردیا اور اپنی عرق آلود پیشانی کو آستین سے خشک کرنے لگا۔ گفتگو ختم ہونے کے بعد بھی وہ ندامت کی وجہ سے کسی سے نظریں چار نہیں کررہا تھا۔

اس کے اضطراری ردعمل سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ عیاش اور رنگین مزاج ضرور تھا لیکن اس میں شرم و حیا کا عنصر بالکل ہی ختم نہیں ہوا تھا۔

رجنی کو لینے کے لئے میں نے جانا چاہا لیکن ظفر نے مجھے روک دیا۔ موتن لال کی بتائی ہوئی نشانیوں کی بِنا پر کوئی اجنبی بھی اسے بہ آسانی پہچان سکتا تھا اس لئے ظفر نے اپنے عملے کے ایک آدمی کو سمجھا بجھا کر رجنی کو لانے کے لئے بھیج دیا اور خود اسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں ہم لوگ موجود تھے۔

"تم دیکھ چکے ہو کہ ہم سیدھے سادے لوگ ہیں" اس نے آتے ہی موتن لال سے گفتگو شروع کردی "جس کے دشمن ہوتے ہیں اس سے ذرا سی بھی رعایت نہیں کرتے اور تم بدقسمتی سے ہمارے دشمن ہی ہو اس لئے میں تم سے صرف دو سوالات کے جواب سننا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ ضمانت پر رہا ہونے اور پھر بری ہونے والے سات دہشت گردوں سے تمہارا کیا تعلق تھا اور دوئم یہ کہ تم اپنی دُھنوں میں کس کے لئے پیغام مرتب کرتے ہو؟ وہ کون لوگ ہیں اور ان سے تمہارے دیگر روابط کیا ہیں؟"

"میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں یہاں کا شہری ہوں اور قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہوں" وہ خوف زدہ آواز میں بولا مگر ظفر کے سوالات پر اس کا چہرہ دھواں ہوچکا تھا۔

"پھر مجھے تمہاری یادداشت واپس لانے کا بندوبست کرنا پڑے گا" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے ترحم آمیز لہجے میں کہا "رجنی کو تمہیں اس حال میں دیکھ کر صدمہ ہوگا۔ میں تمہاری دونوں ٹانگیں چیر کر ٹخنوں پر ایک ڈنڈا بندھواؤں گا اور تمہارے جسم پر سرخ چیونٹے چھوڑ دیے جائیں گے جو انسانی گوشت کے رسیا بہت رغبت سے کھاتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ علاج دس پندرہ منٹ میں ہی اثر دکھانے لگتا ہے۔"

"ان دہشت گردوں سے میرا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں اپنی برادری کے بڑے کی ہدایت پر اپنی چھوٹی موٹی جائدادیں برائے نام قیمت پر ایسے ضرورت مندوں کو دیتا رہا جنہیں میں خود نہیں جانتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری وہ بھلائی ایک دن میرے گلے پڑ جائے گی۔"

"حالاں کہ تمہارے بیشتر خریدار مسلمان تھے۔ صرف ایک مکان تم نے کسی ہندو کو بیچا تھا۔"

"وہ مذہب' ذات اور برادری کی بات نہیں تھی۔ چوہدری نے جس کا نام دیا میں نے اسی کو مالک بنا دیا۔ شاید اسے پہلے سے سب کچھ معلوم تھا اور وہ آنے والے دنوں کی لئے انہیں پال رہا تھا۔"

"وہ کون ہے؟" ظفر نے برف کی طرح سرد اور پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"چوہدری رام دیو۔ لیکن وہ پچھلے برس ایک حادثے میں مرچکا ہے۔ اس کی جگہ لینے والے نے آج تک مجھ سے ایسا کوئی کام نہیں لیا جو کچھ لیتا ہے' برادری اور کنبہ کے لئے لیتا ہے۔"

"اور جل ترنگ کا کیا ڈھونگ ہے؟" ظفر کا باز پُرس کا انداز موتن لال کو دہلائے دے رہا تھا۔

"مجھے کچھ علم نہیں کہ ان دُھنوں میں کیا ہوتا ہے۔ رجنی خود بھی جل ترنگ بجانے میں بہت ماہر ہے۔ پروگرام سے ایک دو دن پہلے وہی مجھ کو مشق کراتی ہے۔ دُھنیں اس کی ہوتی ہیں میں صرف بجادیتا ہوں۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں کہ میرے بارے میں تمہیں بہکایا گیا ہے۔ میں شراب اور عورتوں کا شوقین ضرور ہوں لیکن یہ سب پیسے والوں کے فیشن ہیں میں تم کو بیسیوں نیک نام اور پارسا مسلمان رؤسا کے نام گنوا سکتا ہوں جن کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا لگا رہتا ہے۔ تم نے بلاوجہ مجھ اکیلے کو پکڑ لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے موتی ڈارلنگ!" ظفر نے خشک لہجے میں کہا "اس وقت تم آرام کرو۔ تمہارے مسئلے پر ہم بعد میں غور کریں گے۔ تم بے گناہ ہوئے تو تمہاری گلو خلاصی ہوجائے گی۔"

موتن لال اظہار ممنونیت میں دونوں ہاتھ جوڑ کر رکوع کی حالت میں جھک گیا اور ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے جہاں دونوں قیدی موجود تھے۔

"موتن لال تم کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے" ظفر کے دفتر میں آنے کے بعد میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں!" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے اس کی ایک بات پر بھی یقین نہیں ہے۔ غزالہ کا معاملہ نمٹ جائے پھر اس کی لگامیں کھینچوں گا۔ اس وقت میں اس پر مزید تشدد سے گریز کررہا ہوں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جب تک غزالہ بخیر و عافیت ہماری

تحویل میں نہ آجاتی‘ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کہاں موتن لال کی ضرورت پیش آجاتی۔ جب تک اس کی چمڑی بچی ہوئی تھی‘ وہ ہم سے بے چوں و چرا تعاون کرتا رہتا لیکن جس دن جو تم پیزار کی کھلی ابتدا ہو جاتی‘ وہ ہٹ دھرمی پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

ظفر نے مجھے مان سنگھ کو فون کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں رجنی کے آنے سے پہلے ایسا کوئی قدم اٹھانے کے حق میں نہیں تھا۔ حالات نے مجھے یہ تلخ سبق سکھایا تھا کہ بعض اوقات جیتی ہوئی بازی بھی آخری چند لحات میں الٹی ہو جاتی ہے اس لئے تاش کی اصطلاح میں جب تک آخری پتہ نہ کھیل لیا جائے‘ جیت کا گمان اچھا نہیں ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد ایس ٹی ایف کا ایک لمبا تڑنگا جوان اپنے شانے پر ایک سبک اندام بے ہوش لڑکی کو لادے راہداری میں سے گزرا تو میں اس حسین چہرے کی ایک جھلک دیکھتے ہی بھونچکا رہ گیا۔

”یہ تو بے ہوش معلوم ہو رہی تھی!“ سلطان شاہ نے احمقانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

”جنہیں واپس جانا ہو‘ انہیں بے ہوشی کی حالت میں ہی یہاں لایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جانے سے پہلے ہم لوگ اپنے چہروں پر نقابیں بھی چڑھالیں گے تاکہ رہا ہونے کے بعد وہ ہماری نشان دہی نہ کر سکے۔ دنیا بہت چھوٹی ہو چکی ہے پتا نہیں اس سے کہاں آمنا سامنا ہو جائے۔“

”ابھی تو وہ بے ہوش ہے۔ میں اسے ایک نظر دیکھ کر آتا ہوں“ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ایس ٹی ایف کے آدمی نے بے ہوش رجنی کو احتیاط کے ساتھ اس کمرے کے فرش پر لٹادیا تھا جہاں موتن لال امرکمار کے ساتھ قید تھا۔ میں نے رجنی کو دیکھا اور اس کے حسن سے مرعوب و مبہوت ہو کر رہ گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے موم سے تراشی ہوئی ایک معصوم اور قدِ آدم گڑیا فرش پر لیٹی ہوئی ہو۔

موتن لال والہانہ انداز میں اس کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اس نے رجنی کا سر ننگے فرش سے اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اسے میری موجودگی کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ رجنی کو اسی وقت اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا اور دنیا و مافیہا سے لاتعلق ہو جاتا۔

میں کئی سکنڈ تک اسی حالت میں کھڑا رجنی کا چہرہ تکتا رہا۔ معاً میرے ذہن میں اس کی اور موتن لال کی فون پر ہونے والی گفتگو گونجنے لگی اور رجنی کا رنگ روپ یکلخت اپنی کشش کھو بیٹھا۔ وہ ایک معزز شخص کی بیوی تھی لیکن بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے شوہر کو فریب دے کر‘ اس کے جگری دوست سے دوستی نبھا رہی تھی۔ میں ایک جھٹکے کے ساتھ فوراً ہی واپس چل دیا۔

اس دوران میں ظفر نے اپنے آدمی کے ذریعے شری مان سنگھ کا فون نمبر تلاش کر لیا تھا۔ میں فون اپنی گود میں لے کر‘ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

پہلی بار غلط نمبر ملا‘ دو مرتبہ مان سنگھ کی لائن مصروف تھی۔ چوتھی کوشش بار آور ہوئی اور دوسری طرف سے ”ہیلو! مان سنگھ اسپیکنگ“ کی آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

”میں تمہارا ایک ہمدرد بول رہا ہوں“ میں نے بھاری اور سپاٹ آواز میں کہنا شروع کیا ”اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری بیوی اس وقت میری تحویل میں ہے۔“

”رک کیوں گئے؟ بات پوری کرو!“ اس کا لہجہ چڑانے والا تھا۔

”شاید تمہیں رجنی کی زندگی عزیز نہیں ہے جو اس لہجے میں بات کر رہے ہو“ میں غرایا۔

”رجنی کے نام سے تمہارا واقف ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ واقعی تمہارے قبضے میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس وقت شہر کے کسی بڑے ہوٹل میں میرے گہرے دوست کے ساتھ ہوگی۔ پھر میں تمہاری بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں۔ تم گھٹیا سسپنس پیدا کر کے بلاوجہ میرا اور اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔“

اس کے الفاظ سے مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا ”اگر تم اس قدر خبیث اور بے غیرت انسان ہو کہ اپنی بیوی کی ٹوہ میں لگے رہنے کے باوجود اس پر کوئی روک ٹوک عائد نہیں کرتے تو......“

”بس!“ اس نے فوراً میری بات کاٹ دی ”میں اس کی ٹوہ میں رہتا ہوں یا وہ میرے مشورے سے ہر جگہ آتی جاتی ہے‘ یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔ تم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟“

”میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ تمہارا موتن لال نامی جگری دوست بھی ہمارے پاس ہے اور رجنی اس سے ملنے ملانے کے لئے یہیں لائی گئی ہے“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اوہ! تو تم اس کا نام بھی جانتے ہو!“ اس بار شری مان سنگھ کی آواز قدرے پُر تشویش تھی ”اگر تم رجنی سے میری بات کروا سکو تو میں تمہاری کہانی پر اعتبار کر لوں گا۔“

”فی الحال موتن لال سے بات ہو سکتی ہے“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”شاید وہ مجھ سے بات نہ کرنا چاہے.... چلو‘ تم فی الحال اسی سے بات کرادو!“

اسے لائن ہولڈ کرانے کے بعد موتن کو فوری طور پر وہاں طلب کیا گیا لیکن جوں ہی اسے بتایا گیا کہ اسے فون پر مان سنگھ سے بات کر کے رجنی کے وہاں موجود ہونے کا یقین دلانا ہے تو وہ بتھے سے اکھڑ گیا اور بدک کر فون سے دور ہٹ گیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مان سنگھ اس کے اور رجنی کے تعلق سے بے خبر تھا۔ وہ رجنی کے حوالے سے گفتگو کر کے اپنی برسوں پرانی دوستی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ جب ظفر نے زہریلے لہجے میں اسے بتایا کہ مان سنگھ نہ صرف ان کے میل جول بلکہ تازہ ترین ملاقات کے تفصیلی پروگرام سے بھی واقف ہے تو موتن لال کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس نے ظفر کی خونخوار نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے ریسیور لے لیا۔

”مانی! یہ لوگ درست کہہ رہے ہیں‘ رجنی ان کی تحویل میں ہے اور میں بھی ان ہی کا قیدی ہوں“ اس نے ریسیور لیتے ہی مشینی انداز میں کہنا شروع کیا اور میں نے فوراً ریسیور اس کے ہاتھ سے واپس لے لیا۔

”یار تم بلاوجہ شرمندہ ہو رہے ہو“ میرے کانوں میں مان سنگھ کی آواز آئی۔ وہ اپنی دانست میں موتن لال سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں دانستہ خاموش رہا۔

”عورتیں کسی کی جاگیر نہیں ہوتیں“ وہ کہہ رہا تھا ”ہم دن رات نجانے کہاں کہاں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ اگر رجنی نے دل بہلانے کے لئے تم سے یا کسی اور سے دوستی کر لی تو کیا برا کیا؟ میرے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مجھے سچے دل سے اپنا پتی مانتی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گی۔ اونچے طبقے میں سب کچھ چلتا ہے۔ یہ تمام نخرے اب نچلی اور متوسط کلاس تک رہ گئے ہیں۔ ہم اور تم تو ان پابندیوں سے بہت آگے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ یہ لوگ اب کیا چاہتے ہیں؟“

”تمہارے کاؤنسلیٹ میں ایک مقامی عورت قید ہے۔ ہم اس کے بدلے......“

اس نے میری بات درمیان ہی سے اڑا دی اور تحیرزدہ آواز میں بولا ”اگر تم غزالہ سے رجنی کے تبادلے کی بات کر رہے ہو تو تم ڈیِنی ہی ہو سکتے ہو۔“

”فضول قیاس آرائیوں کے بجائے کام کی بات کرو۔ اس نے مجھ جیسے بہت سے لوگوں کو برے وقتوں کے لئے پالا ہوا ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ تمہاری طرف سے مثبت جواب نہ ملنے کی صورت میں کل دوسری کارروائی کا آغاز کیا جائے اور وہ تمہارے لئے تباہ کن ہوگی۔“

”میں رجنی سے بات کئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا“ لمحہ بھر کے سکوت کے بعد اس کی آواز سنائی دی ”مجھے اس سے بے انتہا محبت ہے لیکن میں کچھ اصولوں پر زندگی گزارنے کا قائل ہوں۔ اس سے بات کرنے کے بعد ہی میں اندازہ کر سکوں گا کہ میں آج کس مقام پر ہوں۔“

”وہ ہوش میں آئے گی تو تمہاری بات کروادی جائے گی“ میں نے فون بند کر دیا۔

اس وقت ساری گفتگو عام انسٹرومنٹ پر کی گئی تھی اس لئے جب میں نے انہیں پوری گفتگو سے آگاہ کیا تو رجنی اور مان سنگھ کے بارے میں وہ دونوں ہی حیران رہ گئے وہ ایک ایسا نازک موضوع تھا جس پر ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لئے بات شری مان سنگھ کی قیاس آرائی کی طرف مڑ گئی یوں کہ اس نے غزالہ کا ذکر آتے ہی مجھے ڈینی قرار دے دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرانے انڈین کاؤنسلیٹ میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران‘ ان لوگوں کو میرے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کر دی تھیں تاکہ میرے خلاف وہ محاذ بھی سرگرم عمل ہو جائے۔

”میرا خیال تھا کہ وہ اپنی بیوی کے اغوا کی خبر سنتے ہی تبادلے پر رضامند ہو جائے گا لیکن اس نے رجنی سے بات کرنے کی جو شرط عائد کی ہے اس سے معاملہ مشکوک ہو گیا ہے“ کچھ دیر خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

”اگر اس نے تبادلے سے انکار کر دیا تو ہم رجنی کو کہاں لے جائیں گے؟“ ظفر نے پوچھا۔

”اس کی نوبت نہیں آئے گی“ میں نے مضبوط لہجے میں کہا ”وہ ایک سفارت کار ہے اور ہر سفارت کار مذاکرات میں اس قسم کے تاخیری حربے استعمال کر کے اپنے حریف پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بس اپنے کانوں سے رجنی کی آواز سننا چاہتا ہے۔“

”لیکن تم خود کہہ رہے تھے کہ اس کے آخری فقرے بہت معنی خیز تھے“ سلطان شاہ بولا۔

”ضرور تھے۔ لیکن پھر وہی بات آجاتی ہے کہ اس کا پیشہ ہی ایسا ہے۔ بیوی تو پھر بیوی ہے۔ انسان اپنی چوکھٹ پر پلے ہوئے کتے سے بھی اس طرح دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اب رجنی سے اس کی گفتگو کراتے ہوئے ہم اسپیکر فون استعمال کریں گے تاکہ ہم سب ہی پوری گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکیں۔“

اسی وقت اطلاع ملی کہ رجنی ہوش میں آچکی ہے۔ اس کمرے میں اسپیکر فون کی تنصیب کے بعد رجنی کو وہیں بلا لیا گیا۔ اس کے بشرے سے فکرمندی کے ساتھ برہمی بھی عیاں تھی۔

”یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں کا سربراہ کون ہے؟“ اس نے دفتر میں داخل ہوتے ہی غصیلی آواز میں سوال کیا۔ غصہ میں اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے۔

”شاید تمہیں علم نہیں کہ تم اغوا کی جا چکی ہو اور اب ہماری یرغمالی ہو“ ظفر نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر درشت لہجے میں کہا ”یہ نہ سمجھنا کہ تم ہم لوگوں کو اپنی اداؤں یا آنسوؤں سے رام کر سکوگی۔ یہاں عورتوں پر تشدد کے ماہرین بھی موجود ہیں جو پل بھر میں تمہارے تیوروں کو درست کر سکتے ہیں۔“

”یہ سراسر غیر قانونی حرکت ہے جس کے لئے میرا سفارت خانہ بھرپور احتجاج کرے گا۔“

”ضرور کرتا رہے لیکن پہلے شری مان سنگھ کو فون کر لو“ سلطان شاہ چڑ کر بولا ”وہ تمہاری فکر میں گھلا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صدمے سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے۔“

رجنی حسین ہونے کے ساتھ ہی چالاک بھی تھی۔ اس نے اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے ریسیور اٹھا کر بات کرنے پر اصرار کیا لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ ظفر تو ویسے ہی دل کی جگہ پتھر لئے پھرتا تھا مگر سلطان شاہ بھی ناز و ادا دکھانے والی عورتوں سے

بری طرح چڑتا تھا جب کہ رجنی کی نجی زندگی ہم تینوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح آچکی تھی۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے مان سنگھ ہی نے ریسیور اٹھایا اور صرف ہیلو کہا۔

"مائی ڈارلنگ! یہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں؟" اپنے شوہر کی آواز سنتے ہی وہ روہانسی آواز میں بولی "موتن لال بھی ان کی قید میں پھنسا ہوا ہے۔"

"شاید تم اسپیکر فون استعمال کررہی ہو؟" خفیف سے توقف کے بعد مان سنگھ کی آواز ابھری۔

"ہاں!" لمحہ بھر کے لئے رجنی حیران ہوگئی "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"تمہارے سر پر گردش کرنے والے پنکھے کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔" مان سنگھ کی آواز سپاٹ اور جوش و خروش سے عاری تھی۔ اس نے پوچھا "تم واپس آنا چاہتی ہو یا اس زندگی سے اکتا گئی ہو؟"

"کیسی باتیں کررہے ہو تم؟ اب تو یہی میری زندگی ہے۔ یہاں میں غنڈوں میں پھنسی ہوئی ہوں اور تم کو سوال سوجھ رہے ہیں۔ یہاں میرا دم گھٹ جائے گا۔"

"تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"بے ہوش کئے جانے کے علاوہ اب تک کوئی اور زیادتی نہیں کی گئی لیکن یہ لوگ وحشی درندے ہیں۔ انہوں نے موتن لال کے ڈرائیور کو ادھیڑ کر خون میں نہلایا ہوا ہے۔ مجھے تو اس کی طرف دیکھنے سے ہی جھرجھریاں آرہی ہیں۔"

"موتن لال کو پولکا یاد دلا دینا۔ میں ان لوگوں سے بات کرتا ہوں۔"

ظفر نے ہاتھ سے اشارا کیا اور ایک جوان رجنی کو زبردستی وہاں سے باہر لے گیا۔ اس نے دفتر میں موجود رہنے کے لئے زور آزمائی کی لیکن اس کی آوازیں سن کر مان سنگھ نے اسپیکر فون پر ہی اسے ہدایت کی کہ وہ جب تک قیدی ہے' قید کرنے والوں کی ہدایات پر عمل کرے۔

"اب کہو' تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے رجنی کے چلے جانے کے بعد پوچھا۔

"تم لوگ بہت بے رحم ہو۔ اسے خوف زدہ کرنے کے لئے ایک زخمی قیدی کے ساتھ رکھا ہوا ہے جب کہ غزالہ کو یہاں ہر طرح کا آرام میسر ہے۔ وہ وی آئی پی کی طرح رہ رہی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے' مانی!" میں نے اس کی بات کا اثر لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "ہمارے پاس جگہ کی کمی ہے۔ پھر وہ آئی تو بے ہوش تھی۔ ہم زخمی قیدی کو وہاں سے ہٹا دیں گے۔"

"تمہیں موتن لال کو بھی وہاں سے ہٹانا ہوگا" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم تو ہر بات سے واقف ہو پھر اب یہ مطالبہ کیوں؟"

اسپیکر فون پر اس کا مدھم سا ہذیانی قہقہہ سنائی دیا پھر وہ عجیب سی آواز میں بولا "وہ اور بات تھی۔ اور یہ اور بات ہے۔ تم جلد ہی ان دونوں کا فرق سمجھ لوگے۔ اب یہ بتاؤ کہ تبادلے کا کیا ارادہ ہے؟"

"یہ باہمی سہولت کی بات ہے۔ دونوں عورتیں جتنی جلد اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔"

"لیکن میں ویرا کو کیا جواب دوں گا؟ غزالہ اس کی امانت ہے۔"

"یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ اس کا حل تم ہی کو سوچنا ہوگا۔ ویسے وہ میری سلائیٹ بن کر ایسی فرار ہوئی ہے کہ اب شاید ہی تمہاری طرف کا رخ کرسکے۔"

"اوہ! تو اس کا مطلب ہے کہ موتن لال کے مکان کے ٹیلی فونوں کی لائنیں تم ہی لوگوں نے کاٹی تھیں اور شاید اسے گھر ہی سے اٹھایا گیا ہے۔"

"تمہارے اندازے درست ہیں لیکن اب کام کی بات کرو!"

"آج شام چھ بجے فریئر ہال کے لان میں آجاؤ' میں غزالہ کو لے آؤں گا۔ تم رجنی کو لے آنا۔ اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو یہ یاد رکھنا کہ میں نتائج کی پروا کئے بغیر غزالہ کے سینے میں وہیں گولی اتار دوں گا۔ اگر ڈینی آسکے تو زیادہ بہتر رہے گا۔ میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تمہارا پیغام اس تک پہنچا دیا جائے گا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اسی وقت مکان کے کسی حصے سے موت کے درد میں ڈوبی ہوئی ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی اور ہم تینوں ہڑبڑا کر باہر کی طرف دوڑ پڑے۔

وہ دردناک چیخ سنتے ہی میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ کہیں رجنی نے واپس پہنچتے ہی کوئی کام نہ دکھا دیا ہو۔ جب وہ اسپیکر فون پر اپنے شوہر' شری مان سنگھ سے بات کررہی تھی تو میں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ شری مان سنگھ نے رجنی کو اس امر کی ہدایت کی تھی کہ وہ موتن لال کو پولکا یاد دلا دے لیکن موت کے کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ پولکا یقینی طور پر کوئی اہم کوڈ ورڈ تھا۔ اس کا تعلق واقعی موتن لال سے تھا یا اس لفظ میں خود رجنی کے لئے کوئی پیغام پوشیدہ تھا' اس کا اندازہ قیدیوں والے کمرے میں پہنچ کر ہی ہوسکتا تھا۔

ہم تینوں راستے ہی میں تھے کہ اچانک فضا میں دبی دبی انسانی چیخیں اور غراہٹیں گونجنے لگیں جیسے کسی کو بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہو۔ اور اس بار وہ آوازیں نمایاں طور پر موتن لال کی تھیں۔

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اگر موتن لال زندہ تھا اور تشدد کا نشانہ بنا ہوا تھا تو وہ دردناک چیخ کسی اور کی تھی۔ میں نے وہ چیخ سنتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی رہا ہو' اسے چیخنے کے بعد اگلا سانس لینے کی ذرا سی بھی مہلت نہیں مل سکی ہوگی۔

میرے ساتھ ہی' شاید ظفر بھی اسی نتیجہ پر پہنچا اور اس نے یک لخت مضطرب ہوکر اپنی رفتار تیز کردی۔ میری طرح اسے بھی شک ہوا ہوگا کہ اگر موتن لال زندہ تھا تو پھر مرنے والا ایس ٹی ایف کا کوئی جوان ہی ہوسکتا تھا جو موتن لال کی کسی منتقمانہ کارروائی کا شکار ہوا ہو۔

اس وقت ہم تینوں کے چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے۔ خود کو رجنی کی شناخت سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ احتیاطی تدابیر ناگزیر تھی۔ ظفر کے قول کے مطابق ایسے قیدیوں کے ساتھ بہت احتیاط سے کام لیا جاتا تھا جنہیں وہاں سے زندہ واپس لوٹانا مقصود ہوتا تھا۔ چہروں پر منڈھی ہوئی چست نقابوں کی وجہ سے ہمارے لئے ایک دوسرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا محال تھا لیکن میں دل ہی دل میں ظفر کی دلی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ اس سے میری جان پہچان زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس کے پیشرو' اول خان کے ساتھ میری شناسائی خاصی طویل رہی تھی اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے جوانوں سے اولاد جیسی محبت کرتا تھا۔ اپنے کسی بھی ماتحت کی تکلیف پر اوّل خان یوں تڑپ اٹھتا تھا جیسے وہ خود کسی کرب سے گزر رہا ہو۔ ظفر اسی کا جانشین تھا اس لئے اپنے ایک کڑیل جوان کی موت کے خدشے پر اس کا مضطرب ہونا بعید از قیاس نہیں تھا۔

لیکن ہم قیدیوں والے کمرے میں پہنچے تو وہاں کا منظر ہماری توقعات کے برعکس تھا۔ وہاں امرکمار فرش پر غیر فطری حالت میں بالکل بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

اس کا اوپری دھڑ چت پڑا ہوا تھا لیکن داہنی ٹانگ مڑ کر' جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ داہنا بازو فرش پر پھیلا ہوا تھا جب کہ بایاں بازو پشت کے نیچے دب گیا تھا۔ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے اچانک ہی فرش پر گرا اور گرتے ہی مرگیا تھا۔ اس کی موت اس قدر اچانک اور تیزی کے ساتھ رونما ہوئی تھی کہ اسے تڑپنے یا اگلا سانس لینے کی مہلت نہیں ملی تھی اور وہ یقینی طور پر کسی سریع الاثر زہر کے استعمال کی علامات تھیں۔

رجنی قدرے حیرت اور خوف کے عالم میں ایک گوشے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی جب کہ ایس ٹی ایف کے دو جوانوں نے موتن لال کو فرش پر اوندھا گرا کر اس پر مکوں اور ٹھوکروں کی برسات کی ہوئی تھی۔

میں نے اس پورے منظر پر ایک نگاہ ڈالتے ہی کچھ نتائج اخذ کرلئے۔

رجنی کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ امرکمار کے قتل کی واردات میں اس کا ہاتھ نہیں تھا۔ دوسری طرف ایس ٹی ایف کے جوانوں نے موتن لال کو جس بے دردی کے ساتھ اپنا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ انہوں نے موتن لال کی کوئی نہ کوئی ایسی حرکت دیکھ لی تھی جس کی بنا پر وہ رجنی کو بھول کر موتن لال پر ٹوٹ پڑے تھے مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت فراموش کر بیٹھے تھے کہ اگر موتن لال ہی امرکمار کا قاتل تھا تو اس کے پاس کوئی ایسا خفیہ ہتھیار موجود تھا جس کی مدد سے وہ اپنے حریف کو آناً فاناً میں موت کی نیند سلا سکتا تھا۔ ہاتھاپائی کے دوران میں ذرا سا بھی موقع ملتے ہی وہ اُن دونوں یا ان میں سے کسی کو زہریلے ہتھیار کا مزہ چکھا سکتا تھا۔

"چھوڑ دو' اسے فوراً چھوڑ دو!" میں نے اندر گھستے ہی پل بھر میں صورت حال کی سنگینی کا ادراک کرنے کے بعد تقریباً ہذیانی انداز میں تیزی سے کہا۔

میری آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ وہ دونوں ہی اچھل کر موتن لال سے دور ہٹ گئے۔

موتن لال گلوخلاصی ہوتے ہی' اپنے چاروں ہاتھ پیروں کے بل پر کسی چوپائے کی طرح فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور رجنی دوڑ کر ہم تینوں کی طرف آگئی۔

"اسے کس نے مارا ہے؟" میں نے رجنی کو گھورنے کی کوشش کرتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا مگر اچانک مجھے یاد آیا کہ میرے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا اس لئے میرے چہرے کے تاثرات رجنی کے لئے غیر اہم تھے۔

"کیا یہ مرگیا؟" رجنی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے امرکمار کے بے حس و حرکت جسم کی طرف دیکھتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں بے ساختہ سوال کیا۔

"زندہ ہوتا تو ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اب تک بھاگ نکلا ہوتا" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "یہ کھڑے کھڑے چیخ مار کر گرا اور پھر ایک دم چپ سادھ لی۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے..... یہاں کیا ہورہا ہے؟.... تم لوگ اپنے چہرے نقابوں میں کیوں چھپائے ہوئے ہو؟ سامنے آکر بات کیوں نہیں کرتے؟"

اس وقت تک موتن لال لڑکھڑاتا ہوا' اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا اور اسی مقام پر کھڑا ہوا جھوم رہا تھا۔ اس میں اپنی جگہ سے قدم ہلانے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

"عورت بھی بدمعاش ہے' سر!" ایس ٹی ایف کے نقاب پوش جوانوں میں سے ایک نے اکھڑ لہجے میں کہا "اس کے آنے سے پہلے امرکمار اور موتن لال ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے باتیں کررہے تھے۔ اس عورت نے اندر آتے ہی پولکا کہا۔ ہم چونک کر

اس کی طرف مڑے اور اسی لمحے امرکمار چیخ مار کر فضا میں اچھلا اور فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ یہ سب پل بھر میں ہوگیا۔ ہمیں پتا بھی نہیں چل سکا کہ موتن لال نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی تھی۔"

"میں بے قصور ہوں" رجنی رو دینے والی آواز میں بولی "مجھے شبہ بھی ہوتا کہ پولکا کے پاس ورڈ سے یہاں ایسا وحشیانہ کشت و خون شروع ہو جائے گا تو میں اپنی زبان ہی نہ کھولتی۔ تمہارے سامنے شری مان سنگھ نے اسپیکر فون پر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں موتن لال کو پولکا یاد دلا دوں ..... اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ لوگ بلاوجہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" ظفر نے زہریلی آواز میں کہا "تم جیسی آوارہ اور بدچلن عورتیں عشق و محبت کی رنگینیوں میں ڈوب کر یہ بھول جاتی ہیں کہ ایسے معاملات کی انتہا ہمیشہ سنگین اور ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔ تمہیں اپنے لائے ہوئے کوڈ کے ردِ عمل کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ تم اس چھت کے نیچے ایک قتل کے ارتکاب میں شرکت کر چکی ہوں اور تم کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔"

ظفر کے الفاظ پر رجنی نے باقاعدگی کے ساتھ رونا شروع کر دیا لیکن ظفر کی ڈانٹ پھٹکار پر اس نے مشینی انداز میں یکلخت خاموشی اختیار کر لی لیکن اس کے سینے کے زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر سسکیاں لے رہی تھی۔

"اس کی جامہ تلاشی لی گئی تھی؟" ظفر نے اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر، موتن لال کے بارے میں سوال کیا۔

"نہیں، سر" ان میں سے ایک نے مختصراً جواب دیا۔

"اسے ہینڈز اپ کرا کے، گن پوائنٹ پر تفصیلی جامہ تلاشی لو" ظفر نے حکم دیا "یہ ذرا سی بھی گڑبڑ کرے تو اسے بے دریغ گولی مار دینا۔"

"خبردار، جو کوئی میرے قریب آیا" موتن لال [illegible] لہجے میں بولا۔ تشدد کی وجہ سے شاید اس کی زبان کٹ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی آواز میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر قدرے لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا "جو بھی میرے قریب آیا، میں اسے امرکمار کے پیچھے روانہ کر دوں گا۔"

"ہم قریب آئے بغیر ہی تمہارا بدن گولیوں سے چھلنی کر سکتے ہیں" ظفر نے غصے سے کہا۔

موتن لال کے زخمی چہرے اور متورم آنکھوں کی کیفیت ایک دم بدل گئی جیسے وہاں مایوسیوں نے ڈیرے ڈال دیے ہوں۔ میں نے وہ تبدیلی فوراً ہی بھانپ لی۔ وہ جوان بیٹے کا باپ اور ایک بڑے گھرانے کا معزز سربراہ ضرور بنا ہوا تھا لیکن اول درجے کا مکار اور عیاش بھی تھا۔ دنیا کے ہر بے کردار اور عیاش آدمی کی طرح اسے بھی زندگی بہت عزیز تھی، خواہ اس کے لئے اسے کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

"لیکن ہم تم پر گولی نہیں چلائیں گے" ظفر کا فقرہ پورا ہوتے ہی میں نے بولنا شروع کر دیا "تمہیں مارنا ہوتا تو ہمیں اپنے چہروں پر نقاب چڑھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب ہم نے اس وجہ سے کیا ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد ہم کو شناخت نہ کر سکو....."

"تم جھوٹ بول رہے ہو" اس نے بے اعتباری سے میری بات کاٹ دی "اس سے پہلے میں تمہارے چہرے دیکھ چکا ہوں۔ اس وقت تم نے یہ احتیاط کیوں نہیں کی تھی؟"

"خیال آنے پر ہم نے اپنی اس غلطی کا ازالہ کر لیا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن زندگی کی امید دلا کر بھی تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے" وہ اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ جلترنگ کا راز فاش ہو جانے کے بعد میں عزت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ پولکا ہمارے ہر ساتھی کے لئے زندگی کا آخری پیغام ہوتا ہے۔ میں جس کے بل پر اچھلتا تھا، آج اس نے بھی پولکا کہلوا کر اپنے ہاتھ اٹھا دیئے ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ میں نے زندگی کے ہر ہر دن کو اچھی طرح نچوڑا ہے۔ اب اگر میں مر بھی جاؤں تو میرے دل میں کوئی حسرت میرے ساتھ نہیں جائے گی۔"

کہتے ہیں کہ گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ اسی طرح آدمی کی موت آتی ہے تو سب سے پہلے اس کی عقل ماؤف ہوتی ہے۔ اس وقت موتن لال پر کچھ ایسا جذباتی دورہ پڑا کہ وہ اپنے برے بھلے کی تمیز کھو کر بہکنے لگا۔ وہ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "رجنی کبھی میرے لئے ایک خواب تھی۔ اسے میں دیکھ لیتا تھا لیکن یہ میری دسترس سے باہر تھی۔ یہ مدتوں مجھے دور دور سے لبھاتی اور رجھاتی رہی لیکن پھر یہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری گود میں آگری۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اسے اپنی کوششوں سے جیتا ہے اور شری مان سنگھ بے خبری کے بازار میں رہ رہا ہے لیکن آج مجھے پتا چلا کہ یہ سب رجنی اور اس کے پتی کی ملی بھگت تھی۔ اس نے رجنی کو میرے حوالے کر کے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا اور میں اس راستے پر اتنی دور تک جا چکا ہوں کہ اب میری واپسی ممکن نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم آج مجھے چھوڑ دو گے تو صرف اور صرف اس اُمید پر کہ میرا پیچھا کر کے میرے ساتھیوں کا پتا ٹھکانا معلوم کر سکو۔ میں دوسری بار تمہارے ہاتھ آیا تو میرا حشر اور برا ہوگا۔ میرے بارے میں امرکمار بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے میں نے پہلے ہی چلتا کر دیا۔ اب میرے پاس میری یہ انگوٹھی رہ گئی ہے" اس نے اپنی بائیں مٹھی بند کر کے فضا میں لہرائی جس کی دوسری انگلی میں سرخ نگینے والی ایک طلائی انگوٹھی جھلملا رہی تھی۔

"یہ یاقوت نہیں زہر کا کیپسول ہے" وہ کہہ رہا تھا "یہ زہر ایک سوئی سے بدن میں داخل ہوتا ہے۔ سوئی کیپسول کے اندر پوشیدہ ہے۔ میں نے یہ انگوٹھی امرکمار کی ران پر ماری تو کیپسول دبا اور باریک سوئی باہر آ کر اس کی ران کی جلد میں چبھ گئی۔ کیپسول پر پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے زہر کھوکھلی سوئی میں سے اس کی شریانوں میں اتر گیا اور وہ پلک جھپکتے میں آرام سے مر گیا۔ تم میں سے جو بھی میرے قریب آیا، وہ اس انگوٹھی کا شکار ہو جائے گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ میرا راستہ چھوڑ دو تاکہ میں اپنے گھر والوں کے درمیان مر سکوں۔ میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تو میں یہ زہر اپنے بدن میں اتار لوں گا۔ پولکا کا مطلب ہی یہ تھا کہ میں خودکشی کر لوں مگر میرے لئے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ امرکمار مارا جائے۔ اس کی طرف سے سکون ہو جانے کے بعد میں تو جب چاہوں، جا سکتا ہوں۔"

"تم ہمارے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا معلوم ہوتے ہو" میں نے اسے رام کرنے کی نیت سے کہا "ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں جو عمر بھر تمہارا پیچھا کرتے رہیں۔ ہمارے تصادم کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مفادات یکساں اور مشترک ہیں۔ ہم بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں جس پر تم گامزن ہو....."

"تم مجھے پھسلانے کی کوشش کر رہے ہو" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری وردیاں اتری ہوئی ہیں لیکن میں تمہارا ڈسپلن دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری باز پرس کا محور ہی یہ سرزمین اور اس کی سلامتی رہی ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ تم ملٹری سیکرٹ سروس کے آدمی نہیں ہو؟"

"ہم تمہارے ذریعے رجنی پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کھیل میں تمہارا اس سے زیادہ کوئی مصرف نہیں تھا۔ رجنی ہمارے قبضے میں آئی اور ہم شری مان سنگھ کو اپنے سامنے جھکانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے ہماری مصالحت ہو چکی ہے۔ اس نے رجنی کو ہماری ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم چاہو تو خود رجنی سے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اب شری مان سنگھ ہمارے دوستوں میں سے ہے اور اس کے دوست ہمارے دوست ہیں۔ خودکشی کر کے تم بلاوجہ خود کو ضائع کرو گے اور تمہارا خاندان الگ بدنام ہوگا۔"

"لیکن جب تم میری سلائٹ کا پیچھا کرتے ہوئے میرے گھر آئے تھے تو اسپیشل برانچ والے بنے ہوئے تھے" اس کا انداز استہزائیہ ہو گیا "اور میری سلائٹ ایک خطرناک بین الاقوامی مجرمہ تھی جو تم لوگوں سے بچنے کے لئے، شری مان سنگھ کے ذریعے میری خواب گاہ میں آ گھسی تھی....."

"ضرورت کے تحت سب کچھ کرنا پڑتا ہے" میں نے اپنی گفتگو میں زیادہ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ میری اور موتن لال کی گفتگو کے درمیان میں، ظفر موقع پا کر اپنے ایک جوان کو اشارہ کر چکا تھا اور وہ اپنے قدم فرش سے اٹھائے بغیر ایڑیوں اور پنجوں کے بل پر غیر محسوس انداز میں پشت سے موتن لال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اگر میں موتن لال کو اپنی باتوں میں الجھا کر، اس جوان کو مزید چند منٹ کی مہلت دے دیتا تو وہ عقب سے حملہ کر کے نہایت آسانی کے ساتھ موتن لال کو بے بس کر سکتا تھا۔

"لیکن اصلیت وہی ہے جو میں تم کو بتا چکا ہوں" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آج سے پہلے شری مان سنگھ ہمارے خلاف محاذ آرا تھا لیکن آج اس کی غلط فہمی دور ہو گئی ہے کیونکہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ غلام رسول ہمارے قبضے میں ہے اور وہ ہر قیمت پر غلام رسول کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"غلام رسول!" موتن لال کے دہانے سے تحیّر زدہ آواز برآمد ہوئی "وہ تمہارے قبضے میں ہے؟"

میں نے اپنے سر کو پُرغرور انداز میں، اثبات میں جنبش دی۔

"تم لوگ جھوٹے اور مکار ہو" وہ لمحہ بھر بعد ہی اپنے سر کو زور سے جھٹکتے ہوئے بولا "میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے تم کوئی بھی کہانی سنا سکتے ہو۔"

"تم غلام رسول کو پہچانتے ہو تو ہم تمہیں اس سے ملوا سکتے ہیں۔"

"اسے تو ہر پڑھا لکھا آدمی پہچانتا ہے۔ سکھر کے واقعات سے پہلے قومی اخبارات میں ہر روز ہی اس کی تصویریں اور بیان چھپا کرتے تھے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے اور وہ تمہارے قبضے میں کیسے آ گیا؟ اس کے لئے تو بڑے بڑے لوگ ہر طرف جال ڈالتے پھر رہے ہیں۔"

"خوب! یہ اچھی بات ہے کہ تم غلام رسول کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہو۔ پورا قصہ یہ ہے کہ غلام رسول کے بارے میں ہم نے شری مان سنگھ سے پچاس لاکھ میں سودا طے کیا تھا لیکن جب ہم نے غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اُڑا لیا تو مان سنگھ اپنے وعدے سے مکر گیا۔ اب وہ ہمیں دس لاکھ میں ٹرخانا چاہ رہا ہے۔ وہ

حیلے بہانے سے وقت گزار رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پولیس وغیرہ کے خوف سے ہم زیادہ دنوں تک غلام رسول کو اپنی قید میں نہیں رکھ سکیں گے اور اس کی نئی پیشکش قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس نے ہم سے سنگین وعدہ خلافی کی ہے جس کی سزا دینے کے لئے ہم نے تمہارے ذریعے رجنی کو اغوا کرلیا ہے اب وہ ناک رگڑ کر ہمیں ساٹھ لاکھ روپے دینے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اس میں پچاس لاکھ غلام رسول کے اور دس لاکھ رجنی کی واپسی کے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ آج شام تک پوری رقم ہمارے حوالے کردے گا اور......"

میرے دل ودماغ میں جو کچھ بھی جھوٹ سچ آتا رہا' میں مسلسل اور فی البدیہہ بولتا چلا گیا کیونکہ موتن لال کے عقب میں دبے قدموں پیش قدمی کرنے والا اس سے خطرناک حد تک قریب ہوتا جارہا تھا اور اگر ایک لمحے کے لئے بھی موتن لال کی توجہ میری طرف سے ہٹتی تو وہ اپنے پیچھے نمودار ہونے والے خطرے سے آگاہ ہوسکتا تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ ان کٹھن لمحات میں میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کردیا جس کے نتیجے میں' میں ایک جھوٹی مگر مربوط کہانی سنانے میں کامیاب ہوگیا جو موتن لال کے لئے تحیرخیز ثابت ہوئی۔

پھر جوں ہی ایس ٹی ایف کے نقاب پوش جوان نے موتن لال پر جھپٹنے کے لئے پوزیشن لی تو میں کوشش کے باوجود اپنی بات جاری رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

عین اسی وقت موتن لال نے کچھ کہنے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں لہرایا اور اس کا وہ ہاتھ ایس ٹی ایف کے جوان کی گرفت میں آنے سے رہ گیا۔ وہ موتن لال کے بدن سے کسی جونک کی طرح لپٹا اور اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے فرش پر گر گیا۔

موتن لال اس ناگہانی وار کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر اندازہ لگالیا کہ اس کے لئے اپنے حریف کی مضبوط گرفت سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے اپنی بائیں مٹھی بند کرکے اپنی کنپٹی پر زہریلی انگوٹھی سے ضرب لگائی اور ایک تیز چیخ کے ساتھ اس کا بدن ساکت ہوگیا۔

اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوچکی تھیں۔ اس کے بدن سے لپٹے ہوئے' ایس ٹی ایف کے جوان نے بھی اندازہ لگالیا کہ اس کا شکار زندگی کے بندھن سے نجات حاصل کرچکا تھا۔ اس لئے وہ موتن لال کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

"ایسی انگوٹھی تمہارے پاس بھی ہے؟" ظفر نے رجنی کی طرف مڑکر سوال کیا۔

"نہیں' میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے شبہ بھی ہوتا کہ پولکا کا مطلب خودکشی کرنا ہے تو میں شری مان سنگھ کا پیغام ہرگز موتن لال تک نہ پہنچاتی۔ یہاں تو ہر ایک کے سر پر خون سوار ہے۔ وہ مرنے پر تلا ہوا تھا اور تم لوگ ہر ایک کو مار ڈالنے پر تلے ہوئے نظر آرہے ہو۔ یہ سب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"اس کی تلاشی لو!" ظفر نے رجنی کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر اپنے ایک آدمی سے کہا "ایسا نہ ہو کہ ہمیں اپنی مظلومانہ باتوں میں الجھا کر یہ بھی جہنم واصل ہوجائے۔"

"دیکھ لو' اچھی طرح دیکھ لو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔' رجنی نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے۔" مجھے موت کے تصور ہی سے نفرت ہے۔"

اس کی جامہ تلاشی واقعی بے سود ثابت ہوئی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار تھا نہ کوئی خفیہ زہریلا نگینہ۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ درست ہی تھا۔

"مجھے ان لاشوں سے وحشت ہو رہی ہے۔" ہمیں واپسی پر آمادہ پاکر وہ ہماری راہ میں حائل ہوگئی۔ "مجھے ان کے ساتھ ایک گھنٹے بھی رہنا پڑا تو میری حالت کسی مردے سے بھی بدتر ہوجائے گی۔ ان لاشوں کو یہاں سے ہٹاؤ یا میرے لئے کسی اور کمرے کا بندوبست کرو!"

"یہ تمہارے باوا جان کی حویلی نہیں ہے جہاں ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہوتا رہے۔" سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "زندگی میں موتن لال کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی تھیں تو اب اپنے موتی ڈارلنگ کی لاش پر بھی تھوڑی دیر آنسو بہالو۔"

ہم تینوں وہاں سے واپسی کے لئے مڑ گئے۔ رجنی نے ہمارے پیچھے آنے کے لئے بہت زور لگایا لیکن ظفر کے دونوں نقاب پوش ماتحتوں نے سختی کے ساتھ اسے کمرے میں دھکیل کر' دروازہ باہر سے بولٹ کردیا اور خود وہیں جم کر کھڑے ہوگئے۔ وہ رجنی کی داد فریاد سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے تھے۔

راستے ہی میں ہم تینوں نے نقابوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا اور میں نے اپنے چہرے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے ظفر سے کہا۔ "موتن لال سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ وہ زندہ رہتا تو ہم اپنی سرزمین کے ان غداروں کے ناموں سے واقف ہوسکتے تھے جو موتن لال کے خفیہ پیغام سن کر انہیں عملی جامہ پہنایا کرتے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ان لوگوں سے بے خبر تھا۔" ظفر نے سنجیدگی سے کہا۔ "اسی وجہ سے پیغام رسانی کے لئے وہ انوکھا اور پیچیدہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ ایسی ہر سازش میں کلیدی اہمیت اس آخری فرد کی ہوتی ہے جو عملی طور پر منصوبے یا اس کے کسی حصے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ شری مان سنگھ نے ایسے ہی کسی برے وقت کے لئے اپنے اہم گرگوں کو موتن لال کی نظروں سے بچایا ہوا تھا۔"

"لیکن پھر بھی وہ غلام رسول کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا' اور کچھ نہ سہی تو ہم اسی کے بارے میں موتن لال کی زبان کھلوا سکتے تھے۔"

"ہاں' یہ امکان ضرور نظر آیا تھا۔" ظفر نے اعتراف کیا پھر چونک کر پوچھا۔ "لیکن تم غلام رسول کے بارے میں اسے جو کہانی سنا رہے تھے وہ میرے سر پر سے گزر گئی۔ اس وقت میں خود کو اول درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا۔ تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ شری مان سے تمہارا کوئی سودا ہوا تھا۔"

اس کے اشتباہ آمیز انداز پر میں بے اختیار ہنس پڑا مگر میری ہنسی بوجھل تھی۔

"وہ ایک بلف تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اسے باتوں میں الجھائے رکھنے کے لئے میں الٹی سیدھی بکواس کر رہا تھا تاکہ تمہارے آدمی کو اس پر آسانی کے ساتھ ہاتھ ڈالنے کا موقع مل جائے لیکن بدقسمتی سے آخری لمحات میں اس کا بایاں ہاتھ آزاد رہ گیا اور اسے خودکشی کرنے کا موقع مل گیا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم نے جتنی روانی کے ساتھ غلام رسول کا نام اپنی کہانی سے نتھی کیا تھا اس کی بنا پر میرا اندازہ ہے کہ تم اس بہروپئے سیاستداں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔"

"اسے اول خان نے ہی گرفتار کیا تھا۔ اس کے بارے میں سب کچھ تمہاری فائلوں میں موجود ہوگا۔"

"ہمارے یہاں کوئی روایتی فائل نہیں ہوتی۔ جو کچھ اول خان کو معلوم تھا وہ میرے علم میں آچکا ہے لیکن میں اس کی موجودہ کمین گاہ کا ذکر کر رہا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس کی پناہ گاہ سے واقف ہو۔ تم خود بھی کہہ چکے ہو کہ تم چاہو تو ہمیں وہاں تک لے جانے کی کوشش کرسکتے ہو۔ میں تمہارے اس مشورے کی افادیت کا قائل ہوچکا ہوں کہ ہم لوگوں کو غلام رسول کو گرفتار کرکے قانون کے حوالے کرنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ اس کو بچانے کے لئے وہ تمام ذی اثر لوگ حرکت میں آجائیں گے جو غلام رسول کے زبان کھولنے پر بے نقاب ہوسکتے ہیں۔ سیاست اور اقتدار کی جنگ میں بعض لوگ بھوکے درندوں کی طرح سفاک اور بے رحم ہوجاتے ہیں اور غلام رسول کے ہمدردوں کا تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہوگا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو زیادہ طول نہ دیا جائے۔ غلام رسول ایک زہریلا اور موذی سانپ ہے۔ اگر ہم اس تک پہنچ کر اس کا سر کچل سکتے ہیں تو ہمیں اس نیک کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے....."

"میں خود بھی اس بوجھ کو اپنے سر سے اتار دینا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن تم یہ بات بار بار بھول رہے ہو کہ میں اسے لے جانے والوں سے ضرور واقف ہوں مگر وہ میری تحویل میں نہیں ہے۔ میری یہ تم سے پہلی ملاقات ہے اور اس وقت تم نے تیسری مرتبہ غلام رسول کا ذکر چھیڑا ہے۔ مجھے کم از کم اتنی مہلت تو دو کہ میں واپس جاکر ان لوگوں کو مزید کرید سکوں۔ وہ میرے پابند نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مناسب موقع ملتے ہی انہوں نے غلام رسول کو اِدھر اُدھر کردیا ہو۔ عجلت میں کی گئی' ہماری کوئی بھی اندھا دھند کارروائی نہ صرف ناکام ہوگی بلکہ وہ لوگ بھی بھڑک کر ہوشیار ہوجائیں گے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بس' بس!" وہ جلدی سے بولا "تم میری بات سمجھ گئے۔ مجھے بھی یہی ڈر ہے کہ تاخیر کی صورت میں وہ ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ تم لوگوں نے اسے پولیس کے حوالے کرکے بہت بڑی غلطی کی۔ اگر وہ اسی قدر خطرناک مجرم تھا تو تمہیں اسی وقت اسے مار دینا چاہئے تھا۔"

"اس وقت تک ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ کون کون سی قوتیں اس کی پشت پناہ اور مددگار ہیں اور اس کی مدد کے لئے کہاں تک جاسکتی ہیں۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ بہرحال اب میری یہی کوشش ہوگی کہ ہم جلد از جلد اس فتنے کا سدِباب کردیں۔"

"تمہیں یہ جان کر خوشی ہونی چاہئے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو ہوشیار کردیا ہے اور اس وقت تک ملک کا ہر ایگزٹ کنٹرول پوائنٹ ہمارے آدمیوں کی نگرانی میں آچکا ہوگا۔ اس کی روز مرّہ کی اخباری بیان بازیوں کی وجہ سے اس کی تصاویر کی فراہمی بھی آسان ثابت ہوئی ہوگی۔"

"مجھے امید ہے کہ اب میری روانگی تک تم چوتھی بار یہ ذکر نہیں چھیڑو گے!" میں نے ظفر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا اور وہ خفت آمیز انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

"اور شام چھ بجے والے پروگرام کا کیا رہے گا؟" سلطان شاہ نے میرے ذہن کی بات چرالی۔

"میرا خیال ہے کہ عورتوں کے تبادلے کا مرحلہ کسی الجھن کے بغیر نمٹ جانا چاہئے۔" ظفر نے پُرخیال لہجے میں کہا "تمہاری اور شری مان کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے وہ دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرسکے گا۔ لیکن پھر بھی میں پورا معاملہ تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں کیونکہ تمہارا غزالہ سے بہت نازک جذباتی رشتہ ہے۔ اس معاملے میں ذرا سی بھی لغزش ہوئی تو کھیل بگڑ سکتا ہے اس لئے جو تم چاہو گے' وہی ہوگا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے تردّد آمیز لہجے میں کہا۔ "شری مان سنگھ ایک گھاگ اور بدمعاش ڈپلومیٹ ہے۔ وہ اپنے مفاد کے حصول کے لئے رجنی کو جس طرح استعمال کرتا رہا ہے وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس نے اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کے حصول کے لئے اپنی بیوی کو موتن لال کے حوالے کیا ہوا تھا تو اس کے نزدیک غزالہ کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟ پھر اس کی یہ خواہش بھی میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے کہ غزالہ اور رجنی کے تبادلے کے موقع پر وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کھل کر بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" ظفر میری گفتگو سے

پریشان ہوگیا۔

"شری مان سنگھ میرے ساتھ کئے گئے وعدے پر پورا نہیں اترے گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن کیوں؟ تمہارے اس شبہ کی کچھ وجوہ بھی ضرور رہی ہوں گی!" وہ بولا۔

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ اس جیسے لوگ اپنے قول و فعل کے کھلے تضاد سے دوسروں کو متحیر کردینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان پر بھروسا کرنے والے مُنہ کی کھاتے ہیں۔"

"پھر تم۔۔" ظفر کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک اسپیکر فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

ظفر نے دوسری گھنٹی بجنے پر ہاتھ بڑھا کر اسپیکر فون آن کردیا۔

"ہیلو!" کمرے میں گونجنے والی غصیلی نسوانی آواز سن کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ "کیا یہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی یونٹ ہے؟" اس نے برہمی کے عالم میں پوچھا۔

سلطان شاہ نے حیرت سے دیدے نچائے۔ اس طرزِ تخاطب پر ظفر پریشان نظر آنے لگا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"تم کو کس سے بات کرنی ہے؟" میں نے آواز بدل کر کھردرے انداز میں سوال کیا۔

"اول خان کہاں ہے؟" میرے سوال پر اس کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

"وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ پیغام بتادو۔ وہ آئیں گے تو انہیں بتادیا جائے گا۔" میں نے سپاٹ اور روکھے لہجے میں جواب دیتے ہوئے ظفر کو آنکھ ماری جو کسی ہونق کی طرح مُنہ کھولے بیٹھا تھا۔

"اوہ! تو میرا خیال درست ہی نکلا کہ تم لوگ ابھی تک میرے ہی گھر پر قبضہ جمائے بیٹھے ہو!" وہ شاید دانت پیس کر بڑبڑائی تھی۔

"اگر یہ تمہارا گھر ہے تو تم بھی یہاں رہ سکتی ہو۔" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا۔ "یہاں کمروں اور بستروں کی خاصی کمی ہے لیکن میں تمہیں اپنے دل میں جگہ دے سکوں گا۔ مجھے خوبصورت اور مُنہ پھٹ عورتیں بہت پسند ہیں۔ اول خان سے تمہارا کوئی جھگڑا ہے تو میں انہیں بھی سمجھالوں گا۔"

"الّو کا پٹھا!" فون پر اس کی اضطراری بڑبڑاہٹ ابھری۔

"کیا کہا؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ' ڈیئر!" وہ سنبھل کر نرمی سے بولی۔ "میں نے تمہیں نہیں' اول خان کو کچھ کہا تھا۔ اس سے واقعی میرا جھگڑا ہے مگر تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو اس لئے میں تمہیں اپنے اور اس کے درمیان نہیں ڈالنا چاہتی۔ اکھڑ اور مضبوط مرد میری کمزوری ہیں اسی لئے میں اول خان کو برداشت کرتی چلی آرہی ہوں۔ ویسے تم چاہو تو میں تم سے بھی دوستی کرسکتی ہوں۔"

اس کی برجستہ قلابازی پر ہم تینوں ہی حیران رہ گئے۔ ظفر کی حیرت قابلِ دید تھی۔ وہ عورت واضح طور پر' اپنی دانست میں اول خان کے کسی ماتحت پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کررہی تھی۔

"ہم سب ہی مضبوط بندے ہوتے ہیں۔" میں نے احمقانہ لہجے میں کہا۔ "مضبوط نہ ہوں تو اس فورس میں آہی نہیں سکتے اور گھربار سے برسہا برس دور رہ کر ہم اکھڑ بھی ہوجاتے ہیں۔ تم سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوگی۔ ویسے نام کیا ہے تمہارا؟"

فون پر اس کی مخصوص اور کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری۔

"مجھے دیکھ کر تم جو نام رکھو گے وہ میں قبول کرلوں گی ویسے مجھے سوزی کہتے ہیں۔ تم چاہو تو ہم آج ہی مل سکتے ہیں۔"

"کب اور کہاں؟" میں نے تجسس اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک بجے سروسز کلب کے قریب میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس کی آواز میں لگاوٹ کی چاشنی عود کر آئی تھی کیونکہ اسے شکار جال میں پھنستا ہوا نظر آرہا تھا۔

"مگر میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟" میں نے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"سروسز کلب کے عقبی پھاٹک کے قریب مَیں رنگین چھتری لگائے رکھوں گی۔ وہاں سے ہم لنچ کے لئے کہیں چلیں گے۔ مگر تمہاری شناخت کیا ہوگی؟"

"تم کہو تو میں بھی رنگین چھتری لگا کر آجاؤں۔" میں نے والہانہ انداز میں کہا۔

"کراچی میں چھتریوں کا رواج نہیں ہے اس لئے دو چھتریاں مضحکہ خیز نظر آئیں گی۔ لوگ بلاوجہ ہماری طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ تم میرے قریب آکر بلیک پینی کہنا' میں تمہیں پہچان لوں گی۔"

"ویری گڈ! یہ ترکیب زیادہ آسان اور قابلِ عمل ہے۔ میں ایک بجے پہنچ جاؤں گا۔"

"اچھا' یہ بتاؤ کہ ڈینی کہاں ہے؟" وعدۂ وصال کے فوراً ہی بعد اس نے وہ سنگین سوال داغ دیا۔

"کون ڈینی؟" میں نے معصومانہ حیرت کے ساتھ بے ساختہ بے جوابی سوال کرڈالا۔

"اول خان کا ایک حواری بلکہ خوشامدی ہے جو ہزاروں جرائم کرنے کے باوجود تم لوگوں کے سینوں پر مونگ دل رہا ہے۔" شاید اضطراری طور پر اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"تم شاید تنویر صاحب کی بات کررہی ہو جو لمبے تڑنگے اور بہت خوبصورت ہیں؟"

"ہاں ہاں' وہی۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری تعریف اسے گراں گزری تھی۔

"وہ کبھی کبھی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی اندر کہیں بیٹھے اول خان کا انتظار کررہے ہوں۔"

"اگر وہ موجود ہے تو ذرا اس سے میری بات کرادو لیکن یہ خیال رکھنا کہ وہ مجھ سے جلتا ہے۔ اس کی الٹی سیدھی باتوں میں آکر مجھ سے ملنے کا پروگرام نہ بدل دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے اپنی اور تمہاری باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ کسی کی باتوں میں آکر میں اتنی اچھی دوستی کی پیشکش کو نہیں ٹھکرا سکتا۔"

"ویری گڈ۔ تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور ہوشیار ہو۔ ہم دونوں کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا تو میں تمہیں ایسے جہانوں کی سیر کراؤں گی جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوں گے۔"

"تمہاری باتیں سن کر میرے روئیں روئیں میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ تم لائن ہولڈ کرو' میں تنویر صاحب کو دیکھ کر آتا ہوں۔"

ظفر نے ہاتھ کے اشارے سے دریافت کیا کہ وہ فون کس کا تھا اور میں نے ایک کاغذ پر ویرا کا نام لکھ دیا۔ نام پڑھتے ہی ظفر کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوتی چلی گئیں۔

خاصے وقفے کے بعد میں نے کرسی میں اپنی پوزیشن درست کی اور اسپیکر فون کے سامنے اپنی اصلی آواز میں ہیلو کہا۔ دوسری طرف ویرا نے فوراً ہی میری آواز پہچان لی۔

"اب میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گی۔" وہ بلا کسی تمہید' غصیلی آواز میں غرائی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میں یہاں بھی تمہارا کھوج نکالنے میں کامیاب ہوگئی۔"

"ناکامیوں نے شاید تمہارا دماغ الٹ دیا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میری اور اول خان کی دوستی سے واقف ہونے کے بعد کوئی خارش زدہ کتیا بھی دم ہلاتی ہوئی یہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ تم نے فون کرکے کون سا تیر مارا ہے؟ میں نے پہلے ہی تمہیں بتادیا تھا کہ اول خان کا یونٹ اس گھر میں براجمان ہے۔"

"میں اب بھی تمہیں وارننگ دے رہی ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑدو ورنہ میں تمہارا حشر خراب کردوں گی۔" وہ مجھ پر بہت زیادہ برہم محسوس ہورہی تھی۔

"تمہارے ستارے اچھے تھے جو تم موتن لال کی خواب گاہ سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئیں ورنہ میں وارننگ دئے بغیر تمہارا مستقبل تاریک کرسکتا تھا۔ تم میرے لئے آستین کا سانپ بنی ہوئی ہو۔ اگر تم نے غزالہ کو اغوا کرنے کی حماقت نہ کی ہوتی تو ہم خوش اسلوبی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہوسکتے تھے۔"

"تم نے دیدہ و دانستہ مجھے ہیری کیسنجر سے تصادم کی راہ پر ڈالا تھا تاکہ میں کبھی اس کی مدد حاصل نہ کرسکوں۔ تمہاری پے درپے بدنیتیوں کی وجہ سے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی اور تم ابھی تک اپنی اوچھی حرکتوں سے باز نہیں آئے ہو۔ تم نے ایک مرتبہ پھر ہیری کیسنجر کے کان بھرے ہیں اور اسے ہندوستانی کاؤنسلیٹ میں میری موجودگی سے آگاہ کرکے ان دونوں سفارتی مشنوں کو آپس میں لڑوانے کی کوشش کی ہے۔"

"غزالہ بخیر و خوبی مجھے واپس مل جائے تو یہ محاذ آرائی اب بھی ختم ہوسکتی ہے ورنہ میں پاتال میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ تم دیکھ ہی چکی ہو کہ ابھی تک تمہارا کوئی بہی خواہ میری گرفت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ تم ہوش کے ناخن لیتیں تو میر اکبر خان کی موت کے بعد ہی تمہیں ہتھیار ڈال دینے چاہئے تھے۔"

"لیکن اب تم میرے سائے کو بھی نہیں پہنچ سکو گے۔" اس کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری۔

"تم نام بدل کر مجھ سے بچ سکی ہو نہ ملک بدل کر محفوظ رہ سکو گی۔" میں نے ایران کا ذکر کئے بغیر دانستہ چٹکی لیتے ہوئے کہا "میں تمہاری بو پر لگا ہوا ہوں...."

"اتنے ہی باخبر بن رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ غزالہ اب کہاں ہے؟"

"وہ کہیں بھی ہو' اسے مجھ تک پہنچانا تمہاری ذمے داری ہے۔ اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ملک بدلنے والی کس بات کا ذکر کررہے تھے؟" قدرے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"یہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کیونکہ وہ پروگرام تمہارا ہی ہے۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میر اکبر خان اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"اس کا جواب وہی دے سکے گا اور وہ غالباً جہنم میں آگ تاپ رہا ہوگا۔"

"تمہاری حرکتوں کی وجہ سے غزالہ اب میری گرفت سے نکل چکی ہے۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "اسے تم تک پہنچانا بعد کی بات ہے' اس وقت تو میں خود بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی لیکن میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گی کہ میں نے غزالہ کے اعضا کاٹنے کی جو دھمکی دی تھی وہ میرے وقتی اشتعال کا نتیجہ تھی ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"اور تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے اس مضحکہ خیز دعوے پر یقین کرلوں؟"

"تمہیں یقین کرنا چاہئے کیونکہ اتنے دن گزر جانے کے باوجود میں نے غزالہ کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"وہ تمہاری مجبوری تھی۔ اسے لے جانے کے بعد تم ایک دن کے لئے بھی سکھ چین کے ساتھ کہیں نہیں رک سکیں کیونکہ میں تمہارا پیچھا کررہا ہوں۔ تم کو اتنی مہلت ہی نہیں مل سکی کہ تم اس کے وجود پر نشتر زنی کے قابلِ نفرت ارادے کو' عملی جامہ پہنانے

کے بارے میں سوچ سکتیں اور اب تم بالکل ہی بے بس ہوگئی ہو کیونکہ بقول تمہارے، اب غزالہ تمہارے ہاتھوں سے نکل چکی ہے اس لئے تم مجھے اپنی نیک نیتی کا جھوٹا یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اب میں تمہارے کسی فریب میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لئے میں یہ بھی بتانے کو تیار ہوں کہ اس وقت غزالہ کہاں ہے۔"

"تم ایک لمحے کے لئے بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں رہی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ کس نے کب اور کہاں تباہ کی تھی۔ تم جس چوہے دان سے تنہا فرار ہوئی ہو، غزالہ اب بھی وہیں ہوگی لیکن میری ان اطلاعات کی بنا پر تم اپنی ذمے داریوں سے بری نہیں ہو سکتیں۔"

"تم اتنے ہی باخبر ہو تو اب تک مجھے ڈھیل کیوں دے رہے ہو؟" وہ شاید جل کر بولی تھی۔

"تمہیں بھگا بھگا کر تھکانا چاہتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم غزالہ کو اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے ملک میں نہیں لے جاسکو گی۔ اپنا نیا مشن پورا کرنے کے لئے تم خود غزالہ کو یہاں چھوڑنا چاہ رہی تھیں لیکن نئے حالات کے تحت تمہارا کام خود بخود آسان ہوگیا۔ یہ اور بات ہے کہ اب تم چاہو بھی تو غزالہ کو دوبارہ بلکہ سہ بارہ اپنی تحویل میں نہیں لے سکو گی۔"

"میرے نئے مشن کے بارے میں تم کیا جانو؟" اس نے تیزی کے ساتھ پوچھا۔

"چھ سوٹن وزنی ایٹمی ساز و سامان کے بارے میں خبروں کو چھپانا آسان نہیں ہوتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لئے، شی میں اپنی ساکھ بحال کرنے کا آخری موقع ہوگا۔ تم نے یہ موقع گنوادیا تو تمہیں دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال پھینکا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کروگے۔"

"فلیٹ سے غزالہ کے ساتھ فرار ہو کر تم نے مجھے جو چیلنج دیا ہے اس کے بعد ایسا نہ کرنا بزدلی اور کم ہمتی کے مترادف ہوگا۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔" اس کی سخت آواز ابھری۔ "بدقسمتی یا خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ آج کل امریکا والے دنیا بھر کی بھکاری قوموں کے اَن داتا بن بیٹھے ہیں اور کشکول اٹھائے پھرنے والی کوئی قوم ان کے حکم کی خلاف ورزی کر کے نہیں پنپ سکتی۔ ہیری کیسنجر کی ناراضی کے خوف سے انڈین کاؤنسلیٹ والے میری حمایت سے فوری طور پر دست بردار ہوگئے۔ اسی طرح تمہارا ملک بھی امریکنوں کی مرضی کے خلاف اپنی ایٹمی صلاحیتوں میں کوئی قابلِ قدر اضافہ کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ میرا مشن کامیاب ہو یا ناکام لیکن چھ سوٹن وزنی آلات کی کھیپ کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔"

"مجھے عالمی مفادات یا سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو صرف تمہاری ٹانگ گھسیٹوں گا۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"حالانکہ تم میرے سامنے حب الوطنی کے بڑے دعوے کرتے رہے ہو۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"دعوؤں کے باوجود یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ میں ایک عام آدمی سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ قانون میرے ساتھ ہی تمہارا بھی دشمن ہے لیکن ہم دونوں کے لئے آج تک قانون کے محافظوں سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ وقت، حالات اور تجربات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہم دونوں کو سب سے زیادہ نقصان ایک دوسرے سے پہنچا ہے۔ ہم جب بھی آپس کی محاذ آرائی میں الجھتے ہیں تو ہمیں بھاری نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ ہمیں دشمنی اور محاذ آرائی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا چاہئے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے دوست اور خیر خواہ نہیں رہ سکتے تو ہمیں اجنبیوں کی طرح زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا۔ دشمنی اور بدخواہی ہم دونوں کو ہی ایک دن لے ڈوبے گی۔"

"ہر بار ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ اب میں تمہاری زبان پر اعتبار نہیں کرسکتا۔"

"میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ میری بات مان لو۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا۔ "مجھ سے لڑ کر تم خسارے میں رہو گے۔ چیونٹی بھی پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے، میں تو پھر ویرا ہوں۔ تم نے میرا وہ دَور بھی دیکھا ہے جب میں بلیک کوئین کے نام سے ایک ہوّا بنی ہوئی تھی اور بڑے بڑے بدمعاش میرے نام سے کانپتے تھے۔"

"میں اس وقت بھی تم سے خائف نہیں تھا۔ ہمارے جھوٹے عشق کی ابتدا شاید ان ہی دنوں میں ہوئی تھی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "دنیا جہان کو دہشت زدہ کرنے والی بلیک کوئین میری بانہوں میں آتے ہی سردی کھائے ہوئے کسی بے ضرر پلّے کی طرح کانپنے اور لرزنے لگتی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری مصالحت کی پیشکش ٹھکرا رہے ہو؟"

"مصالحت برابری کی سطح پر کی جاتی ہے۔ تم تو اب کسی بھی لمحے ڈھیر ہونے والی ہو۔"

"یہ تمہاری بھول ہے 'ڈیئی!" وہ یک بیک بھڑک اٹھی۔ "مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہوگیا ہے۔ اب میں تمہاری زندگی اجیرن کردوں گی۔ تمہارا سایہ بھی تمہیں کاٹنے کو دوڑنے لگے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ میں نے ایس ٹی ایف۔ الا، کے پاس پناہ لی ہوئی ہے۔ میں یہاں آتا ضرور ہوں لیکن رہتا اپنے ٹھکانے پر ہوں۔ تم نے ادھر کا رخ کیا تو یہ تمہارے ساتھ بہت بے وردی کے ساتھ پیش آئیں گے۔ ان کے مارے ہوئے لوگوں کی لاشوں تک کا پتا نہیں چلتا۔"

"میں تو اب تماشا دیکھوں گی۔" ہلکی سی ہذیانی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "اب تمہارا جگری دوست، جہانگیر ہی تمہارا سر اتار کر میرے سامنے لائے گا۔"

"جہانگیر!" اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن کو ایک بدترین جھٹکا لگا۔ وہ شی کے عروج کے زمانے میں اس کے مقامی بڑوں میں شمار کیا جاتا تھا لیکن شی کی سرگرمیاں موہوم اور پھر معدوم ہونے کے بعد سے وہ ہر کام سے الگ تھلگ ہو کر رہ گیا تھا۔ ویرا پہلے بھی ایک بار کہہ چکی تھی کہ جہانگیر کام سے ضرور لاتعلق تھا لیکن عملی طور پر بدستور شی کا حلف یافتہ وفادار تھا اور وقت پڑنے پر وہ تنظیم کے کسی کام سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اب ویرا نے اتنے وثوق کے ساتھ جہانگیر کا ذکر کر کے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا۔

"ہاں جہانگیر!" میری اضطراری تکرار پر اس کی تکبّر آمیز آواز ابھری۔ "ایک وقت تھا کہ وہ میرے نام بلکہ سائے تک سے دہشت زدہ رہتا تھا لیکن تمہاری وجہ سے جب میں اس سے بھی بے تکلف ہوگئی تو اب وہ مجھے مانتا ہے نہ شی میں میری اتھارٹی کو تسلیم کرتا ہے لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اپنی بات کس طرح منوائی جاتی ہے۔ تم دیکھ لینا کہ اب وہی تمہیں ٹھکانے لگائے گا۔"

"تو کیا تم نے صرف اتنی سی بات بتانے کے لئے مجھے فون کیا تھا؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"میں تم سے آخری بار بات کرنی چاہ رہی تھی۔ اب مجھے اطمینان رہے گا کہ میں نے تمہیں آخری موقع فراہم کیا تھا جسے تم نے خود ٹھکرا دیا۔"

"تم دوغلی اور قابلِ نفرت ہو ویرا!" میں نے غصے میں کہا "تم جہانگیر کو پہلے ہی میرے خلاف اکسا چکی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم چند منٹ پہلے نیک نیتی، دوستی اور مصالحت کی جو باتیں کر رہی تھیں وہ سب فریب پر مبنی تھیں۔ اگر تمہارے دل میں ذرا سا بھی خلوص ہوتا تو تم جہانگیر کو میرے خلاف بھڑکانے سے پہلے مجھ سے بات کرتیں۔ میرے انکار کے بعد تمہیں اپنا ہر حربہ آزمانے کی کھلی چھوٹ ہوتی....."

"میرے پاس تمہارا کوئی سراغ نہیں تھا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "میں نے میر اکبر خان کی موت کے بعد ہی تم سے سمجھوتے کی ضرورت محسوس کرلی تھی لیکن تم رُوپوش تھے۔ آج میں نے آخری کوشش کے طور پر اپنے پرانے گھر کے نمبر پر فون کیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اول خان اب بھی یہیں جما بیٹھا ہوگا۔"

"تمہاری یہ وضاحتیں بے سود ہیں۔ ہوسکے تو مجھے اپنا پتا ٹھکانا بتادو۔ اگر میرے خیالات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تو میں تم سے رابطہ کرلوں گا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر فون میں کہا۔

اس کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولی "جس طرح میں نے تمہیں تلاش کیا ہے اسی طرح تم بھی مجھے ڈھونڈ لینا۔ اور ہاں، ذرا اس آدمی سے تو بات کرادو جس نے میری کال وصول کی تھی۔"

"میں اس وقت اکیلا ہوں۔" میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ باہر کہیں بھٹک رہا ہوگا۔ کیا اب اس پر بھی ڈورے ڈالنے کا ارادہ کر رہی ہو؟"

"تمہاری ذہنیت بہت پست اور گھٹیا ہے۔" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ہر گرے پڑے مرد کے پیچھے نہیں بھاگتی۔ مردوں کا شکار کھیلنے کے میرے اپنے اصول ہیں۔ جنہیں میں ہر حال میں ملحوظ رکھتی ہوں۔ اور اب تو تم بھی میرے معیار سے بہت نیچے گر چکے ہو۔"

اُس کے ان بلند بانگ دعوؤں پر میرا دل چاہا کہ اسے بتادوں کہ پہلے بھی میں نے ہی آواز بدل کر اس سے بات کی تھی لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔ اول تو ویرا شرمندہ ہونے والی مخلوق نہیں تھی دوم یہ کہ ابتدائی گفتگو کے حوالے سے یہ امکان موجود تھا کہ شاید ایک بجے سروسز کلب کے قریب سے اسے پکڑا جاسکے اس لئے میں نے بات کو مذاق میں ٹال دینا مناسب سمجھا اور ویرا نے جھلا کر فون بند کردیا۔

"یہ تو بہت خطرناک او[illegible] صفت عورت معلوم ہوتی ہے۔ فون بند ہوتے ہی ظفر ایک گہرا سانس لے کر بولا "تم کو اس سے بات آگے بڑھانی چاہئے تھی تاکہ یہ معلوم ہوسکتا کہ بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں ان لوگوں کے کیا عزائم ہیں؟"

"میں جس بات میں دلچسپی لیتا وہ اسی کو الجھانا شروع کردیتی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہاری نوک جھونک سے چڑ کر بہت کچھ اگلتی جارہی تھی۔"

"تمہارے لئے وہ باتیں اہم رہی ہوں گی مگر وہ ہمارے مشترکہ راز تھے۔ اس نے کوئی بھی ایسی بات نہیں کی جو پہلے سے میرے علم میں نہ رہی ہو۔" میں نے اسے بتایا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا رہ چکے ہو؟" ظفر نے جھجکتے ہوئے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"اُس کے بارے میں، مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے کہا۔ "البتہ جہاں تک میرا تعلق ہے، وہ عشق نہیں بلکہ سرکش جذبوں کی آوارگی تھی۔ کیونکہ ویرا بہت زیادہ حسین ہونے کے ساتھ ہی جواں سال بھی ہے۔ ایک ایسی لڑکی سپردگی پر آمادہ ہو تو بڑے بڑے زاہدوں کی بھی رال ٹپک سکتی ہے۔ بظاہر وہ خود کو لئے دیئے رکھتی ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی اس کی طرف پیش قدمی کی

جرات نہیں کرسکتا لیکن اندر سے وہ بہت دل پھینک اور رنگین مزاج ہے۔ اس کا کردار کسی سیکرٹ ایجنٹ کی طرح ہے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی ذہانت سے لے کر جسمانی حسن وجمال تک' ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتی ہے۔"

"تو تم ایک بجے اس سے ملنے جاؤ گے؟" ظفر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"مجھے اُس سے ایسی کسی حماقت کی امید کم ہی ہے لیکن میں وہاں ضرور جاؤں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ہم لوگوں کا ایسے رنگین جرائم سے واسطہ نہیں پڑتا۔"

"ساتھ نہیں چلو گے بلکہ اصل رول تم ہی کو ادا کرنا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اگر ویرا ایک بجے سروِسز کلب کی طرف آنے کی غلطی کر بیٹھی تو تم ہی اسے گھیر گھار کر پکڑو گے۔ میں سامنے گیا تو وہ بدک کر مقابلے پر اتر آئے گی اور ہو سکتا ہے کہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسے یہیں لانا ہوگا؟" ظفر نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"فی الحال ہمارے پاس کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے اس لئے مجبوری ہے۔"

"لیکن میں نے اند[illegible]ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد [illegible] باوجود تم دونوں ایک دوسرے کو دیدہ ودانستہ قتل نہیں کرسکو گے۔ کھلے مقابلے میں کوئی مارا جائے تو اور بات ہوگی ایسی صورت میں ویرا کو پکڑ کر یہاں لانے کا کیا فائدہ ہوگا؟"

"سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ ایران کا رخ نہیں کرسکے گی اور بلیو کراس ڈیل کسی دخل اندازی کے بغیر مکمل ہو جائے گی۔ دوم یہ کہ وہ یہاں میری نہیں بلکہ تم لوگوں کی قیدی ہوگی اور اس کے مستقبل کا انحصار تمہارے فیصلے پر ہوگا۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہوگا۔"

"لیکن جہانگیر والی بات ناقابلِ فہم ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "ویرا نے اسے کس طرح شیشے میں اتارا ہوگا؟"

"یہ ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" میں نے اسپیکر فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سے جہانگیر نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کہاں ہو؟ میں دو دن سے سخت اذیت کے عالم میں ہوں۔" میری آواز سنتے ہی جہانگیر پھٹ پڑا۔ اس کی وحشت زدہ آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"میں کراچی میں ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم میرے سر کے طلبگار ہو گئے ہو؟"

"خدا کے لئے تم تو ایسی باتیں نہ کرو!" اس کی آواز روہانسی ہو گئی۔ "ویرا بہت حرام زادی ثابت ہوئی ہے۔ وہ میرا اکلوتا بچہ لے گئی ہے۔ اس کی جدائی کے غم میں سلمیٰ کا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ ویرا نے فون پر مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل کرکے ہی اس سے اپنا بچہ واپس لے سکتا ہوں ورنہ وہ اسے مار دے گی۔"

جہانگیر کی کہانی سن کر میں سکتے میں رہ گیا۔ ویرا نے اس کے معصوم اور شیر خوار بچے کو اغوا کرکے اپنی کمینگیوں کے سارے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" میں نے سرسراتی ہوئی' الم زدہ آواز میں پوچھا۔

میرے جواب میں اس نے روتے اور سسکتے ہوئے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ویرا پچھلے روز اس کے گھر پہنچی اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جہانگیر کے شیر خوار بچے کے لئے کچھ تحفے وغیرہ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ قدرے پس وپیش کے بعد سلمیٰ اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی اور وہ دونوں عورتیں بچے سمیت بازار کے لئے روانہ ہو گئیں۔ شہر کے ایک مشہور اسٹور میں ویرا نے بچے کے لئے بہت سی چیزیں خریدیں۔ بچہ اسی کی گود میں تھا۔ اسی اثنا میں سلمیٰ زنانے کپڑوں کے شعبے میں اپنی خریداری میں منہمک ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ فارغ ہوئی تو ویرا بچے سمیت غائب تھی۔ وہ سمجھی کہ ویرا باہر چلی گئی ہوگی۔ اس نے دیوانہ وار ہر طرف تلاش کیا پھر مایوس ہو کر جہانگیر کو فون کیا تو اسے وہ بری خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ ویرا نے اس اسٹور سے غائب ہوتے ہی کسی پبلک بوتھ سے جہانگیر کو فون کرکے بتا دیا تھا کہ بچہ اس کی تحویل میں تھا۔ ان لوگوں کو پولیس تھانے سے رجوع کرنے کے بجائے اس کی اگلی فون کال کا انتظار کرنا چاہئے۔ جہانگیر کو فوراً ہی گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا لیکن اس نے سلمیٰ کو تسلی دی کہ ویرا بچے کو لے کر کہیں چلی گئی ہے اس لئے وہ خاموشی سے گھر لوٹ آئے۔

وہ دونوں ہی بہت مضطرب اور بے چین رہے۔ سلمیٰ کی چھٹی حس نے اسے بھی خطرے کا احساس دلا دیا لیکن اصل معاملے سے وہ دونوں لاعلم تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ویرا نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کے اکلوتے بیٹے کو دھوکے سے اغوا کرلیا ہوگا۔

ان پر اصل صورتِ حال اس وقت واضح ہوئی جب ڈیڑھ گھنٹے بعد ویرا کا دوسرا فون آیا۔

اس بار ویرا کا لب ولہجہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ اس نے ان کے جذبات کی پروا کئے بغیر دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ ان کا بچہ اس کے پاس بطور یرغمال محفوظ تھا۔ اس کی واپسی کی ایک ہی صورت تھی کہ جہانگیر مجھے تلاش کرکے خود ہلاک کرے یا کرائے کے کسی قاتل سے مجھے ختم کرادے۔

ویرا کی شرط سن کر جہانگیر کے صبر وضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ اس نے ویرا کو بتایا کہ اس کے لئے وہ شرط قابلِ قبول نہیں تھی کیونکہ وہ ماضی سے اپنے سارے رشتے توڑ چکا تھا۔ اس نے ویرا کو بھاری رقم اور پھر اپنے تمام اثاثوں کی پیشکش کی۔ وہ دنیا کی ہر نعمت سے دست بردار ہو کر صرف اور صرف اپنے بچے کو زندہ وسلامت حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ویرا اپنی اسی شرط پر اڑی رہی اور آخر کار جہانگیر کو ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

ویرا نے اسے دھمکی دی تھی کہ بچے کی بازیابی کے لئے پولیس سے رجوع کیا گیا یا اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بلا تاخیر بچے کو ہلاک کرکے اس کی لاش کسی کوڑے دان میں پھکوا دے گی۔

جہانگیر کی زبانی اصل صورتِ حال سے واقف ہوتے ہی سلمیٰ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ ہسٹریائی انداز میں چیختے چیختے بے ہوش ہو گئی۔ وہ ہوش میں آئی تو اس کی آنکھوں میں روح کو لرزا دینے والی ویرانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وہ اپنے گم شدہ بچے کو یاد کرکے کبھی رونے لگتی تھی اور کبھی اچھل اچھل کر قہقہے لگاتی تھی کہ اس کا بیٹا جنت کی کھڑکی سے ہمک ہمک کر اسے بلا رہا ہے۔

جہانگیر نے اسے ایک نفسیاتی اسپتال میں داخل کرا دیا تھا اور خود پریشان تھا کہ کیا کرے۔

"تم ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچ کر مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" اس کی پوری کہانی سن کر اسے دلاسا دینے کے بعد میں نے سوال کیا "میں پوری طرح تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"اپنے بچے کی واپسی کے علاوہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ خدا نے ہمیں کتنی منتوں اور آرزوؤں کے بعد اس نعمت سے نوازا تھا۔ پتا نہیں ویرا اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہوگی۔ اولاد کا دکھ درد اولاد والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ تو نری فاحشہ اور بدکار عورت ہے۔"

"ویرا کی شرط تم قبول کر چکے ہو۔ چاہو تو میں خود تمہارے گھر آسکتا ہوں۔"

"خدا کے لئے بس کرو" وہ بے اختیار چیخ پڑا اور رُندھی ہوئی آواز میں بولا "میں نے کوئی شرط قبول نہیں کی۔ اس حرام زادی نے وہ شرط میرے اوپر تھوپی ہے۔ اپنی اولاد کے لئے میں تم جیسے دوست کا تو کیا' کسی کا بھی خون اپنے سر نہیں لے سکتا۔ بچے کی زندگی ہے تو وہ ہر حال میں مجھے مل جائے گا۔ اگر اس کی موت ویرا کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو تم بھی دعا کرنا کہ پروردگار مجھے اس کا بدل عطا کردے۔ یہ مجھے باپ بننے کے بعد معلوم ہوا کہ اولاد کے بغیر زندگی کتنی پھیکی' سونی اور بھیانک ہوتی ہے۔"

"آج کل میں رُوپوش ہوں" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ویرا کا فون آجائے تو اس سے یہی کہنا کہ تم میری تلاش میں لگے ہوئے ہو۔ ویسے میں خود اس کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بچے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اس سے پہلے ہی ہم اسے اپنی تحویل میں لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"میں بہت اداس اور تنہا ہوں' ڈیئی!" اس کی کرب آلود آواز ابھری "کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کچھ دیر کے لئے میرے پاس آجاؤ' تمہاری ذات سے مجھے بہت ڈھارس ملتی ہے۔"

"میرا وہاں آنا بچے کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "ویرا کو میری وہاں آمد اور خیریت کے ساتھ واپسی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ کوئی غلط حرکت کر گزرے گی۔"

"اس نے مجھے بالکل ہی بے بس اور تنہا کر دیا ہے" وہ بلک کر رو پڑا۔

اس سے مزید چند منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ عورت تو آفت کی پرکالہ معلوم ہوتی ہے" ظفر تشویش آمیز لہجے میں بولا "اپنے کسی شناسا کے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کرنے کے لئے پتھر کا دل ہونا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری دشمنی نے اس کا دماغ ہی الٹ کر رکھ دیا ہے جب ہی وہ ان حربوں پر اتر آئی ہے۔"

وہ جنونی طبیعت کی مالک ہے" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔ "جس چیز یا کام کے پیچھے پڑ جاتی ہے' دن رات اسی کی دھن میں لگی رہتی ہے۔ آج کل اس کے سر پر [illegible]ار ہے۔"

"جہانگیر کے بیٹے کا معاملہ سنگین [illegible] اب غزالہ کے ساتھ اوھر کی بھی فکر کرنی ہوگی" سلطان شاہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "اسے کچھ ہوا تو میں ویرا کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔"

"فی الحال میں اس معاملے پر سوچنا چاہتا ہوں۔ مجھے تنہا چھوڑ دو!" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا "شاید میں اس کا کوئی حل تلاش کرسکوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلمیٰ اس صدمے سے مر ہی نہ جائے۔"

سلطان شاہ خاموش ہو گیا۔ ظفر نے مجھے ایک علیحدہ کمرے میں' جہاں سونے کا بندوبست تھا' آرام کرنے کی پیشکش کی جو میں نے فوراً ہی قبول کرلی کیوں کہ اس وقت صبح کے دس بج چکے تھے۔ بارہ بجے میرا ارادہ سروسز کلب کی طرف جانے کا تھا تاکہ ویرا کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں اپنا مورچا جما سکوں۔ اس کے بعد چھ بجے رجنی کا غزالہ سے تبادلہ کرنے کا مرحلہ آجاتا۔ ان مصروفیات کے درمیان میں کہیں بھی اتنا وقفہ نہیں تھا کہ میں وہاں سے جا کر واپس آنے کی گنجائش نکال سکتا۔

"موتن لال اور رامرکمار کی لاشوں کا کیا کیا جائے؟" مجھے اٹھتے دیکھ کر ظفر نے سوال کیا۔

"میں کسی سبب کے بغیر مُردوں کی مٹی پلید کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پھر یہ تو سیدھا سادہ قتل اور خودکشی کا کیس ہے۔ موتن لال کی انگوٹھی کے نگینے کا راز فاش ہوتے ہی پولیس کا کام آسان

ہوجائے گا اس لئے لاشیں کسی ایسی جگہ پر ڈلوادو جہاں پولیس آسانی سے پہنچ سکے۔"

"ولی ٹی امرکار کی ادھڑی ہوئی جلد پر بید کے بے شمار نشانات واضح ہوں گے" سلطان شاہ نے ہمیں یاد دلایا "پولیس کے لئے ان کا بھی کوئی جواز ہونا چاہئے تاکہ یہ معاملہ یہیں ختم ہوجائے۔"

"میں اپنی خون آلود بید بھی وہاں ڈلوادوں گا" ظفر مسکراتے ہوئے بولا "ویسے تم فکر نہ کرو۔ یہ قصہ آگے بڑھایا بھی گیا تو کوئی ہماری طرف رخ نہیں کرسکے گا۔"

میرے لئے وہ کمرا اجنبی تھا۔ ویرا کے قیام کے دوران میں' مَیں وہاں بکثرت آیا کرتا تھا۔ پھر بلیک کیٹ ٹی یا ملّا سرکار نے اسی کمرے کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی مواصلاتی نظام سے منسلک اسپیکر اور مائیکرو فون چھپا کر ویرا کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بلیک میل کرنا شروع کیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے ظفر کے بتائے ہوئے کمرے تک پہنچنے کے لئے کسی کی رہنمائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

وہ کمرا ویرا اپنی خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ فرش پر دبیز اور بیش قیمت قالین موجود تھا۔ کھڑکیوں پر اتنے دبیز ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے کہ دن دہاڑے بھی اس کمرے میں رات کا سماں بندھا ہوا تھا۔ کنگ سائز بیڈ پر بہ آسانی تین بلکہ چار افراد بھی بیک وقت آرام سے سو سکتے تھے۔ اس خواب ناک ماحول میں ائرکنڈیشنر کے پنکھے کی مدھم سی گھوں گھوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ خنک اور آرام دہ ماحول میسر آتے ہی میں جوتے اتارے بغیر بستر پر گر گیا اور تقریباً فوراً ہی غنودگی کی لہر نے مجھے آلیا۔

****

ٹھیک سوا بارہ بجے ہم تینوں ویرا سے ملاقات پر جانے کے لئے تیار ہوچکے تھے۔

میں گدھے گھوڑے بیچ کر ایسی گہری نیند سویا تھا کہ اگر سلطان شاہ بارہ بجے مجھے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار نہ کرتا تو میں شاید رات ہی کی خبر لاتا۔ اتنی گہری نیند کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مجھے اپنے سونے کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔ نیند کے عالم میں بھی مَیں ویرا اور غزالہ کے پیچھے بھاگتا رہا۔ کبھی جہانگیر کے شیر خوار بچے کی بازیابی کی فکر میں الجھا رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے ذہن میں وہ سارے خواب تازہ تھے جن میں بہت سے کار آمد اشارے بھی موجود تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ عالمِ خواب میں بھی میرا لاشعور پوری تندہی کے ساتھ کام کرتا رہا تھا۔

لیکن اس وقت ان نکات پر تبادلۂ خیال کا موقع نہیں تھا اس لئے میں تیار ہو کر فوراً ہی ان لوگوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس مہم کے لئے ظفر نے جیپ کے بجائے ایک کار نکلوائی تھی۔ میرے ایما پر اس نے اپنے ڈرائیور کو وہیں چھوڑ دیا اور سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"تمہارا یہ خیال کیوں تھا کہ ویرا سروسز کلب آنے کی حماقت نہیں کرے گی؟" راستے میں ظفر نے مجھ سے پوچھا۔

"بس میرا خیال ہی تھا کیوں کہ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ گرفت میں آنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ آج وہ میرے اندازے کو غلط ثابت کر بیٹھے۔"

"لیکن اسے تو آخر تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس نے دونوں بار تم ہی سے بات کی تھی۔ تم نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنی آواز کے ساتھ لب و لہجہ تک بدل لیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ کر آئے گی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی مہم جُو جوان اس کے حسن کے چنگل میں پھنسنے والا ہے۔"

"میرے پاس اپنے اندازے کی تائید میں کچھ بھی نہیں ہے۔ خود میری دعا ہے کہ خدا کرے میرا اندازہ غلط ثابت ہو۔ ایسا ہوا تو جہانگیر کے بیٹے کے ساتھ ہی بلیو کراس ڈیل کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔"

"سروسز کلب کا عقبی گیٹ کون سا ہوگا؟" اچانک سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔

"کلب انیکسی کی پارکنگ لاٹ والا گیٹ جو میٹروپول کے پیچھے اور ایم بیزر کے برابر میں ہے" میں نے کہا۔

"اگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ویرا کہیں نظر آجائے تو ہم کیا کریں گے؟" سلطان شاہ نے پھر پوچھا۔

"تم دُم دبا کر بھاگ لینا' ہم اسے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"تو پھر اسے پکڑنے کی تیاری کرو۔ وہ ہمارے پیچھے تیسری گاڑی ڈرائیو کررہی ہے" سلطان شاہ کے وہ الفاظ میرے اعصاب کے لئے دھماکا خیز ثابت ہوئے لیکن میں نے فوری طور پر پیچھے مڑنے کی حماقت نہیں کی۔ ظفر بھی یک بیک پُرجوش نظر آنے لگا تھا۔

"کیا وہ ہمارا پیچھا کررہی ہے؟" میں نے ہیجان آمیز آواز میں پوچھا۔

"فی الحال تو شاید اس نے ہمیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ میں عقب نما آئینوں میں خود کو اس سے بچانے کی کوشش کررہا ہوں لیکن راستہ ملنے پر وہ کسی بھی وقت اچانک ہمارے برابر میں آسکتی ہے۔"

وہ بہت سنسنی خیز لمحات تھے۔ لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ ہم وہیں اچانک بریک لگا کر ٹریفک جام کرا دیں ... اپنی گاڑی سے نیچے اتر کر ویرا کو اس کی کار سے باہر گھسیٹ لیں ... لوگوں کے پاس ہتھیار بھی موجود تھے لیکن ایک بھری پُری سڑک ... ہماری کامیابی کے امکانات کم تھے۔ ویرا ہمارے ... روں کی جھلک دیکھتے ہی خطرہ بھانپ لیتی اور اپنی کار سے اتر کر سڑک ... دوڑ لگانی شروع کردیتی تو وہاں اچھا خاصا تماشا بن سکتا تھا اور مجمع ہونے والا

ہجوم لازمی طور پر اسی کا حامی ہوجاتا۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آگے ہماری گاڑی کے نکلنے کا راستہ دانستہ مسدود کردیا جاتا کیوں کہ عام لوگوں کے لئے وہ اغوا کی واردات ہی ہوتی جس میں تین قوی ہیکل غنڈے' اردو بولنے والی ایک سفید فام حسینہ کو اٹھالے جانے کی کوشش کررہے ہوتے۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ بھی اسی سمت میں جارہی تھی جدھر ہم سفر کررہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی مقررہ وقت پر سروسز کلب کے پھاٹک پر پہنچنے کا ارادہ رکھتی ہے اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ بھری پُری سڑک پر اس سے الجھنے کے بجائے اسے اسی کے جال میں پھانسا جائے۔ ظفر اسے مقررہ مقام سے بہلا پھسلا کر بہ آسانی کہیں بھی لے جاسکتا تھا۔ اور اگر ہم سڑک پر اس سے الجھ بیٹھتے اور وہ ہمیں جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجاتی تو پھر وہ کسی بھی قیمت پر سروسز کلب والی فٹ پاتھ کا رخ نہ کرتی اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

"اپنی گاڑی موقع ملتے ہی بائیں طرف گھمالو" میں نے چند ہی ثانیوں میں پوری صورتِ حال کا تجزیہ کرنے کے بعد فوری طور پر سلطان شاہ کو ہدایت کی "اس وقت ہمیں ہر قیمت پر اس کی نظروں سے بچنا ہے۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ ہوشیار ہوجائے گی۔"

"شاید تم اس کالی کار کی بات کررہے ہو جسے ایک سفید فام لڑکی چلارہی ہے؟" ظفر نے سلطان شاہ سے سوال کیا۔ شاید اس اثنا میں وہ پیچھے کا جائزہ لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

"ہاں' پتا نہیں وہ کب سے ہمارے پیچھے چلی آرہی ہے؟ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی اسے دیکھا ہے" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے سلطان شاہ نے کار بائیں سمت کی بغلی سڑک پر گھمادی۔ ظفر مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر بعد ہی اس نے اعلان کیا کہ ویرا کی کار شاہراہ پر سیدھی نکلتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی ہماری طرح سروسز کلب کی طرف جارہی ہے" ظفر نے جوشیلی آواز میں کہا "آج اگر ہمارے مقدر نے یاوری کی تو وہ ضرور پکڑی جائے گی۔"

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا "اسی سڑک پر چلتا رہوں یا یوٹرن لے کر واپس شاہراہ کا رخ کرنا ہے؟"

"واپس پرانے راستے پر چلو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم آنکھیں کھول کر ڈرائیونگ کررہے ہو۔"

"تو کیا آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیونگ کی جاسکتی ہے؟" سلطان نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ تم اس وقت چھکنے کے قابل ہو۔ اگر وہ ہمیں اوورٹیک کرتی تو سب سے پہلے تم ہی اس کی نظروں میں آتے اور وہ خاموشی سے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کردیتی" میں نے کہا۔

"واقعی بہت حسین عورت ہے وہ" ظفر نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"اور کمال کی بات یہ ہے کہ مغرب نژاد ہونے کے باوجود ہم لوگوں سے بہتر اردو بولتی ہے۔ اگر ہم راستے ہی میں اس سے الجھنے کی کوشش کرتے تو اس کے ایک اشارے پر اس کے سیکڑوں حامی پیدا ہوجاتے اور ہماری گلوخلاصی مشکل ہوجاتی۔"

"میں نے یہی سوچ کر اپنا راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا گل کھلاتی ہے۔"

ہم نے دو مرتبہ ہوٹل میٹروپول کا طواف کیا لیکن ویرا یا اس کی سیاہ کار کا کہیں پتا نہیں تھا۔ سروسز کلب کے وسیع احاطے کی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی فٹ پاتھ پر معمول کے مطابق لوگوں کی آمدورفت جاری تھی لیکن اس بھیڑ میں دور دور تک رنگین تو کیا' کوئی سیاہ چھتری بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ میں نے اپنی کار ہوٹل میٹروپول کے عقبی فٹ پاتھ کے کنارے ایسی جگہ رکوائی جہاں سے سروسز کلب انیکسی کا پھاٹک صاف نظر آرہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم جاؤ' رام بھلی کرے گا" میں نے ظفر کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "وہ پٹڑی پر آجائے تو اسے ٹیکسی میں لے جانا ہم لوگ تمہارا پیچھا کریں گے۔"

وہ گاڑی سے اتر کر' سڑک پار کرنے کے لئے آگے' ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ آئے گی یا نہیں آئے گی؟" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے پوچھا۔

"چند منٹ بعد صورتِ حال خود بخود واضح ہوجائے گی" میں نے گول مول جواب دے کر اسے ٹال دیا۔

وقت گزاری کے لئے میں نے سیٹ کی پشت گاہ ڈھلکا کر سگریٹ سلگالی۔ سلطان شاہ نے کیسٹ پلیئر کے لئے سوئچ آن کر کے عطاالله عیسیٰ خیلوی کا ایک کیسٹ لگادیا جس کی ابتدا ہی ایک دردناک نغمے سے ہوئی تھی۔ گلوکار کے پُرسوز انداز نے گیت کے بولوں میں درد کے سمندر بھر دئے تھے۔

ایک بجنے میں پانچ منٹ پر ایک موٹر سائیکل سروسز کلب کے گیٹ سے ذرا آگے رکی اور اس پر سوار مرد' اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی دوغلی نسل کی ایک اسمارٹ سی لڑکی کو وہاں اتار کر چلا گیا۔

یک بیک سرمئی نسل کی وہ لڑکی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ اس کے بدن پر چست اسکرٹ اور بلاؤز میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ وہ اس کے ہاتھ میں موجود کسی چیز کو چھپا سکے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پرس تھا اور اسی بغل میں ایک بند چھتری دبی ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے فٹ پاتھ پر قدم رکھتے ہی چھتری کھول کر اپنے سر پر تانی تو وہ رنگین تھی۔

میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ زیرِ لب کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

وہ سروسز کلب انیکسی کے گیٹ کے سامنے سے گزر کر' چند قدم کے فاصلے پر فٹ پاتھ پر رک گئی۔ لحظہ بھر بعد اس نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ وہاں کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ ویرا کی کایا پلٹ کیسی ہوگئی؟"

"ہوش میں رہنا" میں نے کہا "اپنے رچائے ہوئے ڈرامے کا انجام دیکھنے کے لئے وہ خود بھی یہاں منڈلا رہی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ ہم حیرت اور بے خبری میں اس کا نشانہ بن جائیں۔"

اسے تنبیہہ کرنے سے پہلے میں خود بھی گردو پیش کا جائزہ لیتا رہا تھا لیکن اس وقت تک مجھے کہیں بھی ویرا یا اس کی کار کا کوئی نشان نظر نہیں آیا تھا۔ رنگین چھتری والی نے جب اچھی طرح پوزیشن سنبھال لی تو میں نے ظفر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

وہ پھاٹک کی دوسری طرف والی فٹ پاتھ پر بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا تھا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ وہ راستے میں ویرا کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا اس لئے رنگین چھتری کے نیچے موجود سرمئی لڑکی کی طرف بڑھنے میں جھجک رہا تھا۔ اگر اُس نے ویرا کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید دھوکا کھا جاتا اور جلد کی رنگت کے نمایاں فرق کو ہماری بدذوقی سے منسوب کر کے رہ جاتا۔

میں اتنی دور سے [illegible] سکتا تھا کہ وہ تذبذب میں مبتلا تھا لیکن وہ ایک تجربہ کار شخص [illegible] تھے اُس نے رہنمائی یا کسی اشارے کی امید میں ہماری طرف دیکھنے کی حماقت نہیں کی مگر میں اس کی پیچیدہ ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ لگا رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ وہ ویرا نہیں بلکہ اس کی طرف سے بھیجی گئی کوئی اور لڑکی تھی۔ اگر ویرا کو اس معاملے میں میری مداخلت کا خطرہ ہوتا تو اسے وہ ڈراما کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں دور ہی سے ویرا کی چال سمجھ کر اس لڑکی کو نظر انداز کر دیتا۔ ویرا جانتی تھی کہ جو شخص اس سے ملنے آرہا تھا وہ اسے نہیں پہچانتا تھا۔ ایسی صورت میں اسے رنگین چھتری کے نیچے موجود لڑکی سے مل کر بلیک پنی کے دو الفاظ کہنے ہوتے اور یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہی ویرا کا مطلوبہ شخص ہے اس کے بعد دو میں سے کوئی بھی واقعہ رُونما ہو سکتا تھا۔

رنگین چھتری والی اسے پہچان لینے کے بعد کسی ایسے مقام پر لے جاتی جہاں ویرا اپنے نئے عاشق کے انتظار میں بیٹھی ہوتی۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ ویرا وہاں آس پاس ہی موجود ہوتی اور جب رنگین چھتری والی' بلیک پنی کے الفاظ سن کر کوئی مخصوص اشارہ کرتی تو ویرا دور ہی سے فائر کر کے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیتی۔ اس کی دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک آدمی کو مار کر وہ مجھے خوف زدہ کر سکتی تھی۔ اس معاملے میں چھتری والی لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ویرا کا منصوبہ جو کچھ بھی رہا ہو لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس نے کسی مذاق وغیرہ کا بہانہ کر کے بھاری معاوضے پر اس لڑکی کی خدمات حاصل کی تھیں اور وہ ویرا کا بگڑا ہوا حلیہ بتانے کے علاوہ کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔

ظفر مردانگی اور حوصلے کا پیکر تھا۔ اسے طاقت' ذہانت اور دلیری کے ذریعے دشمن پر غلبہ پالینے میں خصوصی مہارت حاصل تھی لیکن وہ جس جرم کو رنگین سمجھ کر' اس میں کودا تھا وہ جرم سنگین اور پیچیدہ تر ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی پیشانی ملتا ہوا' چند ثانیوں تک اسی ایک مقام پر ٹہلتا رہا۔ اُس کی ان اضطراری حرکات کا مشاہدہ کرنے والا کوئی بھی شخص یہ سمجھ سکتا تھا کہ رنگین چھتری والی کی طرح وہ بھی کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

لیکن ظفر نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ٹھیک ایک بجے وہ رنگین چھتری والی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کی پشت اور لڑکی کا چہرہ ہماری طرف تھا۔ چند ثانیوں تک لڑکی کے چہرے پر شوخ مسکراہٹ لہراتی رہی۔ اس نے اپنے پرس میں سے کوئی کاغذ یا لفافہ نکال کر ظفر کی طرف بڑھایا۔ چند ثانیے گزر گئے۔ شاید ظفر اس پیغام کا مطالعہ کر رہا تھا پھر شاید اس نے کوئی خطرناک بات کہی کیوں کہ یکلخت لڑکی کا تنا ہوا بدن ڈھیلا پڑ گیا' اس کا چہرہ دھواں ہوگیا' ساتھ ہی اس نے اپنے سر پر تنی ہوئی رنگین چھتری بھی سمیٹ لی۔

ان دونوں نے ایک ساتھ ایم بیئیر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ لڑکی کی چال میں بھی مردنی پیدا ہوگئی تھی۔ بس وہ ظفر کے ساتھ گھسٹے جا رہی تھی۔ اس دوران میں ان دونوں میں مذاکرات جاری تھے۔ ایک بار ظفر نے سر اٹھا کر سڑک کے اس پار' ہوٹل میٹروپول کی کئی منزلہ عمارت کی طرف بھی دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس لڑکی کو چائے پلانے لے جا رہا تھا لیکن کافی دور نکل جانے کے بعد وہ دونوں واپس پلٹ پڑے۔

آخر کار ظفر واپس آنے لگا۔ لڑکی اس سے فارغ ہوتے ہی تیزی کے ساتھ آواری ٹاورز کی طرف چل پڑی جیسے جلد از جلد ظفر سے دور نکل جانا چاہتی ہو۔

ظفر نے ہم سے کافی فاصلے پر سڑک عبور کی پھر اچانک دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور بہت تیزی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گرتے ہوئے بولا "یہاں سے پوری رفتار سے نکل چلو۔"

سلطان شاہ نے گاڑی حرکت میں لاتے ہوئے کیسٹ پلیئر آف کر دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم بہت عجلت میں واپس آئے ہو" میں نے سوال کیا۔ اس وقت شارع فیصل کی طرف سگنل سرخ تھا اس لئے سلطان شاہ نے کار داہنی طرف گھمالی۔

"تم نے دیکھ لیا کہ وہ آج پھر جل دے گئی" وہ مایوسی اور غصے کے عالم میں بولا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ قابو میں آنے والی نہیں ہے۔ تم اپنی کہانی سناؤ کہ رنگین چھتری والی سے کیا باتیں ہوئیں اور تم اتنی تیزی سے واپس کیوں لوٹے تھے؟"

"اسے ایک مذاق کے نام پر مجھ تک لفافہ پہنچانے کے پانچ سو روپے دیئے گئے تھے۔ رقم دینے والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہوٹل میٹروپول کے کسی کمرے میں بیٹھی دوربین سے ہم لوگوں کو دیکھ رہی ہوگی۔ مجھے ڈر تھا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے دیکھ لینے کے بعد وہ مجھے گھیرنے کے لئے تیزی سے نیچے نہ آجائے۔ وہ آجاتی تو تم دونوں کی یہاں موجودگی کا راز بھی فاش ہو سکتا تھا۔"

"لفافے میں کیا پیغام تھا؟" میں نے تجسس کے ساتھ پوچھا اور اس نے اپنی جیب سے ایک رنگین لفافہ نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

"اس کے سر پر تمہارا ہی بھوت سوار ہے۔ اب وہ کل دو بجے فون کرے گی" وہ منہ بنا کر بولا۔

میں نے لفافہ کھول کر سفید کاغذ نکالا تو اس پر انگریزی میں تین سطریں ٹائپ کی ہوئی تھیں۔

"تم یہاں تک آگئے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی مجھے چاہنے لگے ہو۔ میرے لئے ڈینی کی قیام گاہ کا پتا معلوم کرو۔ ملاقات کے لئے میں کل دو بجے فون کروں گی۔ سوزی۔"

"لیکن چھتری والی تم سے گفتگو کے بعد کچھ دیر کے لئے خوف زدہ بھی نظر آئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"بلیک پنی کے الفاظ سنتے ہی اس نے لفافہ میرے حوالے کر دیا۔ اس سے آگے وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی جس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ بدقسمتی سے لمبے تاوان کے ایک معاملے میں ملوث ہوگئی ہے جس کا مطالبہ اس کی خدمات حاصل کرنے والی سفید فام عورت کر رہی ہے۔ میرے اس انکشاف پر وہ واقعی لرز کر رہ گئی تھی لیکن وہ زیادہ باتیں نہیں جانتی تھی۔ اس نے سفید فام عورت اور ہوٹل کے اقامتی حصے میں اس کی موجودگی کے علاوہ کچھ نہیں بتایا۔ اس کی بے گناہی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

"تمہیں یہ نیا عشق مبارک ہو۔ اب کل تم ہی اس سے بات کر لینا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میری آواز تم نے سن ہی لی تھی۔ اس کی نقل اتارنی زیادہ دشوار نہیں ہوگی۔"

"وہ عورت نہیں کوئی چڑیل معلوم ہوتی ہے" ظفر بھنّا کر بولا۔ "کسی کے بارے میں اتنی ٹھوس اور جامع منصوبہ بندی کرنا کسی عام عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عام چڑیلوں کے برعکس بہت زیادہ خوب صورت ہے۔ اس کی ایک جھلک تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

"ایک بار دیکھا اور دوسری بار دیکھنے کی ہوس نہیں ہے" وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر پُرپیچ شخصیت کی مالک ہوگی۔"

"یہ بھاگ دوڑ تو رائگاں گئی' اب دیکھو چھ بجے والی مہم کا کیا رہتا ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"یہ مہم رائگاں نہیں گئی" میں نے کہا "اگر ویرا واقعی ہوٹل میں موجود تھی اور دوربین سے سب کچھ دیکھ رہی تھی تو وہ کل ضرور پھنس جائے گی۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ویرا اوپر موجود رہی ہوگی؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ کلارا نے وہی کچھ بتایا ہے جو اسے ویرا سے معلوم ہوا تھا" ظفر بولا "اگر ویرا ہی نے اس سے جھوٹ بولا ہو تو بات مختلف ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ ویرا موجود رہی ہوگی۔ اس نے سروسز کلب کے عقبی گیٹ کا انتخاب اسی لئے کیا ہوگا کہ وہ کوئی خطرہ مول لئے بغیر اطمینان سے پوری کارروائی دیکھ سکتی تھی" میں نے کہا۔

"جب ویرا رپورٹ لینے کے لئے کلارا سے ملے گی تو وہ اسے بتادے گی کہ آنے والے نے تاوان کا حوالہ دے کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ کے پاس اگلا اعتراض تیار تھا۔

"میں اس کا سدّباب کر آیا ہوں" ظفر تیزی سے بولا "میں نے اسے بتا دیا ہے کہ سوزی خطرناک عورت ہے اگر اسے علم ہوگیا کہ کلارا اس کے اصل دھندے سے واقف ہوگئی ہے تو وہ نہایت خاموشی سے اسے ذبح کروادے گی۔ میں نے تو اس خطرے کا بھی سدّباب کر لیا ہے کہ ویرا اس کے [illegible] نے کا سبب دریافت کر بیٹھے تو اسے کیا کرنا ہوگا۔ وہ ویرا کو بتائے گی کہ اس سے ملاقات کے بجائے محض رقعہ ملنے پر میں اس قدر مایوس ہوا کہ کلارا ہی پر ڈورے ڈالنے لگا۔ میری اس بے باکی اور دیدہ دلیری نے اسے خوف زدہ کر دیا کہ کہیں میں اس کے ساتھ زبردستی ہی شروع نہ کر دوں۔ اس طرف سے تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور چھ بجے والے پروگرام کے بارے میں کیا طے کیا گیا ہے؟" سلطان شاہ بجا طور پر اس ملاقات کے بارے میں زیادہ فکر مند تھا جو سب سے اہم تھی۔

"وہاں جانا پڑے گا" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"اور اگر وہاں بھی دھوکا ہوا اور شری مان سنگھ' غزالہ کو نہ لایا تو کیا ہوگا؟"

"ہم تیاری کے ساتھ جائیں گے۔ رجنی کسی بند گاڑی میں ظفر کے مسلح آدمیوں کی تحویل میں ہوگی۔ غزالہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ہی ہم اسے سامنے لائیں گے ورنہ وہ واپس یہیں پہنچادی جائے گی۔"

"رجنی ساتھ نہ ہوئی تو شری مان سنگھ تمہیں کیسے پہچانے گا؟" اس نے پوچھا۔

"اس سے بات بھی کی جا سکتی ہے۔ ویسے میں اسے اچھی

طرح پہچانتا ہوں" ظفر نے کہا "ہم لوگ کافی دنوں سے ان کی نگرانی کررہے ہیں۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سروسز کلب کے پھاٹک سے بے نیل مرام واپسی نے تکان کے ساتھ ہی بھوک کا احساس بھی جگادیا تھا اس لئے ہم تینوں نے راستے ہی میں ایک ہوٹل سے کھانا کھایا اور پھر واپس ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں پہنچنے پر پتا چلا کہ ٹھیک سوا بجے سوزی نامی کسی عورت کا فون آیا تھا جو تنویر عرف ڈینی کے بارے میں دریافت کررہی تھی لیکن ظفر کا عملہ اپنے فون پر باہر کے کسی آدمی کی کال وصول کرنے کا مجاز نہیں تھا لہٰذا اس کے اصرار کے باوجود اسے یہی بتایا گیا کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی ہے نہ وہ لوگ اس نام سے واقف ہیں۔ ویرا نے سوزی کے روپ میں شور مچایا کہ وہ چند گھنٹے قبل اسی فون نمبر پر ڈینی سے بات کرچکی ہے لیکن آپریٹر نے سرد مہری کے ساتھ اس کا دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

میرے لئے ویرا کی دوسری فون کال کا وقت خاصا اہم تھا۔ ٹھیک سوا بجے ہم لوگ سروسز کلب کے عقبی گیٹ کے سامنے سے روانہ ہوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ویرا نے ظفر اور کلارا کی ملاقات کے فوراً بعد فون کیا تھا لیکن میں کافی مغززنی کے باوجود اس فون کال کا کوئی مقصد دریافت نہیں کرسکا۔

ظفر کے پاس صرف ہمارا ہی کام نہیں تھا اس لئے ہم دونوں اسے دفتر میں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں آگئے۔ سلطان شاہ کی پیشانی پر لکیریں تھیں اور اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں اسے چھیڑے بغیر صوفے پر دراز ہوگیا۔

نیند کے دوران میں میرے ذہن نے جو کچھ کارگزاریاں دکھائی تھیں، ان پر غور کرتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے سر ابھارا جس کا تعلق جہانگیر کے بیٹے کی بازیابی سے تھا۔ میں نے اپنے اس نظریے پر بار بار غور کیا اور وہ خیال میرے ذہن میں راسخ ہوتا چلا گیا۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا، شہر میں ویرا کا کوئی مضبوط ٹھکانا باقی نہیں رہا تھا۔ ہیری کیسنجر اس کی آزادی کا دشمن ہوچکا تھا۔ انڈین کاؤنسلیٹ والے ہیری کیسنجر سے خوف زدہ ہو کر نہ صرف اس کی حمایت سے دست بردار ہوگئے تھے بلکہ خیرسگالی کی فضا بحال کرنے کی فکر میں اس سے دشمنی بھی نکال سکتے تھے۔ میر اکبر خان مارا جاچکا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس سے اپنا کام نکالنے کے لئے اس نے پانچ سو روپے کے عوض کلارا کی خدمات حاصل کی تھیں جب کہ وہ خود ہوٹل کے ایک کمرے میں چھپی ہوئی تھی۔

پہلا کام تو یہ تھا کہ ہوٹل کے عقبی حصے کی تمام منزلوں پر مقیم سفید فام خواتین کی فہرست کی مدد سے ویرا کا کھوج نکالنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر وہ فرضی نام اور جعلی دستاویزات کے سہارے مستقل طور پر وہیں مقیم ہوگئی تھی تو اسے ڈھونڈ نکالنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

دوسری اہم تر بات یہ تھی کہ ویرا فیشن پرست اور لاابالی عورت تھی۔ اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کے بیٹے کو ہر وقت اپنے سینے سے لگائے پھرتی۔ اس قدر کم سن بچے کے ساتھ نہ صرف اس کی آزادی متاثر ہوتی تھی بلکہ وہ غیر ضروری طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی۔

کراچی اس کے لئے جانا پہچانا شہر تھا۔ وہ یہاں کی تیزی سے بدلتی ہوئی سماجی اور معاشرتی روایات کا بھی گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ افراط زر اور معاشی دباؤ کی وجہ سے تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔ ایسی شادی شدہ خواتین کی سہولت کے لئے شہر میں جا بجا ایسے اسکول اور ادارے کھلتے جارہے تھے جو مناسب فیس کے عوض چند گھنٹوں سے لے کر دن رات تک کے لئے، ہر عمر کے بچوں کو داخل کرلیتے تھے۔ ویرا کے لئے سب سے آسان راہ یہ تھی کہ وہ اس لڑکے کو اپنی اولاد ظاہر کرتے ہوئے، اپنے کسی طویل غیر ملکی سفر کا بہانا کرتی اور پیشگی فیس ادا کرکے ایک دو مہینوں کے لئے اس بچے کو کسی معقول بورڈنگ ہاؤس میں ڈال دیتی جہاں شیر خوار بچوں کی مناسب دیکھ بھال کا بندوبست ہوتا۔ فیس مل جانے کے بعد بے بی کیئر سینٹر والوں کو شبہ تک نہ ہونے پاتا کہ وہ اغوا شدہ بچے کی پرورش کی ذمے داری قبول کررہے ہیں اور ویرا بڑی آسانی کے ساتھ اس ناخوش گوار فرض سے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوجاتی اور جب بھی چاہتی، واپس نمودار ہوکر اس ادارے سے بچے کو واپس حاصل کرسکتی تھی۔

میں اس نظریے پر جتنا غور کرتا رہا، میرا وہ خیال اسی قدر پختہ ہوتا چلا گیا۔ اس وقت ویرا کے سامنے ایران روانگی کا معاملہ سب سے اہم تھا۔ بچے سے گلوخلاصی حاصل کئے بغیر وہ اس سفر پر نہیں جاسکتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے بچے کو اغوا کرنے سے پہلے اسے کہیں چھپانے کا بندوبست کیا ہوگا اور اگر ویرا کی تصاویر کی مدد سے ایسے اداروں میں چھان بین کی جاتی تو بچے کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔

یہ ویرا کی بدقسمتی تھی کہ اس نے غزالہ کو اغوا کرنے سے پہلے فلیٹ میں خاصی فوٹوگرافی کی تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جعلی سفری دستاویزات کی تیاری کے لئے غزالہ کی تصاویر بناسکے لیکن اپنے مقصد کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اسے بہت سی تصاویر بنانی پڑی تھیں جن میں غزالہ اور سلطان شاہ کی اتاری ہوئی، اس کی اپنی تصاویر بھی شامل تھیں جو میری تحویل میں تھیں۔ ان تصاویر کی مدد سے ظفر کے آدمی دو تین دن میں کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کو اپنے اس خیال سے آگاہ کیا تو وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا اور ہم دونوں نے فوراً ہی ظفر سے بات کرنے کا ارادہ کرلیا تاکہ ہمارے سامان میں سے تصاویر لانے کا بندوبست کیا جاسکے۔

ہم دونوں اپنے کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ فضا کم از کم تین سب مشین گنوں کی مسلسل فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔ ہم ظفر کے دفتر کے بجائے نکاسی کے راستے کی طرف بھاگے تو پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے، ایس ٹی ایف کی دو گاڑیاں برق رفتاری کے ساتھ باہر نکل کر داہنی طرف غائب ہوگئیں۔

حفاظت پر مامور عملے میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ دو تین سینئر افراد مشتعل نظر آرہے تھے۔ اسی اثنا میں ظفر بھی وہیں آپہنچا اور پھاٹک پر ہی اپنے آدمیوں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ گاڑیاں روانہ ہونے کے بعد آہنی پھاٹک دوبارہ بند کیا جاچکا تھا اور دو محافظ فوری طور پر چھت پر بھیج دئے گئے تھے۔

محافظوں سے پتا چلا کہ سیاہ رنگ کی چلتی ہوئی گاڑی سے اس مکان پر فائرنگ کی گئی تھی۔ گیٹ بند ہونے کی وجہ سے وہ لوگ گاڑی کا میک اور ماڈل نہیں دیکھ سکے لیکن آہنی پھاٹک کی جھریوں میں سے یہ ضرور دیکھا گیا کہ وہ شیراڈ یا سوزوکی کی قسم کی کوئی چھوٹی اور سیاہ کار تھی۔

"دوپہر کو ویرا ابھی سیاہ شیراڈ ہی چلارہی تھی" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

اس حملے کو دہشت گردی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا تھا کیوں کہ ساری گولیاں دیواروں میں گھسی تھیں یا پھاٹک سے ٹکرائی تھیں۔ ایس ٹی ایف کے کسی آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

تیز رفتاری کے ساتھ کار چلانے والے ماہر سے ماہر ڈرائیور کے لئے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی سب مشین گن سے مقررہ سمت میں پورا راؤنڈ خالی کرسکے اس لئے یہ طے تھا کہ اس واردات میں ویرا کے ساتھ کم از کم تین آدمی شریک تھے اور وہ لامحالہ کرائے کے آدمی رہے ہوں گے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑیاں، جو حملہ آوروں کی تلاش میں روانہ ہوئی تھیں، واپس آگئیں۔ انہیں اپنی برق رفتاری کے باوجود مفرور حملہ آوروں کا سراغ پانے میں ناکامی ہوئی تھی۔ ظفر نے اپنے عملے کو چوکنا رہنے کی ہدایت کی، چھت پر موجود محافظوں کا جائزہ لیا اور اپنے دفتر میں لوٹ آیا جہاں ہم دونوں اس سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور اس نئی واردات پر تبادلہ خیالات کررہے تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ویرا کیا چاہ رہی ہے؟" وہ آتے ہی الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی علامات نمایاں تھیں۔

"وہ خود کو ہر طرف سے بے دست و پا محسوس کررہی ہے۔ یہ سب اس کی جھلاہٹ اور مایوسی کی علامات ہیں۔ اب وہ کسی بھی وقت کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے گی کہ ماری جائے" میں نے آہستگی سے کہا "وہ میرا سراغ لگانے کے لئے تمہاری ٹاسک فورس کو اپنے مقابلے میں اترنے پر مجبور کرنا چاہتی ہے۔ تم خاموش رہوگے تو اس کی جھلاہٹ اور بڑھے گی اور وہ ایسی ہی بے سروپا حرکتیں کرتی رہے گی۔"

اس نے چند ثانیوں کے لئے میری آنکھوں میں جھانکا پھر بولا "لیکن تم ایمان داری سے بتاؤ کہ ہمارے پاس خاموش رہنے کے علاوہ اور کیا راستہ ہے۔ ہم اس کے خلاف کب اور کہاں کارروائی کرسکتے ہیں؟"

"پولیس والے ایسے مواقع پر بوکھلا کر، عموماً اندھا دھند گرفتاریوں اور چھاپوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ شاید وہ ایس ٹی ایف سے بھی ایسے ہی کسی ردعمل کی توقع کررہی ہو!"

"میں چاہوں بھی تو کہاں چھاپا ماروں؟" وہ واقعی شدید الجھن کا شکار تھا "وہ ہمارا گھر دیکھ چکی ہے۔ آج گولیاں برسا کر چلی گئی، کل بم لے کر آسکتی ہے۔ ایسی چھلاوے کے خلاف ہم کیا کرسکتے ہیں؟"

"فی الحال حفاظتی انتظامات ضروری ہیں۔ سڑک کے دونوں سروں پر اپنے آدمی مامور کرو" میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسے مشورہ دیا "مجھے موہوم سا شبہ ہے کہ کہیں وہ اسی کمرے میں نہ چھپی بیٹھی ہو جہاں سے اس نے تمہاری اور کلارا کی ملاقات کا نظارہ کیا تھا۔ ہمیں اس ہوٹل کو بھی چیک کرلینا چاہئے۔"

"یہ بہت آسان کام ہے لیکن وہاں اپنے اصل نام سے تو نہیں ٹھہری ہوگی۔"

میں نے اسے ویرا کی تصاویر کے بارے میں آگاہ کیا اور اس نے فوراً ہی اپنے ایک آدمی کو ہمارے ہوٹل کی طرف روانہ کردیا۔ گھور اندھیرے میں وہ اس کے لئے امید کی سب سے مضبوط کرن تھی۔ تصاویر کے سہارے وہ پورے شہر کی پولیس کو اس کی تلاش پر مامور کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

موقع پاکر میں نے جہانگیر کے بیٹے کے بارے میں اپنی کہانی چھیڑدی۔ وہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ایک ایک لفظ سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوا تو وہ میرے اندازے کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس قدر پریشان کن حالات میں یہ سب سوچنا تمہارا ہی کام ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ بچے کے صدمے میں کہیں اس کی ماں مر ہی نہ جائے۔ تمہارے دوست کے علاوہ یہ انسانی مسئلہ بھی ہے۔ ویرا کی تصاویر آجائیں تو میں اس سمت میں بھی کام کا آغاز کرائے دیتا ہوں۔ کل تک نتائج سامنے آجائیں گے۔"

پانچ بجے تک وہ شخص نہیں لوٹا جسے ہوٹل سے ہمارا ساز و سامان لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ظفر، شری مان سنگھ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ویرا کی تصاویر پر کام شروع کرادینے کا ارادہ

رکھتا تھا تاکہ ہماری واپسی تک ان کوششوں کے نتائج سامنے آنے شروع ہوجائیں لیکن ہم اس کے انتظار میں ضرورت سے زیادہ وقت بھی نہیں گنوا سکتے تھے کیونکہ مان سنگھ سے فریئرہال میں ہماری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔

ہم دونوں سمیت، ایس ٹی ایف کے سارے اراکین رجنی سے اپنے چہرے چھپانے کی کوششوں میں کامیاب رہے تھے اور وہ ہمارے ساتھ خاصا وقت گزارنے کے باوجود، ہم میں سے کسی کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی جس کی بناء پر بعد میں شناخت کا کوئی خطرہ درپیش رہتا لیکن اسے اپنے ساتھ لے کر فریئر ہال جانے کا معاملہ بہت پیچیدہ تھا جس میں ایسی کسی احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہاں شری مان سنگھ سے دوبدو ملاقات ہونی تھی اور اسے صرف ظفر ہی پہچانتا تھا۔

بہرحال وہاں جانا ہی تھا اس لئے یہ فرض کرلیا گیا کہ شری مان سنگھ حسب وعدہ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں پہنچے گا اور وہاں غزالہ کے ساتھ جو بھی مرد نظر آیا، اسی سے مذاکرات شروع کر دیئے جائیں گے۔ ایسی صورت میں ظفر کو سامنے نہیں آنا پڑتا اور میں خود ہی وہ قصہ نمٹا سکتا تھا کیونکہ شری مان سنگھ خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرچکا تھا۔

رجنی کے مسئلے کا حل یہ سوچا گیا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر، ایک بند وین میں ایس ٹی ایف کے مسلح جوانوں کی نگرانی میں لے جایا جائے۔ حالت سازگار ہوتے تو پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ، اسے وین سے باہر نکال کر شری مان سنگھ کے حوالے کیا جاسکتا تھا ورنہ اسے اسی حالت میں واپس اسٹیشن فور پہنچا دیا جاتا۔

یہ بالکل وہی حل تھا جو میں کچھ دیر پہلے اپنے طور پر سوچ چکا تھا۔ اس میں ترمیم یہ کی گئی تھی کہ ظفر اسی وین میں ڈرائیور کے برابر والی نشست پر سفر کرتا، سلطان شاہ وین کے بند حصے میں رجنی اور تین افراد کے ساتھ موجود ہوتا جبکہ مجھے ایک کار میں اکیلے روانہ ہونا تھا۔

موتن لال اور امرکمار کی موت کے اسباب کی طرف پولیس کی رہنمائی کے خیال سے ہم نے موتن لال کی انگلی سے زہریلے نگینے والی انگوٹھی نہیں اتاری تھی۔ عین آخری لمحات پر مجھے خیال آیا کہ میں شری مان سنگھ سے ملنے والا تھا اور وہ خطرناک انگوٹھی شاید اسی کی طرف سے موتن لال کو فراہم کی گئی تھی اسی لئے اس نازک موقعے پر اس انگوٹھی کی میری انگلی میں موجودگی، شری مان سنگھ کے لئے سخت خطرے اور تشویش کا باعث بن سکتی تھی۔

ظفر میرے اس خیال سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فوری طور پر اس سے ملتی جلتی انگوٹھی کی تلاش شروع کرادی اور آخر کار اپنے ایک آدمی کے ہاتھ سے کم و بیش اسی ساخت کی انگوٹھی اتروانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس انگوٹھی کا نگ مختلف تھا لیکن میرے پاس اس کا علاج موجود تھا۔ فیروزے کو ہتھیلی کی جانب گھما کر میں شری مان سنگھ کو بہ آسانی دھوکا دے سکتا تھا۔

بظاہر ہمارا مقابلہ ایک گھسے ہوئے سفارت کار سے تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ شری مان سنگھ سے سارے معاملات مذاکرات کے ذریعے ہی طے پاجائیں گے لیکن ہم نے کسی بھی متشددانہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیاری کرلی تھی اور پوری طرح ہتھیار بند ہوکر فریئرہال کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ میرے ہاتھ میں نقلی انگوٹھی اور جیب میں بھرا ہوا پستول تھا جو شری مان سنگھ کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

میں خاصی تیز رفتاری کی ساتھ اسٹیشن فور سے روانہ ہوا۔ بند وین میرے پیچھے چلی آرہی تھی۔ طویل اور پُرہجوم راستوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک مرتبہ پھر ہوٹل میٹرو پول کے سامنے سے گزرے اور پھر کلفٹن کی طرف جانے والی سڑک پر بائیں طرف مڑ گئے۔

اس وقت معاً مجھے خیال آیا کہ شری مان سنگھ کے لئے فریئر ہال کا محل وقوع بہت مثالی تھا۔ اس کے سامنے امریکی قونصل خانے کی پُرشکوہ عمارت تھی اور عقبی سڑک پر فریئرہال ہی کی قطار میں بھارتی قونصل خانہ تھا اور وہ دونوں سفارتی عمارات اس کے ہمدردوں سے پُر تھیں۔

امریکی کاؤنسلیٹ کے بعد میں ہالی ڈے ان سے بھی قدرے آگے نکل گیا پھر میں نے اپنی کار اس مختصر سی بند سڑک پر موڑلی جس کے اختتام پر میوزیم جانے والی سڑک کا بند آہنی پھاٹک موجود تھا۔ اس بند گلی نما محفوظ سڑک پر پہلے سے کئی گاڑیاں موجود تھیں میں اپنی کار کا انجن بند کرکے نیچے اترا تو میں نے فریئرہال کے وسیع و عریض سبزہ زار پر سنسنی اور افراتفری کے آثار دیکھے۔

گھاس پر سے بہت سے لوگ چیختے چلاتے ہوئے عقبی حصے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جو اس دوڑ میں شریک نہیں تھے وہ بھی اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے اور اچک اچک کر اسی سمت میں کچھ دیکھنے کی کوشش کررہے تھے جدھر بقیہ لوگ دوڑے جارہے تھے۔

فریئرہال جیسے پُرسکون تفریحی مقام پر وہ بھاگ دوڑ میرے لئے ناقابل فہم تھی۔ میں غیرارادی طور پر پیچھے کی طرف مڑا اور پھر فوراً ہی متجسسانہ انداز میں سبزہ زار کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کیونکہ پہلے طے شدہ پروگرام کے مطابق وین میرے ساتھ ساتھ وہاں تک نہیں آئی تھی بلکہ اسے فریئرہال کے ابتدائی سرے پر روک دیا گیا تھا۔ ظفر کو اس طرف سے سبزہ زار میں داخل ہونا تھا جبکہ مجھے میوزیم والی سڑک کی سمت سے پیش قدمی کرنی تھی۔ میں غزالہ کی مدد سے شری مان سنگھ کو پہچان کر اس تک پہنچ جاتا اور ظفر دور سے صورت حال پر گہری نظر رکھنے کی کوشش کرتا تاکہ شری مان سنگھ مجھے کوئی چوٹ نہ دے سکے۔

اندر داخل ہوتے ہی میں نے بھانپ لیا کہ وہاں پھیلی ہوئی افراتفری بے سبب نہیں تھی۔ میں فوری طور پر اس معمّر مالی کی طرف بڑھ گیا جو گردوپیش سے بے نیاز، پھولدار پودوں کی ایک بڑی کیاری کی گدائی کررہا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ بھی اس کے انہماک پر اثرانداز نہیں ہوسکی تھی۔

"بابا! آج یہ افراتفری کیوں پھیلی ہوئی ہے؟" میں نے اس کی شانے کو چھو کر سوال کیا۔ اس نے اپنا ہاتھ روک کر سرد نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اداسی کی ساتھ بولا۔ "ایک لڑکی بھاگ گئی ہے اور ان لوگوں کو ایک تماشا مل گیا ہے۔ اب تو شہر میں کوئی جگہ اس قابل نہیں رہی جہاں شریف آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ دو تین گھنٹے بیٹھ سکے۔ میں پچاس سال سے اس باغ کے ایک ایک پودے اور کونپل کی دیکھ بھال کررہا ہوں لیکن پچھلے چند برسوں سے یہاں سب کچھ بدل گیا ہے جواری، شرابی، چرسی اور آوارہ گرد سب یہیں مرے رہتے ہیں انہیں دوسروں کے سکھ چین کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوتا۔ آج کل کی لڑکیاں لچھے دار باتوں میں بہک کر گھر سے قدم نکال لیتی ہیں اور آوارہ گرد کونے کھدروں کی تلاش میں تفریح گاہ میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں پھر جب ان کے اندر کا حیوان جاگتا ہے تو لڑکیاں خوفزدہ ہوکر بھاگ نکلتی ہیں وہ بھی ایسی ہی کوئی لڑکی ہوگی۔ اب تو میں نے ان کھیل تماشوں پر چونکنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

انسانوں کے سمندر میں وہ ایک کمزور اور بے بساط سا فرد تھا لیکن اس کے حساس دل میں انسان زندہ تھا۔ میں نے اس کی دلجوئی کے لئے اسے آنے والے بھلے وقتوں کی آس دلائی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کے فرار کی خبر سن کر میرا دل پریشان ہوگیا تھا۔

فریئرہال کے وسیع و عریض سبزہ زار پر بچوں سے عمر رسیدہ عورتوں تک، سب ہی سنسنی اور ہیجان میں مبتلا تھے۔ پھر مجھے وہ کلین شیو اور منحنی سا شخص بھی نظر آگیا جو مین روڈ سے قریبی حصے میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، بے چینی کے ساتھ ٹہلے جارہا تھا۔ اس کا ردعمل وہاں موجود، تمام لوگوں سے مختلف اور منفرد تھا اس لئے میری توجہ اسی کی طرف مبذول ہوکر رہ گئی۔

اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے سیرو تفریح یا وہاں پھیلے ہوئے مخملیں سبزہ زار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ دور ہی سے اس کے چہرے پر اضطراب کے آثار پڑھے جاسکتے تھے جیسے .... وہ وہاں سے جانا چاہتا ہو لیکن کسی وجہ سے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہو۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہی میرا مطلوبہ شخص تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس کے آس پاس غزالہ کا سرے سے وجود نہیں تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں بھاگ نکلنے والی لڑکی غزالہ ہی نہ رہی ہو۔ لیکن غزالہ بھاگ گئی تھی تو اس کا پیچھا کرنے کے بجائے وہاں کیوں ٹہلے جارہا تھا؟

میں نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا جو چھ بج کر پانچ منٹ کا اعلان کررہی تھی۔ وقت کا اندازہ ہوتے ہی میرے ذہن نے اس کی وہاں موجودگی کا جواز تلاش کرلیا۔

وہ غزالہ کے ساتھ یقیناً تنہا نہیں رہا ہوگا۔ اس کے آس پاس اس کے ساتھی موجود رہے ہوں گے جو غزالہ کے تعاقب میں چلے گئے لیکن وہ مقررہ وقت ہوجانے کی وجہ سے اپنے ملاقاتی کے انتظار میں وہیں رکا رہا۔

میں نے ایک بار پھر قرب و جوار میں موجود لوگوں کا جائزہ لیا اور میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور شری مان سنگھ نہیں ہوسکتا تھا لیکن اس کے ساتھ غزالہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے میں احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا اس لئے اس سے رجوع کئے بغیر اس سے چند گز کے فاصلے پر گھاس پر ایسے زاویے سے بیٹھ گیا کہ کن انکھیوں سے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکوں۔

چند ثانیوں بعد مجھے ظفر بھی نظر آگیا جو کسی کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر بھٹکتا ہوا سبزہ زار کے اس حصے میں آنکلا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس کی متجسس نگاہوں نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ اس وقت وہ منحنی سا آدمی میری طرف پشت کئے ہوئے تھا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر ظفر نے دور ہی سے مجھے اشارہ کرکے اس امر کی تصدیق کردی کہ وہی میرا مطلوبہ آدمی تھا۔

ظفر کو دیکھ لینے کے بعد یک بیک میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ اسی کے ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ میں خالی بیٹھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کررہا ہوں۔ اس وقت شری مان سنگھ بالکل اکیلا تھا اور میں اسے ذرا دھمکا کر اس سے سچ اگلوا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھی لوٹ آتے تو پوزیشن بالکل ہی الٹ ہوسکتی تھی خطرناک بات یہ تھی کہ ہم دونوں اکیلے تھے۔ اس کے ساتھ غزالہ نہ تھی میرے ساتھ رجنی۔ یہی بات ہم دونوں میں تکرار کا باعث بن سکتی تھی۔

اس قلیل سی مدّت میں شری مان سنگھ نے پانچویں بار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا پھر کسی غم زدہ اونٹ کی طرح گردن اٹھا کر مین روڈ کا جائزہ لیا اور ٹہلنے میں مصروف ہوگیا۔

میں نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما کر مٹھی بند کی اور اپنی جگہ چھوڑ دی اس بار شری مان سنگھ مخالف سمت میں مڑا تو میں نے تیزی سے پیش قدمی کی اور نرم گھاس پر تیز قدموں سے بڑھتے ہوئے اچانک اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

میرے مضبوط ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی وہ دہشت زدہ انداز میں بھڑک کر پلٹا لیکن اپنے شانے پر سے میرا ہاتھ ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"میری انگلی میں وہ انگوٹھی موجود ہے جو جیتے جاگتے انسان کو پل بھر میں پولکا بنا دیتی ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا۔ "غزالہ کہاں ہے؟"

"وہ موقع پا کر بھاگ گئی۔ میرے دو آدمی اس کے پیچھے گئے

ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اسے پکڑ کر واپس لے آئیں گے۔" اس نے میرے تعارف کی ضرورت محسوس کئے بغیر مشینی انداز میں کہا پھر قدرے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "اپنا ہاتھ ہٹاؤ وہ بہت خطرناک انگوٹھی ہے تمہاری ذرا سی بھی بے احتیاطی میری جان لینے کا سبب بن سکتی ہے۔"

"اگر تمہارے آدمی غزالہ کو واپس لانے میں ناکام ہوئے تو مجھے دانستہ اس مہلک بے احتیاطی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ میں یہ نہیں مان سکتا کہ غزالہ ایسے کھلے لان پر تمہارے دو آدمیوں کو جل دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ کوئی نیا ڈراما معلوم ہوتا ہے۔"

"یہاں اس واقعہ کے سیکڑوں عینی شاہدین موجود ہیں۔ تم جس سے چاہو' پوچھ سکتے ہو۔ وہ اچانک ہی کسی چھلاوے کی طرح دوڑتی ہوئی غائب ہو گئی... لیکن میں بلاوجہ ہی یہ ساری وضاحتیں کر رہا ہوں۔ تم رجنی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

"تم غزالہ کو لے آؤ' رجنی خود بخود آجائے گی۔" بات کرتے ہوئے' میں نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ "آؤ! یہاں سے کسی ویران گوشے میں نکل چلیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے مذاکرات بہت جلد ختم نہیں ہو سکیں گے۔ یہاں لوگ تمہاری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔"

"میرے آدمی غزالہ کو پکڑ کر یہاں لائیں گے۔ تم میرا شانہ چھوڑ کر آرام سے بات کرو۔ کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔ لوگ یہاں تھکن اتارنے اور تفریح کرنے کے لئے آتے ہیں دوسروں کی سن گن لینے کے لئے نہیں آتے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اپنے شانے پر زہریلی انگوٹھی کے نگینے کی موجودگی کے احساس سے وہ واضح طور پر خائف نظر آرہا تھا۔

"یہ خیال رکھنا کہ تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو تمہارا پولکا ہو جائے گا۔"

"تم بلاوجہ میری نیّت پر شبہ کئے جا رہے ہو۔" وہ قدرے برہمی کے ساتھ بولا "میں اسے یہاں لایا تھا۔ اب اگر وہ بھاگ نکلی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس میں میری طرف سے کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی' یہاں موجود سب ہی لوگوں نے اسے عجائب گھر کی عمارت کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہو گا۔"

میں نے اس کے شانے پر سے ہاتھ ہٹا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بے رحمی کے ساتھ کہا "تم نے غزالہ کے بجائے کسی دوسری لڑکی کو ساتھ لا کر اسے خود ہی بھگایا ہے تاکہ مجھ پر اپنی بے گناہی اور نیک نیتی ثابت کر سکو حالانکہ غزالہ کے معاملے میں تمہاری نیت بدل چکی ہے۔"

اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے زردی سی پھیل کر معدوم ہو گئی۔ میرے مضبوط لہجے اور کاٹ دار الفاظ نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"تم بلاوجہ مجھ پر الزام تراشی کئے جا رہے ہو۔" وہ اچانک ہی مجھ پر آنکھیں نکال کر بولا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں نے ایک خاص آدمی کو یہاں بلایا تھا۔"

"آواز نیچی رکھو' مان سنگھ!" میں نے نیچی آواز میں غراتے ہوئے کہا "میں وہی خاص آدمی ہوں' میرا نام ڈیبی ہے۔" لمحہ بھر قبل میں اس کے چہرے پر زردی کا سایہ آکر گزرتے ہوئے دیکھ چکا تھا پھر میں نے اپنے نام پر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھرتی دیکھی تو میں نے سچ اگلوانے کے لئے اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہاری اطلاع کے لئے میں یہ بتا دوں کہ میں تین بجے سے یہاں آیا ہوا ہوں اور میں نے پورے واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تم بار بار جن سیکڑوں گواہوں کا حوالہ دے رہے ہو انہوں نے ایک لڑکی کو ضرور بھاگتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ مگر ان میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ غزالہ تھی یا کوئی اور لڑکی۔ جب کہ میں غزالہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہارے ساتھ آنے والی غزالہ نہیں تھی۔"

"یہ تمہاری ذہنی قلابازی ہے۔" اس بار وہ کسی اضطراری ردِ عمل کا مظاہرہ کئے بغیر چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تم نے آتے ہی غزالہ کی بات کی تھی اور اب کسی دوسری لڑکی کا قصہ لے بیٹھے ہو۔ میں اس کی حفاظت کے خیال سے اسے سر سے پیر تک برقع پوش کر کے لایا تھا۔ تم نے کیسے دیکھ لیا کہ وہ غزالہ نہیں تھی؟"

چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں وہ خود ہی میرے جال میں پھنس رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس سیانے کوّے کو گھیر لیا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ میں اسے ہزاروں پردوں میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ وہ لڑکی قدو قامت اور جسامت میں غزالہ سے مشابہ ضرور تھی لیکن اس کی چال ڈھال کو بدلنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ اب اگر تم نے مجھ سے کھل کر بات نہیں کی تو میں واپس چلا جاؤں گا اور رجنی تمہاری دسترس سے بہت دور نکل جائے گی۔"

"تمہارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟" وہ اچانک ہی بے تکا سوال کر بیٹھا۔

"میں اپنے ساتھ زیادہ بھیڑ بھاڑ لے کر چلنے کا عادی نہیں ہوں لیکن پھر بھی میرے کچھ بہی خواہ آس پاس ہی موجود ہیں تمہارے بھٹکنے کی صورت میں وہ خود ہی سامنے آجائیں گے۔"

"میں بھی اکیلا نہیں ہوں۔" اس کا وہ اعلان دھمکی آمیز تھا۔ میں برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"کیا تم نے صرف یہی بتانے کے لئے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا؟" چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میں تم سے غزالہ کے بارے میں بات کرنی چاہتا تھا۔" وہ بولا۔

"غزالہ کا معاملہ تو خارج از بحث تھا۔ تمہیں اس کے بدلے میں رجنی کو حاصل کرنا تھا۔"

"رجنی میری قانونی بیوی ضرور ہے لیکن مجھے اس کی واپسی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے کہا "لیکن تم دونوں میں تو مثالی ہم آہنگی ہے۔ وہ تمہاری مرضی سے موتن لال اور دوسرے دوستوں سے ملتی رہی ہے!"

"مجبوری اور مرضی میں بہت فرق ہوتا ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا "تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ایک مرد اپنی بیوی کو دوسروں سے کس حد تک میل جول بڑھانے کی آزادی دے سکتا ہے۔ رجنی پچھلے کچھ عرصے سے ان حدود سے تجاوز کرتی رہی ہے اور میں جگ ہنسائی کے خوف سے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہوں۔"

"یہ تمہارے ذاتی مسائل ہیں۔ میں صرف غزالہ کی بازیابی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ رجنی اب میرے لئے اتنی غیر اہم ہو چکی ہے کہ میں اس کی خاطر اپنے پالتو کتّے سے بھی دستبردار ہونا پسند نہیں کروں گا....."

"پھر تم نے مجھے یہاں بلا کر میرا وقت کیوں ضائع کیا ہے؟" مجھے واقعی غصہ آگیا۔

"میرا خیال تھا کہ رجنی تمہارے ساتھ ہو گی اور میں تمہیں اشتعال دلا کر اس حد تک لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔ اب میں باعزت طور پر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

"تم اسے طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟" میں نے بے زاری کے ساتھ کہا۔

"ایسے معاملات خاندان کی ساکھ کے لئے کلنک کا داغ ثابت ہوتے ہیں۔ میری تم سے التجا ہے کہ اسے واپس کرنے کے بجائے قتل کر دو تاکہ میں جیتے جی نرگ میں سلگنے سے بچ سکوں۔"

"سب کچھ ممکن ہے لیکن تم نے غزالہ کے بارے میں ابھی تک کوئی بات نہیں کی۔"

"رجنی کا غزالہ سے کوئی تعلق نہیں ہی۔" وہ جلدی سے بولا "اس کے قتل کے لئے تم کو منہ مانگا انعام یا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔ غزالہ کے لئے الگ سے بات ہو گی۔"

اس کے ان الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ وہ غزالہ کو سرے سے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا اور وہاں جس لڑکی کے فرار کا ڈھونگ رچایا گیا تھا' وہ کوئی اور تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی وعدہ خلافی کا اعتراف کر رہے ہو۔" میں نے اسے گھورا۔

"میں اپنی حیثیت میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے اوپر والوں کی پالیسی اور فیصلے کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ میں اس سے سرِمو انحراف نہیں کر سکتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"تمہارے اوپر والوں میں سفیر کے علاوہ نئی دہلی کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں؟"

"ان باتوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔" وہ رکھائی کے ساتھ بولا "تمہارے لئے اہم بات یہ ہے کہ ہم لوگ تمہاری خدمات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے ہم کو رجنی کا معاملہ طے کر لینا چاہئے۔"

"اگر رجنی تمہارے لئے اتنی ہی ناقابل برداشت ہو گئی ہے تو وہ ماری جائے گی۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تمہاری وعدہ خلافی کے بعد میرے لئے اسے زندہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"اور اس کا معاوضہ کیا ہو گا؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں کیونکہ میں اسے تمہاری خواہش پر نہیں بلکہ اپنے انفرادی فیصلے کے تحت ہلاک کروں گا۔"

"لیکن اس کی لاش کہیں نہ کہیں سے دستیاب ہونی چاہئے۔" وہ بولا۔

"اب تم غیر ضروری طور پر اس معاملے کو نہ کریدو۔" میں نے ترشی سے کہا "تمہیں رجنی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے تم اسے بھول جاؤ۔ اب اس کے مستقبل کا انحصار میری مرضی پر ہو گا....."

"تم مجھے بلیک میل کرنے کے لئے اسے زندہ رکھ کر اپنی قید میں رکھ سکتے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

"یہ بھی قابل قدر آئیڈیا ہے لیکن تمہیں رجنی کو نفی کر کے بات کرنی چاہئے۔"

"میں اس سے متنفر ضرور ہوں لیکن اسے تمہاری تحویل میں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر غزالہ کے ساتھ اس کا تبادلہ کر لو!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"شاید میں تم پر اپنی بات واضح نہیں کر پا رہا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "مجھے اس سے ذرا سی بھی محبت نہیں ہے لیکن جب تک وہ زندہ رہے گی' میرے لئے عذاب بنی رہے گی۔ وہ میرے پاس ہوتی ہے تو میرے لئے یہ تصوّر بڑا کربناک ہوتا ہے کہ وہ خلوت میں دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آتی ہو گی اور جب وہ میری نظروں سے دور ہوتی ہے تو مجھے بھروسا نہیں ہوتا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ وقت گزار رہی ہو گی۔ اس جیسی بے وفا عورت کے ساتھ وصال میں لطف ملتا ہے نہ ہجر میں کوئی لذّت ہوتی ہے۔ اس عذاب کا اندازہ تو صرف وہی شوہر کر سکتا ہے جو ایسی کسی عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو۔ رجنی کی صورت میں' میں نجانے کس کس کے گناہوں کی پوٹ پال رہا ہوں۔"

"لیکن تم نے موتن لال سے بات کرتے ہوئے تو بہت فراخدلانہ باتیں کی تھیں اور عورتوں کی وفاداری کو متوسط اور نچلے طبقوں کا نخرا قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اس کے چہرے پر ایک کرب آلود مسکراہٹ ابھر آئی "زندہ رہنے کے لئے انسان کو ڈھٹائی کے ساتھ بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ وہ بھی ایسا ہی ایک جھوٹ تھا۔ میں کس منہ سے یہ اعتراف کر سکتا تھا کہ رجنی میرے اور اپنے مقدس رشتے کو بے رحمی سے روند کر اس سے پینگیں بڑھا رہی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں مہذب اور فراخ دل بننے کے لئے ہمیں اکثر اپنے ہی ناسوروں پر نمک پاشی کرنی پڑتی ہے..."

میں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم مسلسل اپنی ہی کہے جا رہے ہو۔ میں نے تمہیں اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے اور اب میں غزالہ کے بارے میں تمہارے عزائم جاننا چاہتا ہوں۔"

"تم چاہو تو میرے دفتر چل سکتے ہو۔ ہم وہاں اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "اب تم مجھے چوہے دان میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تمہارے آدمیوں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت خود کشی کے مترادف ہو گی۔ وہاں ہم سکون سے باتیں کر سکیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر تم میرے ساتھ چلو!" میں نے اسے جوابی پیشکش کر ڈالی۔

پھر یہی جگہ مناسب ہے۔" اس نے اندازہ لگا لیا کہ میں اس کے فریب میں آنے والا نہیں تھا۔

"ہم کچھ معاملات میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔" ایک نسبتاً پُرسکون گوشے میں پہنچنے کے بعد وہ بولا "ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم سے ہمارا شدید تصادم رہا ہے۔ اس چکر میں ہم اپنے بہترین ایجنٹوں سے بھی محروم ہوئے ہیں ان میں شانتی اور کرنل مہیش کے نام سرفہرست ہیں لیکن ہم ماضی کی کشیدگی کو بھول کر اب تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں۔"

وہ کام کی باتوں کی طرف آ رہا تھا اس لئے میں نے بولنے کا ارادہ ترک کر کے اس کی کہانی سننے پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کر لیا ورنہ میرے لئے یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ میں ملک میں بڑے پیمانے پر تخریب اور دہشت گردی کے منصوبے بنانے والے ملک کے ایک اہم سفارتکار کی زہر فشانی پر کان دھروں۔

"میں اس تبدیلی کا سبب بھی جاننا چاہوں گا۔" میں نے اسے خاموش پا کر لقمہ دیا۔

"ملاّ سرکار کے ذریعے ہمیں جو خبریں ملتی رہیں، ان کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ تمہارے اور اس کے تصادم میں تمہاری حب الوطنی سے زیادہ تمہاری انا پرستی کا دخل تھا۔ آج کے دور میں ویسے بھی قوم اور وطن جیسے نظریات دم توڑتے جا رہے ہیں اور عالمی انسانی برادری کا نظریہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہر سمجھدار آدمی خود کو ان عامیانہ نعروں سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ تم خود بھی ماضی کو بھلا کر ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر رضامند ہو جاؤ گے کیونکہ اسی میں تمہاری اور ہم سب کی بہتری مضمر ہے۔"

"تم بولتے رہو۔ میں تمہارا ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس وقت اتفاق سے غزالہ ہماری تحویل میں ہے اور کچھ نہ سہی تو تم اس کی سلامتی کے لئے ہی ہم سے تعاون کرنے کی ضرورت محسوس کرو گے کیونکہ وہ لڑکی تمہارے لئے بہت اہم ہے۔"

"یہ تعاون اور دوستی کی پیش کش نہیں بلکہ کھلی ہوئی بلیک میلنگ ہے۔" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں سے ابھرنے والی قہر و نفرت کی سرکش لہروں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا "تم اپنی سہولت کے لئے جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ اصل بات دوستی اور تعاون کی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔"

"تعاون کی نوعیت کیا ہو گی؟" میں نے بھی بحث سے گریز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت محدود اور عارضی!" وہ سوچے سمجھے انداز میں بولا "ہم جانتے ہیں کہ تم جیسے افراد کو طویل مدّت کے لئے اپنا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارا حریف ملاّ سرکار کافی دنوں سے لاپتا ہے۔ وہ زندہ ہے، مر گیا یا زخمی ہونے کے بعد کہیں چھپا ہوا ہے...... اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم اپنے مروجہ وسائل سے اس کا سراغ حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اور اب اس سلسلے میں تمہاری مدد چاہتے ہیں۔"

میرا دل چاہا اس کی بات پر زوردار قہقہہ لگاؤں اور اسے آگاہ کر دوں کہ ملاّ سرکار کے چیتھڑے، بہت دن قبل دریائے سندھ کی مچھلیوں کی خوراک بن چکے ہیں اور اسے کچھ شبہ ہو تو وہ اپنے باپ ہیری کیسنجر سے اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے۔

لیکن میں خاموش ہی رہا۔ جو بات اس کے لئے شدید الجھن اور پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی اسے اتنی آسانی کے ساتھ حل کرنا مناسب نہیں تھا۔ پھر ہیری کیسنجر کے ملک نے بھارتیوں کو اس امر کی ہوا بھی لگنے نہیں دی کہ انہوں نے ملاّ سرکار سمیت متعدد اہم انڈین سیکرٹ ایجنٹوں کے جسموں میں دل کی دھڑکنیں نشر کرنے والے ایسے ننھے آلات چھپائے ہوئے تھے جن کی مدد سے وہ اپنے کارڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ان کی زندگی یا موت کے بارے میں پل پل کی خبر رکھتے تھے۔ میں اسے ضرور بتانا چاہتا تھا کہ ملاّ سرکار کی موت واقع ہوتے ہی ہیری کیسنجر کو اس کی خبر ہو گئی تھی جسے اس نے دیدہ ودانستہ اتنے دن سے چھپایا ہوا تھا لیکن اس خبر کے انکشاف کے لئے مجھے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا جو اس وقت میسر نہیں تھا۔

"یہ تو صرف تحقیق و تفتیش میں دماغ سوزی کا معاملہ ہے۔ اس میں مجھے کوئی عذر نہیں ہو گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "آج کل میں عملی بھاگ دوڑ سے خود بھی دور رہتا ہوں۔"

"لیکن ایک کام اور بھی ہے۔ اس میں تمہارا اہم رول ہو گا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد کوئی تیسرا کام تو پیدا نہیں ہو جائے گا؟" میں نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے پُروثوق لہجے میں کہا "اس کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

اس کے سفید جھوٹ پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ جب تک میرا دامن صاف تھا، وہ اپنا کام لینے کے لئے مجھے ویرا کے نام پر بلیک میل کر رہا تھا لیکن جب اس کے پاس میری ملک دشمن سرگرمیوں کے بارے میں ٹھوس ثبوت آ جاتے تو وہ جب چاہتا، میرے اوپر کوئی کام مسلط کر دیتا اور میں ساری عمر کے لئے اس کا غلام ہو کر رہ جاتا۔ میں اس کے احکام ماننے سے انکار کرتا تو وہ میرے خلاف موجود شہادتیں حکام کے حوالے کرنے کی دھمکی دے کر میرے انتخاب کی راہیں مسدود کر دیتا۔

وہ میرے شبہات نہیں تھے بلکہ سارے ہی سیکرٹ ایجنٹ دشمن ممالک کی سرزمین پر چھوٹے چھوٹے اور بظاہر بے ضرر کاموں سے ابتدا کر کے سادہ لوح افراد اور خاص طور پر نوجوانوں کو پھانستے ہیں۔ ان کا شکار بننے والے مقامی افراد غدّار یا ملک دشمن نہیں ہوتے بلکہ غیر ملکیوں، خصوصاً لڑکیوں سے بے تکلفانہ دوستی کے شوق میں بعض ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ان کی نظروں میں فضول اور بے ضرر ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دوررس اثرات کے حامل ہوتے ہیں پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور نوبت کھلے کھلے غدّارانہ کاموں کے مطالبے تک پہنچتی ہے تو انہیں ہوش آتا ہے۔ ان کی قومی غیرت و حمیت جوش میں آ جاتی ہے اور وہ اپنے ضمیر کی آواز پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوّث ہونے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور اس مرحلے پر آئینہ ان کے سامنے سرکا دیا جاتا ہے۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ضمیر کی بیداری سے قبل وہ جو کچھ کرتے رہے وہ بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے غداری اور ملک فروشی سے کم نہیں تھا اور اگر ان کے حکام کو ان کی ایسی سرگرمیوں کے بارے میں خبریں اور شہادتیں فراہم کر دی جائیں تو وہ وطن فروشی کے الزام میں فوراً دھر لئے جائیں گے اور انہیں اپنی خواہشات کے برعکس ان مکّار ایجنٹوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ جاتے ہیں۔

وہ حربے نو آموز لوگوں کے لئے بہت کارگر ثابت ہوتے تھے۔ شہر کی بڑی اور سماجی تقریبات میں بن سنور کر شریک ہونے کا شوق اور غیر ملکی نازنینوں کی ہم نشینی کا خمار بہتیرے نوجوانوں کو بہکانے کا سبب بن جاتا تھا لیکن شری مان سنگھ مجھ جیسے پرانے کھلاڑی پر بھی وہی حربہ آزمانے کا ارادہ رکھتا تھا جس کی کامیابی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔

مگر اس کے دل کی بات اگلوانے کے لئے اس سے اتفاق رائے ظاہر کرنا ضروری تھا اس لئے میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "غزالہ کی سلامتی کے لئے مجھے سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔"

"غلام رسول نامی صف اول کا نامور سیاستدان آج کل مافیا کی تحویل میں ہے۔" اس کے الفاظ سنتے ہی میرا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ وہ بہت اندر کی اور ایسی خبر تھی کہ جس کے بارے میں ظفر جیسا باخبر آدمی بھی کچھ نہیں جان سکا تھا۔ اگر میں نے اسے اعتماد میں نہ لیا ہوتا تو اس وقت بھی غلام رسول کے بارے میں بے خبر ہی ہوتا لیکن شری مان سنگھ اس معاملے سے پوری طرح باخبر معلوم ہوتا تھا۔

"مافیا والے اسے پاکستان سے نکال کر بھارت پہنچانا چاہتے ہیں لیکن ہر طرف کڑی نگرانی ہونے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو پا رہے۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہماری اور پاکستانی حکومتوں کے درمیان کشیدگی ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر ہماری نگرانی ہوتی رہتی ہے اس لئے ہم تسلسل کے ساتھ مافیا والوں سے رابطہ نہیں رکھ سکتے اور ہمارا کام ایک آدھ ملاقات سے نہیں چلے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہماری طرف سے ان سے ملو اور غلام رسول کو ہمارے قونصل خانے تک لے آؤ۔ اس سے آگے کا سارا کام ہم خود سنبھال لیں گے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ مافیا ہی کی تحویل میں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "پولیس کے قبضے میں سے اسے اغوا کئے جانے کی خبر تو میں نے اخباروں میں بھی پڑھی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے اٹھا لے جانے والے کون لوگ تھے۔"

"ہمارے پیشے میں خبروں کے ذرائع کبھی ظاہر نہیں کئے جاتے۔ تمہیں اتنی ہی بات بتائی جائے گی جس کا تعلق تمہارے کام سے ہو گا۔ تمہیں اس سے آگے کی فکر نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہاں مافیا کو کون لوگ چلا رہے ہیں؟" میں نے تذبذب اور فکرمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھی بتا دیا جائے گا لیکن پہلے تمہاری طرف سے رضامندی کا اظہار ہونا چاہئے۔"

"اس معاملے میں غزالہ کی رہائی کا کوئی ذکر شامل نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمہاری پچاس فی صد کامیابی پر، یعنی دو میں سے ایک کام پورا ہونے پر غزالہ تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔" اس نے متانت کے ساتھ کہا۔ "اس وقت تک وہ ہمارے پاس رہے گی۔"

اس کی دوسری شرط نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جدید ترین مواصلاتی ترقیوں کی وجہ سے دنیا بہت وسیع نہیں رہی تھی لیکن مجھے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہو چکی ہو گی کہ ہر شخص ہر بات سے باخبر نظر آنے لگے گا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب موت کے سوداگر ہوں کیونکہ سیاست 'غداری' سازشوں کی منصوبہ سازی اور ہوس ملک گیری کے اس گھناؤنے کھیل میں ہیروئن کا پیسہ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسی سے ہتھیار خریدے جا رہے تھے اور وہی سازشیوں کو ایندھن فراہم کر رہا تھا۔

واقعات کے حقیقی تناظر میں ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے سفارت خانوں سے لے کر مقامی مافیا اور شی تک' سب ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے نظر آ رہے تھے۔ ان کے روپ' چہرے اور محاذ مختلف تھے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ ان تمام شیطانی قوتوں میں ایک امر پر کوئی مقدس سمجھوتا ہو چکا تھا جس کا نچوڑ یہ تھا کہ پاکستان کو سیاسی' معاشی' معاشرتی اور جغرافیائی اعتبار سے اس قدر مجہول اور ناکارہ بنا دیا جائے کہ نظریئے کے نام پر وجود میں آنے والا یہ واحد ملک عالمی نقشے پر اپنی شناخت کھو بیٹھے۔

اس ضمن میں شی اپنی ناپاک سازش کا پہلا مرحلہ کسی قابل ذکر مزاحمت کے بغیر مکمل کر چکی تھی۔ اس کی تائید کچھ عرصہ پہلے امریکی سفیر کی ایک اہم تقریر سے ہو گئی تھی۔ اس نے طمانیت کے بھرپور احساس کے ساتھ بتایا تھا کہ دنیا بھر کی زیر زمین منڈیوں کو کنٹرول کرنے والے ملک میں افیم کی پیداوار اس حد تک گھٹا دی گئی تھی کہ وہ ملک اپنے ملک میں ہیروئن کے عادی افراد کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خود افغان قبائل سے آنے والی خام افیم اور ہیروئن کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ شی نے ایک منظم سازش کے ذریعے میرے وطن میں ہیروئن کو متعارف اور مقبول کرایا تھا اور اس کاری ضرب کے بعد وہ اس ملک کے وجود پر وار کرنے کی آخری تیاریوں میں مصروف تھی۔ مقامی مافیا ہیروئن کی عالمی منڈی میں اپنا حصہ بڑھانے کے لئے کوشاں تھی مگر در مافیا کے زیر اثر اس کا جھکاؤ بھی ان ہی عناصر کے طرف ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا جو پاکستان کے خیر خواہ نہیں تھے۔ ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے بارے میں کچھ سوچنا ہی بے سود تھا کیونکہ وہ پاکستان کے ہر دشمن کے گہرے اور قابل اعتماد دوست تھے۔

اور میں اپنی بدقسمتی کے طفیل ان شیطانی قوتوں کے ہجوم میں اس بری طرح سے گھر کر رہ گیا تھا کہ ان میں سے ایک سے اپنا گریبان چھڑاتا تو دوسرا میرا دامن جکڑ لیتا تھا۔

"تمہاری شرائط مجھے قبول ہیں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "میں فوری طور پر کام شروع کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"گڈ! مجھے پوری امید تھی کہ مجھے تم سے براہ راست بات کرنے کا موقع ملا تو تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے گرمجوشی کے ساتھ بولا۔ "اب سنو کہ مقامی مافیا کا سیٹھ حبیب جیوانی نام کا مقامی سرمایہ دار ہے جو جرمنی میں ہیروئن اسمگل کرنے کے جرم میں گرفتار ہو کر وہیں کی ایک جیل میں انتقال کر چکا ہے۔" مافیا اور اس کے سربراہ کے بارے میں شری مان سنگھ کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔

"تو کیا وہ مردہ ہونے کے باوجود مافیا کی سربراہی کر رہا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ "یہ قانونی پوزیشن ہے ورنہ وہ جیل سے نکل کر پاکستان آ گیا تھا۔ اس کے نام سے مرنے والا شخص تھا جسے بھاری معاوضہ دے کر اصل مجرم کے بدلے میں جیل میں پہنچایا گیا تھا۔ غلام رسول کے بارے میں تم کو اسی سے معاملات طے کرنے ہوں گے۔"

"تم اس سے ذاتی طور پر واقف ہو؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"نہیں....!" اس نے سہلاتے ہوئے کہا اور اس کے بقیہ الفاظ ایک چیخ میں ڈھل گئے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ہوئے' منہ کے بل گھاس پر آ رہا۔ اس کی چیخ سے پہلے کھٹ کی ایک سخت آواز آئی تھی۔ ٹکرا تو اس کے سر کے عقبی حصے سے تیزی کے ساتھ خون جاری تھا۔

قرب و جوار سے متعدد افراد ہم دونوں کی طرف لپکے تھے لیکن میری نگاہیں ان دو تنومند افراد پر جم کر رہ گئی تھیں جو اپنے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں سنبھالے' دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

وہ دونوں شری مان سنگھ کے مسلح محافظ تھے جو اس سے الگ رہ کر اس کی حفاظت کا فرض سرانجام دے رہے تھے۔ ان دونوں کی کلاشنکوفوں میں میگزین چڑھے تھے اور وہ ضرورت پیش آنے پر کسی بھی لمحے گولیاں برسانے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ ان کی مستعدی اور فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ وہ میرے کچھ سوچنے سے پہلے ہی میرے سر پر مسلط ہو چکے تھے اور ہم تینوں نے تقریباً بیک وقت ہی سہارا دے کر زخمی شری مان سنگھ کو گھاس پر سے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"پتا نہیں یہ کس بدمعاش کی شرارت تھی؟" شری مان سنگھ ہمارے سہارے اٹھتے ہوئے جھلائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "میرا سر چکرا کر رہ گیا۔"

اس کے سر کے عقبی حصے سے خون نکل رہا تھا اور اس کی انگلیاں' اسی کے اپنے لہو سے رنگین ہو رہی تھیں۔ اس دوران میں دونوں مسلح تو مجھے گہری اور اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورا تھا لیکن ان میں سے کسی نے مجھ سے کوئی لفظ نہیں کہا تھا۔

شاید ان کی خاموشی کی وجہ یہ رہی ہو کہ شری مان زخمی ضرور ہو گیا تھا مگر وہ واضح طور پر کسی آتشیں ہتھیار کا وار نہیں تھا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے میں گولی لگی ہوتی تو وہاں نہ صرف خون کا تالاب بن جاتا بلکہ شری مان سنگھ بھی بڑبڑانے کے لئے زندہ نہیں رہا ہوتا۔

فریئر ہال کے سبزہ زار پر تفریح یا وقت گزاری کے لئے آنے والوں میں سے کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ دوسروں کی مصروفیات پر نظر رکھنے کی کوشش کرتا اس لئے ہمارے اردگرد جمع ہونے والوں میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں پہلے سے شری مان سنگھ کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

لوگوں نے دبے دبے' تجسس آمیز لہجے میں اس صورتِ حال کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے تحکم آمیز لہجے میں لوگوں کو ڈانٹ پھٹکار کر وہاں سے منتشر ہونے کے لئے کہا۔ اس وقت وہ اپنے لب و لہجے سے کسی اہم سرکاری محکمے کے سادہ پوش اہل کار معلوم ہو رہے تھے اس لئے کسی نے بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کی اور وہ انہماک سے شری مان سنگھ کی کھوپڑی کے عقبی حصے کا معائنہ کرنے لگے۔

"کیا ہوا تھا؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں شری مان سنگھ سے سوال کیا۔

اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں اور اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ "تو کیا تمہیں واقعی علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"فکر نہ کرو' دس منٹ میں اس سے ہر بات اگلوا لیں گے۔" مسلح افراد کی جوڑی میں سے دبلے پتلے شخص نے دھیمی غراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرے سامنے...."

لیکن شری مان سنگھ نے نرمی کے ساتھ اس کی بات وہیں کاٹ دی اور جلدی سے بولا۔ "اس سے بدتمیزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ میرے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پتھر بہت تیزی کے ساتھ میرے سر پر لگا ہو۔ میرا نیچے گرنا' ضرب کی شدت سے زیادہ بوکھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ چند ثانیوں تک تو مجھے بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں پتھر سے زخمی ہوا ہوں یا میرے سر میں گولی پیوست ہو چکی ہے۔"

"یہ اس کے کسی ساتھی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔" وہی شخص مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں سیکڑوں افراد موجود ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر پتھر تمہاری ہی طرف کیوں آیا؟"

"یہ پتھر کسی اور کے لگا ہوتا تو اس کے بارے میں بھی یہی کٹ حجتی کی جا سکتی تھی۔" میں نے اپنی برہمی کا اظہار کرنے کے لئے ترشی سے کہا۔

"بس! اب بات نہ بڑھاؤ!" شری مان سنگھ نے دخل دیتے ہوئے اپنے آدمی کو روکا۔ "تم لوگوں کو آپس میں الجھنے کے بجائے کسی مشتبہ آدمی کی تلاش پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت تھی۔"

"میں اسے بے آواز پستول کا فائر سمجھا تھا اور میں نے فوراً ہی تمہاری پشت پر نظریں دوڑائی تھیں لیکن وہاں کوئی مشتبہ آدمی موجود نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

شری مان سنگھ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں نے وہ بات کہہ دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کے گرتے ہی میں نے ظفر کو درختوں کے ایک کنج کے پاس دیکھا تھا اور اس وقت بھی وہ بے پروایانہ انداز میں ہمارے قرب و جوار میں ہی منڈلا رہا تھا۔

"باتوں میں وقت ضائع نہ کرو!" اسی دبلے پتلے محافظ نے مربیانہ انداز میں شری مان سنگھ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خون کم ضائع ہوا ہے مگر زخم پھول گیا ہے' تمہیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں بعد میں بھی کی جا سکتی ہیں۔"

"ہوش میں رہو ڈپی!" شری مان سنگھ نے غصے سے اس کا ہاتھ دور جھٹک دیا۔ "تم میرے باپ یا افسر نہیں ہو۔ میں اپنی ضروریات سے بخوبی واقف ہوں۔ جا کر گاڑی میں میرا انتظار کرو! میں فارغ ہو کر واپس آتا ہوں۔" اسے پھٹکارنے کے بعد شری مان سنگھ نے اس کا ردعمل دیکھنے کی کوشش کئے بغیر اپنا رخ گھما لیا۔ وہ دونوں مجھے خشمناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے واپس چل دئے۔

"تم نے کہا تھا کہ یہاں تمہارے کچھ خیر خواہ بھی موجود ہیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد شری مان سنگھ نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"کہا تو تھا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا یہ ان میں سے کسی کی حرکت نہیں ہو سکتی؟" اس نے مرعوب ہوئے بغیر سوال کیا۔

"ہوش کے ناخن لو!" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ "میرا نام ڈپی ہے۔ میرے آدمی پتھر نہیں گولیاں چلاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی تم پر مہربان ہو گیا ہوتا تو تم اس وقت زندہ نہ ہوتے۔ یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی بچے کا پھینکا ہوا پتھر تمہارے سر پر آ لگا ہو۔"

"کاش وہ پتھر تمہارے لگا ہوتا!" وہ غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میں اتنا ناتجربے کار نہیں ہوں کہ بچے کے پھینکے ہوئے بے ضرر پتھر اور پوری قوت سے مارے جانے والے پتھر میں فرق محسوس نہ کر سکوں۔ مجھے واضح طور پر نشانہ بنایا گیا تھا۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے پروائی اختیار کرلی۔ "اپنے آدمیوں سے ملنے کے بعد ہی میں اس پُراسرار واردات کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکوں گا۔"

"میں نے دونوں کام تمہیں بتادئے ہیں۔" وہ بولا "میرا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔ جیسے ہی کوئی خبر ملے مجھ سے فون پر رابطہ کرلینا۔ میں انتظار کروں گا۔"

"لیکن غزالہ کے بارے میں اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" میں نے اسے یاددہانی کراتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ رجنی کا معاملہ اگلی ملاقات میں طے کیا جائے گا۔" رجنی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا دہانہ بگڑ گیا تھا۔

ڈپٹی کے نام سے مخاطب کیا جانے والا شخص اپنے ساتھی سمیت واپس جا چکا تھا اس لئے ہم دونوں بے فکری سے بات کرسکتے تھے۔ اس تخلیئے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ ہمارے آج کے معاہدے کا رجنی کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔ "لیکن تم بھی یاد رکھنا کہ میں نے اس کے قتل کے لئے تم کو مُنہ مانگا معاوضہ دینے کی پیشکش کی ہے۔ میری شرط صرف اتنی ہے کہ اس کی لاش دستیاب ہونی چاہئے یا اس کے قتل کا ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہونا چاہئے۔"

وہ اپنی بے وفا بیوی رجنی سے حد سے زیادہ بدظن تھا۔ میرے دل میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ میں رجنی کے حسن و جمال اور دوسروں کے ساتھ اس کی فیاضیوں کے حوالے سے شری مان سنگھ کے زخموں پر نمک پاشی کروں لیکن میں اپنی اس آرزو کو عملی جامہ پہنانے کی جرات نہ کرسکا کیونکہ اس وقت تک غزالہ، شری مان سنگھ کی تحویل میں تھی اور میری زبان کے کچوکے کھانے کے بعد وہ غزالہ کے ساتھ کوئی بھی ناروا سلوک کرنے پر مائل ہو سکتا تھا۔

کسی بھی انسان کے کردار اور گفتار کی ساری خوبیاں اسی وقت تک برقرار رہتی ہیں جب تک اس کی انا پر کوئی کاری ضرب نہ آئی ہو اور اس کے دل و دماغ میں اپنی عزتِ نفس کا احساس پوری طرح زندہ ہو۔ اپنی یا اپنے قریبی لواحقین کی کسی لغزش کے نتیجے میں یہ عزتِ نفس ایک بار مجروح ہوجائے تو انسان یک بیک اپنے بلند مقام سے گر کر ایک گھٹیا وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ گزری ہوئی لغزش کو لوٹانا اور پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا اس کے بس اور اختیار سے باہر ہوتا ہے اس لئے تضحیک اور تذلیل سے بچنے کے لئے اس کے سامنے واحد راہ یہی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش میں موجود تمام لوگوں کے چہروں پر غلاظت کی سیاہی مل کر انہیں ان کے بلند تر مقام سے ایک ایسے نچلے درجے پر گھسیٹ لائے جہاں وہ خود کو ان سب سے برتر نہ سہی تو کم از کم برابر ضرور سمجھ سکے۔

رجنی، شری مان سنگھ کی بیوی تھی لیکن وہ اپنے شوہر کی پُر... ورانہ کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آزادی اور بے راہ روی کی تمام حدوں کو عبور کرچکی تھی۔ خاندان کی عزت اور ساکھ کو بچانے کے لئے شری مان سنگھ اس سے علیٰحدگی اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی اپنے وطن سے دور، پردیس میں مقیم تھے اس لئے اُن کے خاندانوں کو اندر کی گھناؤنی کہانیوں کا علم نہیں ہوگا۔ ان کے لئے بس یہی جاننا کافی تھا کہ وہ دونوں اپنے دھرم کے رشتے میں بندھے ہوئے زندگی گزار رہے تھے لیکن رجنی اپنی بے وفائیوں کی وجہ سے شری مان کے لئے ایک گالی بن چکی تھی۔ موتن لال کے ساتھ اس کے معاشقے کی پوری کہانی میرے علم میں آچکی تھی۔ اس کے لئے یہ بات برداشت سے باہر تھی کہ اس کی بیوی اس کے دوستوں شناساؤں اور اجنبیوں کی خلوتیں آباد کرتی پھرے۔ اس کی آوارہ منش بیوی نے اسے خود اپنی ہی نگاہوں میں گرادیا تھا۔ ایسی سنگین اور حساس صورتِ حال میں اگر مان سنگھ کو زیادہ ذلیل و خوار کیا جاتا تو اس کے وجود میں انتقام کی وہی وحشیانہ آگ بھڑک سکتی تھی جو انسان کو درندہ بنادیتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ مجھے ذلت، مایوسی اور بے بسی سے دوچار کرنے کے لئے قید میں موجود غزالہ کے بارے میں کچھ بھی کرگزرنے پر قادر تھا اس بارے میں اٹھا ہوا اس کا ایک قدم بھی میرے لئے زندگی بھر کا روگ بن سکتا تھا اس لئے میں نے اس کے وجود میں سوئے ہوئے بھیڑیے پر لعن طعن کے تیر برسانے کا ارادہ فوراً ہی ترک کردیا۔

"یہ ایک علیٰحدہ پیشکش ہے میں اس پر غور کروں گا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد گہری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا اور میری طرف ہاتھ لہرانے کے بعد آگے بڑھتا چلا گیا۔

میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، بے پروایانہ انداز میں وہاں ٹہلتا رہا۔ اس وقت ظفر مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے مگر اس نے بھی شری مان سنگھ کے جاتے ہی میری طرف آنے کی حماقت نہیں کی بلکہ ٹہلتا ہوا اس طرف چل دیا جہاں اس کی بند وین کھڑی ہوئی تھی۔

شری مان سنگھ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ وہ ایک اہم سفارتی مشن کا اعلیٰ عہدیدار تھا اور اپنی اس پوزیشن کی آڑ میں سنگین نوعیت کی سازشی سرگرمیوں میں مصروف تھا اس لئے اُس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ اہم معاملات میں کسی بھی قسم کی بے پروائی یا غفلت کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ وہ فریئر ہال کے سبزہ زار کے آگے بنی ہوئی سرخ سیڑھیاں اتر کے غائب ہوچکا تھا۔ اس کے انتظار میں کھڑی ہوئی گاڑی بھی روانہ ہوچکی تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اس گھاگ سفارت کار نے میری نگرانی کے لئے اپنے کسی نہ کسی آدمی کو وہاں ضرور چھوڑا ہوگا۔ جو میرے ساتھیوں کو پہچاننے کے علاوہ میرا پیچھا کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں بھی فریئر ہال کے اس بند پھاٹک کی طرف چل دیا جہاں پچھلی سڑک پر میری کار کھڑی ہوئی تھی۔

ظفر یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے میری طرف آنے کی کوشش نہیں کی اور میں اپنی گاڑی وہاں سے نکال کر روانہ ہوگیا۔ آگے سے یوٹرن لینے کے بعد میں نے عقب نما آئینے میں ایک سفید کار دیکھی۔ وہ کار میرے نکلنے کے بعد ہی فریئر ہال کے سامنے والے حصے کے نزدیک سے حرکت میں آئی تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بند وین اس سفید کار کے پیچھے تھی۔

ٹریفک سگنل پر پہنچنے تک میں اپنا لائحہ عمل طے کرچکا تھا۔

ٹریفک سگنل کی سرخ روشنی، سبز ہوتے ہی میں نے اپنی کار آگے بڑھادی اور ہوٹل میٹروپول کے عقبی حصے سے آگے جانے کے بجائے اسی سڑک پر سیدھا بڑھتا چلا گیا۔ بیشتر ٹریفک شارع فیصل جانے کے لئے داہنی طرف مڑ گیا تھا مگر سفید کار میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

اگلے چوراہے سے میں نے گاڑی دوبارہ اسی سمت میں گھمالی جدھر سے میں وہاں تک پہنچا تھا۔ میں اس حرکت سے سفید کار والے کو یہ جتادینا چاہتا تھا کہ مجھے اس پر شبہ ہوچکا تھا۔

لیکن اس کے پاس کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ شری مان سنگھ کو جواب دہ تھا۔ اگر وہ میرا تعاقب ترک کردیتا تو اس کے لئے جواب دہی مشکل ہوسکتی تھی اس لئے بات کھل جانے کے بعد اس نے زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ میرا پیچھا کرنا شروع کردیا۔

لیکن یہ سلسلہ زیادہ دراز نہیں ہوسکا۔ سروسز کلب کے آہنی پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے کانوں میں یکے بعد دیگرے دو ہلکے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور عقب نما آئینے میں سفید کار ڈگمگاتی ہوئی فٹ پاتھ کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار یک بیک بہت دھیمی ہوگئی تھی۔ اس صورتِ حال کی بنا پر میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ظفر کی بند وین کی اگلی نشست سے بے آواز فائر کرکے سفید کار کے کم از کم دو ٹائرز ناکارہ کردئے گئے تھے۔

اگلے موڑ پر یک طرفہ راستہ لیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سفید کار سڑک کے کنارے رک چکی تھی اور بند وین میرے بالکل پیچھے چلی آرہی تھی۔

بقیہ سفر کسی قابلِ ذکر واقعے کے بغیر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اس مکان کے احاطے میں داخل ہوگئیں جہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا ٹھکانا تھا۔

ظفر وین کی اگلی نشست سے اترتے ہی تیزی کے ساتھ میری طرف آیا تھا۔ اس کے پیچھے سلطان شاہ تھا جب کہ ایس ٹی ایف کے بقیہ آدمی وہیں رک گئے تھے کیونکہ انہیں رجنی کو پوری احتیاط کے ساتھ اندر لے جانا تھا تاکہ وہ اس مکان یا اس کے مکینوں میں سے کسی کو شناخت نہ کرسکے۔

"وہ بھاگنے والی لڑکی کا کیا چکر تھا؟" ظفر نے چھوٹتے ہی مجھ سے سوال کیا۔

اس ذکر پر میرا مُنہ بن گیا۔ "کچھ بھی نہیں، وہ شری مان سنگھ کا فراڈ تھا۔"

"لیکن لوگ تو بتارہے تھے کہ تھوڑی دیر پہلے کوئی جواں سال لڑکی بھاگ نکلی تھی جس کے پیچھے کئی آدمی بھی بھاگے تھے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "آخر وہ کون تھی؟"

سلطان شاہ پورے وقت وین میں بند رہا تھا اس لئے اُسے اس معاملے کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں تھا اس لئے وہ ہم دونوں کی گفتگو پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

"کسی نامعلوم لڑکی کو وہ اپنے ساتھ لایا تھا جس نے آتے ہی دوڑ لگادی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ شروع ہی سے بدنیتی پر آمادہ تھا؟"

"لیکن اس نے رجنی کی واپسی کا مطالبہ تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے بات سمجھ جانے کے بعد پہلی بار ہماری گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے رجنی سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" ظفر بری طرح چونک کر میری طرف متوجہ ہوگیا۔

اس اثنا میں ہم ظفر کے دفتر تک پہنچ چکے تھے اس لئے نشستیں سنبھالنے تک میں خاموش رہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" بیٹھ جانے کے بعد ظفر نے مجھے ٹوکا۔

"وہ رجنی سے ہمیشہ کے لئے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

میرے اس انکشاف پر وہ دونوں ہی حیران رہ گئے جیسے میں نے کوئی اَن ہونی بات کہہ دی ہو۔

"لیکن یہ ملاقات تو رجنی اور غزالہ کے تبادلے کے لئے ہی طے ہوئی تھی؟" سلطان شاہ بولا۔

"وہ ایک بہانہ تھا۔" میں نے کہا اور پھر انہیں پوری کہانی سناتا چلا گیا۔

اس کہانی کا ایک ایک لفظ ان کے لئے حیران کن تھا۔ میرے خاموش ہوتے ہی ان دونوں نے مجھ پر اپنے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

"مزید کچھ جاننے سے پہلے مجھے دو چار سوالات کے جوابات دیتے چلو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شری مان سنگھ کی کھوپڑی پر کیا گزری تھی۔"

میرے سوال پر ظفر بے ساختہ ہنس پڑا۔ "وہ میری حرکت تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے اس کی کھوپڑی تاک کر کوئی پتھر مارا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے غلیل سے اس کے سر کا نشانہ لیا تھا۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"تو کیا تم غلیل بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایک اتفاق تھا۔ میں وہاں ٹہل رہا تھا تو میں نے ایک نوعمر لڑکے کو غلیل سے پرندوں پر نشانے بازی کرتے دیکھ کر دوبار منع کیا لیکن وہ باز نہیں آیا تو میں نے اس سے غلیل چھین لی۔ جب وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا تو میں نے غلیل جھاڑیوں میں پھینک دی۔" ظفر نے کہنا شروع کیا۔ "جب شری مان سنگھ کو تم سے بات کرتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو مجھے بے چینی محسوس ہونے لگی۔ میں قریب آکر تم دونوں کے مذاکرات کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ آخرکار مجھے غلیل کا خیال آیا اور میں نے لوگوں کی نظروں سے بچ کر ایک کنج میں سے غلیل چلادی۔ میرا نشانہ ٹھیک رہا لیکن میرا مقصد پورا نہیں ہوسکا۔ مسلح آدمیوں کو دیکھتے ہی مجھے تمہاری طرف آنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ مجھے الجھن تھی کہ غزالہ یا رجنی کے سامنے آئے بغیر تمہارے مذاکرات طول کیوں پکڑ رہے تھے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ شری مان نے صحیح اندازہ لگایا تھا!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس کا کیا اندازہ تھا؟" ظفر نے متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ٹھوس اور کند چیز کی ضرب پڑتے ہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ کوئی پتھر تھا۔" میں نے کہا پھر پوچھا۔ "اور سفید کار کے ٹائروں کو کیا ہوا تھا؟"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ شری مان سنگھ کا آدمی ہے۔ ہم اسے اپنے پیچھے لگا کر یہاں تک لانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اس لئے میں نے اس کے ٹائروں کو ناکارہ کردیا۔" وہ بولا۔

"میں نے ٹائر پھٹنے کی آواز سنتے ہی بے آواز فائروں کے بارے میں سوچا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"اب تم بتاؤ کہ یہ کیا چکر ہے؟" ظفر پھر میرے پیچھے پڑ گیا۔ "اب وہ لوگ تمہیں اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔"

"ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوسکیں گی۔" میں نے کہا۔ "یہ ایک حقیقت ہے کہ ملّا سرکار دردناک موت کا شکار ہوچکا ہے۔ اس بار تم لوگوں کی خاموشی میرے کام آئے گی۔ میں انہیں ملّا سرکار کی موت سے آگاہ کرکے غزالہ کو ان کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"وہ تمہارے انکشاف پر آسانی سے یقین نہیں کرے گا۔" ظفر نے کہا۔

"وہ میری بات رد کرسکتا ہے لیکن ہیری کیسنجر کی تصدیق کو نظرانداز نہیں کرسکے گا۔"

"ہیری کیسنجر کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمہارے معاملے میں ٹانگ اڑاتا پھرے؟"

"اسے ٹانگ اڑانی پڑے گی کیونکہ اس کی ایک دُکھتی رگ میرے قبضے میں ہے۔"

"وہ کیا؟" ظفر نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔ وہ اول خان کے مقابلے میں خاصا بے صبر تھا۔

"میرے پاس کچھ بھی نہیں لیکن ویرا کے ساتھ مل کر میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوچکا ہوں کہ میرے پاس اس کی غیرذمے دارانہ گفتگو کا ایسا ٹیپ موجود ہے جو اس کے سفیر تک پہنچا دیا جائے تو... ملازمت سے برطرفی کے ساتھ ہی اسے سرکاری رازوں کے افشا کرنے کے سنگین الزام کا سامنا کرنے پڑے گا۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ وہ اپنی نوکری بچانے کے لئے تمہارے اشاروں پر ناچنے لگے گا۔"

"ایک حد تک اسے جھکنا ہی پڑے گا۔ میرے مطالبات بڑھ گئے تو شاید وہ بدک بھی جائے لیکن فی الحال مجھے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہے۔"

"پھر غلام رسول اور مافیا والے معاملے کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"کیا شری مان سنگھ کا یہ دعویٰ درست ہے کہ غلام رسول مافیا والوں کی قید میں ہے؟" سلطان شاہ کا سوال مکمل ہوتے ہی ظفر سوال کر بیٹھا۔

"یہ درست ہے۔" میں نے سہلا کر اقرار کیا۔ "یہ ایک ایسا راز ہے جس سے نہ صرف سرکاری ادارے بلکہ تم خود بھی بے خبر ہو۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں کہ غلام رسول آج کل کہاں اور کس کی تحویل میں ہے لیکن شری مان سنگھ حیرتناک طور پر ہر بات سے باخبر ہے۔ ایک بار غزالہ میرے قبضے میں آجائے تو پھر میں دیکھوں گا کہ شری مان سنگھ کیا شے ہے اور اس کی پرواز کہاں تک ہے؟"

"تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ غلام رسول مافیا کی قید میں ہے؟" ظفر نے شکوہ کیا۔

"مجھے صرف شبہ تھا' شری مان سنگھ نے میرے دل کی بات کہہ کر اس کی تصدیق کردی ہے" میں نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے تمہارے شبہات میں بھی شریک ہونے کا حق حاصل ہے" ظفر بولا "غلام رسول ان کے قبضے میں ہو یا نہ ہو' مافیا والے سماج دشمن عناصر کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی سرکوبی کرنا ضروری ہے پھر تمہیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں ان کا سرغنہ سیٹھ حبیب جیوانی نامی شخص ہے۔"

"خدا کے لئے ان باتوں کی بنا پر کوئی کارروائی شروع نہ کرادینا!" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "ٹھوس معلومات اور بھرپور تیاری کے بغیر ایسے اقدامات نہیں کئے جاتے۔"

"ملّا سرکار کے بارے میں معلومات فراہم کرنا تمہاری اور شری مان سنگھ کی ڈیل کا پہلا حصہ ہے۔ جب تک تم غلام رسول کو اس کے حوالے نہیں کروگے یا سیٹھ حبیب جیوانی سے مل کر ٹھوس معلومات فراہم نہیں کروگے' شری مان سنگھ تمہارے پیچھے لگا رہے گا۔"

"میں اسے نچاتا رہوں گا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک بار غزالہ کا معاملہ صاف ہوجائے تو میں اسے ناکوں چنے چبوادوں گا۔"

"مافیا والوں سے تمہارے مراسم کیسے ہیں؟" ظفر کے اس غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"مراسم؟" میں نے قدرے بھڑک کر کہا "میرے ان سے مراسم کیوں ہونے لگے؟"

"مراسم دوستانہ ہی نہیں بلکہ ناخوشگوار بھی ہوسکتے ہیں۔ تمہاری اُن سے ایسی کیا دشمنی ہے کہ تم ان کی بھی کھوج میں لگے رہے ہو؟" ظفر مسکرانے لگا۔

"جب زیرزمین دنیا سے رابطہ رکھنا پڑتا ہو تو پھر ہر ایک کے بارے میں خیر خبر رکھنی پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں مافیا ابھی بہت زیادہ طاقتور نہیں ہوسکی ہے لیکن اس کے باوجود عام جرائم پیشہ افراد اُس کی راہ سے بچ کر ہی چلتے ہیں۔ ٹی کی بھرپور سرگرمیاں' یہاں مافیا کی ترقی میں رکاوٹ بنی رہی ہیں لیکن اب شاید حالات میں تبدیلی رونما ہونے لگی ہے۔"

"یہ تم کس بنا پر کہہ سکتے ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے۔ انہوں نے پولیس کی تحویل سے غلام رسول کو حلوہ کھلانے کے لئے اغوا نہیں کیا ہوگا۔ ان کے کچھ نہ کچھ پوشیدہ عزائم رہے ہوں گے۔ اب شری مان سنگھ نے ان کا قصہ چھیڑ کر بات واضح کردی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان پہلے سے براہِ راست یا بالواسطہ خفیہ مراسم رہے ہیں اور ان ہی کی بنا پر شری مان سنگھ غلام رسول کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

وہ موضوع بہت حسّاس اور سنگین تھا اس لئے ظفر کے ذہن میں بھانت بھانت کے سوالات پیدا ہورہے تھے۔ وہ سارے معاملات بظاہر ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن اندرونِ خانہ ان سب کا محور ایک ہی تھا۔ پیشہ ورانہ رقابتوں اور دشمنیوں سے قطع نظر ان سب کا مقصد ایک ہی نظر آرہا تھا۔

ٹی بظاہر امریکی معاشرے کو ہیروئن کی یلغار سے بچانے کے لئے وجود میں لائی گئی تھی اور اس کا سربراہ براہِ راست امریکی صدر کو جواب دہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ اچھوتی راہ نکالی تھی کہ ایک طرف ریاستی دباؤ کے ذریعے پاکستان میں افیم کی پیداوار کو ناقابلِ ذکر سطح تک گرانے کا بندوبست کرلیا گیا تھا اور دوسری طرف پاکستان میں ہیروئن کی طلب بڑھانے کے منصوبے پر کام شروع کردیا گیا جس کے نتیجے میں یہاں پیدا ہونے والی افیم مقامی منڈی کی ضروریات کے لئے ہی کم پڑنے لگی۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے افغانستان سے دساور اسمگل ہونے والی ہیروئن کی بھاری مقدار پاکستان ہی میں کھپنے لگی۔ اس مقصد کے حصول کے دوران ٹی کو اتنا اثرورسوخ اور سرمایہ حاصل ہوگیا کہ وہ دوسرے معاشرتی اور سیاسی جرائم میں بھی دخیل ہونے لگی۔ مہلک ہتھیاروں کی غیرقانونی تجارت میں اس نے ایک اہم مقام حاصل کرلیا۔ ایک طرف اس کے ملک کے سفارت کار پاکستان میں سازشوں کی آبیاری کرنے میں لگے ہوئے تھے اور بھارتیوں کے ہاتھ مضبوط کررہے تھے تو دوسری طرف ٹی ناجائز ذرائع سے ان کے لئے ہتھیار وغیرہ فراہم کرنے کی ذمے داری قبول کرچکی تھی۔

ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے سفارت خانوں نے ٹی کے ساتھ مل کر ایک خوفناک تکون بنالی تھی اور اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے ذریعے الحدید پر ہاتھ نہ ڈالا جاتا تو ملک میں ایک بہت بڑی تباہی پھیل سکتی تھی۔

اس پورے کھیل میں مافیا ابتدا ہی سے ٹی کی ایک کمزور حریف ثابت ہوتی چلی آئی تھی۔ ان دونوں مجرمانہ تنظیموں کے مقاصد میں دور دور تک کوئی ہم آہنگی نہیں تھی لیکن غلام رسول کا معاملہ سامنے آتے ہی مافیا بھی پہلے سے قائم اس تکون میں شامل ہوگئی۔

بظاہر وہ سب ایک دوسرے سے الگ اور مختلف اکائیاں تھیں لیکن پاکستان کو ہر اعتبار سے نقصان پہنچانے کے معاملے پر ان میں مکمل اتفاقِ رائے پایا جاتا تھا۔

ظفر کے ذہن میں ان حوالوں سے متعدد سوالات جنم لے رہے تھے اور میں ان کے جوابات بھی دے رہا تھا لیکن میرا ذہن اس سے آگے تک الجھا ہوا تھا۔

ظفر کی معلومات مجھ سے کہیں کم تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ بُدر مافیا کی ہدایت پر غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے نکالا گیا تھا اور اسے جلد از جلد پاکستان سے نکال کر بھارت پہنچانے کا پروگرام طے ہوچکا تھا۔ سیٹھ حبیب جیوانی نے وہ کام میرے ذمے ڈالا ہوا تھا اور میں اس کی انجام دہی میں بے پروائی برت رہا تھا لیکن شری مان سنگھ کی تازہ ترین گفتگو سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ ان لوگوں کو ہر بات کا پیشگی علم تھا۔

اسے معلوم تھا کہ غلام رسول بدر مافیا کے قبضے میں تھا۔ اس موذی سیاست داں کی منتقلی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے بھارتی حکام اضطراب کا شکار ہورہے تھے۔ اسی دوران میں دیرا کی بدنیتی کی وجہ سے غزالہ کی بازیابی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا اور یوں شری مان سنگھ کو مجھ سے غلام رسول اور مافیا کے معاملات پر بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ مافیا سے میرے تعلق سے بے خبر تھا لیکن جو لوگ بدر مافیا تک رسائی رکھتے تھے، ان کے لئے ایسی باتیں جان لینا مشکل نہیں تھا۔

غلام رسول کو حاصل کرنے کے لئے بھارتیوں کے اضطراب کی وجہ سے اس امر کا امکان بھی پایا جاتا تھا کہ اگر میں شری مان سنگھ کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیتا تو وہ لوگ اپنے ذرائع سے دوسرے مؤثر روابط تلاش کرسکتے تھے جو میری بے خبری میں اپنا ہدف حاصل کرسکتے تھے۔

"تم مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کا ٹھکانا بتاؤ!" آخر کار ظفر نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا "میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر سب کچھ اگلوالوں گا۔"

"یہ نام مجھے شری مان سنگھ نے ہی بتایا تھا۔ اس کا ٹھکانا مجھے نہیں معلوم۔"

"شری مان سنگھ نے تمہیں اس سے رابطہ کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تو بتایا ہوگا؟"

"سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بتاتے ہی وہ تمہاری غلیل کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ بہت اہم بات تھی لیکن بدقسمتی سے مجھے یاد رہی نہ اسے دھیان آیا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ شری مان سنگھ کی حد تک میرا وہ بیان سو فیصد سچائی پر مبنی تھا۔

"پھر تم اس سے فون پر بات کرو" ظفر کی آنکھوں سے فکر مندی جھانکنے لگی "باقی معاملات تو چلتے ہی رہیں گے لیکن جو شکار سامنے ہے اسے مار لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"اگر تم مُصر ہو تو میں شری مان سنگھ سے حبیب جیوانی کا کوئی سراغ حاصل کرکے تمہیں مطلع کردوں گا لیکن میں پھر کہہ رہا ہوں کہ بھرپور تیاری کے بغیر ہمارا کوئی بھی اقدام ناکامی سے دوچار ہوسکتا ہے اور مافیا والے ایک بار ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر نکل گئے تو ان پر دوبارہ ہاتھ ڈالنا مشکل ہوجائے گا۔"

اسی لمحے اطلاع ملی کہ ہمارے ہوٹل کی طرف بھیجا جانے والا شخص واپس آچکا ہے۔

دیرا اور جہانگیر کے بیٹے کی تلاش کے سلسلے میں دیرا کی تصاویر بہت اہم تھیں اور شاید ہم تینوں ہی ان کے منتظر تھے کیونکہ ہم نے فوراً ہی اپنی گفتگو ختم کردی اور آنے والے کو وہیں طلب کرلیا۔

وہ میری نشان دہی کے مطابق میرے ہوٹل سے وہ بریف کیس تو لے آیا تھا جس میں دوسری تصاویر کے لفافے میں ہی دیرا کی متعدد تصاویر موجود تھیں لیکن اسی کے ساتھ اس نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں بھی خبر سنائی جو پچھلے بیس گھنٹوں سے ہوٹل میں میرا انتظار کررہا تھا۔

"بیس گھنٹوں سے انتظار کررہا ہے؟" ظفر نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں، اس کی حالت خاصی ابتر تھی۔ بے خوابی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ وہ بہت پریشان نظر آرہا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ میں اس کمرے سے کچھ لینے آیا ہوں تو وہ میرے پیچھے پڑگیا۔ اس نے بہت خوشامدیں کیں کہ میں اسے ان کا پتا بتادوں یا ان تک پہنچادوں" اس شخص نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں بہت مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔"

"لیکن وہ کون ہے اور اسے ڈینی سے ایسا کون سا کام درپیش ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"اپنا نام شیر شاہ خان بتا رہا تھا۔ کام کے بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔ کہہ رہا تھا کہ کام کے بارے میں وہ تنویر صاحب ہی سے بات کرے گا۔"

اس کی باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں اس ہوٹل میں تنویر کے نام سے ہی ٹھہرا تھا اور شیر شاہ اس ہوٹل سے واقف تھا۔ میرے لئے فکر کی دو باتیں تھیں۔ اول تو ظفر مجھ سے شیر شاہ کے بارے میں استفسار کرتا، دوم مجھے یہ تشویش لاحق تھی کہ شیر شاہ کو مجھ سے ایسا کون سا کام آپڑا تھا جو وہ بیس گھنٹے سے وہاں بیٹھا میرے انتظار کی کڑی مشقت جھیل رہا تھا۔

سلطان شاہ، شیر شاہ کا نام سنتے ہی معاملے کی سنگینی کو بھانپ گیا تھا اس لئے اس نے گفتگو میں حصہ لینے کے بجائے تصاویر کے لفافے میں سے دیرا کی واضح تصاویر چھانٹنی شروع کردیں۔

"یہ شیر شاہ کون ہے؟" اپنے آدمی کی کہانی سننے کے بعد ظفر میری طرف متوجہ ہوگیا۔

میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے اپنے آدمی کی روانگی تک خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا "ایک جرائم پیشہ شخص ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ اسے مجھ سے کیا کام آپڑا ہے۔"

ظفر مجھے گھور کر رہ گیا اور میں بے پروایانہ انداز میں تصاویر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اس ڈھیر میں سے تین تصاویر منتخب کرکے ظفر نے اپنے مزید آدمیوں کو طلب کیا اور دو نفری دو ٹولیاں بنانے کے بعد وہ تصاویر ان کے حوالے کردیں۔

ان میں سے ایک جماعت کو ہوٹل میٹروپول میں دیرا کی موجودگی کا سراغ لگانا تھا جب کہ دوسری ٹولی کو شہر کے معروف چائلڈ کیئر سینٹرز میں جاکر یہ معلوم کرنا تھا کہ دیرا نے جہانگیر کے بیٹے کو ان میں سے کسی ادارے میں داخل نہ کرایا ہو۔ ظفر سے ہدایات لیتے ہی وہ چاروں افراد فوراً چلے گئے۔

"ہاں، اب بتاؤ کہ یہ شیر شاہ کا کیا چکر ہے؟" ان کے جاتے ہی ظفر نے سوال کیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور کہا "میرا خیال ہے کہ شیر شاہ مافیا کے لئے کام کرتا ہے۔ آج کل میں اسے دانہ ڈال رہا ہوں۔"

"پھر تو اس کی آمد بہت اہم ہوسکتی ہے۔ تمہیں فوری طور پر اُس سے رابطہ کرنا چاہئے" وہ بولا۔

"میری کوشش یہی ہوگی۔ تمہارے آدمی کے بیان کے مطابق وہ اب بھی ہوٹل ہی میں جما ہوا ہے۔ میں وہیں جاکر اُس سے بات کروں گا" میں نے کہا۔

"تم اسے فون بھی کرسکتے ہو" ظفر نے تجویز پیش کی "تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو اسے اٹھا کر یہاں بھی لایا جاسکتا ہے۔ میرا آدمی اسے دیکھ ہی چکا ہے۔"

"بات میرے اعتراض کی نہیں، اس کی سلامتی کی ہے" میں نے قدرے چڑ کر کہا "اسے آنا ہی ہوتا تو وہ تمہارے آدمی کے ساتھ ہی آسکتا ہے۔ مافیا والوں کو بھنک بھی مل گئی کہ وہ ان کے خلاف کسی جوڑ توڑ میں شریک ہے تو وہ اس کی کھال کھینچ ڈالیں گے۔ اس کا مافیا میں رہنا خود ہمارے مفاد میں ہے۔ اسے کھودینے کے بعد ہم معلومات حاصل کرنے کے ایک بااعتماد ذریعے سے محروم ہوجائیں گے۔"

"لیکن اس سے حبیب جیوانی کے بارے میں ضرور معلوم کرنا" ظفر نے تاکید کی "اس کے بارے میں ہمیں کھوج نکالنا ہوگا۔ موذیوں کی ٹولی میں سے کوئی ایک بھی بچ نکلا تو ہم چین سے نہیں بیٹھ سکیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ان لوگوں کے بارے میں، مَیں اپنی ذمے داریوں کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔ شری مان سنگھ کے مطالبے کے بعد میں شیر شاہ سے کھل کر بات کرسکوں گا۔"

شیر شاہ سے ملاقات کے لئے جانے میں میرے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ مافیا میں براہِ راست ماتحت تھا لیکن ظفر کی نظروں میں میرے لئے خطرات پیدا ہونے کا امکان تھا کیونکہ وہ اندر کی باتوں سے بے خبر تھا اور شیر شاہ کو میرا مخبر سمجھ رہا تھا۔

ظفر میں خرابی یہ تھی کہ اپنے پیشے کی وجہ سے وہ نکیلے اور کاٹ دار انداز میں بات کرنے کا عادی تھا اور اپنے نپے تلے سوالات سے مخاطب کو چونکا دینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا تھا لیکن کم از کم میری حد تک اس میں ایک بڑی خوبی بھی تھی کہ میں اس سے جو کچھ کہہ دیتا تھا وہ اس پر پوری طرح اعتبار کرلیتا تھا۔ اس وقت شیر شاہ کے بارے میں بھی بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ مُصر تھا کہ مجھے حفاظتی تدابیر کے ساتھ ہوٹل کا رخ کرنا چاہئے۔ شیر شاہ وہاں تک پہنچ چکا تھا تو اس کے دیگر ساتھی بھی اس کے پیچھے لگ کر وہاں آسکتے تھے۔ میرے نمودار ہونے پر ان کی طرف سے کوئی جارحانہ پیش قدمی ہوتی تو میرے لئے گلوخلاصی کے راستے بند ہوجاتے۔ میں دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے اندیشے بے بنیاد تھے لیکن اس کی دلجوئی کے لئے مجھے اس کا مشورہ قبول کرنا پڑا۔

سلطان شاہ کو بہرحال میرے ساتھ جانا تھا۔ وہ پہلے سے مسلح تھا اس لئے میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے صرف ایک آدمی کو اپنے ساتھ لینے پر اکتفا کیا۔ اسے جیپ کے ڈرائیور کے طور پر میرے ساتھ جانا تھا۔ ظفر کے دعوے کے مطابق ضرورت پڑنے پر وہ ڈرائیور ایک بے جگر لڑاکا اور سچا نشانے باز ثابت ہوسکتا تھا مگر میرے لئے اس کے وہ خواص غیر اہم تھے۔

ظفر کے آدمی کے بیان کے مطابق شیر شاہ وحشت زدہ حالت میں ہوٹل ہی میں موجود تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی جھلک دیکھتے ہی وہ بے تابانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے آدمی کو باہر کی نگرانی کے بہانے ہم نے جیپ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

شیر شاہ بہت زیادہ پریشان اور گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے ہم سے ملتے ہی رازدارانہ لہجے میں اپنی کتھا شروع کرنی چاہی لیکن میں نے اشارے سے اسے روک دیا۔

"بابو! اپنے بندوں کو کیوں تڑپاتے ہو؟" ہوٹل کے مُنہ پھٹ استقبالیہ کلرک نے وہ منظر دیکھ کر مسکراتے ہوئے فقرہ کسا۔ "ایسی بے قراری تو لیلیٰ کو مجنوں کے لئے بھی نہیں ہوتی ہوگی۔"

"اگر دونوں کے درمیان تمہارے جیسا کوئی الو کا پٹھا موجود ہوتا تو وہ اس سے زیادہ حماقتیں بھی کرسکتے تھے" میں نے خشک اور درشت لہجے میں اسے پھٹکار دیا اور اس کا مُنہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آؤ!" میں شیر شاہ کے شانے پر ہاتھ مارتا ہوا تیزی سے زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"چیف پاگل ہوا جارہا ہے، باس!" اس نے کمرے میں پہنچتے ہی اپنی کہانی شروع کردی "میں تمہارا سراغ لگائے بغیر اس کے پاس

واپس جاتا تو وہ بے دریغ مجھے گولی ماردیتا....."

"میرے بارے میں اسے یک بیک کیا تکلیف لاحق ہوگئی ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلتے ہوئے بولا "شاید غلام رسول کے بارے میں اس پر اوپر والوں کا شدید دباؤ ہے۔ وہ بار بار تمہارے اور اس کے بارے میں پوچھتا رہا ہے۔ دوسری طرف غلام رسول کی حالت خراب ہے۔ میرے سامنے اسے خون کی دو الٹیاں ہوچکی تھیں۔"

"کیا تم لوگوں نے اس پر کوئی تشدد کیا تھا؟" میں نے سرد لہجے مین پوچھا۔

"ہم نے تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ہمارے لئے وہ اپنا ہی آدمی ہے۔"

"پھر اسے خون کی الٹیاں کیوں ہورہی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"چیف کی ہدایت پر میں ڈاکٹر باری نامی ایک شخص کو ٹریڈ لائن کے دفتر لے گیا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ غلام رسول کے پھیپھڑوں پر زخم آئے ہوئے ہیں۔ شاید پولیس والوں نے اسے بے رحمی سے مارا پیٹا ہوگا۔ وہ لوگ قیدیوں پر اس طرح تشدد کرتے ہیں کہ ان کے جسم پر کوئی ضرب' زخم یا نشان نظر نہ آئے لیکن اندر سے ان کا بیڑا غرق ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر باری نے جب سے یہ بتایا ہے کہ غلام رسول کسی بھی وقت مرسکتا ہے' اسی وقت سے چیف کا دماغ الٹا ہوا ہے اور وہ تم سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔"

"اسے معلوم ہونا چاہئے کہ میں بھی کام میں مصروف ہوں' عیش نہیں کررہا۔"

"میں نے اسے بتایا تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ ویرا جہنم میں جائے۔ اس سے ہم کسی بھی وقت نمٹ سکتے ہیں۔ اس وقت غلام رسول کی روانگی سب سے اہم ہے۔ اگر وہ ہماری تحویل میں مرگیا تو اوپر والے ہم میں سے کسی کو معاف نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس سے جانے کے بعد وہ زندہ رہے یا مرے' کم از کم ہم پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔ اس نے یہ کام تمہارے حوالے کیا ہوا ہے اس لئے وہ تم ہی پر برس رہا ہے۔"

"وہ ہر کام میرے حوالے کردیتا ہے اور خود عیش کرتا رہتا ہے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "غلام رسول کی موت آہی گئی تو کوئی بھی اسے مرنے سے نہیں روک سکے گا۔ پتا نہیں چیف کیوں اتنا الجھ رہا ہے۔"

"شاید تم ہی اس سے کچھ پوچھ سکتے ہو۔ ہمیں تو وہ بات بات پر کھانے کو دوڑ رہا ہے۔"

"جاؤ' تم نیچے جاکر دھیان رکھو کہ ہوٹل کا آپریٹر ہماری گفتگو سننے کی کوشش نہ کرنے پائے' میں ابھی چیف سے فون پر بات کرتا ہوں" میں نے کہا۔

"بڑی عجیب اور ناقابلِ فہم خواہش ہے چیف کی!" شیر شاہ خان کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہا ہے۔"

"لیکن ابھی تو تم اسی بات پر برہم ہورہے تھے" وہ تنک کر بولا۔

"شیر شاہ کو کنفیوز کرنا ضروری تھا" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا۔

"اور اب تم شاید مجھے کنفیوز کررہے ہو۔ اس بات کی کیا اہمیت ہے کہ غلام رسول کس کی تحویل میں مرتا ہے؟ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے۔"

"وہ ہماری تحویل میں مرا تو خاموشی سے اس کی تدفین عمل میں آجائے گی اور یہ ثابت کرنا دشوار ہوگا کہ واقعی مافیا ہی نے اسے سرکاری تحویل سے نکالا ہے۔ وہ دورانِ سفر مرا تو یہ ایک بڑی خبر ہوگی۔ بھارتیوں کو یہ بتایا جاسکے گا کہ مافیا نے اسے پاکستان سے نکالا تھا لیکن اس کی زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی اور وہ دورانِ پرواز ہی مرگیا۔ ایسی صورت میں مافیا کو کچھ رعایتیں مل سکیں گی اور بھارتیوں کے ساتھ تعلقات میں بھی خاصی پیش رفت ہوسکے گی۔"

"پھر اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے اپنی کھوپڑی پر قابو رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت کچھ" میں نے کہا "لیکن اس پر عمل کرنے کا انحصار حبیب جیوانی کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب کھیل جلد ہی سمٹ جائے گا۔"

"تو پھر انتظار کس کا ہے؟ اسے فون کیوں نہیں کرتے؟" وہ غرایا۔

میں نے بستر کے سرہانے رکھے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ معاً مجھے ایس ٹی ایف کی جیپ میں موجود موبائل فون کا خیال آیا اور میں نے ہوٹل کے فون پر بات کرنے کا خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کرکے سلطان شاہ کو جیپ کی طرف دوڑا دیا۔

"شیر شاہ کو اوپر نہ بلانا!" میں نے اسے دروازے پر روک کر کہا۔ "اسے نیچے بیٹھا رہنے دو۔ میں اس کی عدم حاضری میں بات کرنی چاہتا ہوں۔"

چند ثانیوں میں ہی سلطان شاہ موبائل فون لے آیا۔ ان دنوں موبائل فون کی سہولت عام نہیں ہوئی تھی اور وہ عوام و خواص میں عجوبہ تصور کیا جاتا تھا لیکن ایس ٹی ایف نے اپنے ذرائع سے اس سہولت پر دسترس حاصل کی ہوئی تھی۔

فون پر میری آواز سنتے ہی سیٹھ حبیب جیوانی ایک دم پھٹ پڑا۔ میں نے چند ثانیوں تک خاموش رہ کر' اسے اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کا موقع دیا۔ جس سے اس نے پوری طرح استفادہ کیا۔

کچھ دیر تک یک طرفہ بکواس کرنے کے بعد وہ آخر کار میری مسلسل خاموشی سے بھنا گیا۔

"آخر تم بولتے کیوں نہیں؟ کیا میں بلاوجہ بھونکے جارہا ہوں؟" اس کی برہم آواز ابھری۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں' چیف!" میں نے معصومیت سے کہا۔ "تم مجھے بولنے کا موقع ہی کب دے رہے ہو؟ تمہارا غصہ کچھ کم ہو تو میں اپنی کتھا شروع کروں۔"

"اب چپ کیوں ہوگئے؟" اس کی غراہٹ ابھری "کیا مجھے اپنی خاموشی کا اعلان کرنا پڑے گا۔"

"میں ویرا کے ساتھ غلام رسول والے معاملے پر بھی کام کرتا رہا ہوں" میں نے کہا "اسے ملک سے باہر نکالنا بہت مشکل نظر آرہا ہے کیونکہ اس کی تصاویر ملک کی تمام سرحدوں اور بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر پہنچادی گئی ہیں۔ وہ جدھر بھی گیا' فوراً ہی دھرلیا جائے گا....."

"اور اتنی سی بات تک پہنچنے کے لئے تم جھک مارتے پھر رہے تھے؟" میری بات کاٹ کر اُس کی زہریلی آواز گونجی۔

"تم سے بات کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ میں اب تک واقعی جھک مارتا رہا ہوں' اس لئے اب میری بات چھوڑو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں' کیونکہ بیورو چیف تم ہی ہو" میں نے قدرے توقف کے بعد سرد لیکن مہذب لہجے میں کہا۔ اس کی تلخ کلامی سے میرا دماغ واقعی سنک گیا تھا۔

میری بات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا اور اس نے بھانپ لیا کہ اس کا لب ولہجہ مجھے پسند نہیں آیا تھا کیونکہ اس نے فوراً ہی نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا تھا "تم بات سمجھنے کی کوشش کرو! سوچنے سمجھنے کا وقت ہم گنوا چکے ہیں اور اب عمل کا وقت آچکا ہے۔ غلام رسول کسی بھی وقت جہنم واصل ہوسکتا ہے۔ ہمارے بڑوں کو ہمارے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ غلام رسول کو فوری طور پر یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ اس کے بعد وہ زندہ رہے یا مرے' یہ اُن کا مسئلہ ہوگا۔"

"شاید انہوں نے تمہارے ساتھ خاصا درشت رویّہ اختیار کیا ہوا ہے۔ کیونکہ تم ذہنی یکسوئی سے محروم معلوم ہورہے ہو اسی وجہ سے بار بار بھڑک رہے ہو" اسے مصالحت اور نرمی پر آمادہ پاکر' میں نے رگیدنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اوقات مل جانے کے بعد وہ راہِ راست پر آگیا "آج میرے پاس دو مرتبہ ڈان تھری کی کال آچکی ہے۔ تیسری کال آنے سے پہلے میں غلام رسول سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ صرف میرا نہیں' ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ حراست میں غلام رسول کے ساتھ بہت زیادہ بدسلوکی کی گئی ہے اور اس کی حالت کسی بھی وقت بگڑ سکتی ہے جب کہ ہمارے گرد مجبوریاں پھیلتی جارہی ہیں اسی لئے میں نے ایک اور لائن پر کام شروع کردیا تھا جس کے کچھ نتائج سامنے آچکے ہیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کررہے ہوگے" اس کی اضطراری آواز ابھری "لیکن تم سے کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ میرے پاس ڈان تھری کو سنانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی اس لئے میں اس کی جھاڑ کھانے اور معذرت کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ تم کس لائن پر کام کررہے ہو؟ اس کے نتائج کیا ہیں؟"

"نتائج تسلی بخش بلکہ حوصلہ افزا کہے جاسکتے ہیں" میں نے اس مردود کے اعصاب سے کھیلنے کی نیت سے بات کو طول دیتے ہوئے کہا "ڈان تھری کو سمجھنا چاہئے کہ ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنی پوری صلاحیت سے کام لے رہے ہیں....."

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو!" اس نے بے صبری کے ساتھ ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "اوپر والے سب ہی پکے حرامی اور اول درجے کے کام چور ہوتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں کی مجبوریوں کا کوئی خیال کئے بغیر مشکل سے مشکل کام ان پر لاد دیتے ہیں اور پھر سر پر سوار ہوجاتے ہیں....."

اس بار میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور معنی خیز لہجے میں کہا "یہ نہ بھولو' چیف کہ تم بھی میرے اوپر والے ہو۔ شاید سب اوپر والے ایسے نہیں ہوتے!"

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے ڈینی!" اس کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میری نوک جھونک سے زچ آگیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے جلد از جلد کام کی بات بتاؤ۔ مذاق بعد میں ہوتا رہے گا۔"

"بھارتی حکومت غلام رسول کی ذات میں گہری دلچسپی لے رہی ہے اس لئے میں نے ان کے سفارتی عملے سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو بار آور ثابت ہوئی اور وہ غلام رسول کو اپنی تحویل میں لینے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ انہیں ہماری مشکلات کا بخوبی اندازہ ہے۔"

"تمہاری ملاقات کس سے ہوئی ہے؟" اس کی آواز سے بے تابی جھلک رہی تھی۔

"میں خود اس کے نام اور چہرے سے لاعلم ہوں" میں نے جھوٹ بولا۔

"لیکن اس کا کوئی نہ کوئی عہدہ تو ہوگا۔ تمہاری کس سے اور کس حوالے سے بات ہوئی تھی؟" وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ جان لینے کے لئے بے چین ہوا جارہا تھا۔

"یہ لمبی کہانی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں ان سے ابھی بات کروں تو وہ اسی وقت غلام رسول کو لینے کے لئے آجائیں گے" میں

نے جزئیات میں الجھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن واضح شناخت کے بغیر اتنے اہم معاملے میں اندھا جوا نہیں کھیلا جاتا۔"
"یہ اندھا جوا نہیں ہے۔ میں جو کچھ کروں گا' یقین ہونے کے بعد ہی کروں گا۔"
"وہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔ تمہارے اعتماد کی بنیاد کیا ہے؟"
"کراچی میں ان کے کونسلیٹ کا ایک سینئر افسر درمیان میں ہوگا۔ اس کا نام شری مان سنگھ ہے اور میں اسے ذاتی طور پر پہچانتا ہوں" میں نے کہا۔
"اس معاملے میں مجھے دخل دینے کی ضرورت تو نہیں پڑے گی؟"
"میرا خیال ہے کہ میں خود ہی یہ معاملہ نمٹالوں گا۔ مجھے بس تمہاری اجازت کی ضرورت ہے" میں نے کہا "تمہارے دخل انداز ہونے کی صورت میں یہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"
"ٹھیک ہے!" اس کی آواز سے اطمینان مترشح تھا "اب ڈان تھری کا فون آیا تو میں اس سے کم از کم یہ تو کہہ سکوں گا کہ ہماری شری مان سنگھ سے بات چل رہی ہے' ابھی تک تو خود میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہو۔"
"میرا خیال ہے کہ ڈان کا تیسرا فون آنے سے پہلے یہ قصہ نمٹ چکا ہوگا۔"
"اچھی خبر سنانے کے لئے تم مجھے گہری نیند سے بھی جگا سکتے ہو۔ رات کو میں فون اپنی خواب گاہ میں ہی رکھتا ہوں' میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔"
"نیند میں دعا نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "خمار آلود دعائیں راستے سے ہی لوٹ آتی ہیں۔"
"تم کسی بھی وقت بدمعاشی سے باز نہیں آتے" حبیب جیوانی کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن پر سناٹا چھا گیا اور میں نے بھی موبائل فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
"تو کیا تم واقعی غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہو؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ جھاڑ کے کسی کانٹے کی طرح مجھ سے الجھ پڑا۔
"مجبوری ہے۔ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔"
"میرا خیال تھا کہ تم غزالہ بھابی کے لئے اس حد تک ہرگز نہیں جاؤ گے" وہ ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"ابے' یہ غزالہ کی وجہ سے نہیں ہوگا" میں دانت پیس کر بولا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ صرف ملا سرکار کی موت کی اطلاع دے کر بھی شری مان سنگھ کو غزالہ کی واپسی پر آمادہ کرسکتا ہوں۔"
"پھر اب غلام رسول کو ان کے حوالے کرنے کی کیوں سوجھ رہی ہے؟"
"اس لئے کہ یہ مافیا بلکہ سیٹھ حبیب جیوانی کی مجبوری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ غلام رسول خود قریب المرگ ہے۔ وہ ہماری تحویل کے بجائے بھارتیوں کے قبضے میں مرگیا تو کون سی قیامت آجائے گی؟ اپنی موجودہ حالت میں وہ ان کے کسی بھی کام نہیں آسکے گا۔"
"یہ تمہاری خوش خیالی ہے۔ کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" اس نے کہا۔
"ہائیں' ہائیں!" میں نے حیرت سے آنکھیں نکال کر کہا "تم اتنی بامحاورہ اردو کب سے بولنے لگے؟"
"کہیں سنی ہوئی کہاوت یاد آگئی تھی" وہ بے پروائی سے بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھو کہ کوئی بھی ڈاکٹر زندگی اور موت کے معاملے پر اتھارٹی نہیں ہوسکتا۔ میں ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہوں جنہیں ڈاکٹروں نے چند روز کا مہمان قرار دے دیا تھا لیکن وہ برسوں گزر جانے کے باوجود زندہ اور صحت مند ہیں۔"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی بحث سے زچ ہو کر پوچھا۔
"میری لغت میں قریب المرگ کا لفظ سرے سے نہیں ہے۔ آدمی زندہ ہوتا ہے یا مردہ اور جب تک اس کے جسم سے آخری سانس بھی نہ نکل جائے وہ زندہ ہی رہتا ہے اور کہلاتا ہے۔ تم غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرکے ایک سنگین غلطی کررہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دو روز میں ہی اس کی حالت سنبھلنی شروع ہوجائے اور بھارتیوں کو اس کے ذریعے اپنا گندہ کھیل آگے بڑھانے کا موقع مل جائے۔ اس وقت تم اپنے غلط فیصلے پر پچھتانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکو گے۔"
"اگر اندرونی ضربات کی وجہ سے اس کے پھیپھڑے زخمی ہوگئے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچاسکے گی" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "ایسا ہی ہے تو ہم بھی اسے شری مان سنگھ کے حوالے کرنے سے پہلے اچھی طرح ٹھونک بجالیں گے۔ اس وقت ہمیں مافیا میں اپنا وجود برقرار رکھنا ہے۔ اگر ہم نے یہ وقت گنوادیا تو ڈان تھری مجھ سے بدظن ہوجائے گا۔ آج میں نے یہ معاملہ دبالیا ہے لیکن کسی نہ کسی وقت مافیا والوں پر یہ بات کھل سکتی ہے کہ شری مان سنگھ نے غلام رسول کے حصول کے لئے خود مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اس وقت میرے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی عذر نہیں ہوگا اور مافیا والے مجھے بری طرح رگید کر رکھ دیں گے۔"
"اس کا سب سے آسان راستہ یہ ہے کہ تم ظفر کو اعتماد میں لے کر اسے مافیا کے بارے میں سب کچھ بتادو۔ اس کی اسپیشل ٹاسک فورس ٹریڈ لائن پر چھاپا مار کر نہ صرف غلام رسول کو برآمد کرلے گی بلکہ حبیب جیوانی اور اس کے تمام گرگے بھی پکڑلئے جائیں گے۔"
"تم یہ بات بھول رہے ہو کہ شری مان سنگھ نے غزالہ کی رہائی کے لئے دو شرائط عائد کی ہیں۔ اگر غلام رسول کو ایس ٹی ایف والے پکڑلیتے ہیں تو یہ باب بند ہوجائے گا اور شری مان سنگھ صرف ملا سرکار کے بارے میں خبر ملنے کے بعد غزالہ کو آزاد نہیں کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی نئی شرط زیادہ کڑی اور ناقابل قبول ہو۔ جب تک غزالہ اس کے قبضے میں ہے ہم اندھا دھند کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"
مایوسی سے سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا اور وہ بحث وہیں ختم ہوگئی۔
میں نے فوراً ہی شیر شاہ کو اوپر بلا کر ٹریڈ لائن جانے کی ہدایت کی۔ میں نے اسے بتادیا کہ میری چیف سے بات ہوگئی تھی اور غلام رسول کے بارے میں کسی بھی وقت کوئی پیش رفت ہوسکتی تھی۔ اس لئے اسے اپنے آدمیوں کو ہر وقت تیار رکھنا تھا۔
"میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ٹل گیا" اس نے جاتے ہوئے کہا "جب تک تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی' اس وقت تک مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔"
میں نے اس کے جاتے ہی سلطان شاہ کو بھی اس کے پیچھے روانہ کردیا تاکہ وہ اس امر کا اطمینان کرلے کہ شیر شاہ واقعی وہاں سے چلا گیا ہے۔ اگر وہ باہر چھپ کر ہماری روانگی کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا تو اس کے ذہن میں شبہات جنم لے سکتے تھے۔ ایس ٹی ایف کی چمکتی دمکتی ہوئی جیپ پر عام شہری نمبر پلیٹ تھی لیکن وہ ہارڈ ٹاپ جیپ اپنی سج دھج کے اعتبار سے بادی النظر میں کسی دفاعی ادارے سے وابستہ معلوم ہوتی تھی۔ ہمیں اس میں سوار ہوتا دیکھ کر' شیر شاہ اس وہم کا شکار ہوسکتا تھا کہ آخرکار ہم نے فوجی حکام سے تعاون کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کی یہ غلط فہمی میرے لئے بہت خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اس سے پہلے مجھے اپنی ذرا سی بے احتیاطی کی وجہ سے سینڈو جیسے دلیر اور جاں نثار ماتحت کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا پڑگیا تھا۔ وجہ صرف اتنی سی تھی کہ اس نے مجھے ڈیفنس کے اس غیر آباد علاقے میں جہاں سے بعد میں حبیب جیوانی کی بیوی' مریم کی لاش دریافت ہوئی تھی' جاتے اور پھر تیزی سے واپس لوٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی کسی لغزش کی وجہ سے مجھے سینڈو کے بعد شیر شاہ کے ساتھ بھی وہی سفاکانہ کہانی دہرانے کی ضرورت پیش آئے۔
سلطان شاہ کے چلے جانے کے چند ثانیوں بعد میں بھی اپنا کمرا خالی کرکے نیچے آگیا۔ ایک بار منہ توڑ جواب مل جانے کے بعد اس بار منہ پھٹ استقبالیہ کلرک نے نہایت ادب اور خاموشی کے ساتھ میرا حساب بنا کر میرے سامنے رکھ دیا تھا۔

○☆○

میں نے غلام رسول کے بارے میں سیٹھ حبیب جیوانی سے کھلی اجازت لے لی تھی لیکن شری مان سنگھ سے بات کرنے سے پہلے میں ظفر سے مشورہ کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اپنی دوسری فون کال کو اسٹیشن فورد واپسی تک مؤخر کردیا تھا۔
جس طرح میں نے اپنی اور شری مان سنگھ کی ملاقات کے اصل پس منظر کو حبیب جیوانی سے پوشیدہ رکھتے ہوئے اسے صرف کلیدی باتوں سے آگاہ کیا تھا اسی طرح میں نے ظفر کو بھی اپنی اور حبیب جیوانی کی اصل گفتگو سے بے خبر رکھتے ہوئے صرف اتنا بتایا کہ شیر شاہ کے ذریعے مافیا والے اس امر پر آمادہ ہوگئے تھے کہ میں ان کی طرف سے غلام رسول کو بھارتیوں کے حوالے کردوں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ مافیا والوں کی فوری آمادگی کا سبب یہ تھا کہ وہ خود بھی غلام رسول کو سرحد پار پہنچانے کے لئے کوشاں تھے لیکن بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے مجبور تھے۔ میری تجویز نے ان کا کام آسان کردیا تھا۔ سرحد پار نہ سہی' سرحد میں ہی غلام رسول کو بھارتیوں کے حوالے کرنا ان کے مقاصد کے عین مطابق تھا۔
میں ہوٹل میں سلطان شاہ کی کٹھ حجتی بھگت چکا تھا اس لئے میں نے پیش بندی کے طور پر ظفر کو یہ بھی بتادیا کہ غلام رسول کی حالت بہت ابتر تھی اور وہ چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند دنوں کا مہمان تھا اس لئے ہم کوئی خطرہ مول لئے بغیر اسے شری مان سنگھ کے حوالے کرسکتے تھے۔ لیکن ظفر اس معاملے میں سلطان شاہ سے زیادہ سخت ثابت ہوا۔
وہ غلام رسول کو کسی بھی قیمت پر شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کے خلاف تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے وہی دلائل دہرائے جن کے سہارے میں سلطان شاہ کو لاجواب کرچکا تھا لیکن ظفر کے بشرے پر پھیلی ہوئی سختی میں ذرا سی بھی نرماہٹ پیدا نہیں ہوسکی۔
"میں تمہاری ہر بات مانتا ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "غلام رسول کے پھیپھڑے ہی نہیں بلکہ دوسرے اعضائے رئیسہ بھی زخمی ہوسکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تھرڈ ڈگری کا نشانہ بننے والے بہت کم زندہ بچتے ہیں۔ زندہ بچ بھی جائیں تو عمر بھر کے روگی بن جاتے ہیں مگر ہمیں پھر بھی کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہئے۔ ایسے نازک اور پیچیدہ معاملات میں غلط فیصلے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔"
"ایک بار غلام رسول کی موت واقع ہوگئی تو بھارتی کیا کرسکیں گے؟"
"تم زندہ غلام رسول کی بات کررہے ہو' میں تو اس کی لاش بھی بھارتیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہوں گا۔ تم را کو نہیں جانتے۔ اس میں ایک سے ایک سؤر دماغ پل رہا ہے۔ وہ لوگ رائی کا پہاڑ بنالینے میں مہارت رکھتے ہیں اور میں انہیں رائی فراہم نہیں کرنا چاہتا۔"
"آخر کچھ تو پتا چلے کہ تمہارے ذہنی تحفظات کیا ہیں؟" میں نے تنگ آکر کہا۔

"غلام رسول زندہ رہے یا مرجائے' وہ اسے ایک بار اپنی سرزمین پر ضرور لے جائیں گے اور عالمی اخبارات اور نشریاتی اداروں کے گھاگ نمائندوں کی بھیڑ میں اس کی نمائش کریں گے۔ وہ زندہ رہا تو اس سے کوئی زہریلا بیان دلوائیں گے۔ اور وہ مرگیا تو اسے شدید بیمار ظاہر کرکے اس کی لاش دکھائیں گے۔ پھر لاش غائب کردی جائے گی۔ اس پر بہیمانہ اور غیر انسانی تشدد کی کہانیاں تراش کر اس کی بدترین علالت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا اور وہ لوگ اس کی موت کا راز چھپا کر' اس کے نام سے ایک گھناؤنی مہم کا آغاز کردیں گے جس کا کوئی توڑ نہیں کیا جاسکے گا۔ ہمارے ملک میں موجود عناصر غلام رسول کے نام سے چلائی جانے والی اس مہم کو خوب اچھالیں گے جس کے نتیجے میں حالات کوئی بھی خطرناک موڑ لے سکتے ہیں۔"

ظفر کی باتیں سن کر میرا دماغ چند لمحوں کے لئے سن ہو کر رہ گیا۔

سلطان شاہ کی سطحی بحث کے برعکس' ظفر نے بالکل ہی نئی اور چونکا دینے والی بات کی تھی جو بہت زیادہ قرین قیاس تھی اور میرے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

"مردہ باغیوں کو زندہ قرار دے کر ان کے نام سے مہم جوئی کا امکان تمہارا قیاس ہے یا کبھی ایسا ہو بھی چکا ہے؟" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں ظفر سے سوال کیا۔

"دنیا کے مہذب ملکوں میں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ تیسری دنیا کے کئی ممالک میں مقبول عام سربراہان حکومت کی ناگہانی موت کو لوگوں سے کئی کئی دن تک پوشیدہ رکھنے کی کوششیں کی جاچکی ہیں تاکہ ملک کو بدامنی اور خانہ جنگی سے بچا کر متبادل حکومتیں بنائی جاسکیں۔ لیکن بھارتی حکومت بدنیتی کے ساتھ کئی بار ایسے ڈرامے کرچکی ہے۔ ناگا اور میزو قبائل کے علاوہ سکھوں کو اس بارے میں تلخ تجربات ہوچکے ہیں۔ بھارتی حکومت اپنے ہاتھ آئے ہوئے ہر کارڈ کو کھیلنے پر تلی رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس معاملے میں وہ ہم سے ذرا سی بھی رعایت سے کام نہیں لیں گے اور سندھ میں جلتی پر تیل چھڑکنے کی پوری کوشش کریں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہونا ہی چاہئے۔"

"یہ بہت الجھی ہوئی صورت حال ہے لیکن ہم سر جوڑ کر کوئی راہ نکال سکتے ہیں۔ اگر شری مان سنگھ نے غلام رسول کا معاملہ تمہارے سپرد نہ کیا ہوتا تو اس کا سیدھا سا حل یہ تھا کہ ہم مافیا والوں کو دھوکا دے کر غلام رسول کو ان کی تحویل سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیتے لیکن اب ایسا نہیں کیا جاسکتا۔"

اس معاملے میں غزالہ کی ذات ملوث تھی اس لئے میں بہت کمزور پوزیشن میں تھا۔ دوم یہ کہ ظفر کے دلائل نے مجھے بھارتیوں کی بدنیتی کے بارے میں قائل کردیا تھا اس لئے میں اس معاملے کا کوئی ایسا حل سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا جس میں غلام رسول زندہ یا مردہ ہماری ہی تحویل میں رہتا۔

"اس الجھن کا صرف ایک ہی حل ہے۔" خاصے طویل سکوت کے بعد سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کردیا جائے۔ اس طرح دو کام ہوجائیں گے وہ مافیا والوں کے خفیہ قید خانے سے باہر آجائے گا اور شری مان سنگھ کی بھی ایک شرط پوری ہوجائے گی۔ اسی کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کو حرکت میں لانا ہوگا۔ جوں ہی غلام رسول' شری مان سنگھ یا اس کے آدمیوں کے قبضے میں چلا جائے' فورس کے جوان چھاپا مار کر انہیں پکڑلیں۔ غلام رسول کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد وہ لوگ الزامات کے خلاف زیادہ مزاحمت نہیں کرسکیں گے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ظفر پُرخیال لہجے میں بولا۔ "اس طریقۂ کار کے پیچیدہ سیاسی اور سفارتی مضمرات بھی ہوسکتے ہیں اور عام طور پر ایسی کارروائیاں حکومت اور فارن آفس کی کلیئرنس کے بعد ہی کی جاتی ہیں لیکن ہم مقامی پولیس کو ساتھ لے کر یہ رسک لے سکتے ہیں۔"

"بنیادی طور پر یہ کارروائی شری مان سنگھ یا اس کے سفارتی عملے کے خلاف نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "غلام رسول ایک روپوش اشتہاری مجرم ہے۔ اگر اس کی بازیابی کی مہم میں کچھ اور لوگ بھی پکڑے جاتے ہیں تو اس پر حکومت یا فارن آفس کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"لیکن شری مان سنگھ نے غلام رسول کو اپنے دفتر پہنچانے کے لئے کہا تو بات بگڑ جائے گی۔" ظفر کارروائی کرنے سے پہلے کسی بھی پہلو کو نظرانداز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ "سفارتی عمارات میں مداخلت پولیس تو کیا فوج کے بھی بس سے باہر ہوتی ہے۔ سفارت خانے یا کونسلیٹ سے باہر ہم ہر کارروائی کرسکتے ہیں۔"

"یہ تو شری مان سنگھ سے بات کرنے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا کہ وہ کس مقام کا تعین کرتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس میں ہماری مرضی نہیں چل سکے گی۔"

مزید کافی بحث و تمحیص کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ شری مان سنگھ سے بات ضرور کرنی چاہئے۔ اس سے کوئی پروگرام طے کرلینے کے بعد ہی ہم اپنا لائحہ عمل تیار کرسکتے تھے۔

شری مان سنگھ کی بیوی ہماری قید میں تھی۔ وہ اپنی بیوی کی حد سے بڑھی ہوئی آزاد روی کی وجہ سے شدید ذہنی انتشار میں مبتلا تھا اس لئے غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنے مسائل سے نجات پانے کے لئے اپنا زیادہ وقت اپنی دفتری مصروفیات میں گزارتا ہوگا۔

میں نے اس کے دفتر فون کیا تو وہ دوسری ہی گھنٹی پر لائن پر آگیا۔

"مبارک ہو' میں نے تمہارا آدھا کام سرانجام دے کر خود کو غزالہ کی واپسی کا حق دار بنالیا ہے۔" اس کی آواز پہچانتے ہی میں نے گرمجوشی کے ساتھ کہا۔

"کس آدھے کام کی بات کر رہے ہو؟ ملا سرکار یا غلام رسول؟" اس نے سوال کیا تو اس کی آواز میں خوشگوار حیرت رچی ہوئی تھی۔

"غلام رسول۔" میں نے کہا "وہ ابھی اور اسی وقت اسے میرے سپرد کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"ونڈرفُل!" اس کی تحسین آمیز آواز ابھری۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بارے میں' میں نے جو کچھ سنا ہوا ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے۔ تم واقعی کام کے آدمی ہو۔"

"کہو تو میں ابھی غلام رسول کو تمہارے دفتر پہنچادوں؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"ہرگز نہیں!" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری "بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ اس طرح سارا کھیل چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ تم اس وقت شہر کے کس حصے میں ہو؟"

"میں بہادر آباد سے بول رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز نظروں سے ظفر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور غلام رسول کہاں ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"وہ جہاں بھی ہے' مختصر ترین نوٹس پر شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچایا جاسکتا ہے۔"

"پھر تم اسے سپرہائی وے پر گلشن معمار والے موڑ پر پہنچادو۔" چند ثانیوں کی پُرخیال خاموشی کے بعد شری مان سنگھ کی آواز ابھری۔

"اسے لینے کے لئے تم خود آؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی بھی آسکتا ہے۔ اس وقت نو بجے ہیں۔ تم ٹھیک گیارہ بجے اسے مقررہ مقام پر اتار کر لوٹ آنا۔"

"اس ویرانے میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا "وہ بیمار اور زخمی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک بھی بے یارومددگار پڑا رہا تو اس کی حالت بگڑ سکتی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس کی سلامتی ہمیں تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

"شاید تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے جو اتنی راز داری برت رہے ہو۔"

"اعتماد نہیں بلکہ یہ ہمارا طریقۂ کار ہے۔ ہم غیر ضروری خطرات مول لینے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پھر غزالہ مجھ تک کیسے پہنچے گی؟" میں نے بے تابی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس شہر میں اجنبی نہیں ہے۔ ہم اسے رہا کردیں گے۔ وہ خود ہی تم تک پہنچ جائے گی۔"

"لیکن میرے بھی کچھ مسائل ہیں جن کی وجہ سے میں زیرِ زمین چلا گیا ہوں۔ وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ تمہیں اس کو میرے حوالے ہی کرنا ہوگا۔"

"اپنا فون نمبر دے دو۔ اس بارے میں صبح بات کرلیں گے۔" وہ بولا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں زیرِ زمین ہوں اس لئے میرے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ میں تمہیں اپنا کوئی فون نمبر نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم صبح نو بجے فون کرلینا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ غلام رسول کو مقررہ مقام پر اتارنے کے بعد تم ایک لمحے کے لئے بھی وہاں نہیں رکو گے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں بلاوجہ کسی جگہ ٹانگ نہیں اڑاتا۔ اور ہاں' تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سر کے زخم کا کیا حال ہے؟"

"وہ معمولی سی ضرب تھی۔ تم نے اپنے آدمیوں سے اس بارے میں بازپُرس کی تھی؟"

"ہاں' انہیں تم سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ تم پر سنگ زنی کرنے والا کوئی اور ہی تھا۔"

اس سے گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی تھی اس لئے ظفر اور سلطان شاہ نے دونوں طرف کے مکالمات سنے تھے اور ان دونوں ہی کی رائے تھی کہ شری مان سنگھ اول درجے کا عیار اور ہوشیار آدمی تھا جو خود کو کسی غیر ضروری خطرے میں الجھانے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

غلام رسول کو سپرہائی وے کے مقررہ مقام تک پہنچانے میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ شری مان سنگھ کی ہدایت کے مطابق غلام رسول کو ٹھیک گیارہ بجے گلشن معمار والے موڑ پر چھوڑ دینا تھا۔ شری مان سنگھ کے آدمی مقررہ وقت پر وہیں کہیں قرب و جوار میں موجود رہتے اور میدان صاف دیکھ کر اسے وہاں سے لے جاتے۔ میرا کام صرف اتنا تھا کہ شیر شاہ کو فون کرکے ہدایت دیتا اور وہ گیارہ بجے غلام رسول کو سپرہائی وے پر چھوڑ دیتا لیکن ظفر کا کام خاصا پیچیدہ تھا۔

اگر اس کے آدمی مقررہ وقت پر جائے واردات پر پہنچتے تو یہ ممکن تھا کہ شری مان سنگھ کے آدمیوں کی نظروں میں آجاتے اور وہ لوگ خطرہ بھانپ کر غلام رسول کے قریب بھی نہ پھٹکتے اس لئے یہ ضروری تھا کہ وہ فوری طور پر موقع پر پہنچ کر اپنی کمین گاہیں قائم کرلیتے تاکہ انہیں مقررہ وقت پر مجرموں پر دھاوا بولنے میں آسانی رہتی اور ان کا حریف بے خبری میں مارا جاتا۔

ظفر اس پروگرام سے اتفاقِ رائے ظاہر کرنے کے بعد مقررہ مقام کی پیشگی ناکہ بندی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا اور میں نے شیر شاہ سے فون کا سلسلہ ملالیا۔

"مبارک ہو۔ تمہارے مصائب ختم ہونے کی باری آگئی

ہے۔" میں نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔

"میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں' باس۔" اس کی سعادت مندانہ آواز ابھری۔ "مجھے تو قیدی پر آج کی رات بہت بھاری نظر آرہی ہے۔ اس کا سانس رک رک کر چل رہا ہے۔ اس پر غشی کی حالت طاری ہے لیکن وہ ہر سانس کے ساتھ دردناک آوازوں میں کراہ رہا ہے۔ ایک بار اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی پھر گئی تھیں۔ میں پریشان ہوگیا تھا لیکن استاد قادر نے بتایا کہ موت آنے سے پہلے آدمی کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ کسی کو اپنے سامنے سسک سسک کر مرتے ہوئے دیکھنا واقعی بہت دل گردے کا کام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جان کسی خاص چیز میں اٹکی ہوئی ہے ورنہ اسے اب سے بہت پہلے مرجانا چاہئے تھا۔"

"وہ ہمارے پاس نہیں مرنا چاہتا۔" میں نے بے رحمانہ لہجے میں کہا "اس طرح چیف کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ اور تم بھی سکھ کی نیند سو سکو گے۔"

"تو کیا اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ہوگیا ہے؟" اس کی آواز سے حیرت عیاں تھی۔

"اسے گیارہ بجے گلشنِ معمار والے موڑ پر چھوڑ دو۔ تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔"

"وہاں آبادی میں رات گئے تک رونق رہتی ہے لیکن سپرہائی وے کے اس حصے میں تو گیارہ بجے ہولناک سناٹا پھیل جاتا ہے۔ قیدی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ ہم اسے وہاں ڈال آئے تو آوارہ کتے ہی اس کے لاغر بدن کو بھنبھوڑ ڈالیں گے....."

"ہو سکتا ہے کہ وہاں سے گزرنے والے کسی مال بردار ٹرک کا عملہ اسے دیکھ لے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ سب سوچنا ان لوگوں کا کام ہے جو ہمارے بعد اس کی سلامتی کے ذمے دار ہوں گے۔ تمہیں صرف اتنا ہی کرنا ہے جس کی ہدایت کی گئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اس پر حرف بحرف عمل ہوگا لیکن میرے خیال میں اسے موجودہ حالت میں وہاں پھینکنے سے بہتر ہوتا کہ ہم اس کی پیشانی میں بارود کی کھڑکی کھول کر اُس کی لاش وہاں ڈال دیتے۔ اس طرح اس کی مشکل آسان ہو جاتی۔"

"تم بہک رہے ہو شیر شاہ!" میں نے خشک لہجے میں اسے وارننگ دی۔ "کیا تم بھول گئے کہ پچھلے چھتیس گھنٹوں سے چیف کی کیا حالت تھی؟ اس کی حالت جیسی بھی ہو' اہم ترین بات یہ ہے کہ اسے ہمارے قبضے میں نہیں مرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے میں نے تگ و دَو کر کے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"سوری' باس!" اس کی آواز یک بیک معذرت خواہانہ ہو گئی۔ "غلام رسول کی ہمدردی میں چیف کی ضرورت میرے ذہن سے معدوم ہو گئی تھی۔"

"اپنی حدود کا خیال رکھو گے تو ایسی لغزش نہیں کرو گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "بس یہ یاد رکھنا کہ تمہارا آج رات کا مشن بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کام پر ہم سب کے مستقبل کا بھی دارومدار ہے۔"

میں اس سے گفتگو کر کے فارغ ہوا تو سلطان شاہ نے خبر دی کہ ویرا کی تلاش میں گئے ہوئے دونوں افراد کچھ سنسنی خیز خبروں کے ساتھ لوٹ آئے تھے لیکن ظفر نے اس وقت غلام رسول والے قصے کو ہر بات پر مقدم رکھا ہوا تھا اس لئے اُس نے ان خبروں پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

ان دونوں کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ لان پر لگی ہوئی پھولداری کے باہر ایک بنچ پر بیٹھے اپنے ساتھیوں سے گپ شپ میں مصروف تھے۔ ایس ٹی ایف کا بیشتر عملہ ہم دونوں کو اول خان کے معتمد دوست اور ساتھی کی حیثیت سے جانتا تھا۔ جو لوگ نئے تھے وہ بھی یہ جان چکے تھے کہ ظفر ہماری ضرورت سے زیادہ ناز برداری کر رہا تھا اس لئے ہمارے پہنچتے ہی وہ سب اپنی باتیں ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے۔

میں ان دونوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ لے کر ظفر کے دفتر میں آگیا۔ ظفر اس وقت بھی عمارت کے کسی اور حصے میں مصروف تھا اس لئے مجھے اس شخص سے کھل کر بات کرنے کی آزادی میسر تھی اور میں حقائق کی بنا پر اپنی بے لاگ رائے قائم کر سکتا تھا۔

ہوٹل کے رہائشی رجسٹر میں ویرا لائیڈ کے نام سے کسی مہمان کی آمد کا اندراج نہیں مل سکا تھا' نہ ہی ان اوراق میں سوزی کا نام تھا البتہ ویرا کی تصاویر دکھانے پر پتا چلا کہ وہ ہوٹل کی عقبی سمت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں مقیم تھی۔

وہ کمرا حاصل کرنے کے لئے ویرا نے مسز تھیلما کنگ کا نام استعمال کیا تھا۔ اس ہوٹل کے کلرک کو شاید ویرا کا چہرہ مہرہ بھی یاد نہ رہتا لیکن اس نے عقبی حصے میں کمرے کا مطالبہ کر کے اسے خاصا تنگ کیا تھا جس کی وجہ سے کلرک کو ویرا کی شکل یاد رہ گئی تھی۔

ویرا نے وہ کمرا اسی صبح حاصل کیا تھا لیکن جب ایس ٹی ایف کے افراد نے خود کو خفیہ پولیس کے کارندے ظاہر کر کے وہ مقفل کمرا کھلوایا تو وہاں ویرا کی موجودگی کی کوئی علامت باقی نہیں تھی۔ شاید وہ دوپہر کو ظفر اور کلارا کی ملاقات کا منظر دیکھنے کے بعد ہی وہاں سے کوچ کر گئی تھی۔ ہوٹل والوں کو وہ کرائے کی مد میں ایک یوم سے زیادہ کی رقم پیشگی دے چکی تھی اس لئے اس نے اپنی روانگی کا اندراج کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کلرک کا خیال تھا کہ شاید ویرا رات گئے ہوٹل میں لوٹ آئے گی لیکن ایس ٹی ایف والے جانتے تھے کہ انہیں جس کسی کے پیچھے لگایا جاتا ہے وہ چھلاوے سے کم نہیں ہوتا۔

ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے پاسپورٹ کے کوائف درج کرانے کے بجائے ایک مقامی پتا درج کرا دیا تھا اور کلرک کو بتایا تھا کہ اس کے جملہ سفری کاغذات مسٹر اور مسز ڈی میلو کی تحویل میں تھے اور وہ دونوں بدقسمتی سے بیرونِ شہر گئے ہوئے تھے۔

اس کا وہ عذر اس قدر معصومانہ اور بے ساختہ تھا کہ کلرک نے اس پر اعتبار کر لیا۔ ویسے بھی وہ ہوٹلوں کے لئے مندے کا زمانہ تھا اور ہر انتظامیہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے ہوٹل کی حدود میں قدم رنجہ فرمانے والا مسافر ان ہی کا مہمان ہو جائے اس لئے ویرا کو وہاں کمرا حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس سے آگے کی کہانی زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔ ڈی میلو فیملی کا پتا ڈیفنس کے متمول رہائشی علاقے کا تھا۔ وہ سراغ ملنے پر ایس ٹی ایف والوں نے ادھر کا بھی چکر لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گیس کمپنی کے کارکنوں کے روپ میں گیس لیک ہونے کی شکایت کی دیکھ بھال کے بہانے وہاں پہنچے تو مسٹر ڈی میلو اپنے سرسبز لان پر ایک سفید فام عورت کے ساتھ کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔ حیرتناک بات یہ تھی کہ وہ عورت ویرا لائیڈ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔

وہ دونوں گیٹ کے ساتھ' احاطے کی دیوار پر لگے ہوئے گیس میٹر کی دیکھ بھال کے بعد واپس لوٹ آئے۔ ان کی ڈی میلو یا ویرا سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس احاطے میں چند منٹ گزارنے کے بعد ان دونوں کو فرداً فرداً یقینِ کامل تھا کہ انہوں نے وہاں ویرا ہی کو دیکھا تھا۔

ان کی لائی ہوئی وہ اطلاع اس امر کی متقاضی تھی کہ ڈی میلو فیملی کی قیامگاہ پر فوراً ہی دھاوا بولا جاتا۔ اس طرح نہ صرف ویرا گرفت میں آسکتی تھی بلکہ اس سے جہانگیر کے مغوی بیٹے کی بازیابی کے بارے میں بیش بہا معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں۔

لیکن دوسری طرف غلام رسول' شری مان سنگھ اور غزالہ کی بازیابی کا معاملہ تھا جو بہت اہم اور فوری نوعیت کا تھا۔ اگر میں غلام رسول والے معاملے کو چھوڑ کر اپنی توجہ ویرا کے مکان کی طرف مرکوز کرنا چاہتا تو پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا جب کہ ویرا ایک معزز شہری کے مکان میں پناہ گزین تھی جہاں سے اسے برآمد کرنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی اور ایس ٹی ایف کی بھرپور مدد کی ضرورت تھی۔

جہاں تک جہانگیر کے بیٹے کی بازیابی کا تعلق تھا تو اس کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم تھی لیکن اطمینان کی بات یہ تھی کہ ایس ٹی ایف کی دو نفری جماعت اس کے بارے میں کھوج لگانے کی مہم پر نکلی ہوئی تھی۔ ان کی کامیابی کا سو فیصد امکان نہ ہونے کے باوجود یہ امید ضرور تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ معلومات ضرور لے آئیں گے اور شاید ویرا کے تعاون کے بغیر ہی اس بچے کا سراغ لگایا جاسکے۔

میں ویرا اور اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات بری طرح کھٹک رہی تھی کہ اس نے ہوٹل کے ریکارڈ میں اپنا ایسا پتا کیوں چھوڑا جس پر اس کے پائے جانے کے قوی امکانات تھے۔ اس کے لئے سہل راستہ یہ ہوتا کہ وہ ہوٹل میں اپنا کوئی فرضی پتا درج کراتی اور پھر انسانوں کے بے کراں سمندر میں کہیں بھی غائب ہو جاتی اور ہم اس کے لئے اپنا سر پیٹتے رہ جاتے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اس مخبر سے تبادلۂ خیال کے بعد مجھے ظفر سے بھی مختصراً تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملا اور مجھ پر اس کی سوچ واضح ہو گئی۔

اس کا خیال تھا کہ اگر ویرا اس وقت ڈی میلو فیملی کے ساتھ موجود تھی تو کسی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہونے تک اسے وہیں رہنا چاہئے تھا اس لئے وہاں بعد میں بھی کارروائی کی جاسکتی تھی۔ دوسری مجبوری یہ تھی کہ ظفر ویرا کے خلاف کی جانے والی کارروائی کی نگرانی بذاتِ خود کرنی چاہتا تھا اور اس کے لئے بیک وقت دو مقامات پر موجود رہنا ناممکن تھا اس لئے اس نے ویرا کے خلاف کارروائی کو اپنے فارغ ہونے تک مؤخر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے کلارا کی معرفت دئے گئے تحریری پیغام میں اگلے دن دو بجے فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت تک صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی متوقع نہیں تھی اور وہ کام بعد میں کیا جاسکتا تھا۔

شری مان سنگھ نے غلام رسول کو سپرہائی وے پر پہنچانے کے لئے دو گھنٹے کا وقت دیا تھا جو تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اس لئے ظفر نے تیاریوں کی رفتار بھی تیز کی ہوئی تھی۔

آخر کار دو گاڑیوں پر مشتمل ایک چھ نفری کارواں سہراب گوٹھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس قافلے میں میرے اور ظفر کے علاوہ اسپیشل ٹاسک فورس کے چار کمانڈوز شامل تھے جو کسی بھی کارروائی کو برق رفتاری سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان ہی میں سے دو نے گاڑیوں کو چلانے کی ذمے داری سنبھالی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو اس مہم میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔

دو گاڑیوں میں کُل چھ نفوس سوار ہونے کی وجہ سے خاصی جگہ موجود تھی لیکن ظفر نے وہ جگہ غلام رسول اور متوقع قیدیوں کے لئے خالی رکھی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے' ہم لوگ جلد ہی سہراب گوٹھ کے علاقے سے گزر گئے اور پھر سپرہائی وے کا وہ مقام بھی آگیا جہاں بائیں طرف سے ایک پختہ سڑک گلشنِ معمار کی طرف جاتی تھی اس سڑک پر بجلی کے کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں اسٹریٹ لائٹس بھی موجود رہی ہوں لیکن اس وقت وہاں اندھیرے کا راج تھا۔ اسی راستے پر کچھ فاصلے پر کثیرالمنزلہ رہائشی عمارات کے فلیٹوں میں جلنے والی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

وہ سب اپنے کام میں بہت ماہر تھے۔ دونوں گاڑیاں رکنے تک

ان کی تجربہ کار نگاہوں نے اپنے لئے کمین گاہیں تلاش کرلی تھیں۔ اُن دنوں وہاں بڑے قطر والی لائنیں ڈالنے کے لئے کام ہو رہا تھا اس لئے گہری نالیوں کے ساتھ ہی مٹی کے بے ہنگم انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ بڑے قطر والے 'کنکریٹ سے بنے ہوئے ایسے پائپ جن میں آدمی آرام سے بیٹھ سکے' موجود تھے۔

ان چاروں کے کودتے ہی ایک گاڑی ظفر نے سنبھالی اور دوسری میرے حوالے کردی گئی اور ہم دونوں وہ گاڑیاں قدرے آگے نکال لے گئے جہاں ان کا دیکھا جانا آسان نہیں تھا۔

گاڑیوں کی اوٹ میں پوزیشن لینے کے بعد میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہاں دس بجنے میں صرف چند منٹ رہ گئے تھے۔

میرا خیال تھا کہ شری مان سنگھ یا اس کے آدمی مقررہ وقت سے پہلے وہاں آجائیں گے تاکہ تمام کارروائی اپنی نظروں سے دیکھ سکیں لیکن وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور وہاں بدستور سناٹا چھایا رہا۔ اس دوران میں اندر جانے والی اِکّادُکّا گاڑیوں کے علاوہ ذیلی سڑک پر کوئی ٹریفک نہیں تھا۔ سپرہائی وے پر دو طرفہ بھاری ٹریفک رواں تھا لیکن ہم ایسی جگہ پر چھپے ہوئے تھے جہاں شہر سے جانے والے ٹرکوں وغیرہ کی تیز روشنیوں کی رسائی نہیں تھی۔

"آج کل شہر میں گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہے۔ اگر غلام رسول کو لانے والی پارٹی راستے میں دھرلی گئی تو ہماری یہ رات یہیں برباد ہو جائے گی۔" تھوڑی دیر بعد ظفر بڑبڑایا۔

"وہ لوگ چالاک ہیں۔ غلام رسول کو بیمار ظاہر کرکے نکل آئیں گے۔ شہر میں گشت کرنے والی پولیس پارٹیوں کو اس کی تصاویر فراہم نہیں کی گئی ہوں گی۔" میں نے کہا۔

"اخبارات میں اس کی اتنی تصاویر چھپتی رہی ہیں کہ شہری پولیس کو تو اس کے خدوخال یاد ہو جانے چاہئیں لیکن یہاں لوگوں کو فرض نبھانے سے زیادہ پیسے بٹورنے سے دلچسپی ہوتی ہے۔"

"پولیس ہی نہیں' ہر محکمے کا کم و بیش یہی حال ہے" میں نے تلخی سے کہا "جس کا بس چلتا ہے وہ بھوکے گدھ کی طرح لوگوں کو نوچنے کھسوٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ پولیس والوں کا دن رات لوگوں سے واسطہ رہتا ہے اس لئے وہ زیادہ ہی بدنام ہو رہے ہیں۔ خدا کرے کہ آج کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"یہاں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی تو مجھے افسوس رہے گا کہ میں نے ویرا کے معاملے پر توجہ کیوں نہیں دی" وہ بولا "اس کی سرکوبی بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔"

"فکر نہ کرو' وہ تمہارے عشق میں گرفتار ہو گئی ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم کل دو بجے والی فون کال پر اسے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خود ہی تمہارے پاس چلی آئے گی۔"

"عشق اسے مجھ سے نہیں' تم سے ہے" وہ کھسیائے ہوئے لہجے میں بولا "اوّل تو وہ تمہیں مارنے سے گریز کرتی رہی ہے۔ اگر اس نے غلطی سے تمہیں مار بھی دیا تو وہ تمہاری ممّی بنا کر دن رات اسی کو چومتی رہے گی۔ اس لئے مجھے اس بحث سے الگ ہی رکھو تو بہتر رہے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ آج اس نے تمہیں رنگین چھتری کے سائے میں کلارا سے ملتے دیکھ لیا ہے۔ تم شرافت سے راہِ راست پر نہ آئے تو وہ تمہیں اغوا بھی کرا سکتی ہے۔"

ہم اسی نوک جھونک میں وقت گزارتے رہے۔ جب ساڑھے دس بجے تک بھی وہاں کوئی مشتبہ نقل و حرکت نظر نہیں آئی تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں شری مان سنگھ نے آخری لمحات پر اپنا پروگرام ہی نہ بدل دیا ہو یا پھر اس کے آدمی ہم سے بھی پہلے وہاں آپہنچے ہوں اور اپنے مورچوں میں چھپے' ابتدا ہی سے ہماری نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے ہوں۔

شہر کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کی تیز روشنی کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا تھا کہ وہ کس ساخت اور رنگ کی گاڑی ہے۔ ان کے آگے نکلنے کے بعد ہی ان کو تفصیلی طور پر دیکھا جا سکتا تھا اس لئے ٹھیک گیارہ بجے وہاں جو گاڑی آئی اس کے ہیڈ لیمپس کے درمیانی فاصلے اور ان کی زمین سے بلندی کی بنا پر صرف یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی کار ہے۔

وہ کار سپرہائی وے سے اتر کر ناہموار راستے پر بائیں طرف گھومی تو میں نے پہچان لیا کہ وہ ٹریڈ لائن کی گاڑی تھی۔ گلشنِ معمار جانے والی ذیلی سڑک کے نکڑ پر وہ کار چند ثانیوں کے لئے رکی اور اندھیرے میں چند ہیولوں نے سہارا دے کر کسی وزنی شے کو باہر نکالا۔ تمام سائے ایک بار نیچے جھکے پھر سیدھے ہو کر کار کی نشستوں میں غائب ہو گئے۔

لمحہ بھر بعد ہی وہ نیلی کار تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی طرف واپس چلی گئی۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی رسٹ واچ کے ریڈیم ڈائل کی طرف گئی تو وہاں سوئیاں گیارہ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ شیر شاہ نے اپنی ذمے داری نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مقررہ وقت پر پوری کردی تھی۔

شاید اس وقت غلام رسول کی حالت بہت ابتر تھی کیونکہ نیلی کار کے چلے جانے کے بعد وہاں کوئی حرکت نظر آرہی تھی اور نہ ہی کوئی آواز تھی۔ وہ شاید زمین پر پڑا ہوا تھا کیونکہ اندھیرے میں سطحِ زمین پر کسی ہیولے کا وجود بھی مفقود تھا۔

جال میں چارا لگایا جا چکا تھا اور شکار چارے کے لالچ میں کسی بھی لمحے جال پر گر سکتا تھا۔ وقت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا لیکن وہاں ہر طرف یکسانیت کا راج تھا۔

اس اعصاب شکن ماحول میں مزید پندرہ منٹ گزر گئے تو ظفر کے لئے وہاں بیٹھے رہنا محال ہونے لگا "پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں سینے کے بل آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ غلام رسول زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی کراہ بھی نہیں سنائی دی ہے۔"

"بیٹھے رہو!" میں نے اس کا بازو دبا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اور اندھیرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی زمین سے چپک کر پیش قدمی کر رہے ہوں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے آدمی کیا کر رہے ہیں؟" ظفر اضطراری لہجے میں بڑبڑایا۔

چند ثانیے اور گزر گئے پھر اچانک ہی فضا میں کسی مینڈک کے ٹرّانے کی آواز تین مرتبہ ابھری اس کے بعد پھر وہی سکوت چھا گیا جس میں صرف انجنوں کا ابھرتا اور ڈوبتا ہوا شور گونج رہا تھا۔

"ادھر بھی مکمل خاموشی ہے" ظفر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کیا وہ تمہارے آدمیوں کا سگنل تھا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مینڈک کی تین آوازیں خیریت کے لئے ہیں۔ دو آوازوں کا مطلب خطرناک ہوگا۔"

میری نگاہیں شہر کی طرف سے آنے والے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک میں نے سڑک سے ہٹ کر کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن ہوتے دیکھے جس کا مطلب تھا کہ وہ گاڑی اپنی روشنیاں گل کرکے پہلے سے اندھیرے میں کھڑی ہوئی تھی۔

ہیڈ لیمپس جلتے ہی وہ گاڑی حرکت میں آگئی اور ناہموار' کچے راستے پر اچھلتی ہوئی' شاہراہ کے اس حصے پر آگئی جو آگے زیرِ تعمیر ہونے کی وجہ سے مسدود تھا۔ اس گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ آناً فاناً میں ہمارے قریب آگئی۔ گلشنِ معمار والا موڑ آتے ہی اس کار کی رفتار کم ہوئی اور وہ اس طرف گھوم گئی جہاں پروگرام کے مطابق غلام رسول کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

تیز روشنی کی چادر کا رخ بدلنے پر میں نے دیکھا کہ وہ کوئی عام کار نہیں تھی بلکہ سفید رنگ کی سوزوکی ہائی روف ایمبولینس تھی جس کی چھت پر ایمرجنسی لائٹ اور غالباً سائرن بھی نصب تھا۔

ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہم نے پہلی بار اس شخص کو دیکھا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ایمبولینس کے رکتے ہی اس میں سے دو آدمی اتر کر آگے بڑھے۔ اسی لمحے کسی جانب سے یک بیک تین دیو ہیکل سائے نمودار ہوئے اور ایمبولینس کے پہلوؤں پر پھیلے ہوئے اندھیرے کی آڑ لے کر خاموشی سے ان دونوں پر ٹوٹ پڑے اور پلک جھپکتے میں ان دونوں کو رگیدتے ہوئے روشنی سے دور لے گئے۔ غلام رسول کا بے حس و حرکت بدن جہاں پڑا تھا' وہیں پڑا رہا۔

پھر اچانک ہی ایک رپیٹر گن چلی' یکے بعد دیگرے تین مسلسل فائر ہوئے لیکن کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا کیونکہ فائروں کے جواب میں کوئی بے ساختہ چیخ نہیں ابھری تھی۔ البتہ اندھیرے میں لڑنے والوں کی غراہٹوں اور چڑھے ہوئے سانسوں کی آوازیں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔

ہمارے ساتھ آئے ہوئے کمانڈوز کے پاس متعدد مہلک ہتھیار موجود تھے لیکن ان میں کوئی رپیٹر گن نہیں تھی اس لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ فائر ایمبولینس سے کئے گئے تھے لمحہ بھر بعد یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلیں۔ وہ دونوں بڑے بور کے پستول کے فائر تھے۔ اس بار ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کو نشانہ بنایا گیا تھا کیونکہ چھناکے کی آوازوں کے ساتھ ہی وہ بتیاں ناکارہ ہو گئیں۔

اندھیرا ہوتے ہی شاید کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور زمین پر کئی افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ ساتھ ہی کوئی کسی کو للکار بھی رہا تھا۔

اسی لمحے ایمبولینس اچانک حرکت میں آگئی۔ اس کا انجن ابتدا ہی سے جاگ رہا تھا۔ اس بار ایمبولینس کی دھیمی پارکنگ لائٹس کے انعکاس میں ایک سایہ نظر آیا۔ وہ ہماری بے خبری میں نہ جانے کس وقت ایمبولینس سے رینگ کر باہر نکلا تھا اور وہاں پھیلی ہوئی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر غلام رسول کو اپنے کندھے پر لادے سفید گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تمام واقعات اس قدر تیزی اور تواتر کے ساتھ رُونما ہوئے کہ ہم دونوں ہی اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ وہاں حقیقی صورتِ حال کیا تھی اور کس کا پلّہ بھاری تھا۔

اُن دنوں شہر میں اغوا اور ڈکیتی کی وارداتوں کا خاصا زور تھا اس لئے قریب ہی سپرہائی وے سے گزرتے ٹریفک میں پے در پے فائروں سے کوئی رکاوٹ نہیں پڑی تھی بلکہ وہاں سے گزرنے والی گاڑیوں کی رفتار یک بیک تیز تر ہو گئی تھی۔ مخدوش اور غیر یقینی صورتِ حال میں کوئی بھی شریف ڈرائیور وہاں رک کر خود کو ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے حوالے کرنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

ایمبولینس کو حرکت میں آتا دیکھ کر یکلخت ہی میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔

ایس ٹی ایف کے تین کمانڈوز اپنے دو حریفوں کے ساتھ خوں ریز مقابلے میں الجھے ہوئے تھے۔ چوتھا نہ جانے کہاں غائب تھا۔ سوزوکی ایمبولینس والے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر غلام رسول سمیت بھاگ نکلنے کے موڈ میں نظر آرہے تھے۔

میں نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ چھوڑ کر ایمبولینس کی طرف دوڑ لگادی اور پھر غلام رسول کو کندھے پر لادے ہوئے قوی الجثہ شخص کو ایمبولینس کے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچنا نصیب نہیں ہو سکا۔ میری چلائی ہوئی گولی اسے چاٹ گئی اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حالات کا پانسا یکایک ہی پلٹ گیا۔ ایمبولینس میں سوار افراد نے بھانپ لیا کہ انہوں نے وہاں رکے رہنے کی حماقت کی تو وہ مارے یا پکڑے جائیں گے۔ انہوں نے ایمبولینس کو تیزی سے مین روڈ پر بھگا لے جانے کی کوشش کی لیکن ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔

شاید چوتھا کمانڈو ایسے ہی کسی وقت کے انتظار میں اپنی کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا کیونکہ ایمبولینس کی رفتار تیز ہوتے ہی ایک گھٹا گھٹا لیکن ہولناک دھماکا ہوا اور ایمبولینس کے پرخچے اڑنے کے ساتھ ہی اس کے ملبے نے آگ پکڑلی۔

اس واقعے نے مجھے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا اور میں نے واپس ظفر کی طرف دوڑ لگادی۔

ظفر ایک گاڑی میں سوار ہوکر اُس کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنے حلق سے الو کی تیز آواز نکالی اور میری طرف متوجہ ہوگیا۔

”تیزی کے ساتھ گاڑی باہر نکالو! اب یہاں رکنا خطرناک ہوسکتا ہے۔“

دونوں گاڑیاں باہر نکلیں تو مختلف سمتوں سے چاروں کمانڈوز دوڑتے ہوئے ہماری طرف آگئے۔ شاید الو کی چیخ ان کے لئے واپسی کا اشارہ تھی۔

لڑنے والے تین میں سے ایک کمانڈو بری طرح زخمی اور خون میں نہایا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ تینوں ہی ظفر کی گاڑی میں گھس گئے۔ چوتھا کمانڈو غلام رسول کے بے حس بدن کو اپنے کندھے پر لادلایا تھا۔ وہ میری کار میں سوار ہوگیا۔

ہماری دونوں گاڑیاں وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہوئیں تو ایمبولینس کے جلتے ہوئے ڈھانچے کو دیکھ کر ٹریفک رکنا شروع ہوگیا تھا اور لوگ گاڑیوں سے اتر کر اسی طرف دوڑ رہے تھے۔

ایمبولینس میں سوار افراد کے لرزہ خیز انجام کا تصور کرکے میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔

”اس کا کیا حال ہے؟“ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کمانڈو سے بھرّائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

”میں نے اسے اٹھایا تو شاید یہ نزع کے عالم میں تھا“ اس کا لہجہ بالکل سرد اور بے جان تھا ”اس نے میرے کندھے پر ہی دم توڑا ہے۔ اس کا بدن تیزی سے ٹھنڈا ہوتا جارہا ہے۔“

”ایمبولینس پر بم تم نے ہی پھینکا تھا؟“ میں نے آہستگی سے پوچھا۔

”ہاں!“ اس کا لہجہ پہلے کی طرح سرد اور مشینی تھا ”ہمیں ہدایت دی گئی تھی کہ آنے والوں میں سے کوئی بھی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ میں ذرا سی بھی سستی دکھاتا تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتے۔ بم مارنے سے پہلے میں نے انہیں رکنے کی وارننگ دی تھی لیکن ان کی موت آچکی تھی۔ انہوں نے میری وارننگ کی پروا کئے بغیر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔“

”وین میں کتنے آدمی رہے ہوں گے؟“ چند ثانیوں کے بعد میں نے پوچھا۔

”آخر میں کل دو آدمی نظر آرہے تھے۔ دو پہلے ہی اتر گئے تھے۔ پانچواں بے ہوش آدمی کو اٹھا کر لے جارہا تھا کہ اسے کسی کی گولی چاٹ گئی۔“

”تو کیا پانچواں مرگیا تھا؟“ میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

”گولی شاید اس کے جسم کے کسی نازک حصے میں لگی تھی“ وہ بولا۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھاگئی مگر میرا ذہن ان ہی واقعات میں الجھا رہا۔

ان کے پانچ میں سے تین آدمی یقیناً مارے گئے تھے۔ بقیہ دو کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ بھی اپنے بقیہ ساتھیوں کی طرح جہنم واصل کردئے گئے تھے یا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

غلام رسول جیسے قریب المرگ بلکہ نیم مردہ شخص کی خاطر اتنے افراد کی بھینٹ غیر معمولی بات تھی لیکن مجھے ان کی موت سے زیادہ فکر اس امر کی تھی کہ ان میں شری مان سنگھ شامل تھا یا نہیں؟

وہ جس قدوقامت کا مالک تھا اس کی بنا پر میرا خیال تھا کہ وہ جسمانی مشقت اور دھول دھپّے کا عادی نہیں تھا۔ اگر وہ ایمبولینس ہی میں موجود رہا ہو تو بات دیگر تھی۔

وہ لوگ شری مان سنگھ کے سفارت خانے کے ملازمین تھے یا اس نے غلام رسول کے حصول کے لئے شہر کے پیشہ ور بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں؟ یہ بھی ایک اہم سوال تھا کیونکہ اسی کے جواب پر آنے والے واقعات کا دارومدار تھا۔

اس پورے قصے میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر ہی نہیں آنا تھا بلکہ ظفر نے پیشگی یہ بندوبست کرلیا تھا کہ ساڑھے گیارہ بجے پولیس کی ایک مسلح گشتی جماعت جائے واردات پر پہنچ کر کنٹرول سنبھال لے اور وہاں سے زخمی یا مردہ حالت میں ہاتھ لگنے والے قیدیوں کے حوالے سے ایک کہانی بنالے۔ کہانی میں غلام رسول کا گول مول ذکر ضرور ہوتا اور یہ بتایا جاتا کہ مجرم سپرہائی وے کے ویرانے میں مشتبہ انداز میں جمع تھے جنہوں نے پولیس کے للکارنے پر فائر کھول دیا۔ خونریز تصادم کے بعد پولیس نے حالات پر قابو پایا تو ان لوگوں کے قبضے میں بدنام سیاست داں 'غلام رسول بھی موجود تھا جسے پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ پولیس والوں کی ابتدائی کہانی ہوتی جس میں بقیہ رنگ ظفر کی ہدایات کے مطابق بھرے جاسکتے تھے۔

پولیس رپورٹ کی مرحلے وار اجرائی کی ضرورت اس لئے سمجھی گئی کہ پوری صورتِ حال واضح ہونے میں تاخیر ہونے کے سبب سے وہ کہانی صبح کے اخبارات میں شائع نہیں ہوسکتی تھی لیکن ساڑھے گیارہ بارہ بجے تک جاری ہونے والی ابتدائی کہانی سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ اخبارات کی زینت بن سکتی تھی۔

ویسے تو شری مان سنگھ کے افسران کو رات ہی [illegible] جاتا کہ

ان کا مشن ناکامی سے دوچار ہوچکا تھا۔ ان کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی گمشدگی ناکامی کا کھلا اعلان ہوتی۔ شری مان سنگھ بذاتِ خود مہم میں شریک ہوتا تو اسے کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن وہ اپنے دفتر میں موجود ہوتا تو اس کا اضطراب اپنے اوپر والوں سے کم نہ ہوتا۔ ان لوگوں کو اخبارات ہی سے یہ علم ہوسکتا کہ حکومت یا مقامی انتظامیہ نے اس واقعے پر کیا مؤقف اختیار کیا ہے اور اسی کی روشنی میں وہ اپنا ردِعمل ظاہر کرنے کا فیصلہ کرتے۔

اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ ہڑبونگ سے فائدہ اٹھاکر بھاگ نکلنے والے دو حریفوں میں سے ایک کمانڈوز کے ہاتھوں مارا گیا تھا جب کہ دوسرا بہت چالاک ثابت ہوا اور زخمی ہونے کے باوجود بڑے بڑے پائپوں میں گھس کر کسی ایسی سمت میں نکل گیا جہاں اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور روانگی کا سگنل ملنے کی وجہ سے کمانڈوز کو اس کی تلاش ادھوری چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔

دست بدست جنگ میں ملوث ہونے والے تینوں کمانڈوز زخمی ہوئے تھے۔ دو کے چہروں اور جسموں وغیرہ پر معمولی خراشیں آئی تھیں جبکہ تیسرے کے زخم گہرے تھے۔ اس کی نہ صرف ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی بلکہ اس کے شانے پر کسی تیز دھار آلے کا لمبا زخم بھی آیا تھا۔

ان تینوں کی متفقہ رائے تھی کہ ان کے حریف اناڑی یا ناتجربے کار نہیں تھے بلکہ لڑنے بھڑنے کے فن میں قابلِ رشک مہارت رکھتے تھے جس کا توڑ آسان نہیں تھا۔

غلام رسول واقعی مرچکا تھا۔ اس کے زرد لاغر اور بے نور چہرے پر روح کو لرزا دینے والی پھٹکار برس رہی تھی۔ اس نے اپنے ملک اور صوبے کے اَن گنت خاندانوں کو دوسروں کی غلامی کا طوق پہنانے کی منصوبہ بندی کی تھی لیکن وہ خود اپنی آزادی کے لئے تڑپتا ہوا ایک تاریک ویرانے میں بے بسی کی موت مرا۔ اس کی عزت اور ذلت کے درمیان ایک بہت باریک سی حدِ فاصل تھی۔ وہ مرکر ہمارے قبضے میں آیا تو غداری کا کلنک اس کے ماتھے کی سیاہی بنا ہوا تھا اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اگر وہ آخری لمحات پر فریقِ ثانی کی تحویل میں چلا جاتا تو مرنے کے بعد بھی اس کا نام چمکتا رہتا اسے ہر عزت اور اعزاز سے نوازا جاتا لیکن قدرت کے فیصلے ہمیشہ اٹل اور درست ہوتے ہیں' قزاقِ اجل کے بے رحم ہاتھوں نے غلام رسول کو وہ موہوم سی حدِ فاصل عبور کرنے کی مہلت نہیں دی اور وہ عبرت کا نشان بن کر ہمارے قدموں میں آگرا۔

وہ بہت حسّاس اور سنگین نوعیت کا معاملہ تھا اس لئے ظفر واپس آتے ہی مصروف ہوگیا۔ اسے ہوم آفس کے ذمے داروں سے مل کر جزئیات طے کرنی تھیں اور غلام رسول کے جسدِ خاکی کو کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا تھا اس لئے میں اسے اُس کے دفتر میں چھوڑ کر ریٹائرنگ روم کی طرف چل دیا۔

وہاں سلطان شاہ منہ پھلائے آرام دہ بستر پر دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

وہ دلیر اور قابلِ اعتماد دوست تھا۔ ہر برے وقت میں آنکھیں بند کرکے میرا ساتھ دیتا تھا۔ اس کے سہارے کی وجہ سے میں نے بڑی دشوار مہمات سر کی تھیں لیکن یہ بھی ایک طے شدہ بات تھی کہ بعض اوقات وہ اپنی عقل کے استعمال میں بخل کرجاتا تھا۔ ایسے مواقع پر میرے ساتھ اس کا رویّہ زودحس بوڑھوں جیسا ہوجاتا تھا۔

وہ مجھ سے اس بات پر ناراض تھا کہ میں نے ظفر سے اسے ساتھ لے جانے کے لئے اصرار کیوں نہیں کیا۔ خاصی دیر کی مغز زنی کے بعد میں اسے یہ بات ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہوسکا کہ ظفر' اوّل خان کی طرح بہت زیادہ سادہ لوح نہیں تھا۔ وہ ہر مسئلے پر اپنی جداگانہ رائے رکھتا تھا اور ترجیحی طور پر اس کے مطابق کارروائی کرنے میں یقین رکھتا تھا۔ ایسے آدمی سے ذرا ذرا سی بات پر تکرار عموماً بدمزگی کا سبب بن جاتی ہے۔ جب کہ ہم اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اُس سے بگاڑ مول لینے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

اس موضوع پر مصالحت ہونے کے بعد تازہ مہم کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔

مجھے ابتدا ہی سے اس امر کا ادراک تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس نے شری مان سنگھ کا منصوبہ ناکام بنا کر غلام رسول کو اپنے قبضے میں لے لیا تو شری مان سنگھ اس ناکامی کو میری ہی کسی شرارت سے منسوب کرکے غزالہ کی واپسی کے وعدے سے مکر جائے گا۔

اس بارے میں اگر اور مگر کے ساتھ بہت سی خوش فہمیاں بھی تھیں لیکن میں سلطان شاہ کے اس خیال سے پوری طرح متفق تھا کہ سپرہائی وے پر آنے والے پانچ افراد میں سے ایک کا زندہ بچ نکلنا میرے حق میں زہر ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر وہ پانچواں شخص بھی مارا جاتا تو شری مان سنگھ کبھی بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ جائے واردات پر درحقیقت کیا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اسے ان ہی کہانیوں پر اعتبار کرنا پڑتا جو اخبارات کی زینت بنتیں۔ شری مان سنگھ ایمبولینس میں مارا گیا ہو یا دفتر میں رہا ہو' دونوں صورتوں میں بچ نکلنے والا پانچواں آدمی بہت خطرناک تھا۔ وہ شری مان سنگھ یا اس کی ہلاکت کی صورت میں اس کے کسی معتمد کو اصل کہانی سے آگاہ کرسکتا تھا۔ وہاں پیش آنے والے اصل واقعات میں پولیس کا کوئی رول نہیں تھا۔ جائے واردات پر پولیس کی کوئی گاڑی تھی نہ اس کا کوئی باوردی اہل کار۔ جو کچھ بھی ہوا' وہ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش کمانڈوز کا کارنامہ تھا۔ وہ راز کھل جانے کے بعد میرے لئے واقعی دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔

اسی اثنا میں مجھے خبر ملی کہ میری غیر حاضری میں وہ دورکنی جماعت بھی واپس آچکی تھی جسے جہانگیر کے بیٹے کی تلاش میں شہر

کے چائلڈ کیئر سینٹرز بھیجا گیا تھا۔

ہماری واپسی کے بعد اسٹیشن فور پر بیک وقت متعدد سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں اور ہر شخص ضرورت سے زیادہ مصروف نظر آنے لگا تھا۔ ان سرگرمیوں میں ظفر سب سے پیش پیش تھا کیونکہ کلیدی کردار اسی کا تھا اور اسے فورس سے باہر کے لوگوں سے بھی رابطہ کرنا تھا اس لئے کسی نے بھی اس دورکنی جماعت سے اس کی کارکردگی کی رپورٹ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میں ان لوگوں کی تلاش میں آرام گاہ سے نکلا تو ایک راہداری میں ظفر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"معاف کرنا میں ذرا مصروف ہوں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر عجلت آمیز لہجے میں کہا۔ "کچھ دیر میں اعلیٰ سرکاری عہدے دار یہاں آنے والے ہیں۔ اس لئے میں شاید صبح سے پہلے فارغ نہ ہوسکوں۔ ارشد اور اکبر بچّے کے بارے میں تحقیقات کرکے واپس لوٹ آئے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ان سے رپورٹ لے لو۔ فارغ ہونے کے بعد ہم آپس میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"تم عجلت میں ہو۔ تھوڑی دیر بعد شاید تم سے بات بھی نہ ہوسکے اس لئے یہ بتاتے جاؤ کہ اگر میں کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس کروں تو کون میرے کام آسکے گا۔"

"ارشد میرا بہت سینئر آدمی ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ تمہارے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرے گا۔"

وہ ایک دفعہ پھر معذرت کرکے آگے نکل گیا اور میں ارشد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

ارشد اپنے خدّوخال سے واقعی ایک خرّانٹ آدمی نظر آرہا تھا۔ اس نے نہایت خوش دلی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور میری فرمائش پر بے چون وچرا میرے ساتھ چلا آیا۔

اس نے چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں شہر کے بیس سے زائد ادارے کھنگال ڈالے تھے۔ اپنی تفتیش کے لئے اس نے ان اداروں کے مالکان یا منتظمین کے بجائے نچلے درجے کے ملازمین پر انحصار کیا تھا اور اس کی بھاگ دوڑ کا نچوڑ یہ تھا کہ ویرا پچھلے روز ایک سرخ وسفید بچے کے ساتھ وہاں دیکھی گئی تھی۔

ہر طرف پھیلے ہوئے ناکامیوں کے گھور اندھیرے میں وہ امید کی پہلی کرن تھی۔

"اس سینٹر کا نام کیا ہے اور وہ کہاں واقع ہے؟" مجھ سے پہلے سلطان نے سوال داغ دیا۔

"لٹل اینجل کے نام سے سوسائٹی کے علاقے میں چلایا جارہا ہے۔" ارشد نے کہا۔

"تم اس بچے کو دیکھ چکے ہو؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔

اُس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "والدین کے علاوہ کسی کو بچوں تک جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ میں نے اس ادارے کے ایک کلرک سے بات کی تھی۔ اس نے ویرا کی تصویر دیکھتے ہی پہچان لی تھی جس کا مطلب ہے کہ وہ بچہ وہیں موجود ہونا چاہئے۔"

"اس نے تمہیں کچھ اور بھی بتایا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تو بات کرنے پر ہی آمادہ نہیں تھا۔ پانچ سو روپے کا نوٹ مٹھی میں لینے کے بعد وہ تصویر دیکھنے پر آمادہ ہوا تھا مگر ڈر رہا تھا کہ مالکان کو اس بات کا علم ہوگیا تو وہ اسے بیک بینی ودوگوش ملازمت سے نکال دیں گے۔ ان لوگوں کو غیر متعلقہ لوگوں سے بچوں کے بارے میں بات چیت کرنے کی ممانعت ہے۔"

"تم نے اُس سے کس بہانے سے بات کی تھی؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"میں نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک گھر میں ملازم ہوں اور ہماری غیر ملکی مالکن اپنے شوہر سے لڑنے کے بعد اپنے شیر خوار بچّے کو ساتھ لے کر گھر سے بھاگ گئی ہے۔ ہمارے مالک کا خیال ہے کہ اس کی بیوی، بچے کو کسی فل ٹائم کیئر سینٹر میں ڈال کر خود کسی ہوٹل میں عیش کر رہی ہوگی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی حیلہ سازی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اگر بچہ وہیں ہے تو ہمیں اس کی بازیابی کے لئے فوراً حرکت میں آنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔ لیکن وہ بچہ ہم کیسے سنبھال سکیں گے؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بچے کا باپ ہمارے ساتھ ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ بچے کو اس کی ماں تک پہنچاوے گا۔ بچے کی جدائی میں وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔"

"لیکن اتنی رات گئے وہاں ملازمین کے علاوہ کون بیٹھا ہوگا؟ وہ لوگ اتنی آسانی کے ساتھ بچے کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پہلی بار میں وہاں ایک مسکین گھریلو ملازم کے روپ میں گیا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ ہمارے مالک نے مالکن کا سراغ لگانے پر پانچ ہزار روپے انعام رکھا ہے اسی وجہ سے اسے بھی پانچ سو روپے مل گئے لیکن اب میں کرائم برانچ کے انسپکٹر کے روپ میں جاؤں گا۔ مالکان کو سر کے بل چل کر وہاں آنا ہوگا۔"

"پڑھے لکھے لوگ عموماً نام اور عہدوں کے رعب میں نہیں آتے۔ اگر وہاں کسی نے تم سے تمہاری شناخت طلب کرلی تو کیا کرو گے؟" سلطان شاہ ہر منفی پہلو کو ٹھونک بجا کر دیکھنے پر تلا ہوا تھا۔

ارشد کے لبوں پر خفیف سی بزرگانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا "ہم لوگ پکے کام کرتے ہیں۔ میرے پاس شناختی کارڈ کے علاوہ انسپکٹر کی پوری وردی بھی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں وردی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور جہاں تک پڑھے لکھے لوگوں کی بات ہے تو اسے رہنے ہی دو۔ وہ جاہلوں سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں اور ہر وقت اپنی خود ساختہ عزت بچانے کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"پھر تم تیاری کرو۔ میں ایک فون کرکے آتا ہوں۔" میں نے اس ناخوشگوار بحث کو وہیں ختم کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "تم چاہو تو ایک آدھ آدمی کو اپنے ساتھ لے لینا۔"

"اکبر میرے ساتھ ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا "انسپکٹر کے ساتھ جب تک کوئی جھاڑ کھانے والا ماتحت نہ ہو، انسپکٹری چل نہیں سکتی۔ پہلے بھی وہ میرے ساتھ گیا تھا۔ ہم پانچ منٹ بعد باہر تیار ملیں گے۔"

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا تو فون پر فوراً ہی اس کی مخمور مگر دل گرفتہ آواز سنائی دی۔

"تمہارا بچہ اغوا ہوگیا اور تم گھر میں گھسے شراب پی رہے ہو؟" میں نے ملامت آمیز حیرت کے ساتھ کہا۔

"پھر کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" اس کی رُندھی ہوئی آواز ابھری۔ "رو رو کر تھک گیا تو پینے بیٹھ گیا۔ سالی سلمٰی بھی اسپتال میں پڑی ہوئی ہے۔ گھر کے درودیوار مجھے کھانے کو آرہے ہیں۔ تم بھی یہیں آجاؤ۔ میں نے ابھی ابھی شیواز کی نئی بوتل کھولی ہے۔ یہ پہلے ہی گھونٹ میں دل ودماغ کو روشن کردیتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس وقت شراب کے سامنے تمہیں اپنے بچے کی کوئی فکر نہیں ہے؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"وہ تو بہت ہے لیکن میں کیا کروں؟ آدمی کی مشین ٹھیک ہو تو دوسرا بچہ پیدا کرنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے لیکن کھوئے ہوئے بچے کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے...."

"اگر تمہارے ہوش وحواس ذرا بھی بحال ہیں تو کان کھول کر سن لو کہ ہم تمہارے بچّے کی بازیابی کے لئے جارہے ہیں۔" میں نے دانت پیستے ہوئے، اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم حلق تک شراب پی کر کسی گٹر میں غرق ہوجاؤ!"

"اوہ! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" بچے کی بازیابی کا ذکر آتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ "مجھے نشہ نہیں ہوا۔ بس ذرا سا سرور آرہا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں بالکل سوبر ہوں۔ میرا بچہ کہاں ہے؟"

"میں رسک نہیں لے سکتا۔" میں نے سختی سے کہا "تم نے ذرا سی بھی بدمستی کا مظاہرہ کیا تو سارا معاملہ بگڑ جائے گا۔ اب میں خود ہی دیکھوں گا کہ کیا کرسکتا ہوں۔"

"خدا کے لئے ڈینی!" اس کی گڑگڑاتی ہوئی آواز ابھری۔ "مجھ پر رحم کرو۔ میری آنکھیں اسے دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر اپنی زبان بھی نہیں ہلاؤں گا۔ خلاف ورزی کروں تو مجھے جوتے مار کر وہیں دفن کردینا۔"

"اگر تمہارے حواس واقعی بحال ہیں تو مجھے پچاس تک گنتی سناؤ۔ اس کے بعد تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے معاملے پر غور کرسکوں گا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

جہانگیر نے بے چون وچرا فون پر گنتی سنانی شروع کردی۔

اس جیسے مُنہ پھٹ اور سرکش دوست کی اس بے بسی نے میرا دل گداز کردیا۔ وہ پندرہ تک پہنچا تھا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے گوشوں میں نمی اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے اسے روک دیا۔

"بس کرو اور مُنہ دھو کر تیار رہو، میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔" مجھے اپنی آواز بھاری محسوس ہوئی اور میں نے فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"کیا بات ہے؟ آج اس نے تمہیں دل گرفتہ کیسے کردیا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ آج وہ خود بہت دل گرفتہ اور اداس ہے۔ زندگی میں بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں انسان خود کو بہت حقیر اور بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ جہانگیر پر آج یہی کیفیت طاری ہے۔ میری ہدایت پر اس نے کسی کند ذہن اور غبی بچے کی طرح رک رک کر گنتی سنانی شروع کردی تھی۔"

فون سے فارغ ہوتے ہی ہم دونوں اٹھ گئے۔ باہر رونق اور چہل پہل تھی۔ ہم دونوں اس بھاگ دوڑ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے باہر پہنچے تو ارشد اپنے ساتھی سمیت اسی جیپ کے پاس موجود تھا جس میں ہم اپنے ہوٹل گئے تھے۔

ہم نے راستے میں جہانگیر کے مکان کے پھاٹک پر رک کر ہارن بجایا تو وہ فوراً ہی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آگیا۔ میری متوقع ناراضی کے خوف سے وہ شاید تیار ہو کر چوکیدار کے کیبن میں ہی آبیٹھا تھا۔

ارشد اور اکبر جیپ کی اگلی نشستوں پر براجمان تھے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر دروازہ کھول کر میرے برابر میں بیٹھا تو اس کے بدن سے پھوٹنے والی سینٹ کی تیز بو نے میرا دماغ بھک سے اڑا دیا۔ شاید وہ وھسکی کی تیز بو دبانے کے لئے ضرورت سے زیادہ سینٹ لگا آیا تھا۔

"یہ فوجی جیپ کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گئی؟" اس نے میرے کان کے نیچے متحیّرانہ سرگوشی کی۔

"یہ فوجی جیپ نہیں ہے۔ اس وقت ہم انسپکٹر ارشد اور سب انسپکٹر اکبر کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں اسے آگاہ کیا اور وہ اوہ کرکے رہ گیا۔

"میرا بچہ خیریت سے تو ہے نا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ لٹل اینجل نامی چائلڈ کیئر سینٹر میں ہے۔" میں نے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے گھر کے بجائے مستقل طور پر وہیں مقیم رہے تو اس کی بہتر تربیت ہو سکے گی۔"

"اسے وہاں کس نے پہنچایا؟" اس نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"ویرا بچوں کی پرورش کے فن سے نابلد ہے۔ یہ کارِ خیر اسی نے سرانجام دیا ہے۔ اب تم زیادہ نہ بولو۔ زیادہ بولنے سے کوا اُڑ کر حلق میں پھنس جاتا ہے۔" میں نے اس کا بازو دبا کر کہا اور وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے لئے یہی خوش خبری کافی تھی کہ اس کے بچے کا سراغ لگا لیا گیا تھا اور وہ خیریت سے تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارے سفر کا اختتام لٹل اینجل کے سیاہ پھاٹک کے سامنے ہوا۔ جیپ اکبر ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے پولیس والوں کی شان سے کام لیتے ہوئے نیچے اترے بغیر جیپ کا ہارن بجایا۔ پھاٹک کی جھریوں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پہلے ہی اندر تک پہنچ رہی تھی۔ اس لئے چند ثانیوں بعد ہی پھاٹک سے اُدھیڑ عمر چوکیدار نمودار ہوا۔ اپنے سامنے ایک چمچماتی ہوئی بارعب گاڑی دیکھ کر وہ فوراً ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی میں غائب ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد پھاٹک کھول دیا گیا۔

اس وقت عمارت میں شیر خوار بچوں کے علاوہ صرف چوکیدار اور تین خواتین موجود تھیں۔ ان میں سے اُدھیڑ عمر عورت رات کی شفٹ کی نگراں تھی بقیہ دو عورتیں اس کی معاون تھیں۔

دریافت کرنے پر پتا چلا کہ ارشد اور اکبر سے ملنے والا کلرک اپنی شفٹ ختم کر کے گیارہ بجے چھٹی کر چکا تھا۔

پولیس کا ذکر سنتے ہی وہ تینوں عورتیں بری طرح بدحواس ہو گئیں۔ ارشد نے بارعب لہجے میں انہیں بتایا کہ وہ ایک مغوی بچے کی تلاش میں وہاں پہنچا تھا۔ اس پر نگراں کے اوسان مزید خطا ہو گئے۔ ایک عورت دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر دبی دبی آواز میں رونے لگی تھی۔

"یہ کس بچے کا قصہ ہے؟" نگراں نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اسے یہاں فرضی نام سے لایا گیا ہوگا۔ لانے والی یہ عورت تھی۔" ارشد نے ڈرامائی انداز میں ویرا کی ایک تصویر اپنی جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

تینوں عورتیں متجسّانہ انداز میں اس تصویر پر جھکی تھیں۔ لمحے بھر کے لئے انہوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا پھر ان کے چہروں پر مایوسی نے ڈیرے ڈال دئے۔

"ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" نگراں نے سب کی نمائندگی کا فرض اپنے ذمے لیتے ہوئے کہا "ہم سب کی ڈیوٹی رات کے دس بجے سے صبح دس بجے تک ہوتی ہے۔ یہ عورت ہمارے سامنے یہاں نہیں آئی تھی۔"

"بچے کہاں ہیں؟ ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بچے کا باپ ہمارے ساتھ ہے' یہ اپنے بچے کو پہچان لے گا۔" ارشد نے عورت کو گھورتے ہوئے سختی سے کہا "اس کے بعد تمہیں مالکان کو بلانا ہوگا۔"

نگراں عورت کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آئے لیکن وہ انکار کرنے کی جرات نہ کر سکی۔

لٹل اینجل کی عمارت اندر سے بہت صاف ستھری اور آراستہ تھی۔ اگلے حصے میں بچوں کے لئے تدریسی اور کھیل کود کے کمرے تھے۔ ان کے پیچھے دو کمرے بچوں کی خوابگاہ کے طور پر زیرِ استعمال تھے جہاں چند ماہ سے تین سال تک کی عمر کے متعدد بچے دھیمی سبز روشنی میں اپنے صاف ستھرے بستروں میں سو رہے تھے۔ ان کمروں میں دیواروں پر رنگ برنگی تصاویر آویزاں تھیں۔ چھت میں لگے ہوئے ہُکوں سے متعدد مشینی کھلونے جھول رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور ائرکنڈیشنر کی وجہ سے کمروں کی فضا میں خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی۔

دونوں کمروں میں ایک ایک بستر نگراں کی معاون عورتوں کے لئے مخصوص تھا تاکہ وہ نیند سے بے آرام ہونے والے بچوں کی ضروریات پر فوری توجہ دے سکیں۔

پہلے کمرے میں جہانگیر کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں معصومانہ انداز میں سوئے ہوئے آٹھوں بچوں میں کوئی اس کا لختِ جگر نہیں تھا لیکن دوسرے کمرے کے چوتھے بستر پر نگاہ پڑتے ہی وہ تڑپ کر والہانہ انداز میں اُدھر بڑھ گیا۔ اگر سلطان شاہ مضبوطی سے اس کا بازو نہ تھام لیتا تو وہ فرطِ محبت سے' سوئے ہوئے بچے سے لپٹ کر اُس کی نیند خراب کر دیتا۔

"وہ کہیں نہیں جا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے صبر سے کام لو۔ اس کی نیند خراب کی گئی تو وہ رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لے گا اور سارے بچے جاگ جائیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا اور وہ اپنے بچے کے بستر کے قریب فرشی قالین پر بیٹھ کر دبی دبی آواز میں رونے لگا۔

اس کا شیر خوار بچہ اپنے باپ کی حالت سے بے خبر' اپنا بایاں انگوٹھا منہ میں لئے بے خبر سو رہا تھا۔

جہانگیر کے ساتھ ایک آیا کو وہیں چھوڑ کر بقیہ لوگ دفتر میں آ گئے۔

ارشد نے وہیں سے ادارے کے مالک کو فون کیا۔ شاید وہ اتنی رات گئے نیند سے اٹھائے جانے پر برہم ہوتا لیکن ارشد نے فوری طور پر اپنا تعارف کرا کے وہ امکان ختم کر دیا۔

"میں انسپکٹر ارشد بول رہا ہوں۔ تمہارے یہاں ایک ایسا بچہ موجود ہے جسے اغوا کیا گیا ہے۔ ضابطے کی کارروائی کے لئے تمہاری فوری موجودگی ضروری ہے۔"

پھر شاید اس نے دوسری طرف کی پوری بات سنے بغیر ریسیور

رکھ دیا۔

لمحہ بھر بعد ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ارشد نے ریسیور اٹھایا اور اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "انسپکٹر ارشد۔ میں نے کہا تھا کہ فوراً آؤ اور تم ابھی تک فون پر میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ غصیلی آواز میں دہاڑا۔ "میں اغوا کے جرم میں شرکت کے الزام میں اسی وقت تمہیں بند کرا دوں گا۔"

"پتا نہیں پولیس کو اپنے باپ کا نوکر سمجھتے ہیں' سالے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ "فون کر کے چیک کر رہا تھا کہ کسی نے مذاق تو نہیں کیا۔ ابھی تھانے میں رات کالی کراؤں گا تو پتا چلے گا کہ مذاق کیا ہوتا ہے... اُلو کا پٹھا۔"

بچے کی شناخت ہونے کے بعد نگراں خاتون نے متعلقہ ریکارڈ ارشد کے سامنے رکھ دیا۔ اس کی بددماغی کے مظاہرے نے اس عورت کو غیر مشروط اور بھرپور تعاون پر مجبور کر دیا تھا۔

ریکارڈ میں بچے کا نام جارج کنگ درج کرایا گیا تھا۔ اسے لانے والی خاتون کا نام تھیلما کنگ تھا جس نے خود کو راڈنی کنگ کی بیوی ظاہر کیا تھا۔ تھیلما کنگ کا نام پڑھتے ہی میں چونک پڑا۔ ویرا نے ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کے لئے بھی وہی نام استعمال کیا تھا۔ نام کے اس تسلسل نے مجھے چکرا کر رکھ دیا مگر میں اس کا کوئی سبب نہیں جان سکا۔ وہ ویرا کی حرکت تھی اور وہی اس کا جواب دے سکتی تھی۔

شیر خوار بچوں کی شب و روز نگہداشت اور تربیت کے لئے لٹل اینجل کی ماہانہ فیس پانچ ہزار روپے تھی جب کہ جارج کنگ کے داخلے کے وقت ویرا نے تھیلما کنگ کے نام سے دس ہزار روپے پیشگی جمع کرا دیے تھے۔ داخلے کے لئے تین ہزار روپے الگ سے ادا کئے گئے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ ویرا نے جہانگیر کو دو ماہ تک پریشان کرنے کا معقول بندوبست کیا ہوا تھا۔ جب تک پیشگی فیس چلتی رہتی' لٹل اینجل کی انتظامیہ بے فکر رہتی۔ دو ماہ کی مدت گزرنے کے بعد بچے کا کوئی ولی وارث سامنے نہ آتا تو وہ اس پتے پر رجوع کرتے جو ویرا نے درج کرایا تھا۔

وہ پتا ڈیفنس کے علاقے کا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فون نمبر نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ تھیلما کنگ کی طرح ویرا کا وہ پتا بھی فرضی رہا ہوگا۔

لٹل اینجل کا مالک وہیں کہیں قرب و جوار میں رہتا ہوگا کیونکہ وہ دس منٹ کے اندر اندر ہانپتا کانپتا ہوا اپنے دفتر [illegible] اس وقت ارشد اُس کی کرسی پر قابض تھا اس لئے اسے مجبوراً ہمارے ساتھ بیٹھ کر ارشد کی زہریلی تقریر سننی پڑی۔

ارشد نے اس سے کچھ بھی پوچھے گچھے بغیر اس پر اپنی بے رحمانہ فردِ جرم عائد کر دی۔ اس کا کہنا تھا کہ بچوں کی پیشہ ورانہ دیکھ بھال اور تربیت کے نام پر وہ لوگ ایک ایسا اڈا چلا رہے تھے جہاں متموّل گھرانوں کے چھوٹے بچوں کو اغوا کر کے تاوان وصول کرنے کے ارادے سے یرغمال کے طور پر رکھا جاتا تھا۔

اس ننگی الزام تراشی پر اس شخص کا چہرہ پسینوں میں ڈوب گیا اور جب اس نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی تو اس کی زبان بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ مسز تھیلما کنگ ایک دردناک کہانی لے کر لٹل اینجل آئی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر' راڈنی کنگ اپنی ملازمت کے سلسلے میں عراق میں مقیم تھا جہاں وہ ہیضے کا شکار ہو کر قریب المرگ پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی تیمارداری کے لئے فوری طور پر بغداد روانہ ہونا چاہتی تھی لیکن شیر خوار بچے کا ساتھ ہونے کی وجہ سے شوہر کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی تھی۔ اسے دوسرا ڈر یہ تھا کہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اُس کے شوہر کا مرض اس کے بچے کو لگ گیا تو وہ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکے گی۔ اس وجہ سے وہ بغداد جانے سے پہلے اپنے بچے کو لٹل اینجل میں داخل کرانا چاہتی تھی۔

اس ادارے کے ضوابط کے مطابق کسی بھی بچے کو برتھ سرٹیفکیٹ اور ماں' باپ کے شناختی کاغذات کے بغیر داخل نہیں کیا جاتا تھا لیکن تھیلما کنگ کی کہانی اس قدر اثر انگیز اور اس کی حالت اتنی قابلِ رحم تھی کہ تھیلما سے صرف فارم بھروانے کے بعد جارج کنگ کو داخل کر دیا گیا۔ ان لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ دو ماہ کے اخراجات پیشگی ادا کرنے پر آمادہ تھی۔

اس شخص کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تھیلما اغوا کئے ہوئے کسی بچے کو لٹل اینجل میں داخل کرانے کے لئے لائی ہوگی۔

اس نے بہت ادب اور خوشامد کے ساتھ ارشد سے التجا کی کہ وہ پوری طرح تصدیق کئے بغیر اس کے نیک نام ادارے پر کوئی الزام تراشی نہ کرے لیکن ارشد بالکل ہی ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا۔

"ہر مجرم اسی طرح معصوم اور پارسا بنتا ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر غرایا "تم لوگوں کی بکواس پر کان دھرتے رہیں تو ہم لوگ مہینے میں دو کیس بھی نہیں نمٹا سکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں کہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی......" اس نے کہنا چاہا مگر ارشد نے ڈپٹ کر اُس کی بات کاٹ دی۔

"غلط فہمی کے بچے! تیرا مطلب ہے کہ اندر جو آدمی اپنے بچے کے پاس بیٹھا رو رہا ہے وہ پاگل یا دیوانہ ہے۔ بس گوری چمڑی اور

تیرہ ہزار کے کرارے نوٹ دیکھے تو اس کو اپنی اماں بنالیا اور اب بھی اسی کا بچاؤ کئے جارہا ہے۔"

"آپ ایک بار میری التجا سن لیں۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا "میں مانتا ہوں کہ مجھ سے پے درپے کئی غلطیاں ہوئیں

لیکن ہمارے رجسٹر میں مسٹر راڈنی کنگ کے گھر کا پتا موجود ہے۔ اگر وہ عراق میں بیمار ہے اور تیملا اس کی دیکھ بھال کے لئے گئی ہوئی ہے تو بھی گھر پر کوئی نہ کوئی تو موجود ہوگا۔ اس سے مل کر ہمیں بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔"

"اور اگر یہ پتا ہی غلط ثابت ہوا تو؟" ارشد نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"پھر میں آپ سے کوئی شکوہ کئے بغیر اپنی قسمت کا لکھا پورا کروں گا یا آپ کے پیر پکڑلوں گا۔"

میری اور ارشد کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی بات مان لینے کا اشارہ کیا۔ ارشد فوراً ہی میز پر مکا مارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو' یہ بھی دیکھے لیتے ہیں۔ اس میں گڑبڑ نکلی تو پھر تمہاری خیر نہیں!" وہ دہاڑا۔

جہانگیر اندر اپنے بچے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے اس لئے ہم اسے چھیڑے بغیر تیملا کنگ کے دیئے ہوئے پتے پر روانہ ہوگئے۔ لٹل اینجل کے مالک کی کار وہیں چھوڑ دی گئی تھی اور وہ خود جیپ میں جہانگیر کی جگہ سوار

ہوچکا تھا کیونکہ اس پتے پر چھان بین کرنے کے بعد ہمیں آخر کار وہیں واپس آنا تھا۔

دس منٹ کی مسافت کے بعد ہم ڈیفنس کے فیز فائیو میں پہنچ گئے۔ اس دوران میں ارشد بار بار بڑبڑاتا اور گالیاں بکتا رہا تھا۔

شاید اس کی دانست میں رعب قائم رکھنے کے لئے وہ سب کرنا ضروری تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کے جارحانہ بلکہ بے رحمانہ رویے کی وجہ سے کسی کو بھی اُس سے اس کی شناخت طلب کرنے کا خیال نہیں آیا تھا اور وہ اپنے سادہ لباس کے باوجود انسپکٹر

تسلیم کرلیا گیا تھا۔

کچھ دیر تک قرب وجوار کی گلیوں میں بھٹکنے کے بعد ایک لڑکے کے ایما پر اکبر نے مطلوبہ مکان کے سامنے جیپ روکی تو نیم پلیٹ پر نظر پڑتے ہی میں سناٹے میں رہ گیا۔ گیٹ لیمپ کے نیچے اسٹیل کی تختی پر پیٹرک ڈی میلو کا نام کندہ تھا اور ویرا کی تلاش میں جانے والی' ایس ٹی ایف کی دو نفری جماعت کے بیان کے مطابق ویرا آخری بار ڈیفنس ہی کے علاقے میں کسی مسٹر ڈی میلو کے ساتھ اُن کے لان پر دیکھی گئی تھی۔

وہ صورتِ حال بہت پیچیدہ اور چکرا دینے والی تھی۔ ایک طرف ویرا ہمیں جل دینے پر تلی ہوئی تھی اور اپنا کوئی بھی سراغ چھوڑے بغیر نہ صرف تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتی جارہی تھی بلکہ اسی کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں بھی لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ اس نے ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کے لئے اپنا جو عارضی پتا درج کرایا' وہ ڈیفنس میں رہنے والے اسی ڈی میلو کا تھا' جس کے گھر کے سامنے ہم اس وقت موجود تھے۔ ویرا کی تلاش میں نکلنے والے اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اراکین چند گھنٹے قبل' ویرا کو اسی مکان کے لان پر ڈی میلو کے ساتھ لکھائی پڑھائی میں مصروف دیکھ چکے تھے۔ ویرا نے ہوٹل میں تیملا کنگ کے نام سے قیام کیا تھا اور اس نے وہی نام استعمال کرتے ہوئے' جہانگیر کے شیر خوار بیٹے کو لٹل اینجل میں داخل کرایا تھا۔ ہوٹل کے ساتھ لٹل اینجل والے معاملے میں تیملا کنگ کے ایک ہی نام اور پتے کے استعمال سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا ہم لوگوں سے ذرا بھی خائف نہیں تھی' اسی لئے اُس نے اپنا نام بدل کر تیملا کنگ کا مستقل روپ دھار لیا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ ہوٹل کے رجسٹر میں اس نے کسی آزموڑ کے بغیر مسٹر ڈی میلو کے نام سے ان ہی کا پتا درج کرایا تھا جب کہ لٹل اینجل کے ریکارڈ کے مطابق وہ پتا مسٹر راڈنی کنگ کا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود میرے لئے یہ امر پریشان کن تھا کہ ویرا اس مکان میں دیکھی جاچکی تھی۔

ویرا کوئی عمر رسیدہ عورت نہیں تھی لیکن اس کے باپ نے ڈان مرینانو کا روپ دھار کر اسے کم سنی ہی سے جس انداز میں زندگی کے نشیب وفراز سکھائے تھے' اس کے نتیجے میں وہ بلا کی چالاک اور مکار ہوچکی تھی۔ اُس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کٹھن حالات میں ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھ کر ہر جگہ اپنا سراغ چھوڑتی چلی جائے گی۔

حالات وواقعات سے ثابت ہو رہا تھا کہ ویرا' تیملا کنگ کے نام سے مسٹر ڈی میلو کے مکان میں چھپی ہوئی تھی لیکن اس قدر واضح شہادتوں کے باوجود مجھے دال میں کچھ کالا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شرفا بلکہ صحیح الفاظ میں مالدار اور باحیثیت لوگوں کی آبادی تھی اس لئے ڈی میلو کے مکان کے پھاٹک پر' ارشد وہ جارحانہ رویہ اختیار کرنے کی ہمت نہیں کرسکا جس کے سہارے اس نے لٹل اینجل کی عمارت میں موجود ملازمین کو حواس باختہ کردیا تھا۔

اس کے ایما پر' اکبر نے جیپ پھاٹک پر لگانے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ کچے میں اتار کر روک دی اور ہیڈ لیمپس کے ساتھ ہی انجن بھی بند کردیا۔

"یہ کیا ہے؟" ارشد' لٹل اینجل کے مسکین سے مالک کی طرف مڑ کر غرایا۔

"ٹک.... کیا؟" اندھیرے میں اس کی بوکھلاہٹ اور خوف زدہ آواز ابھری۔

"راڈنی کنگ کہاں گیا؟ یہ تو پیٹرک ڈی میلو کا گھر ہے؟" ارشد کی آواز سے بربھی حترشح تھی۔

"ہم.... میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ فارم میں تو یہی پتا درج کیا گیا تھا جو میں نے ریکارڈ پر منتقل کرلیا" اس کی رو دینے والی آواز ابھری "یا خدا.... میں کس مصیبت میں پڑگیا۔"

ارشد کو تصویر کا صرف ایک رخ معلوم تھا۔ شاید اسے یہ علم نہیں تھا کہ ویرا کی تلاش میں ہوٹل میٹروپول کی طرف جانے والے اس کے ساتھی کیا خبریں لے کر آئے تھے۔ اس لئے اُس کی دانست میں وہ معاملہ بہت صاف اور سیدھا تھا کہ تیملا کنگ کا فرضی نام اختیار کرکے' بچے کو لٹل اینجل میں داخل کرانے والی عورت نے غلط پتا درج کرایا تھا۔ اس پتے پر راڈنی کنگ کے بجائے پیٹرک ڈی میلو کے نام کی تختی دیکھ لینے کے بعد وہاں وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ اس وجہ سے وہ شاید وہاں کوئی کارروائی کئے بغیر واپسی پر مائل نظر آرہا تھا۔

"اب ہم یہاں تک آہی گئے ہیں تو اتمامِ حجت کے لئے ڈی میلو سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" قدرے سکوت کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ سب فراڈ ہے" ارشد کی غصیلی آواز ابھری "یہ سالا' فرحت خان جو لٹل اینجل کا مالک بنا پھر رہا ہے' جوتے کھائے گا تو صبح تک خود ہی سچ اگلنے کی مشین بن جائے گا۔"

"دد.... دیکھو.... مم.... میں ایک عزت دار آدمی ہوں۔ تمہارا اور قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہوں۔ مجھے ایسی ہولناک اور ڈراؤنی دھمکیاں نہ دو ورنہ میرا ہارٹ فیل ہوجائے گا...."

"مرنے سے ڈراتا ہے؟" ارشد شاید دانت پیس کر غرایا تھا۔ "ابے' ہم نے دل کے سیکڑوں مریض بھگتا دیئے ہیں۔ ہم اپنے ہتھے چڑھنے والوں کو اتنی آسانی سے نہیں مرنے دیتے.... اور ہاں' مرزاجی' تم کو ڈی میلو سے مل لینے میں کون سا فائدہ نظر آرہا ہے؟ وہ بے چارہ کیا کرسکے گا؟"

اندھیرے کی وجہ سے یہ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ ارشد کس کی طرف متوجہ تھا لیکن یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ اس نے آخری دو فقرے مجھ ہی سے کہے تھے کیونکہ ڈی میلو سے مل لینے کی تجویز میری تھی۔

"میرا خیال اب بدل گیا ہے" میں نے اپنے خیالات کی رَو سے چونک کر کہا "ہمیں واپس لٹل اینجل چل کر بچے کو فرحت خان کے حبسِ بے جا سے برآمد کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی ماں تک پہنچایا جاسکے۔ وہ غریب عورت اپنے شیر خوار بچے کے غم میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ میرے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں جلد از جلد اس مکان میں داخل ہونے کے لئے بے چین تھا۔ ویرا وہاں دیکھی گئی تھی۔ اگر وہ ہاتھ آجاتی تو بہتیرے مسائل آناً فاناً میں حل ہوجاتے اور اگر وہ ہاتھ نہ بھی آتی تو اس کے بارے میں ڈی میلو سے قیمتی معلومات حاصل ہوسکتی تھیں لیکن اندر جانے سے پہلے ارشد اور اکبر کو پوری پچویشن سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ جب تک فرحت خان ہمارے ساتھ تھا' ہم اس موضوع پر کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے۔

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ہم لوگوں سمیت وہ جیپ زیادہ دیر تک وہاں کھڑی رہتی تو شہر کے مخدوش حالات کی بنا پر قرب وجوار کے مکانات کے چوکیداروں میں سے کوئی ہماری طرف متوجہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہی کسی فرض شناس چوکیدار کے ایما پر اس کے مالکان پولیس کو اپنے علاقے میں کسی مشتبہ جیپ کی موجودگی کی خبر دے دیتے تو ہمارا پورا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

میں جانتا تھا کہ کوئی قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کے باوجود' اسپیشل ٹاسک فورس والے پولیس والوں سے معاملات سلجھانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے لیکن ایک بار پولیس ملوث ہوجاتی تو نہ صرف ہماری رازداری ختم ہوجاتی بلکہ جہانگیر کے بچے کی بازیابی کا معاملہ بھی طویل کاغذی کارروائیوں کی وجہ سے غیر ضروری تاخیر کا شکار ہوجاتا۔

ان حالات میں' مَیں نے یہی بہتر سمجھا کہ ارشد کو شیر خوار بچوں کے بورڈنگ ہاؤس لوٹنے کا مشورہ دے ڈالوں۔ وہاں ہم فرحت خان کو سلطان شاہ کی تحویل میں دے کر پوری آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیال کرکے' ڈی میلو کے مکان میں گھسنے کا منصوبہ بناسکتے تھے۔

"عورت کو تو اپنا بچہ مل ہی جائے گا" ارشد استہزائیہ لہجے میں بولا "تم نے حبسِ بے جا کا خوب یاد رکھا۔ اب اس پر حدود کے تحت دو مقدمے بنیں گے۔ اغوا اور پھر حبسِ بے جا جیسے جرائم کے بعد اس فرحت خان کی چمڑی کا مشکیزہ ہی بنے گا۔"

اس اثنا میں اکبر جیپ کا انجن اسٹارٹ کرکے اسے سڑک پر لاچکا تھا۔

"میں قرآن پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ اس جرم میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے" فرحت خان کی روہانسی آواز ابھری "میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تیملا فراڈ ہوگی' مجھے...."

"بس!" ارشد نے ڈانٹ کر اسے خاموش کرادیا "ہر مجرم' جرم کو کھیل' مذاق یا کاروبار سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ تارے اس وقت نظر آتے ہیں جب قانون کا بے رحم شکنجہ گردن جکڑتا ہے۔"

جیپ کے تاریک کیبن میں کچھ دیر تک خاموشی رہی مگر میں فرحت خان کے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان ابھرنے والی' دھیمی دھیمی اضطراری آہوں کی آواز بخوبی سن رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ وہ بالکل بے گناہ تھا۔ ویرا اس قدر عیار اور مکار عورت تھی کہ اس کے سامنے بڑے بڑے بدمعاش اپنے

کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اگر فرحت خان لاعلمی میں اس کا آلۂ کار بن گیا تھا تو اس میں اُس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن ہمارے لئے ضروری تھا کہ اسے اس قدر خوف زدہ کردیا جاتا کہ بچے کو اس کی تحویل سے نکال لئے جانے کے بعد' وہ سزا اور بدنامی کے خوف سے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتا۔

اس خاموشی کو فرحت خان کی منمناہٹ نے ہی توڑا' وہ کہہ رہا تھا "مرزا جی! تم مجھے بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی میری کچھ مدد کرو۔ میں بے موت مارا جاؤں گا۔"

"غلط دھندوں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے" میں نے بے رخی سے کہا۔

"مرزا جی' تم یقین کرو کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا" وہ اضطراری طور پر خوشامدانہ انداز میں میرا بازو دباتے ہوئے' سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"غلط کام نہیں کیا ہے تو عدالت سے باعزت بری ہو جاؤ گے!"

"عدالت کا فیصلہ آنے تک میں بری طرح تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔"

"یہ تمہیں اس وقت سوچنا چاہئے تھا جب تم تسلیما سے پینگیں بڑھا رہے تھے۔"

"میری عزت خاک میں مل جائے گی' کاروبار تباہ ہو جائے گا۔" وہ میری بات سنی ان سنی کرکے اپنی ہی دھن میں کہتا رہا "مجھے اس شیطانی چکر سے بچالو' مرزا جی' ورنہ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم مجھ سے ایسی امیدیں کیوں باندھ رہے ہو؟"

"تمہاری نرمی اور شرافت نے مجھے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا ہے۔"

"نرمی اور شرافت کی خاطر میں اپنی نوکری کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔"

"نہیں' نہیں' ایسا مت کہو.... خدا نہ کرے کہ تمہاری نوکری پر کوئی آنچ آئے.... تم مجھے بچانے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں نہال کردوں گا۔"

"کیا نہال کرو گے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہیں بیس ہزار روپے دوں گا" اس نے میرے کان سے مُنہ لگا کر سرگوشی کی۔

"اتنے تو معمولی چور اچکے دے جاتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ یہ حدود آرڈی ننس کا کیس ہے اور بچہ تمہاری تحویل سے برآمد ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ تیرہ ہزار کی رقم تم تسلیما سے وصول کرچکے ہو۔ اب اپنے پلے سے صرف سات ہزار ڈال کر ہمیں ٹرخانے کی کوشش نہ کرو۔"

میری حوصلہ افزا گفتگو سے اسے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا اور وہ بولا "میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ تم ہی کچھ بتاؤ کہ معاملہ کہاں تک پٹ سکے گا؟"

"ننھا اینجل کی ماہانہ آمدنی کتنی ہے؟" میں نے دل ہی دل میں حساب جوڑتے ہوئے پوچھا۔

"سوا دو لاکھ کے قریب فیسیں آتی ہیں' نگران کا بڑا حصہ بچوں کی دیکھ بھال' خوراک' تنخواہوں اور کرائے وغیرہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ مجھے تیس' چالیس ہزار بچتے ہیں" وہ سہمی ہوئی آواز میں بلا رکے اپنا پورا حساب بتاتا چلا گیا۔

"ننھا اینجل باقی رہا تو تم ساری عمر اس سے کماتے رہو گے ہمارے پھندے میں آگئے ہو تو اب ہمارا پورا حصہ دئے بغیر گلو خلاصی نہیں ہوگی' ہر چیز خاک میں مل جائے گی۔"

"تم بتاؤ' میرے بس میں ہوا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا" وہ خوف سے مرا جارہا تھا۔

"صرف ایک مہینے کی فیسوں کا خرچا ہے۔ اگلے مہینے سے پھر تمہاری کمائی شروع ہو جائے گی۔ ہم رپورٹ سے تمہارا اور تمہارے ادارے کا نام ہی غائب کردیں گے۔"

"لل.... لیکن بچے کی برآمدگی کہاں سے دکھاؤ گے؟" چند ثانیوں کے بعد اس کی نقاہت زدہ آواز ابھری۔ اس نے رقم پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا

"وہ ہمارا کام ہے۔ بچہ کسی پارک میں لاوارث پڑا ہوا بھی مل سکتا ہے۔"

"لیکن اس کا باپ اپنی زبان بند نہیں رکھے گا" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اسے ڈرا دیں گے کہ اس نے اصل واقعات کے بارے میں زبان کھولی تو خطرناک مجرم بچے کے ساتھ ہی اس کی بیوی کو بھی اٹھالے جائیں گے اور ان کی لاشیں تک نہیں مل سکیں گی۔ ہم لوگ جب سودا کرتے ہیں تو اونچ نیچ بھی سنبھالتے ہیں۔ بچے کے باپ کی زبان بندی کا بندوبست نہ ہوا تو تمہارے ساتھ ہم سب بھی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"مرزا جی' تم میرے محسن ہو!" اس نے ایک مرتبہ پھر میرا بازو دباتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا "میں تمہیں پورے دو لاکھ دے دوں گا.... بس اس سے آگے مجھے نہ دبانا۔"

میں نے اس کا نخ بستہ ہاتھ اپنے بازو پر سے ہٹادیا۔

ہم دونوں دھیمی آوازوں میں باتیں کررہے تھے۔ انجن کے شور اور جیپ کی کھلی ہوئی کھڑکیوں میں سے آنے والی تیز ہواؤں کی وجہ سے ارشد اور اکبر غالباً ہماری گفتگو نہیں سن سکے تھے۔ سلطان شاہ کو بھی پورے قصے کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اس لئے میں نے اونچی آواز میں ان تینوں کو اپنی کارروائی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "دو لاکھ میں سودا ہو گیا ہے۔ اب رپورٹ میں فرحت خان کا نام نہیں آئے گا۔"

ہم لوگ پولیس والوں کے روپ میں ننھا اینجل پہنچے تھے اور اگر فرحت خان سے سودے بازی نہ ہوتی تو وہ معاملہ پولیس کے علم

میں لانا ناگزیر ہو جاتا۔ ہم خاموشی کے ساتھ بچے کو لے کر نکل جاتے تو فرحت خان بعد میں اپنے طور پر علاقے کے تھانے سے رجوع کرسکتا تھا۔ جب اسے پتا چلتا کہ بچے کو لے جانے والوں کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں تھا تو وہ شیر ہو جاتا اور اخبار والوں کو ایک سنسنی خیز کہانی مل جاتی۔ وہ سب ہمارے مفاد میں نہیں تھا' اس لئے دو لاکھ پر بات بنتے ہی میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ٹل گیا تھا۔

مگر ارشد اس وقت واقعی ایک حریص پولیس انسپکٹر بنا ہوا تھا۔ میری بات سنتے ہی وہ بگڑ گیا "مرزا جی' یہ کیا کیا تم نے؟ ایسے کیس روز روز نہیں ملتے۔ اسے تھانے پہنچنے دیتے" اس کے بعد یہ خوشی خوشی دس لاکھ بھی دینے پر تیار ہو جاتا۔ تھانے کی تفتیش بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔"

"میں نے تو قصہ ختم کردیا۔ تم چاہو تو اسے تھانے لے جاسکتے ہو۔ مجھے اس کی یتیمی پر ترس آگیا۔ قسمیں کھا رہا ہے کہ یہ بالکل بے قصور ہے۔"

"مار پڑنے سے پہلے ہر ماں کا خصم ایسی ہی قسمیں کھاتا ہے۔ سونٹا چلتا ہے تو ایسے لوگوں کو ساری بھولی بسری باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ غضب خدا کا' یہ تو سوچا ہوتا کہ اوپر والوں کا حصہ نکالنے کے بعد ہم چاروں کے پلے کیا پڑے گا؟ تم تو اس کی ہمدردی میں اپنے پیٹ پر لات مار رہے ہو۔"

"میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر' تمہیں تین لاکھ دے سکتا ہوں۔" فرحت خان یوں ہانپ رہا تھا جیسے کوئی کھڑی ڈھلان چڑھ کر آیا ہو۔ "میں نے پچھلے مہینے اپنی ایک بچی کی شادی کی تھی۔ میری جمع پونجی اسی کی نذر ہو گئی۔ آج کل کے پڑھے لکھے لڑکے کھلے بازار میں اپنی بولی لگواتے ہیں۔ تم چاہو تو تصدیق کرسکتے ہو کہ میں نے اپنی بچی کو چار لاکھ کا فلیٹ اور داماد کو سلامی میں ساڑھے تین لاکھ کی کار دی تھی۔ ایک بچی کے بیاہ پر اتنا کچھ لٹا دینے کے بعد مجھ جیسے سفید پوش کے پاس کیا بچ سکتا ہے؟"

اپنی بات پوری کرتے ہی فرحت خان کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بلک کر رو پڑا۔

میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے۔

اسی کے ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فرحت خان نے اپنی بچی کی شادی پر فلیٹ اور کار کے ساتھ دس بیس تولے سونا بھی دیا ہوگا۔ اس اعتبار سے اس شادی کا تخمینہ بارہ' پندرہ لاکھ کے لگ بھگ بنتا تھا اور وہ اس پر بھی خود کو سفید پوش قرار دے رہا تھا۔ اس نے ارشد کی ایک ہی دھمکی پر رشوت کی رقم میں یک بیک ایک لاکھ کا اضافہ کردیا تھا۔

بیس ہزار سے شروع ہو کر وہ بولی جس طرح تین لاکھ تک پہنچی تھی' اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے ساتھ تھوڑا بہت تشدد کیا جاتا تو وہ رقم بڑھانے پر آمادہ ہو جاتا لیکن ہم میں سے کوئی بھی اسے اسامی بنانے کے موڈ میں نہیں تھا' ہم جو کچھ کررہے تھے' اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اسے ہماری اصلیت پر شبہ نہ ہو سکے ورنہ اس سے وصول ہونے والی ساری رقم بالآخر ظفری کی تحویل میں جانی تھی۔

اس مہم کا ایک فکر انگیز پہلو یہ تھا کہ فرحت خان کا "کاروبار" بہت منفعت بخش تھا جبھی اس نے اپنے داماد کو مُنہ مانگے داموں پر خرید لیا تھا ورنہ عام گھرانوں میں تو لاکھ' پچاس ہزار کے اثاثے جوڑنے میں بھی اتنی مدتیں لگ جاتی ہیں کہ اپنے بابل کے آنگن میں نفیریوں اور شہنائیوں کی راہ تکنے والی کنواریوں کی مانگ میں چاندی کے تار جھلملانے لگتے ہیں۔

وہ ننھا اینجل کا مالک تھا۔ بظاہر وہ ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھا لیکن اس دکان کے خریدار وہ سہل پسند امراء تھے جو اپنے ہی بچوں کی پرورش کو اپنی جان کا جنجال سمجھتے ہیں۔ انہیں نوکروں اور آیاؤں کے سپرد کردیتے ہیں یا ننھا اینجل جیسے اداروں میں "ڈال" دیتے ہیں۔ مائیں اپنا حسن و شباب بچانے کے لئے اپنے جگر گوشوں کو اپنی ممتا بھری چھاتی سے دور دھکیل دیتی ہیں اور باپ اپنی پُرکیف نیندوں کو بچوں کے نالۂ نیم شب سے محفوظ رکھنے کے لئے ان پناہ گاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ ان کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ وہ ماں اور باپ کہلانے کے حق سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں نہ بچوں کی پرورش کی صعوبتیں جھیلنے کا یارا رکھتے ہیں اس لئے ننھا اینجل جیسے ادارے ان کی مجبوری بن جاتے ہیں۔ فرحت خان ان کی مجبوریوں کے دام وصول کررہا تھا اور اس کے لئے اپنے نرخوں میں اضافہ کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

وہ اپنی بچی اور داماد کو جو کچھ دے چکا تھا یا ہمیں دینے والا تھا' اسے وہ سب ان ہی مجبوروں سے وصول کرنا تھا جو اس کی خدمات کے محتاج تھے۔

کچھ دیر بعد فرحت خان کا زورِ گریہ ختم ہوا تو میں نے باتوں ہی باتوں میں اُس سے اپنے قیاس کی تصدیق کرالی۔ اس نے اعتراف کیا کہ وہ فوری طور پر فیس میں دو چار سو روپے ماہانہ کا اضافہ کرکے اپنا بھاری خسارہ پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ہوش ربا گرانی کے حوالے سے کیا جانے والا وہ اضافہ بچوں کے والدین کو بہرصورت قبول کرنا پڑتا کیونکہ ان کے بچے ننھا اینجل میں خاصی مدت گزار لینے کی وجہ سے وہاں کے ماحول اور آیاؤں کے بدن کی مخصوص بو کے عادی ہو چکے تھے۔ پیسے بچانے کے لئے انہیں ننھا اینجل سے نکال کر کسی دوسرے ادارے میں ڈالا جاتا تو اجنبی ماحول' نئے چہروں اور جسموں کی نامانوس مہک کی وجہ سے بچے اضطراب اور بے آرامی کا شکار ہو کر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ فرحت خان کے لئے بچوں کی معصومانہ نفسیات کی وہ کمزوری ایک کاروباری گُر سے کم نہیں تھی اور وہ اُس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ٹل اسٹنبل میں عملے کے سامنے فرحت خان کی ساکھ کی بحالی ضروری تھی اس لئے ارشد نے دوبارہ وہاں پہنچتے ہی فرحت کے ساتھ مہذّب رویّہ اختیار کرلیا اور ایسی گفتگو شروع کردی جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس معاملے میں وہ بالکل بے قصور تھا' ساری شرارت اور بد معاشی مسز تمیلا کنگ کی تھی جو بچے کو دھوکے سے اس کے سرڈال گئی تھی۔

"تمیلا کی گرفتاری کے لئے تم لوگوں کی خاموشی ضروری ہے" ارشد' فرحت سے مخاطب ہو کر اُس کے ملازمین کو سنا رہا تھا۔ "اسے شبہ بھی ہوگیا کہ ہم لوگ بچے کو یہاں سے نکال لے گئے ہیں تو وہ اپنی گرفتاری کے خوف سے ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گی۔ وہ بے خبری میں یہاں آجائے تو تم بچے کی علالت کا بہانہ کرکے اسے یہاں روک لینا۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ بچے کو علاج کے لئے شہر کے کسی اسپتال میں داخل کرادیا گیا ہے۔ اس اثنا میں تم مجھے اطلاع دوگے اور ہم اسے پکڑلیں گے۔"

فرحت خان ممنونیت سے لبریز نگاہوں سے ارشد کو دیکھتا رہا۔ اپنی عموی تقریر کرکے' ارشد نے عملے کے تمام اراکین کو دفتر سے رخصت کردیا۔

"رقم کا کیا بندوبست ہے؟" میدان صاف ہوتے ہی ارشد نے اس سے پوچھا۔

"مجھے گھر جانا ہوگا" فرحت نے نیچی آواز میں کہا "رقم میرے گھر پر ہی رہتی ہے۔"

"پھر تم یہاں وقت کیوں برباد کررہے ہو؟" ارشد نے قدرے تیزی سے کہا "اپنی گاڑی میں جاؤ اور رقم لے کر جلد از جلد لوٹ آؤ۔"

فرحت فوراً ہی چلا گیا اور ارشد میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"جہانگیر کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "جتنی دیر میں فرحت خان واپس آئے گا' اکبر اسے چھوڑ کر واپس آسکتا ہے۔"

"بچہ بھی اسی کے ساتھ جائے گا؟" ارشد نے سوال کیا۔

"یہ ضروری ہے۔ ہم دوبارہ یہاں واپس نہیں آئیں گے" میں نے کہا۔

ارشد نے میرے مشورے کے مطابق اکبر کو فوراً ہی جہانگیر اور اس کے شیرخوار بیٹے کو اس کے گھر پہنچانے کا کام سونپ دیا۔ اس طرح دفتر میں مجھ سمیت کل تین نفوس رہ گئے۔

"اب بتاؤ کہ تم ڈی میلو سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" ارشد نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے میز کے سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی سنبھالتے ہوئے وہ کہانی چھیڑ دی جو ویرا کی تلاش میں جانے والے اسپیشل ٹاسک فورس کے دو جوانوں کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔

ارشد حیرت اور بے یقینی کے ساتھ مُنہ کھولے میری وہ دلچسپ کہانی سنتا رہا جو اس کے لئے شاید سنسنی خیز بھی ثابت ہوئی تھی کیونکہ دو مختلف مہمات بالکل ایک ہی سمت کی نشاندہی کررہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈی میلو بھی ویرا سے ملا ہوا ہے؟" میری کہانی مکمل ہونے پر ارشد نے اضطراری انداز میں پہلو بدلتے ہوئے کہا "ہمیں سب سے پہلے اسی پر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔"

"اس معاملے میں فرحت خان کو ملوّث کرنا مناسب نہیں تھا اس لئے میں نے اس کی موجودگی میں بات کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا" میں نے کہا "ورنہ میں تو اسی وقت ڈی میلو کے گھر میں گھسنے کے لئے بے چین تھا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب ویرا کی عقل پر پردہ پڑچکا ہے جبھی وہ اس قدر خود اعتمادی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ آج اس کی یہی خوش فہمی اسے لے ڈوبے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"پھر ہم یہاں وقت کیوں ضائع کررہے ہیں؟" ارشد کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

میں اس کے سیمابی ردِّعمل پر زیرِلب مسکرانے لگا "جیپ اکبر لے جارہا ہے۔ ہمیں اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔ پھر فرحت خان بھی رقم لینے گیا ہے۔ یہاں سے نمٹ کر ہی ہم ڈی میلو کی طرف جائیں گے اگر ویرا اس کے گھر میں پناہ گزین ہے تو یقین رکھو کہ صبح کا اجالا پھیلنے تک وہ وہیں رہے گی۔ عجلت میں ہم نے یہاں کے کام ادھورے چھوڑے تو دشواریاں کھڑی ہوجائیں گی۔"

"یہ سب تو ہو رہا ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہم فرحت خان سے تین لاکھ کی رقم کس مد میں اینٹھ رہے ہیں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا "اس معاملے میں اس کے ہاتھ بالکل صاف نظر آتے ہیں۔ ہم یہ رقم کہاں لے جائیں گے؟"

"یہ ایس ٹی ایف کے لئے غیر سرکاری گرانٹ ہوگی" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "یہ رقم ظفر کو سونپ دینے کے بعد ہم اس بوجھ سے بری الذّمہ ہوجائیں گے۔"

"یا پھر بہرام ڈاکو کی سخاوت دکھا ڈالو!" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا "چلتے وقت تم نے اسے پوری رقم لوٹا دی تو وہ بھونچکا رہ جائے گا۔ میں نے سنا ہے کہ بہرام ڈاکو مظلوموں کے ساتھ ایسا ہی محیّرالعقول رویّہ اختیار کیا کرتا تھا۔ ایس ٹی ایف والے تو ویسے ہی مالا مال نظر آتے ہیں۔"

"یہ بھی ایک صورت ہوسکتی تھی" میں نے اس کی مذاق میں کہی ہوئی بات پر گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "لیکن ہمارے پولیس والے آیا ہوا مال لوٹانے کے عادی نہیں ہیں۔ ہماری نیکی ہمارے گلے پڑجائے گی۔ فرحت خان سمجھ جائے گا کہ ہمارا مقامی پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اسی وقت کسی قریبی راہداری سے کسی شیرخوار بچے کے رونے کی آواز آئی اور میں نے سمجھ لیا کہ جہانگیر اپنے بچے کے ساتھ واپس روانہ ہو رہا تھا۔

○☆○

اس وقت رات کے تقریباً دو بجے کا عمل تھا اور اس علاقے میں ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ شہر کی مصروف شاہراہوں سے دور' ایک خالص رہائشی علاقہ تھا اس لئے اتنی رات گئے وہاں انجنوں وغیرہ کی گونج بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔

علاقے کے مکین میٹھی نیند میں ڈوبے ہوئے تھے' مکانوں کی کھڑکیاں تاریک تھیں۔ جن مکانوں میں شب بیدار رِندوں کا بسیرا تھا' ان کی کھڑکیوں پر بھی رازداری کے خیال سے شاید دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ بجلی کے کھمبوں پر ٹمٹماتے ہوئے اِکا دکّا قمقموں کی روشنی اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ وسیع و عریض مکانات کے پھاٹکوں پر اکثر و بیشتر اجالا تھا کیونکہ تقریباً ہر گیٹ پر لیمپ روشن تھے البتہ چوکیدار اپنے اپنے احاطوں میں محصور تھے کیونکہ ڈی میلو کے مکان والی سڑک پر دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ماحول ہمارے مقاصد کے لئے بہت موزوں اور سازگار نظر آرہا تھا۔

ہماری نفری چار افراد پر مشتمل تھی۔ مہم میں میری اور سلطان کی شرکت اہم اور ضروری تھی کیونکہ ہم دونوں ویرا کو بہت قریب سے جانتے تھے اور اسے ہر بہروپ میں پہچان سکتے تھے۔ ارشد سینئر تھا اس لئے اُس کی شرکت بھی ضروری تھی اس لئے جب جیپ ایک نیم تاریک مقام پر روکی گئی تو ہم تینوں اکبر کو اسٹیئرنگ وہیل پر چھوڑ کر' خاموشی سے نیچے اتر گئے۔

فرحت خان سے وصول کئے ہوئے تین لاکھ روپے جو نقد رقم اور پرائز بانڈز پر مشتمل تھے' جیپ ہی میں چھوڑ دیئے گئے البتہ ہم تینوں نے جیپ سے اترنے سے پہلے خود کو مسلح کرلیا تھا۔ ہم تینوں کے پاس بھرے ہوئے پستول اور فاضل میگزین موجود تھے۔ میرے پاس ہیم گن بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ ارشد نے جیپ کے گلوو کمپارٹمنٹ میں سے ایک عدد طاقتور جیبی ٹارچ بھی لے لی تھی۔

نیچے اترتے ہی ارشد ہم دونوں سے کئی قدم آگے ہولیا۔ وہ تیزی کے ساتھ ڈی میلو کے مکان کے پھاٹک پر پہنچا تو ہم اس سے محفوظ فاصلے پر' احاطے کی دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ ہمارا مدّعا صرف اتنا تھا کہ گیٹ کھولنے والے کو فوری طور پر یہ اندازہ نہ ہوسکے کہ اس کے سامنے تین افراد ہیں۔

ایک اور تین کا تناسب دیکھتے ہی گیٹ یا اس کی ذیلی کھڑکی فوری طور پر بند کی جاسکتی تھی اور یوں ہماری مہم ابتدا ہی سے تشدّد کا شکار ہوجاتی جب کہ ہم پُرسکون انداز میں احاطہ عبور کرکے' خاموشی کے ساتھ اصل عمارت تک پہنچنے کا منصوبہ لے کر آئے تھے۔

پہلے چکر میں' مَیں نے دیکھ لیا تھا کہ اس پھاٹک کے سنگین ستون پر کال بیل کا بٹن نصب تھا لیکن ارشد نے وہ بٹن دبانے کے بجائے آہنی پھاٹک پر ہولے سے دستک دی۔

چوکیدار غالباً اپنے کیبن میں یا پھاٹک کے نزدیک ہی سویا ہوا تھا لیکن اپنے فرض سے غافل نہیں تھا۔ دستک کے جواب میں اندر سے فوراً ہی ایک بھاری اور خوابناک آواز ابھری' بولنے والے کا لب و لہجہ اس کے پٹھان ہونے کا غمّاز تھا کیونکہ کراچی میں چوکیداری کے فرائض کے لئے بالعموم پٹھانوں کی دلیری' جبلی مہارت اور نمک حلالی کو مثالی تصور کیا جاتا ہے۔

ارشد نے فوراً ہی پشتو میں کچھ کہا اور لمحہ بھر بعد ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔

اس پھاٹک پر جلتے ہوئے گیٹ لیمپس کی روشنی میں' مَیں نے ارشد کو کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ فضا میں اوغ کی ایک گھٹی گھٹی سی آواز ابھری اور ارشد فوراً ہی کھلی ہوئی کھڑکی کے خلا میں معدوم ہوگیا۔

اس آواز کا معاملہ بالکل واضح تھا۔ ارشد نے نیند سے اٹھے ہوئے چوکیدار کو کوئی مہلت دیئے بغیر اس کا نرخرا دبوچ لیا تھا تاکہ وہ کوئی اونچی آواز نکال کر اپنے مالکان کو ہوشیار نہ کرسکے۔

لمحہ بھر بعد ہی ہلکی سی سیٹی کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں اپنی جگہ چھوڑ کر' تیزی کے ساتھ کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی سے ڈی میلو کے مکان کے احاطے میں داخل ہوگئے۔

وہ پوری مدّت چند ثانیوں سے زیادہ نہیں تھی لیکن ہم اندر پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ارشد اس قلیل سی مدت میں اپنی پہلی ذمے داری سے بخوبی سبکدوش ہوچکا تھا۔ چوکیدار کا تنومند اور دراز قامت جسم اس کے قدموں میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

پھاٹک کے قریب دیوار سے ملحق پختہ کیبن میں بستر خالی پڑا ہوا تھا اور عملاً میدان صاف تھا۔ سلطان شاہ نے آہستگی کے ساتھ ذیلی کھڑکی بند کرکے بولٹ لگادیا۔

پھاٹک سے تاریک عمارت تک پختہ روش بنی ہوئی تھی جس کے دونوں جانب وسیع و عریض اور سرسبز لان پھیلا ہوا تھا۔ لان کو روشن رکھنے کے لئے کھمبوں پر جابجا آرائشی روشنیاں لگی ہوئی تھیں جو اس وقت گُل تھیں۔ پورے مکان میں گیٹ لیمپس کے علاوہ صرف برآمدے میں روشنی نظر آرہی تھی جس کا مطلب تھا کہ رات کے ان لمحات میں اس مکان کے مکین بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔

ہم تینوں نے لمحہ بھر کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بیک وقت' پنجوں کے بل برآمدے کی طرف دوڑ لگادی۔ وہاں بید کی بنی ہوئی خوب صورت اور ہلکی میز کے ساتھ ہی متعدّد کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ ڈی میلو اور اس کے اہلِ خانہ' اگر اُن کا وجود تھا' بند کمروں سے باہر نکل کر کھلی فضا سے بھی

لطف اندوز ہونے کے عادی تھے۔ میرے لئے اس نکتے کی خاصی اہمیت تھی کیونکہ بند دیواروں کے حصار میں قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے صاحبِ حیثیت افراد عموماً ان جانے اوہام اور ان دیکھے خطرات سے خوف زدہ پائے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ لاشعوری طور پر اپنی خواب گاہوں کو قلعہ بند کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کمروں کی کھڑکیاں بند کردی جاتی ہیں یا صرف شیشوں کے آرپار دیکھنے کے کام آتی ہیں۔ تازہ ہوا کا گزر صرف اور صرف ائرکنڈیشنرز تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے جس کے نتیجے میں اجنبیوں کو ان تک رسائی میں خاصی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ڈی میلو ہوا خوری کا عادی تھا اس لئے مجھے قوی امید تھی کہ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند بھی ہوا تو اس خوشگوار موسم میں ہمیں اندر پہنچنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھلی ہوئی کھڑکی مل جائے گی۔

ارشد نے برآمدے کے اختتام پر واقع چوبی دروازے پر بے آواز زور آزمائی کی اور پلٹ آیا۔

"تم یہیں چھپ جاؤ!" میں نے سلطان شاہ کے قریب جاکر سرگوشی کی "ہم پچھلی سمت سے اندر گھسنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے ہیں۔"

میری ہدایت پر سلطان شاہ کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ شاید اس کی دانست میں اسے ایک مرتبہ پھر محاذ آرائی سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی تھی لیکن میں مجبور تھا۔ ہم تین میں سے ایک نہ ایک کو فرار کے اس راستے پر جمے رہنا تھا ورنہ ہمارا شکار اُدھر سے غائب ہوسکتا تھا۔

سلطان شاہ کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں تیزی کے ساتھ برآمدے سے نیچے اترے۔ میرا خیال تھا کہ ہم دونوں مختلف سمتوں سے مکان کا طواف کریں تاکہ وقت کی بچت ہوسکے لیکن ارشد میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے ساتھ لیتا چلا گیا جس پر میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

میرے اندازے کے عین مطابق، پچھلی سمت میں ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اندر گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہم نے پوری احتیاط کے ساتھ جائزہ لیا تو باہر سے اندر کا منظر نظر نہیں آیا کیونکہ کھلی ہوئی کھڑکی پر ہلکی سی آہنی گرل کے ساتھ ہی فلائی پروف جالی کے پٹ بند تھے۔

ہم نے چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں پھیلے ہوئے گھپ اندھیرے میں زندگی کی کوئی رمق دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہاں اگر کوئی سو رہا تھا تو وہ نہایت سکون اور آرام سے سویا ہوا تھا اور خراٹے وغیرہ لینے کی عادت سے عاری تھا۔

اندر سے فی الفور کسی مداخلت کا امکان نہ پاکر ارشد نے اپنی جیب سے کوئی تیز دھار چیز برآمد کی اور پلک جھپکتے میں، ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ نائلون کی فلائی پروف جالی کاٹ ڈالی۔ کٹی ہوئی جالی میں ہاتھ ڈال کر اس نے وہ ٹکڑے الگ کئے اور آہنی گرل پر زور آزمائی شروع کردی۔

بادی النظر میں گرل خاصی کمزور نظر آتی تھی لیکن پھر بھی وہ ٹھوس لوہا تھا۔ شدید زور آزمائی کی وجہ سے چند ہی ثانیوں میں ارشد کے تنفس کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس کی تکان کا اندازہ کرکے میں نے اس کی جگہ لی تو مجھے خوشی ہوئی کہ اس فریم کے انجر پنجر ہل چکے تھے۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد، خفیف سی آوازوں کے ساتھ فریم میرے ہاتھ میں آگیا۔ ارشد وقت ضائع کئے بغیر اس خلا میں سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ اس کے ایماء پر میں بھی پل بھر میں اندر پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بند کمرے کے مقابلے میں تاروں بھرے کھلے آسمان کے نیچے قدرے روشنی تھی جس کی وجہ سے اندر سے باہر کا بہت دھندلا سا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔

کمرے میں چھت پر لگا ہوا پنکھا دھیمی رفتار سے بے آواز چل رہا تھا اور ڈبل بیڈ پر صرف ایک شخص قرینے سے سویا ہوا تھا۔ ارشد نے پھرتی کے ساتھ اس کے سرہانے پوزیشن سنبھال لی اور میں نے باہر کھلنے والی کھڑکی پر تیزی سے پردہ کھینچ دیا۔

اتفاق سے ان پردوں کی رینگ پلاسٹک کی بنی ہوئی نہیں تھی۔ شاید آہنی پائپ میں دھاتی چھلوں کے سہارے پردے لٹکائے گئے تھے اس لئے پردے سرکاتے ہوئے چھلوں سے خاصی آواز پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں کمرے میں سوئے ہوئے شخص کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے فوراً ہی گھبرائی ہوئی آواز میں کچھ استفسار کرنا چاہا تھا لیکن ارشد پوری تیاری کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا اس لئے اس شخص کے حلق سے پہلا لفظ بھی پوری طرح ادا نہیں ہونے پایا اور ارشد نے شاید پوری قوت سے اس کا منہ دبوچ لیا۔

"خاموشی کے ساتھ تعاون کروگے تو ہم تمہارے دوست ثابت ہوں گے" اندھیرے کمرے میں ارشد کی دھمکی آمیز سرگوشی ابھری "ورنہ تمہارا گلا کاٹ ڈالا جائے گا۔"

ایسے معاملات میرے لئے نئے تھے نہ ارشد کے لئے۔ میں نے اس سے کسی مشورے کی ضرورت محسوس کئے بغیر مخالف سمت کی دیوار پر، بند دروازے کے قریب سوئچ بورڈ ٹٹول کر کمرا روشن کردیا۔

فربہی مائل جسم والا، پستہ قامت اور اَدھیڑ عمر شخص اپنے بستر پر دہشت کے عالم میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ خوف کے باعث اس کی خمار آلود آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور اس کے دہانے پر ارشد کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنا بھرا ہوا پستول نکال کر اُس کا دہانہ فربہی مائل شخص کی کھوپڑی کی طرف کردیا اور ارشد کو ہدایت کی [illegible]

"اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹالو۔ اس نے کوئی اونچی آواز نکالی تو اس کی کھوپڑی میں روشندان کھول دوں گا۔"

ارشد کے آہنی ہاتھوں کی گرفت سے آزادی ملتے ہی اس نے پے درپے کئی بار اس طرح منہ چلایا جیسے اپنے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی شے نگلنے کی کوشش کر رہا ہو پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوف زدہ آواز میں بولا "تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کی آواز کسی قریب المرگ مریض کی سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"ہم چور یا ڈاکو نہیں ہیں بلکہ ایک عورت کی تلاش میں یہاں آئے ہیں" میں نے اسے پُرخار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "اگر تم نے سچ نہ بولا تو ہم تمہیں ماردیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ اسی گھر میں ہے اور تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو.... نام کیا ہے تمہارا؟"

"پیٹرک... پیٹرک ڈی میلو" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہکلایا پھر کہنیوں کے سہارے بستر سے اٹھتے ہوئے بولا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کس عورت کی بات کررہے ہو؟"

"ابھی پتا چل جاتا ہے" میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا تاکہ اس تک اپنی بات پہنچانے میں کوئی دشواری نہ ہو "پہلے یہ بتاؤ کہ اس وقت اس گھر میں کُل کتنے نفوس ہیں اور وہ مکان کے کس حصے میں سو رہے ہیں؟ اس کے بعد آگے بات ہوسکے گی۔"

"میرے بھائی بھتیجے اور ان کے بال بچے اوپر والی منزل پر رہتے ہیں۔ ان سے میری بول چال بند ہے۔ تم مجھے ذبح بھی کردوگے تو ان میں سے کوئی نیچے نہیں آئے گا" وہ بھرائی ہوئی، دھیمی آواز میں بولا "نچلی منزل پر میرے ساتھ دو ملازم رہتے ہیں۔ لاہبریری والے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔"

"اور وہ عورت کہاں ہے جس سے تم شام کو اپنے لان پر گپ شپ کررہے تھے؟"

اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ حیرت بھی تیرنے لگی "تو تمہیں مس تھیلما کنگ کی تلاش ہے؟"

اس کی زبان سے مس تھیلما کنگ کا نام سنتے ہی ایک بے ساختہ گالی میرے لبوں تک آکر ٹھہر گئی۔ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں میں وہ ویرا کا چوتھا روپ تھا جو سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے پیاسوں کو اپنی سخاوتوں سے سیراب کیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ڈی میلو کے لئے ناکتخدا بنے رہنا پسند کیا تھا۔ شاید اس لئے کہ ڈھلتی ہوئی عمر کے ندیدے مرد ہر حسین اور کم عمر لڑکی پر مرمٹنے کے لئے بروقت تیار رہتے ہیں۔ لڑکی اگر کنواری ہو تو اس کی عمر عموماً کم ہی تصور کی جاتی ہے۔

پہلے ویرا نے سوزی بن کر اول خان کے جانشین پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں کیں۔ پھر ہوٹل میٹروپول میں وہ تھیلما کنگ رہ کر اس نے اپنے مس یا مسز ہونے کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن ہوٹل کے بکنگ کلرک نے اس کے پُرشباب وجود کی رعایت سے روایتی انگریزی انداز اختیار کرتے ہوئے خودبخود اس کے نام کے ساتھ مس لگا دیا تھا۔ ہلٹن اسٹیبل میں وہ مسز تھیلما کنگ بن گئی جو رانلڈ کنگ کی بیوی تھی لیکن ڈی میلو کے پاس پہنچنے تک وہ ایک بار پھر مس تھیلما کنگ رہ گئی تھی۔

اس پر شدید غصے کے ساتھ ساتھ مجھے اس امر پر حیرت تھی کہ ویرا نے بار بار نام بدلنے کی احتیاط ترک کرکے ہر جگہ تھیلما کنگ کے نام کا تسلسل برقرار رکھا تھا جس کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ویرا میری طرف سے لاحق خطرات کو یکسر نظرانداز کرچکی ہو۔

"کہاں ہے وہ؟" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی خونخوار نظریں گاڑدیں "تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ اب کہاں ہوگی" اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے "وہ شام کو میرے پاس ضرور آئی تھی لیکن نو بجے واپس چلی گئی تھی۔"

"کہاں چلی گئی تھی؟" میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "وہ میرا انٹرویو لینے آئی تھی۔"

"وہ کس خوشی میں؟" انٹرویو کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔

"بدقسمتی سے میں ایک جیالوجسٹ ہوں اور ستائیس سال تک بلوچستان کے مختلف علاقوں میں شیل کمپنی کے لئے تیل کی تلاش کے منصوبوں پر کام کرتا رہا ہوں۔ وہ آسٹریلیا کے ایک ٹیکنیکل جریدے کے لئے میرا انٹرویو ریکارڈ کرنے آئی تھی۔"

"تمہاری اس سے کتنی پرانی شناسائی ہے؟" میں نے پوچھا۔ اس کی گفتگو میرے لئے لحہ بہ لحہ حیران کن ثابت ہورہی تھی۔

"آج سے پہلے میں نے اسے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا" اس نے کہا۔

"تو وہ آسمان سے اچانک ہی یہاں اتر آئی تھی؟" مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔

"اپنے بیان کے مطابق وہ کل ہی کینبرا سے کراچی پہنچی تھی۔ آج صبح اس نے مجھے فون کیا تھا۔ میرے لئے یہ ایک اعزاز ہوتا کہ کسی معیاری اور غیر ملکی جریدے میں میرا انٹرویو شائع ہو۔ اس لئے مس تھیلما نے جب آج ہی مل بیٹھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں انکار نہیں کرسکا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے تو میرے ملازمین سے پوچھ لو۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئی۔ اس نے لان پر بیٹھ کر تین گھنٹے تک میرا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ وہ مجھ سے ان افواہوں کی تصدیق کرانا چاہ رہی تھی کہ ستّر کے عشرے میں بلوچستان کے

متعدد آزمائشی کنوؤں سے تیل کے بھاری زیرِ زمین ذخائر کا سراغ ملا تھا لیکن شاہ ایران کے ایما پر پاکستانی حکمرانوں نے مزید پیش رفت کے بغیر ان کنوؤں کو سِیل کرا دیا۔ شاہ کا خیال تھا کہ مشترکہ سرحد کے قریب پاکستانیوں نے کنوئیں کھودنے کی داغ بیل ڈال دی تو ایرانی تیل کے ذخائر بری طرح متاثر ہوں گے۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ اسی بارے میں کوئی سراغ حاصل کرنے آئی تھی۔"

اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا لیکن اس کی بچی باتوں نے صورتِ حال کو بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔

بلیو کراس ڈیل کے حوالے سے مجھے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ ثمی ان دنوں یک بیک ایران پر مہربان ہو گئی تھی۔ ثمی بظاہر منظم مجرموں کی ایک بین الاقوامی تنظیم تھی جو ہیروئن کے کاروبار پر اپنی اجارہ داری کے لئے کوشاں تھی لیکن دنیا کے ہر بڑے جرائم پیشہ گروہ کی طرح اسے بھی ایک طاقتور ملک کی پشت پناہی حاصل تھی بلکہ میں تو یہاں تک سن چکا تھا کہ ثمی امریکا ہی کی پروردہ تھی اور اس کا سربراہ، جمی لائیڈ براہِ راست صدرِ امریکا کو جواب دہ ہونے کی وجہ سے بے پناہ طاقت اور اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ یہ ایک طے شدہ آفاقی حقیقت ہے کہ مقتدر حلقوں کی سرپرستی کے بغیر دنیا کے کسی خطے میں جرائم پھل پھول نہیں سکتے۔ چھوٹے مجرموں کو بااثر افراد کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور بڑے گروہوں کو حکومتیں اپنے مفادات کے لئے پالتی ہیں تاکہ جو کام قانون کی کند دھار سے سرانجام نہ دیا جا سکے، وہ ان شورہ پشتوں کے حوالے کر دیا جائے جو ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے کے فن سے واقف ہوتے ہیں۔

ہمارے خطے میں امریکا کے طویل المدت مفادات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ جب تک ایران میں شاہ کا اقتدار مستحکم تھا تو امریکا والوں کو بے فکری تھی کہ علاقے میں ان کا سب سے بڑا حلیف موجود تھا لیکن شاہ کے عبرت ناک زوال کے بعد نقشے میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان لوگوں نے ایران سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ آزادی اور مغربی بے راہ روی کے دلدادہ شہری معاشرے اس مذہبی رجحان کو قبول نہیں کریں گے جس کا نعرہ لے کر ایران کی انقلابی قیادت میدان میں اتری تھی۔

لیکن اب اندازہ ہو رہا تھا کہ امریکی قیادت نے ایران کا مشاہدہ کرنے کی پالیسی ترک کر کے، کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ایران کو پاکستان جیسے ملک کے ساتھ پینگیں بڑھانے کا موقع ملے جسے ایٹمی توانائی کے میدان میں سنسنی خیز پیش رفت حاصل ہو چکی تھی۔

سیاسی محاذ پر ایسے منافقانہ منصوبوں کی کامیابی کا امکان کم تھا جن کی وجہ سے دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے سے بدظن کیا جا سکے اس لئے فوری نتائج کے حصول کے لئے ثمی کو میدان میں اتار دیا گیا تھا۔

ان لوگوں کو بلیو کراس ڈیل کی خبر مل چکی تھی۔ جو سولہ حساس ایٹمی آلات اور ساز و سامان پر مشتمل کھیپ ایران کی بندر عباس سے پاکستان کے لئے روانہ ہو چکی تھی یا روانہ ہونے والی تھی۔ پاکستان جس نے کسی بھی بیرونی امداد کے بغیر ہی ایٹمی استعداد حاصل کر لی تھی، ایرانی آلات و سامان مل جانے کے بعد قلیل سی مدت میں پوری دنیا کو چونکا دینے کی صلاحیت حاصل کر سکتا تھا اس لئے ویرا کو اس کھیپ کی تباہی پر مامور کیا جا چکا تھا۔

بلیو کراس ڈیل والے معاملے کی روشنی میں ویرا کی اس سے ملاقات بہت اہم اور معنی خیز نظر آ رہی تھی۔ ویرا نے اس انٹرویو کرتے ہوئے، جس طرح گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش کی تھی اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ثمی کو ایسا مواد جمع کرنے کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی تھی جس کی تشہیر کے ذریعے پاکستانیوں اور ایرانیوں کے خلاف بھڑکایا جا سکے۔ وہ ایک مذموم اور قابلِ نفرت سازش تھی لیکن ثمی والے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل تھے نہ ان کے لہو میں مالِ حلال کی کوئی آویزش تھی۔ ان کا کام ہی تمام اخلاقی اور معاشرتی اقدار کی دھجیاں اڑانا تھا اور وہ پوری تندہی کے ساتھ اپنے ان فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ ہم ان کی ایک راہ روکتے تھے تو وہ دوسرے راستے پر چل پڑتے تھے۔

انہوں نے پاکستان کے گھر گھر اور کوچے کوچے میں ہیروئن کی وبا پھیلا دی تھی۔ اپنے بے راہ رو نوجوانوں کو اس موذی نشے سے بچانے کے لئے انہوں نے معصوم پاکستانی بچوں تک کو اس جہنم میں جھونک دیا تھا۔ وہ کام انہوں نے ضمیر فروش پاکستانیوں سے لیا تھا لیکن منصوبہ ساز وہ خود تھے۔ جن دنوں طلب کے مقابلے میں ہیروئن کی تیاری اور رسد بہت کم تھی، اُن دنوں اس جنس کے نرخ آسمان کو چھو رہے تھے۔ ثمی والوں نے چرس جیسے سستے نشے کے سہارے، تقسیم کنندگان کا ایک منظم جال بچھا کر اچانک منڈی میں چرس کا بحران پیدا کیا اور اس خلا سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے بیس روپے مالیت والی ہیروئن کی پڑیا دو دو روپے میں ہر نشے باز تک پہنچا دی۔ نئے نشے میں تیزی کے ساتھ سرور بھی زیادہ تھا۔ دنوں میں سیکڑوں، پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں کے انبوہ اس سفوف کے غلام ہوتے چلے گئے۔ مقصد حاصل ہوتے ہی انہوں نے خسارے کی سرمایہ کاری، بتدریج ختم کر دی۔ ہیروئن مہنگی ہونے لگی لیکن جو لوگ اس کے غلام تھے وہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر اور چوری کر کے بھی اسے خریدنے پر مجبور تھے۔

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شہروں کے بازاروں، چوراہوں سے لے کر ساتوں کے گندی نالوں تک میں زومبی نظر آنے لگیں۔

گھٹتے ہوئے یرقان زدہ چہرے' زندگی کی ہر رمق سے محروم بے نور آنکھیں' الجھے ہوئے گندے بال' بڑھے ہوئے کراہت انگیز ناخن اور میل کی تہوں میں لپٹے ہوئے جسم پھٹے پرانے کپڑوں میں ہر طرف رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ان کی ظاہری حالت عبرت ناک نظر آتی ہے ان کے اپنے ان سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اپنے گردوپیش سے بے خبر' اپنے تصورات کی رنگین دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ ہیروئن کے چند کش ان رُوسیاہ غلاموں کو ایسے جہانوں میں لے جاتے ہیں جہاں وہ حسینوں کے جھرمٹ میں گھرے' ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز ہوتے ہیں' ان کے ہر انداز سے امارت ٹپکتی ہے' وہ دولت کے انبار لٹاتے ہیں' لمبی لمبی گاڑیوں میں سیر کرتے ہیں اور جب ان کا نشہ ٹوٹتا ہے تو ان کے سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں۔ وہ اپنے غلیظ سراپے کو پہچاننے سے منکر ہو جاتے ہیں' ان کے پیٹ میں درد کے گولے چکرانے لگتے ہیں' ہاتھ پیر ٹوٹنے لگتے ہیں' اعصاب چٹخنے کی حد تک کشیدہ ہو جاتے ہیں' بصارت دھندلانے لگتی ہے اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب وہ نیم وا آنکھوں کے ساتھ کرب کے عالم میں تڑپتے اور چلّاتے ہیں۔ وہ موت کے طلب گار ہوتے ہیں لیکن قزاقِ اجل ہیروئن کے چھوت کو پہچانتا ہے۔ وہ ان سے دور بھاگتا ہے اور پھر ان کے بڑوں میں سے کوئی لپک کر بازار سے خود زہر کی پڑیا خرید کر لاتا ہے اور سر موڑ کر' نمناک آنکھوں کے ساتھ پڑیا انہیں تھما کر اپنے بستر میں جا گرتا ہے۔ بے بسی کے ساتھ تکیوں میں اپنا سر پٹک پٹک کر روتا اور بلکتا ہے لیکن سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہ اگلے روز اپنے اسی ہیروئن زدہ لختِ جگر کے لئے زہر کی پڑیا خریدنے پر مجبور ہوتا ہے۔

شی کا دہی ایک جرم ناقابلِ معافی تھا لیکن وہ ان کا آخری جرم نہیں تھا۔ انہوں نے ملاّ سرکار کی سرپرستی میں سندھ میں بغاوت اور خون ریزی کی ایک بھیانک سازش کو پروان چڑھایا۔ کمانڈر کے دستوں کو شب خون مارنے کے لئے سرحد پر لا کھڑا کیا' الحدید میں جدید ترین اسلحے کی بہت بڑی کھیپ ملک میں اسمگل کرکے غدّاروں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی اور اب وہ بلیو کراس ڈیل کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔

مجھے خلش یہ تھی کہ ویرا اب جو کچھ کر رہی تھی' مکمل کر کر رہی تھی۔ ایرانی سرزمین پر ایٹمی آلات اور سامان کی تباہی کے اس مشن کے بارے میں مجھے شی کے ایک پرانے آئی مین' اکبر سے معلوم ہوا تھا لیکن ڈی میلو کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔

اگر ویرا ہوٹل میٹروپول اور پھر ٹنل اسٹینل میں ڈی میلو کے گھر کا پتا درج نہ کراتی تو ہمارے فرشتے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا مجھے چڑانے اور شکست کے احساس سے دوچار کرانے کے لئے دانستہ ہر جگہ اپنا کوئی نہ کوئی سراغ چھوڑتی جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جب تک وہ اس خطے میں منڈلاتی رہے گی' میں ہر قیمت پر اُس کا پیچھا کروں گا اور ... بالآخر ان دونوں مقامات تک پہنچ جاؤں گا جہاں وہ تھیلما کنگ ... نام سے پہنچی تھی اور اس کے صاف نکل جانے پر میں جھلاہٹ ... جلا ہو جاؤں گا۔

وہ خیالات کا ایک بہت طویل سلسلہ تھا لیکن عمل ... خیالات میں سب سے بڑا فرق یہی ہوتا ہے کہ عمل ہر قیمت ... وقت لیتا ہے۔ اس وقت کو ایک حد تک مختصر تو کیا جا سکتا ہے ... آگے رکاوٹ آ جاتی ہے جب کہ تصورات اور خیالات پر وقت ... کوئی پابندی نہیں ہوتی انسان لمحوں ہی لمحوں بلکہ پلک جھپکتے ... صدیوں کے فاصلے طے کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔

"تو تم نے اسے کیا بتایا؟ ان افواہوں میں کتنا وزن ہے؟" ... نے چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد اس سے تیکھے لہجے ... سوال کیا۔

"میں جھوٹ سے نفرت کرتا ہوں" اس نے گمبھیر سنجیدگی ... کہا "ان افواہوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ ان کی بنیاد خو... فہمیوں یا غلط فہمیوں سے پڑی تھی۔"

"میں وہ بھی سننا چاہوں گا" میں نے کہا "یہ وضاحت تم ... تھیلما کو بھی دی ہوگی؟"

"وضاحت ناگزیر تھی۔ ایک پیشہ ور فنّی ماہر اور عام آدمی ... یہی تو ذرا سا فرق ہوتا ہے" وہ خوف اور دہشت کے ابتدائی ... سے خاصی حد تک سنبھل چکا تھا "تیل کی تلاش میں کنوئیں ... تحقیق اور عرق ریزی کے بعد کھودے جاتے ہیں کیونکہ ان پر ... وقت اور سرمایہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کنوئیں کی تہ میں ... تیل کا سراغ مل جاتا ہے لیکن اصل بات منافع بخش پیداوار ... ہوتی ہے۔ بلوچستان کے کنوؤں میں تیل ضرور دریافت ہوا تھا لیکن ... اس کی مقدار اتنی ناکافی تھی کہ اس سے مشینوں کی لاگت بھی نہ ... نکل سکتی تھی۔ اس لئے وہ کنوئیں بند کر دیئے گئے۔ اَن پڑھ لوگوں ... نے ڈرلنگ کے آلات پر تیل کی چکنائی دیکھ کر یہ فرض کر لیا کہ ... کی زمین .... تیل سے مالا مال ہے مگر حکومت نے اپنی مصلحتوں ... وجہ سے کام روک دیا۔"

"اور اسے تمہاری وضاحتوں پر یقین آ گیا؟" میں نے ... ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وہ خاصی ذہین تھی۔ فنّی باریکیوں کو بھی کسی حد تک ... رہی تھی اس لئے اُس نے مجھ سے بحث نہیں کی۔ میرا خیال ہے ... وہ یہاں سے مطمئن ہو کر گئی ہے۔"

"اس نے یہ نہیں پوچھا کہ پے در پے ناکامیوں کے باوجود ... پچیس سال تک وہاں کیا کرتے رہے؟"

"اس سنگلاخ آئل بیلٹ میں ڈرلنگ آسان کام نہیں تھا ... رسل و رسائل کی دشواریوں کی وجہ سے بھاری آلات اور ... لے جانے میں بہت وقت صرف ہوا۔ اس علاقے کی قدرتی ساخت کی بنا پر یہ مدت کچھ بھی نہیں تھی بلکہ وہاں تو اب بھی تیل کی تلاش کا کام جاری ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آسٹریلیا جیسے دور دراز برِّاعظم سے آئی ہوئی نامہ نگار سے تم نے اس کی قیام گاہ کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی!"

"پوچھا تھا۔ وہ کسی دوست کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے واپسی کے لئے اسے اپنی کار ڈرائیور سمیت دی تھی لیکن وہ گزری سے ٹیکسی میں چلی گئی۔ میرا ڈرائیور اسے وہاں اتار کر لوٹ آیا تھا۔"

"اب اگر تم اس سے رابطہ کرنا چاہو تو کیا صورت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو" اس نے کسی ناگواری کے بغیر کہا "میرے بار بار کے اصرار پر بھی اُس نے مجھے اپنا کوئی فون نمبر نہیں دیا البتّہ چلتے چلتے وہ مجھے ایک ڈبل فری کوئنسی ٹرانس میٹر دے گئی تھی جس پر اُس سے وقتِ ضرورت رابطہ کیا جا سکتا ہے..... تم چاہو تو خود اُس سے بات کر سکتے ہو۔"

اتنی اہم بات اُس نے اس قدر تاخیر کے ساتھ اور اتنے سرسری انداز میں بتائی تھی کہ میری کھوپڑی چیخ اٹھی "تو میرا مُنہ کیا دیکھ رہے ہو' وہ ٹرانس میٹر کہاں ہے؟"

"اس بارے میں تم نے پوچھا ہی نہیں تھا" اس نے سادگی سے کہا اور اپنی بیڈ سائڈ ٹیبل کی دراز سے چوکور اور مختصر سا اپریٹس نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

میرے لئے وہ اپریٹس نیا تھا مگر میں اُس کی کارکردگی کے بارے میں سن چکا تھا۔ اس آلے میں دونوں فریقوں کے لئے الگ الگ فری کوئنسی والے دو ٹرانسیسٹر یکجا کر دیئے جاتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اسے فون کی طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔ دونوں طرف سے بیک وقت گفتگو شروع کئے جانے کی صورت میں آلے کے صوتی نظام پر ریڈیائی سکوت طاری نہیں ہوتا تھا بلکہ دونوں ہی بیک وقت ایک دوسرے کی بات سن سکتے تھے۔ اسی کے ساتھ گفتگو نشر کرنے کے لئے کسی بٹن وغیرہ کو دبانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی کیونکہ سوئچ آن کرتے ہی' دونوں سرکٹ ایک ساتھ آن ہو جاتے تھے۔

"یہ خاصا قیمتی آلہ ہے جو وہ تمہارے حوالے کر گئی ہے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس کی رینج کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ نہ مجھے یہ اندازہ تھا کہ یہ کتنی مالیت کا ہے۔"

"سو کلو میٹر!" میں نے اپریٹس کی نیم پلیٹ پر سے پڑھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہوا کہ تھیلما کے آسٹریلیا روانہ ہونے کے بعد یہ بیکار ہو جائے گا۔"

"روانگی سے پہلے وہ ٹرانسیسٹر واپس لے لے گی۔ اگر تم یہ شبہ کر رہے ہو کہ اُس کا اور میرا پرانا ساتھ ہے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے جسے تم اس سے بات کرکے دور کر سکتے ہو۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اُس کے لئے تم سے مسلسل رابطہ رکھنا اس قدر ضروری کیوں ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خصوصی اجازت نامے کے بغیر ایسے آلات کا رکھنا سنگین جرم ہے۔"

"اس کے مقابلے میں کسی بے ضرر شہری پر بھرا ہوا پستول تان کر اسے گہری نیند سے بیدار کر دینا زیادہ بڑا جرم ہے۔" وہ رفتہ رفتہ اپنے اوپر قابو پاتا جا رہا تھا۔

"یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ تم بے ضرر شہری ہو یا کسی مجرمانہ سازش کے شریک ہو....."

"تم کون ہو اور تھیلما کو کیوں تلاش کر رہے ہو؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ ایک بڑی مجرمہ ہے۔ وہ قانون کے ہاتھوں سے کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل جاتی ہے۔ اس لئے ہم اسے دوسرے طریقوں سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں" اس سے بات کرتے ہوئے' میں نے اپریٹس کا سوئچ آن کر دیا جس کے ساتھ ہی اس کے ایک حصے میں ننھا سا سرخ بلب روشن ہو گیا۔

"ہیلو' تھیلما! میں پیٹرک ڈی میلو کے گھر سے بول رہا ہوں۔" چند ثانیوں بعد میں نے کہا۔

"کون بول رہا ہے؟" چند ثانیوں کے بعد اپریٹس پر ویرا کی غنودہ آواز ابھری۔ وہ شاید آواز سن کر نیند سے بیدار ہوئی تھی اور انگریزی بول رہی تھی۔

"میں تمہارے شوہر راڈنی کنگ کی تلاش میں ہوں" میں نے اردو میں کہا۔

"اوہ!" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "تو بالآخر تم وہاں بھی پہنچ ہی گئے؟"

اس بار وہ اردو میں مخاطب ہوئی تھی جس پر ڈی میلو کا مُنہ حیرت سے کھل گیا اور وہ بے ساختہ بولا "یہ تو اردو بھی بول لیتی ہے!"

"ہاں' پیٹرک!" ڈی میلو کے تبصرے پر ویرا کی آواز ابھری۔ "اردو ہی نہیں' میں پشتو بھی خاصی روانی سے بول لیتی ہوں۔ تم نے انگریزی میں کئے گئے سوالات کے جوابات انگریزی ہی میں دیئے اس لئے مجھے اپنی اردو دانی کا اظہار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔"

"اب اسے یہ بھی بتا دو کہ تم نے آسٹریلیا میں اردو کس سے سیکھی تھی؟" میں نے کہا۔

"سوری' پیٹرک!" ویرا کی آواز ابھری "مجھے افسوس ہے کہ تم نادانستگی میں میرے آلۂ کار بن گئے۔ تم بہت شریف اور نیک

نفس آدمی ہو۔ تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تمہارے گیٹ پر تمہاری نیم پلیٹ بہت نمایاں ہے۔ مجھے اپنا جال بچھانے کے لئے ایک حقیقی پتے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے اتفاقاً تمہاری طرف سے گزرتے ہوئے تمہارا پتا نوٹ کرلیا۔ جو شخص تمہارے روبرو موجود ہے' میں اسی کو گھیرنا چاہتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ یہ میرا پیچھا کرتا ہوا' ہر اس جگہ پر پہنچے گا جہاں سے اسے میرا سراغ ملنے کی امید ہوگی یہ اور بات ہے کہ یہ میری توقع سے کہیں پہلے تم تک پہنچ گیا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی اس کی غلط فہمی دور کردی ورنہ یہ اپنا انٹرویو شائع ہونے کی حسرت اپنے دل میں لئے بیٹھا رہتا۔" میں نے کہا۔

"میرا تم تک پہنچنا ضروری تھا' پیٹرک!" ویرا کی آواز آئی۔ "کیونکہ میں تمہارے پاس اپنا ایرئیس چھوڑنا چاہتی تھی تاکہ یہ تمہارے ذریعے ڈیپی کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور میں اس سے بات کرسکوں۔ تم تک غیر مشتبہ انداز میں رسائی کے لئے میں نے تمہارے بارے میں معلومات جمع کیں اور پھر تمہارے پیشے کے حوالے سے تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ میں کسی بہانے کے بغیر آتی تو شاید تم مجھ سے ملنے سے ہی انکار کردیتے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری اس حرکت کو معاف کردوگے۔"

"اجنبی مردوں کو پھنسانے میں تمہیں ہمیشہ لطف آتا ہے' ویرا ڈارلنگ!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اس نے میرا نام لے کر مجھے بھی ہر بھرم ختم کرنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

"تمہیں اس بات سے خاصی مایوسی ہوئی ہوگی کہ ڈی میلو نے انٹرویو کے اختتام پر تمہیں اپنی خواب گاہ میں شب بسری کی دعوت نہیں دی" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری موت آگئی ہے" یک بیک ویرا کی آواز میں برہمی عود کر آئی "تم ایرئیس لے کر یہاں سے نکلو تاکہ میں تم سے کچھ کھلی کھلی باتیں کرسکوں۔"

اس دوران میں ارشد کسی ہونق کی طرح منہ پھاڑے سب کچھ سن رہا تھا۔

"زیادہ کھلی کھلی باتوں سے مجھے شرم آنے لگتی ہے" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا "بہتر یہی ہوگا کہ مجھ سے باتیں کرنے کے بجائے تم اپنے کام سے کام رکھو اور میں اپنا کام کرتا رہوں۔"

"تم کسی حقیری چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دئے جاؤگے۔ میری یہ پیش گوئی یاد رکھنا کیونکہ اب میں نے تمہاری حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' ڈارلنگ!" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا "میں جانتا ہوں کہ میری حمایت سے دستبردار ہوکر تم نے دوسروں کے شیر خوار بچوں کی سرپرستی شروع کردی ہے۔ تم چاہو تو اب بھی سلطان شاہ سے بات کی جاسکتی ہے۔ تم دونوں مل کر دو چار سال ہی میں بچوں کے ڈھیر لگا سکتے ہو۔ اپنے بچوں کو پالنے کی بات اور ہی ہوتی۔۔۔"

"شٹ اپ!" وہ میری بات کاٹ کر اونچی آواز میں دہاڑی "معلوم ہوتا ہے کہ پے در پے چرکے کھانے کے بعد تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میں تمہارا۔۔۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' ویرا بے بی! میں یہاں سے نمٹنے کے بعد تم سے بات کروں گا" میں نے اُس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم نے سن لیا کہ میں بالکل بے قصور ہوں" ڈی میلو بھرائی ہوئی آواز میں بولا "پتا نہیں مجھے میرے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ میں اسے نامہ نگار ہی سمجھا تھا۔"

"تم نے سن ہی لیا ہے کہ اس کا نام تھیلما کنگ نہیں' بلکہ ویرا ہے۔ یہ خود ہ عورت بدمعاشوں کی بدمعاش ہے۔" میں نے کہا "اب اگر تم نے اس سے واسطہ رکھا یا اس بارے میں اپنی زبان بند نہ رکھی تو تم بے موت مارے جاؤگے۔ ویرا کے تمام دشمن ہماری طرح نیک نفس اور شریف نہیں ہیں۔"

پستول کی نال پر بستر سے اٹھائے جانے پر پیٹرک ڈی میلو بُری طرح خوف زدہ ہوگیا تھا' لیکن اس کا ضمیر صاف تھا اس لئے اُس نے جلد ہی اپنے اوسان پر قابو پالیا تھا لیکن ایرئیس پر ویرا سے ہونے والی گفتگو کے بعد وہ واضح طور پر تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا اور اُسے میری اس بات میں کہ ہمارا تعلق سماج دشمن عناصر کی سرکوبی کرنے والوں سے تھا' وزن نظر آنے لگا تھا۔

اس صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی وہ ہماری خوشامد پر اتر آیا اور ہم اسے اچھی طرح خوف زدہ کرنے کے بعد اُسی راستے سے اُس کی خواب گاہ سے نکل گئے' جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ جانے سے پہلے میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ اسے اپنے چوکیدار کو بھی زبان بند رکھنے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ نامعلوم مہمانوں کے ہاتھوں اپنی درگت بنائی جانے کی کہانی عام کردیتا تو ڈی میلو بھی مشکلات سے دوچار ہوسکتا تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا" جیپ روانہ ہونے کے بعد ارشد نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اور کچھ ہوا یا نہ ہوا لیکن اس سے رابطے کا ایک ذریعہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے۔"

سلطان شاہ کے استفسار پر میں نے اسے ڈی میلو کی خواب گاہ میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کردیا۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں ہونے کی وجہ سے ارشد اور اکبر کو یہ اندازہ تو ہوچکا تھا کہ ویرا کوئی بین الاقوامی مجرمہ تھی جو پاکستان میں چوری چھپے ملک دشمن کارروائیوں میں مصروف تھی لیکن انہیں ویرا کی ذات سے لاحق سنگین خطرات کا پورا ادراک نہیں تھا اسی وجہ سے وہ ڈی میلو کے مکان پر چھاپے کی مہم کو پھُسپھُسا اور بے زور قرار دے رہے تھے۔

ان کی دانست میں مار دھاڑ اور پکڑ دھکڑ کے بغیر ہونے والی کوئی بھی کارروائی پوری طرح کامیاب نہیں کہی جاسکتی تھی۔

غلام رسول کے سلسلے میں ظفر کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے مجھے براہِ راست ان دونوں سے کام لینا پڑا تھا ورنہ اصولی طور پر ایس ٹی ایف کے ماتحت عملے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا اس لئے میں نے اس مہم کے بارے میں ان دونوں سے کوئی اختلافِ رائے نہیں کیا۔

سلطان شاہ کا مشورہ تھا کہ میں راستے ہی میں دوبارہ ایرئیس آن کرکے یہ دیکھوں کہ ویرا مجھ سے کیا بات کرنی چاہ رہی تھی لیکن میں نے اپنی غیر حاضر دماغی اور پراگندگی کا بہانہ کرکے اسے خوب صورتی کے ساتھ ٹال دیا۔ دراصل میں ارشد اور اکبر کے سامنے ویرا سے بات کرنے سے کترا رہا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ اور بے شرم تھی۔ گفتگو کے دوران میں اس کی زبان سے کوئی بھی ہماری بات نکل جاتی تو میرے اور اس کے مراسم کے بارے میں ایس ٹی ایف میں کہانیاں جنم لے سکتی تھیں۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور پہنچی تو وہاں گاڑیوں کا خاصا ہجوم تھا۔ سرکاری نمبر پلیٹ والی متعدد گاڑیوں میں ایک سیاہ ہنڈا اکارڈ ایسی بھی تھی جس کے اگلے بمپر اور فینڈر کے ساتھ لگے ہوئے فلیگ پول پر چرمی غلاف چڑھا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ مرکزی یا صوبائی وزیر کی سطح کا بھی کوئی اہل کار اس اجلاس میں شریک تھا جس کی تیاریوں نے ظفر کو مصروف رکھا ہوا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ غلام رسول کو ملک کے نیک نام سیاست دانوں میں خاصی اہمیت حاصل تھی۔ اپنے موروثی علاقے بلکہ صوبے سے باہر بھی اُس کی بات کو غور سے سنا جاتا تھا کیونکہ اس کا ماضی صاف ستھرا اور کردار بالکل بے داغ تھا۔ لہٰذا سرکار کے معاملے میں وہ جس طرح ملوث تھا' وہ ناقابلِ یقین تھا۔ دوسری طرف حکام کی مجبوری یہ تھی کہ اس پورے قضیے میں لہٰذا سرکار کا نام ریکارڈ پر نہیں لایا گیا تھا اس لئے غلام رسول جیسے مقبول لیڈر کی گرفتاری کا مناسب جواز پیدا کرنا دشوار ہوگیا تھا لیکن پھر اس کا نام مقتول ڈاکو سوار رجب علی کی بے رحمانہ کارروائیوں سے منسلک کیا گیا تو لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اقتدار کی ہوس میں روشن چہروں والے رہنما ایسی سیاہ کاریوں میں بھی مبتلا ہوسکتے ہیں۔

وہ ایک بہت اہم واقعہ تھا جس نے ملک کے طول و عرض میں تہلکہ مچادیا لیکن پھر سیاست اور جرائم کے ایک نئے جوڑ توڑ نے جنم لیا اور ڈان تھری کی سخت ہدایات پر پولیس کے محکمے میں پلنے والی کالی بھیڑوں کی مدد سے مافیا نے غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اغوا کرلیا۔ ملک بھر میں کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوسکی کہ غلام رسول کو اغوا کرنے والے کون تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے

ان سنسنی خیز اور لرزہ خیز واقعات کے تسلسل نے غلام رسول کی کہانی کو بہت پُراسرار بنادیا تھا اور لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ قیاسات لئے بیٹھے تھے مگر میری اور ظفر کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں اپنی زمین کے اس غدّار کو عبرتناک انجام کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ اپنی فطری موت مرا تھا لیکن اس کی لاش جن حالات میں ہمارے ہاتھ لگی تھی' وہ بہت فکر انگیز تھے اور حکام کو سرجوڑ کر یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا تھا کہ اس ملک دشمن سازشی کے بارے میں عوام کو کن تفصیلات سے آگاہ کیا جائے؟ اس کے حامیوں کے کسی بھی پُرتشدد ردِعمل کا توڑ کرنے کے لئے اس بارے میں گہرے غور و خوض کی ضرورت تھی جس کے لئے سب متعلقہ فریق اسٹیشن فور پر جمع تھے۔

ان حالات میں ظفر سے فوری طور پر ملاقات ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ویسے بھی میں غلام رسول کے معاملے میں اپنا کلیدی کردار بخوبی ادا کرچکا تھا جس کے بعد میری وہاں موجودگی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ جہانگیر کا بیٹا نقش اسمگل سے برآمد کیا جاچکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کم از کم اتنا سراغ مل چکا تھا کہ وہ کم از کم اس رات شہر ہی میں مقیم تھی۔ ان حالات میں' میں نے اسٹیشن فور پر رک کر اپنی اور سلطان شاہ کی رات کالی کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور ہم دونوں اپنا مختصر سا سامان لے کر ایک ڈرائیور کے ساتھ اپنے اُس فلیٹ کی طرف روانہ ہوگئے جو چند دنوں سے متروک تھا۔

جہانگیر کے شرف آباد والے فلیٹ سے ہمارے فرار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ویرا کے لئے وہ فلیٹ اجنبی نہیں تھا۔ وہاں رہنے اور کام کرنے والے جن لوگوں نے اسے دیکھا تھا' وہ بھی اسے ہماری دوست کی حیثیت سے جانتے تھے اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے ہماری بے خبری میں وہاں کوئی بھی مہلک وار کرسکتی تھی۔ فوری طور پر اس فلیٹ کو خیرباد کہہ کر میں نے یہ بندوبست کرلیا تھا کہ ویرا ہماری تلاش میں ادھر کا رخ کرے تو فلیٹ کو غیر آباد دیکھ کر مایوس ہوجائے۔ وہاں ایک بار منہ کی کھانے کے بعد وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم وقفے وقفے کر دوبارہ وہیں آبیٹھیں گے۔ اس اعتبار سے وہ فلیٹ اس وقت ہمارے لئے مخدوش نہیں رہا تھا۔

ہوٹل اور اسٹیشن فور کے مقابلے میں فلیٹ ہمیں ایک نعمت محسوس ہوا۔ آزادی کا ایک عجیب سا احساس تھا جسے کوئی نام دینا ممکن نہیں تھا۔ البتہ میں نے یہ احتیاط ضرور کی کہ کمروں کے بلب روشن کرتے ہی' باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں اور گیلری کے دروازوں پر دبیز پردے کھینچ دئے تاکہ اگلی سڑک پر سے فلیٹ میں روشنی یا کسی کی موجودگی کا اندازہ لگانے کا امکان باقی نہ رہے۔

اس کام سے نمٹ کر میں ڈرائنگ روم میں آیا اور ایرئیس سنبھال لیا۔

مجھے پہلی بار ویرا سے بات کئے کافی دیر ہو چکی تھی لیکن اس نے جس پھرتی سے میری کال کا جواب دیا اُس سے میں نے اندازہ لگالیا کہ ڈی میلو تک میری رسائی نے اسے الجھن میں مبتلا کردیا تھا جس کی وجہ سے وہ دوبارہ سو نہیں سکی تھی۔

"تمہارے دماغ اور بدن میں واقعی کوئی خبیث روح بسی ہوئی ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "مجھے یہ اندازہ تو تھا کہ تم ڈی میلو تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن یہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تم اتنی قلیل مدت میں اُس کے سر پر سوار ہو جاؤ گے۔"

"اگر میرے قصیدے پڑھنے کا ارادہ ہے تو مجھے سو جانا چاہئے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم مخالفت اور مخاصمت کی ان راہوں پر چل پڑے ہیں جہاں حریف کی خوبیاں بھی خرابیاں بن کر نظر آنے لگتی ہیں۔ ایسے میں تمہاری زبان سے نکلنے والے تعریفی کلمات عجیب معلوم ہو رہے ہیں۔"

"دشمن کی خوبیوں کا اعتراف نہ کرنا کم ظرفی سمجھتی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری کامیابی سے خوف زدہ ہو گئی ہوں۔ میں تو صرف اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔"

"پھر میں بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حیرت ظاہر کرنے پر تمہارا شکریہ ادا کئے دیتا ہوں۔ اب اس سے آگے کی بات کرو۔" میں نے اپنے لہجے میں کوئی تبدیلی لائے بغیر کہا۔

"تمہیں یاد ہو گا کہ یورپ میں سلور آئیز کی تقسیم کے معاملے پر ہمارے درمیان ایک شریفانہ سمجھوتا ہوا تھا۔ جس کی رُو سے وہ سلور آئیز میری ہیں۔"

"جب سے تم بدمعاشی پر اتر آئی ہو' شریفانہ معاہدوں کے بارے میں میری یادداشت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب تو جو چیز جس کے قبضے میں ہے' وہی اس کا مالک ہے۔"

"تمہارے لئے وہ تینوں سکے بیکار ہیں جب کہ مجھے ان کی ضرورت ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم ان سے محروم ہو۔ اس سے پہلے تم خود کہہ چکی ہو کہ اب لٹی میں ہر آئی مین کی شناخت کا طریقہ بدل دیا گیا ہے اور سلور آئیز بیکار ہو چکی ہیں۔"

"وہ میرا بلف تھا۔" اس نے شاید بے بسی کے ساتھ اعتراف کیا۔

"لیکن میں بلف نہیں چلتا۔ وہ تینوں سکے میری محفوظ تحویل میں ہیں۔ تم نے غزالہ کے ساتھ جو گھٹیا ترین حرکت دہرائی ہے اس کے بعد تمہیں مجھ سے تعاون کی توقع کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ اس وقت میری اور تمہاری کھلی جنگ چل رہی ہے جس میں رُو رعایت کی امید بے سود ہے۔"

"میری کیسنجر کو میرے خلاف بھڑکا کر تم نے خود ہی غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ ورنہ میں غصہ اترنے پر خود ہی اسے تم تک واپس پہنچا دیتی۔ تم نے مجھے مسلسل نظرانداز کر کے بے اعتمادی کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ میں شدید جھلاہٹ کے عالم میں غزالہ کو لے گئی۔ دو چار روز میں میرا دماغ ٹھنڈا ہوتا تو میں خود ہی اسے چھوڑ دیتی۔"

"یہ تمہارا سفید جھوٹ ہے۔ تم اسے شری مان سنگھ کے حوالے کر کے ایران جانے کا منصوبہ بنا چکی تھیں۔ تمہاری واپسی تک غزالہ اُسی کی قید میں پھنسی رہتی۔"

"ایران میں میرا کام بہت مختصر سا ہے......" اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چھ سو ٹن آلات اور مشینوں کی تباہی اتنی آسان ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"یہ تمام خام خیالی ہے۔ آج کل کے زمانے میں بڑے بڑے کام پلک جھپکتے میں ہو جاتے ہیں۔"

"بہرحال میں تمہاری بدترین ناکامی کے لئے دعائیں کرتا رہوں گا۔"

پہلی بار اس کی ہنسی کی آواز ابھری اور وہ بولی۔ "کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم پر آج کل اپنے وطن سے محبت کا دورہ پڑا ہوا ہے۔"

"میں اس طعنے پر شرمندہ نہیں ہوں۔ میں اپنے کسی کام سے ماضی کے گناہوں کی سیاہی دھو سکا تو مجھے اپنے ضمیر کی خلش سے نجات مل جائے گی......"

میری قطع کلامی کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔ "نو سو چوہے پورے کر لینے کے بعد ہر بلی اسی طرح حج پر نکلنے کا قصد کرتی ہے۔ تم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے۔"

"تم ہزاروں کی تعداد پوری کر لینے کے باوجود تائب ہونے پر آمادہ نہیں ہو۔"

"میری بات مانو اور سلور آئیز میرے حوالے کر دو تو فائدے میں رہو گے۔ یہ فائدہ ایسا ہی ہو گا کہ تم اپنی بقیہ زندگی سر اٹھا کر گزار سکو گے۔ یہ سودا تمہارے ملک کے مفاد میں ہو گا۔"

"تم پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے لیکن پھر بھی میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ تمہاری شیطانی کھوپڑی میں اب کون سا منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے؟"

"جب تک تم نیک نیتی سے سوچنے کا وعدہ نہیں کرو گے' میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے سودے بازی کی پیشکش کر رہی ہو؟"

"جو چاہے سمجھ لو مگر اصل بات وہی رہتی ہے کہ تم مجھے وہ سلور آئیز دے دو تو میں تمہارے ملک کو ایک بہت بڑے خسارے سے بچا سکتی ہوں۔"

"تم بولتی رہو' میں سنجیدگی سے سن رہا ہوں۔" میں نے اسے لقمہ دیا۔

"میں چھ سو ٹن کی پوری کھیپ کے بجائے بارہ ٹن وزنی ایک حصے کی تباہی پر اکتفا کروں گی۔ بقیہ سامان بحفاظت تمہاری سرزمین پر پہنچ جائے گا۔"

اس کی پیشکش واقعی اہم اور قابلِ غور تھی مگر میں نے فوری طور پر کہا "وہ حصہ یقیناً کلیدی اہمیت رکھتا ہو گا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اپنے مشن کی تکمیل کا ارادہ ترک کر دو؟"

"اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میں نہیں جاؤں گی تو وہ لوگ اس مشن پر کسی اور کو بھیج دیں گے جو اپنا کام کر گزرے گا۔ تم کو اپنی بات سمجھانے کے لئے مجھے ذرا تفصیل میں جانا ہو گا۔ اس کے بعد تمہیں میری پیشکش کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے گا......"

"فکر نہ کرو' رات اپنی ہی ہے۔ میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔"

"چھ سو ٹن وزنی اس کھیپ میں بارہ ٹن کا ایک ایٹمی ہیٹ ایکس چینجر بھی ہے جس کے بیرونی آہنی خول کے ایک حصے میں لوہے کی دہری دیوار میں خوفناک طاقت والا ایک ڈائنا مائٹ موجود ہے۔ عام حالات میں یہ ڈائنا مائٹ بالکل بے ضرر ہے۔ ایران میں ان آلات کی تنصیب ہو جاتی تو ڈائنا مائیٹ کی موجودگی سے پلانٹ کی کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ڈائنا مائیٹ کو اڑانے والے برقی سرکٹ کے لئے ایک کیڈ میئم کی بیٹری لگی ہوئی ہے۔ بیٹری کو تاروں سے منسلک کرنے کے لئے' آہنی خول سے باہر نکلے ہوئے ایک خاص لیور کو اندر دبا کر اوپر اٹھانا ضروری ہے۔ اس کے بعد بیٹری سے سوئچ تک برقی رَو دوڑ جائے گی اور وہ کام کرنے کی پوزیشن میں آ جائے گا۔ وہ حساس سوئچ خلا میں موجود اسٹیشن سے ایک سگنل کے ذریعے حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ لیور کو صحیح پوزیشن میں لائے جانے کے بعد ڈائنا مائیٹ کو کسی بھی لمحے ایک خلائی اشارے سے اڑایا جا سکتا ہے۔ مجھے اس لیور کے بارے میں مکمل بریفنگ دے دی گئی ہے۔ میرا کام صرف اتنا ہو گا کہ اس لیور کو دبا کر اوپر اٹھا دوں اور واپس لوٹ آؤں۔ میری بحفاظت واپسی کے بعد' اس ڈائنا مائیٹ کو کسی بھی وقت اڑایا جا سکتا ہے۔ اس کا دھماکا اس قدر ہولناک اور شدید ہو گا کہ وہ ایک میل کے دائرے میں موجود ہر چیز کو فنا کر دے گا اور چھ سو ٹن مشینیں لے جانے والا پورا کارواں بھسم ہو کر رہ جائے گا۔"

"یہ تو واقعی بہت خطرناک اور فول پروف منصوبہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہماری کیا مدد کر سکو گی۔ اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو پاکستان پہنچنے کے بعد بھی وہ سارا ساز و سامان جہنم کے دہانے پر رکھا رہے گا۔ کوئی دوسرا ایجنٹ لیور بدلنے کے کام پر مامور کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس چھ سو ٹن کے ساتھ پاکستان کی دوسری اہم تنصیبات بھی تباہی سے دوچار ہو جائیں۔"

"مجھے سلور آئیز مل جائیں تو میں ایسے امکانات کو سرے سے ختم کر دوں گی۔"

"لیکن کس طرح؟" میں نے پوچھا۔ "کوئی معاہدہ کرنے سے پہلے مجھے اس سوال کا جواب جاننے کا پورا پورا حق حاصل ہے جسے تم مسترد نہیں کر سکتیں۔"

"ڈائنا مائیٹ کا حلقۂ اثر صرف ایک میل تک محدود ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "میں کسی طرح ہیٹ ایکس چینجر لے جانے والے ٹرک میں خرابی پیدا کر دوں گی تاکہ وہ کسی ویرانے میں کھڑا ہو جائے۔ ٹرک میں بڑی خرابی ہو گی تو بقیہ کارواں اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گا۔ اس لق و دق ویرانے میں بارہ ٹن وزنی آلے کو اتار کر دوسرے ٹرک پر منتقل کرنا ناممکن ہو گا اس لئے ٹرک کی مرمت کی کوشش کی جائے گی۔ اس دوران میں میرا کام مکمل ہو چکا ہو گا۔ میرا اشارہ ملتے ہی خلائی اشارے کے ذریعے اس ٹرک پر موجود ڈائنا مائیٹ اڑا دیا جائے گا۔ اس طرح صرف ایک آلے کی قربانی دے کر باقی پلانٹ اور آلات کو بچا لیا جائے گا۔"

اس کی باتیں سن کر میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ "اس طرح تو ٹرک کا عملہ بے موت مارا جائے گا۔" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"انہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔ بڑے مقاصد کے حصول کے لئے ایسی چھوٹی موٹی قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں۔ ویسے میں تمہیں یہ بھی بتائے دیتی ہوں کہ مکمل معلومات حاصل کئے بغیر کوئی اجنبی اس خفیہ لیور تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ میرا منصوبہ مکمل اور بے داغ ہے۔ دھماکے کے بعد مجھے سرخروئی حاصل ہو جائے گی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ٹرک کی خرابی میری سازش کا نتیجہ ہو گی۔ اسے ایک اتفاق قرار دے کر تمہارے ملک کے دشمن اپنے مقدر کی خرابی کا ماتم کرتے رہ جائیں گے۔"

"اس ناکامی پر جھلا کر تمہارے آقا اس کارواں پر دوسرا حملہ بھی کرا سکتے ہیں۔"

"آج کل کے حالات میں وہ اس علاقے میں کسی کھلی ہوئی بربریت کا ارتکاب نہیں کر سکیں گے اور چھپ چھپا کر اتنی بڑی کھیپ کو نقصان پہنچانا ناممکن ہے۔ ڈائنا مائیٹ تو برسوں سے اس ہیٹ ایکس چینجر میں لگا ہوا ہے۔ وہ چولی کریٹ شاہ کے زمانے سے بندر عباس پر پڑے ہوئے تھے۔ دھماکے کو اتفاق قرار دیا جاتا۔ اسی لئے انہوں نے ڈائنا مائیٹ کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ کوئی ایسی حرکت کرنے کی حماقت نہیں کریں گے جس کے نتیجے میں ان کے عزائم اور حربے بے نقاب ہو جائیں۔"

"لیکن اس کھیپ کی پاکستان منتقلی آج کا واقعہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی داغ بیل آٹھ دس ماہ پہلے ڈالی گئی ہو...... یہ ایٹمی آلات اور مشینیں دراصل شاہ ایران کو دی گئی تھیں جو امریکا کا سب سے بڑا اور قریبی حلیف تھا۔ پھر اس کھیپ میں ایسا ڈائنا مائیٹ

کیوں نصب کیا گیا جو ذرا سے اشارے پر پورے پلانٹ کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟"

"اونچے کھیل میں کوئی کسی کا حلیف یا دوست نہیں ہوتا۔ ہر ایک موقع ملنے پر دوسروں کا گلا کاٹ دینے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائنا مائیٹ حفظِ ماتقدم کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ شاہ ایک بوڑھا انسان ہی تھا۔ وہ مسلسل اقتدار میں رہتا' تب بھی اسے ایک نہ ایک دن مرنا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کے جانشین اسی کی طرح معاملہ فہم ثابت ہوتے۔ ان کی لگامیں قابو میں رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے سر پر چلتے ہوئے ایٹمی پلانٹ کی پُراسرار تباہی کا خطرہ مسلّط کر دیا جاتا۔ یہ نہ بھولو کہ چلتے ہوئے پلانٹ کی تباہی میں صرف مشینوں ہی کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پورے ایران میں انسانی اور نباتاتی زندگی کی مکمل تباہی کا خطرہ پیدا ہوجاتا۔ اس دھمکی کے سہارے بڑے سے بڑے سرکش حکمراں کو بھی اپنی مرضی کے مطابق قدموں پر جھکایا جاسکتا تھا۔"

"یعنی بدترین سیاسی بلیک میلنگ کا امکان شروع ہی سے موجود تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"سیاسی بلیک میلنگ!" اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے تمہارے بہت سے لوگ جناح کیپ ٹوپی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جب کہ کیپ کے معنی ہی ٹوپی کے ہیں۔ میکاولی کی کتاب لکھی جانے سے پہلے سے ہی سیاست اور بلیک میلنگ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اپنے ساتھیوں اور مخالفوں کو بیک وقت بلیک میل کئے بغیر کوئی شخص کامیاب سیاست داں نہیں بن سکتا۔ عالمی سیاست میں بھی اسی اصول سے دل کھول کر استفادہ کیا جاتا ہے۔"

"آج تم مجھے مسلسل حیران کئے جا رہی ہو۔" میں نے پوری نیک نیتی کے ساتھ اعتراف کیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایران میں 'ایک مشین میں نصب کئے ہوئے ڈائنا مائیٹ کو اڑانے کے لئے کسی خلائی اسٹیشن سے کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ سب خلا کے پُرامن استعمال کے وعدوں اور معاہدوں کے خلاف ہے۔ خلا کے پُرامن استعمال پر ہر ایک کا حق تسلیم کیا جاچکا ہے۔ پھر وہاں سے ایسی غنڈا گردی کیونکر اور کیسے کی جاسکتی ہے؟ یہ کھلی دہشت گردی اور بدمعاشی ہے۔"

"تم غیر ضروری طور پر مجھے ایسی بحث میں الجھا رہے ہو جس پر میں کئی دن تک تقریر کرسکتی ہوں۔ خلائی دوڑ کا اصل مقصد ہی ایک دوسرے پر فوجی اور جنگی برتری حاصل کرنا ہے۔ خلائی اسٹیشن زمین کے اہم حصوں میں ہونے والی سرگرمیوں پر دن رات نظر رکھتے ہیں۔ ڈی ڈی سے چوکنڈی کے مقبروں کے قریب مقابلہ کرتے ہوئے تمہیں خود تجربہ ہوچکا ہے کہ شی کو بھی سیٹلائیٹ اسٹیشنوں کی مدد حاصل رہتی ہے۔ بیشتر خلائی مہمات کا مقصد صرف اور صرف جاسوسی کرنا اور خفیہ تصاویر لینا ہوتا ہے اور تم یقین رکھو کہ کسی بھی وقت تیسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو اس میں ساری فیصلہ کن کارروائیاں خلا سے ہی کی جائیں گی۔ خلا کے پُرامن استعمال کے دل فریب نعرے اور معاہدے دنیا کی چھوٹی قوموں کو بے وقوف بنانے کے لئے اپنائے گئے ہیں اور ان ضابطوں پر عمل درآمد کے ذمے دار وہی لوگ ہیں جو بیکراں خلاؤں پر قابض اور حکمراں ہیں۔ ان کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کرسکتا۔ اس لئے تمہاری یہ تمام بحث بے سود ہے۔ تمہارے اعتراضات اور احتجاج سے صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اٹل حقیقت یہ ہے کہ خلائی ٹکنالوجی اور زمینی سازشوں کی وجہ سے تمہاری بلیو کراس ڈیل تباہی کے خطرے سے دوچار ہے۔ اس خطرے کو ٹالنے کا دارومدار تم پر ہے۔ تم نقرئی آنکھ والے دو طلائی سکّے میرے حوالے کردو تو وہ تباہی چھ سوٹن کی پوری کھیپ کے بجائے صرف بارہ ٹن کے ایک حصے تک محدود رہ جائے گی۔ بصورتِ دیگر کوئی اسے نہیں بچا سکے گا۔"

"تمہارے نظریات اور اعمال بہت ڈراؤنے ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "طاقت' اختیار اور بلیک میلنگ پر اندھا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے تم بھی قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ تمہاری باتیں متاثر کرنے والی ہیں۔ تمہاری تجویز بھی قابلِ قبول نظر آرہی ہے لیکن تم پر بھروسا کیسے......"

"ایک اور بات سن لو!" اس کے بولنے کی وجہ سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ "دوستیاں' معاہدے اور سمجھوتے وہی پائیدار ہوتے ہیں جو برابری کی حقیقی سطح پر کئے جائیں۔ خرگوش اور ہاتھی میں کبھی بھی پائیدار دوستی نہیں ہوسکتی۔ ہاتھی کی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خرگوش کو وقتی طور پر کوئی بالادستی حاصل ہوجائے تو اور بات ہے ورنہ ہمیشہ موجود رہنے والی اٹل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ خرگوش کی سلامتی کا تمام تر دارومدار ہاتھی کے موڈ پر ہوتا ہے۔ اس کی جبین پر آنے والی' ہلکی سی ایک شکن بھی خرگوش کو تہس نہس کرسکتی ہے جب کہ خرگوش بری طرح برہم اور مشتعل ہونے کے باوجود ہاتھی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم دونوں میں ایسا کوئی نمایاں تضاد نہیں ہے۔ آج میں تمہیں دھوکا دوں گی تو کل تم مجھے کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں آسکتے ہو۔ آج کل دنیا بہت سمٹ گئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کل زندگی کے کس موڑ پر تم میری راہ روکنے میں کامیاب ہوجاؤ۔ اس لئے تمہیں میری باتوں پر یقین کرلینا چاہئے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' اس پر نیک نیتی سے عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہوں۔"

"میں اس موضوع پر تھوڑی دیر بعد تم سے بات کرسکوں گا۔" میں نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی...... لیکن یہ ضرور بتائے دیتی ہوں کہ تم نے اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر اوّل خان کو میرے پیچھے لگانے کی کوشش کی تو تم بدترین خسارے سے دوچار ہوجاؤ گے۔ اگر میں

اس کی کسی سازش یا رخنہ اندازی کی وجہ سے بارہ ٹن وزنی ایک حصے کو تباہ کرانے میں ناکام ہوگئی تو میری جگہ کسی اور کو بھیج دیا جائے گا۔ اس کے ذریعے آنے والی تباہی کا اندازہ صرف اسی وقت ہوسکے گا جب سب کچھ راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں بدل چکا ہوگا۔"

"مجھے اندازہ ہے تم بلیک میلنگ کے مواد سے بہترین استفادہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ تم سے کوئی معاہدہ ہوا تو پوری نیک نیتی سے ہوگا...... لیکن غزالہ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کہا۔"

"میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ اب وہ میری دسترس سے باہر ہے۔ تم نے ہیری کیسنجر کے کان اس طرح بھرے ہیں کہ وہ میری جان کا دشمن بن گیا ہے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شری مان سنگھ بھی مجھ سے بھڑک گیا ہے۔ میں اُدھر کا رخ کرکے اپنی سلامتی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ جہانگیر کے بیٹے کو تم برآمد کر ہی چکے ہو اس لئے میرا اور تمہارا حساب صاف ہے۔"

اُس سے ہونے والی وہ گفتگو بہت اہم اور معنی خیز تھی۔ اس کے نتیجے میں مجھے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ شی اور اس کے آقاؤں سے ہمیں فوری طور پر کس قسم کے خطرات لاحق تھے۔

ویرا کو یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ اوّل خان اپنی جگہ پر موجود نہیں تھا اور میں اس کے بجائے ظفر سے مدد لے رہا تھا لیکن اُس نے اس حد تک میرا ذہن بالکل صاف پڑھ لیا تھا کہ میں اس سے وقت حاصل کرکے ایٹمی سازوسامان کی کھیپ کے بارے میں ظفر سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ میرا ذاتی نہیں بلکہ اہم ترین نوعیت کا ایک قومی معاملہ تھا جس میں اندازے یا فیصلے کی ذرا سی لغزش' ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن سکتی تھی۔

سلطان شاہ جو ایرپیس پر ہونے والی دو طرفہ گفتگو لفظ بہ لفظ سن رہا تھا' سلسلہ منقطع ہونے پر خاموش نہ رہ سکا اور بولا "وہ ہمیشہ اپنے حریف کو چاروں طرف سے باندھ کر چلتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے پاس اُس کی پیشکش قبول کرنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں ہے۔"

"میں ظفر سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور ظفر غلام رسول کے معاملے میں ہونے والی میٹنگوں میں الجھا ہوا ہے۔ اسے شاید صبح سے پہلے فرصت ہی نہ مل سکے۔ میری رائے میں تم کو اس سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔"

"اتنی بات میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ ہمیں ویرا کو آزادی کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع دینا پڑے گا۔ اس کے بعد ہم اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔"

"اس کے بعد بھی ایسی حرکت خطرناک ثابت ہوگی۔" اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ویرا ڈائنا مائیٹ اڑانے نہیں بلکہ اسے اڑائے جانے کی پوزیشن میں لانے کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس کے آقا خلائی اشارے سے اپنا کام اسی وقت سرانجام دیں گے جب انہیں ویرا کی طرف سے کلیئرنس مل جائے گی۔ ہم نے اسے پکڑ لیا تو کلیئرنس کا معاملہ معلق رہ جائے گا۔"

"ہولناک صورتِ حال ہے۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے' تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹرانسپورٹ کمپنی میں ٹرکوں کی مرمّت کا کام سیکھ رہے تھے اور میں کراچی کی فٹ پاتھوں پر فاقہ مستی کے دن گزار رہا تھا۔ ہمیں ذرا سی بھی فکر نہیں تھی۔ جب مجھے چرس کی تقسیم کے کام کی پیشکش ہوئی تو مجھے اور میرے دوستوں کو شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ ہم ایسے حقیر سے مجرمانہ کام میں شریک ہوکر کسی بین الاقوامی گروہ کے چنگل میں پھنس رہے ہیں۔ چرس کے بعد جب سے ہم نے ہیروئن میں ہاتھ ڈالا ہے' سب کچھ ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ ہیروئن کے کام میں اس قدر پیسہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے برائیاں جنم لینے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے امریکی صدر کی آڑ میں شی کا سربراہ' جمی لائیڈ ہی طاقت کے عالمی توازن پر قابض و حکمراں ہے۔"

"شریفوں پر ہمیشہ سے بدمعاش حکمرانی کرتے آئے ہیں۔ جو خود بدمعاش نہیں ہوتے' وہ ان کے سہارے طاقت حاصل کرتے ہیں۔ بھینس ہمیشہ اسی کی رہی ہے جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے۔ ان باتوں پر سر کھپانا فضول ہے۔ میری مانو تو ویرا سے رابطہ کرکے اس کی پیشکش قبول کرلو۔"

"میں ابھی تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ ویرا کو سلور آئی کی ایسی کیا ضرورت پیش آگئی ہے کہ وہ مجھ سے ایک محدود سمجھوتا کرنا چاہ رہی ہے۔ تم غور کرو تو بلیو کراس ڈیل کے مقابلے میں یہ بہت حقیر سودے بازی ہے۔ ویرا کے لئے اس کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟"

"وہ تم سے خود اعتراف کرچکی ہے کہ سلور آئیز کی اہمیت گھٹانے کے لئے اُس نے جو کچھ کیا وہ بلف تھا۔ اب وہ شی میں واپس جانے کا فیصلہ کرچکی ہے تو اس کے لئے سلور آئیز بھی یک بیک اہم ہوگئی ہیں کیوں کہ وہ ان کی مدد سے اپنی حیثیت منوا سکتی ہے۔"

"تمہارے پاس آئی ہوئی سلور آئیز شی کے بڑوں کو قتل کرکے چھینی گئی ہیں۔ ان کے ذریعے کسی کو وقتی طور پر دھوکا تو دیا جاسکتا ہے' شی میں کوئی مستقل مقام حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ویرا کے لئے ان طلائی سکّوں کی اہمیت اور افادیت اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ شی کے لئے مخلص نہ ہو اور شی کی پالیسی سے ہٹ کر اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنا چاہتی ہو۔"

" سرا رخ یہ بھی ہے کہ وہ دو سکّے جمی لائیڈ کو لوٹا کر سُرخرو ہونا چاہتی ہو۔" سلطان شاہ نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "جب تک شی میں بڑوں کی عالمی شناخت کا وہ طریقہ رائج ہے' ان لوگوں کے لئے ہر سلور آئی بے اندازہ قدروقیمت رکھتی ہے......"

"پھر اسے دو کے بجائے تینوں سکّوں کی واپسی کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے پاس تین سلور آئیز موجود ہیں۔"

دو اور تین کے مسئلے پر سلطان شاہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ ویرا کا وہ مطالبہ اس کے کسی خاص مقصد کی نشان دہی کر رہا تھا اور اس گتھی کو سیدھے سادے قیاسات کی بنا پر حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دن بھر کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے میں تکان اور نیند کے شدید غلبے کے اثرات محسوس کر رہا تھا اس لئے میں نے ویرا سے آخری بات کر کے بستر پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب درکار ہے۔" اس سے رابطہ ہوتے ہی، میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "تمہارے لئے ان دو سکّوں کی کیا اہمیت ہے جو تم ان کے حصول کے لئے اتنی بڑی پیشکش کر رہی ہو۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم تو یہ دیکھو کہ تمہیں ان بے کار سکّوں کے عوض کیا مل رہا ہے......"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے اُس کی بات کاٹ کر فوراً ہی ذہنی قلابازی کھائی۔ "اس سودے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ سارا فائدہ قومی سطح کا ہے۔ میں نے پوری قوم کے مفادات کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ یہاں مجھ سے بڑے محبِ وطن پڑے ہوئے ہیں۔"

"یہ شاید تمہارا کوئی نیا پینترا ہے۔ اب سے پہلے تو تم پورے ملک کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے۔"

ویرا نے میرے اس سوال کا جواب ٹالنے کی لاکھ کوششیں کر ڈالیں مگر میں اپنی جگہ اڑا رہا اور آخر کار اس نے اپنے مطالبے کا پورا پس منظر بیان کر ڈالا۔

میرے ساتھ مل کر، شی کے مفادات کے خلاف کام کرتے ہوئے بھی ویرا، نے کبھی شی سے کھل کر بغاوت نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ان میں شامل رہی تھی۔ اسے شی میں سب سے بڑا تحفظ یہ حاصل تھا کہ وہ جمی لائیڈ کی غیر قانونی اولاد ہونے کی دعوے دار تھی۔ شاید اس کے دعوے میں صداقت تھی کیونکہ جمی لائیڈ نے اس کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود، ویرا کے خلاف کبھی کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس وجہ سے شی کے دیگر بڑے ویرا کی بہت سی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرتے رہتے تھے۔

ابتدا میں میرے ساتھ ویرا کے مراسم بہت خراب تھے۔ اسی دوران میں، مَیں نے تین سلور آئیز حاصل کر لی تھیں لیکن ویرا نے مجھ سے مصالحت کرنے کے بعد اوپر والوں کو یہ بتا دیا تھا کہ ان تین میں دو سلور آئیز اس کی تحویل میں آ گئی تھیں۔ اس طرح شی میں دوبارہ مؤثر شمولیت کے وقت یہ ضروری تھا کہ ویرا دو سلور آئیز جمی لائیڈ کو واپس لوٹاتی۔ اگر وہ اس امر میں ناکام رہتی تو اس پر سلور آئیز کے تحفظ میں غفلت برتنے کا سنگین الزام عائد ہو سکتا تھا جس کی سزا صرف اور صرف موت تھی۔

شی کے ضوابط میں سلور آئی کو تقدّس کا درجہ حاصل تھا۔ ہر آئی مین کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ سلور آئی کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرے۔ میں نے جن لوگوں سے سلور آئیز چھینی تھیں، وہ اس معیار پر پورے اترے تھے اور سلور آئی کھو دینے کے بعد میرے ہی ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے تھے اس لئے شی والے ان پر اپنی سزا کا اطلاق نہیں کر سکے تھے۔

سلور آئی کے تحفظ میں ناکام رہنے والوں کے لئے موت کی سزا کی روایت اتنی مستحکم تھی کہ پچھلے ایک عشرے میں تین دیگر افراد کے علاوہ، جمی لائیڈ کے بل ہیگرڈ نامی ایک دست راست کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔ ان چاروں کا جرم یکساں تھا کہ وہ سلور آئی کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اس پس منظر میں جمی لائیڈ بھی ویرا کو سزائے موت سے نہیں بچا سکتا تھا۔ بل ہیگرڈ اور دوسرے تین مقتولین کے ورثا شی میں خاصے اثر و نفوذ اور طاقت کے مالک تھے۔ جمی لائیڈ کے لئے، ان لوگوں کے جذبات کو نظر انداز کر کے اپنی ناجائز بیٹی کو سزائے موت سے بچانا ناممکن ہو جاتا۔ وہ کوئی ایسا کمزور فیصلہ کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں شی کا سخت ڈسپلن تباہ ہو جاتا۔ ان حالات میں ویرا کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں دو سلور آئیز جمی لائیڈ کو لوٹا دے۔

اس کے مطالبے کی بنیاد وہی تھی کیونکہ اس نے اپنی کہانی کی ابتدا اسی ایک پہلو سے کی تھی لیکن دورانِ گفتگو ہی اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس کی کہانی میں میری دلچسپی کا کوئی عنصر نہیں تھا بلکہ اس سے خود ویرا کی کمزور پوزیشن کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس لئے آخر میں اس نے ایک اور قصہ چھیڑ دیا۔

"ان سب باتوں کا تعلق میری ذات سے ہے۔ مجھے دو سلور آئیز واپس نہ ملیں تو مجھے شی میں واپسی کا خیال اپنے دل سے نکال دینا ہوگا لیکن تمہارے نقطۂ نظر سے جو بات اہم ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ سلور آئی کے بغیر میں اس ٹرک تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی جس پر ڈائنا مائیٹ والا ہیٹ ایکس چینجر لدا ہوا ہوگا۔ میری اس ناکامی کے نتائج بہت تباہ کن ہو سکتے ہیں۔" وہ بولی۔

"یہ شاید تمہاری ذہنی اختراع ہے لیکن پھر بھی تمہاری کہانی سن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔" میں نے نکیلے لہجے میں کہا۔

"میری نیت میں فتور ہوتا تو میں اصل قصہ گول کر کے تمہیں صرف وہی کہانی بھی سنا سکتی تھی جس کا تعلق میرے کام اور سلور آئی سے ہے۔"

"پہلے تم خالی الذّہن تھیں۔ اب تم نے ایک پلاٹ سوچ لیا ہے۔ بہرحال میں تمہاری نئی کہانی بھی سننے پر آمادہ ہوں۔ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔" میں نے کہا۔

اس بار ویرا نے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایران میں افرادی قوت اور بے روزگاری کی کثرت کی وجہ سے لمبے سفر پر جانے والے نیم فوجی قافلوں میں، ہر ٹرک پر چار اور ٹریلر پر چھ تومین کا عملہ مامور ہوتا ہے جو دو دو یا تین تین کی ٹولی میں باری باری اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے تاکہ سفر کے تسلسل میں کوئی فرق نہ آئے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ ایران میں شی کے اراکین کسی ایسے شخص کو خریدنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو چھ سو ٹن وزنی کیپ نقل کرنے والے کارواں میں شامل ہو۔ ویرا اس کارواں کے راستے میں ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کرتی۔ سلور آئی نمایاں طور پر اس کے گلے میں جھول رہی ہوتی تاکہ شی کا زر خرید ایجنٹ سلور آئی دیکھ کر اسے دور ہی سے پہچان لے۔

ویرا کو شناخت کر لینے کے بعد وہی شخص ویرا کے لئے موقع فراہم کرتا کہ وہ کارواں میں شریک ہو جائے یا اسے چند گھنٹوں کے لئے ان کے ساتھ رہنے کا موقع مل جائے تاکہ وہ اپنا کام کر سکے۔

ویرا کے کہنے کے مطابق زر خرید ایجنٹ کو یہ معلوم نہیں ہونے دیا گیا تھا کہ ویرا پورے کارواں کی تباہی کا بندوبست کرنے کے لئے وہاں پہنچ رہی تھی۔ اسے ویرا کو حسبِ ضرورت لفٹ فراہم کرنے کے لئے بھاری معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اگر ویرا کے پاس سلور آئی کی شناخت نہ ہوتی تو اس کا پہچانا جانا ممکن نہ رہتا جس کے نتیجے میں اس کا پورا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہو جاتا۔

"تمہاری یہ کہانی خاصی کمزور ہے۔" اس کی بات ختم ہو جانے کے بعد میں نے کہا۔ "تم وہاں کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہی ہو۔ ایک لیور کی پوزیشن تبدیل کرنا، بادی النظر میں بہت معمولی اور بے ضرر سا کام ہے۔ یہ کام تو اس شخص سے بھی لیا جا سکتا تھا جو کارواں میں تمہارے لئے جگہ پیدا کرے گا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے منظم گروہوں کی طرح شی کا بھی طریقۂ کار یہی ہے کہ سارا کام تنظیم کے اراکین سے لیا جائے۔ کرائے کے آدمیوں سے صرف اسی وقت کام لیا جاتا ہے جب ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے۔ اس صورت میں بھی باہر کے آدمیوں پر مکمل بھروسا نہیں کیا جاتا۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اہم کام ہمارے آدمی ہی سرانجام دیں۔ پورا کام اس کے حوالے کر دیا جاتا تو ہمارا وہ رابطہ بھی اس کی نظروں میں آ جاتا جسے وہ کام کی تکمیل کی رپورٹ دیتا۔"

اس کی وہ وضاحت قابلِ فہم ہونے کے باوجود بہت مضبوط نہیں تھی لیکن میں نے بات آگے بڑھائے بغیر، اسے اگلی شام تک سلور آئیز کی وصولی کے لئے تیار رہنے کی ہدایت کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی میرا ذہن اسی پُرہول صورتحال میں الجھا رہا۔

بہرحال، بعد کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ غزالہ کے ساتھ فرار ہونے کے بعد ویرا، بلیو کراس ڈیل تباہ کرنے کے مشن پر روانہ ہونے کے بجائے، کراچی ہی میں کیوں رکی ہوئی تھی؟

اس پر جنون طاری ہوا تھا نہ وہ غصے کے عالم میں بے تکی حرکتیں کرتی پھر رہی تھی۔ بلکہ اُس نے ہر قدم سوچ سمجھ کر اور نپے تلے انداز میں اٹھایا تھا۔ جہانگیر کے شیر خوار بچے کے اغوا سے لے کر تھیلمانگک کا نام اختیار کرنے تک، اس کی ہر حرکت میں ایک تسلسل تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح میری ذات تک رسائی حاصل کر لے تاکہ مجھ سے سلور آئیز کی واپسی کے بارے میں بات کر سکے۔ غزالہ کے اغوا کے بعد اس نے، اسی چکر میں اسٹیشن فور فون کر کے مجھ سے بات کی تھی اور اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتے ہوئے مصالحت کی پیشکش کی تھی جسے میں نے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ دراصل اس وقت تک ویرا نے، سلور آئی کا ذکر نہیں کیا تھا اس لئے میں اُس کی چال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ بس غصے اور اشتعال کے عالم میں اُس کے ہر دعوے کو رد کرتا چلا گیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن کے دریچے بھی کھلنے لگے تھے۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ سلور آئی کا ذکر کرنے سے پہلے ویرا، نے مصالحت کی کوشش کیوں کی تھی۔ یقینی طور پر اُس کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اپنے کئے پر پشیمانی ظاہر کر کے کسی نہ کسی طرح فلیٹ میں اپنی واپسی کی راہ ہموار کر لے اور پھر پہلی فرصت میں تینوں سلور آئیز پر ہاتھ صاف کر کے، اپنے نئے مشن پر ایران روانہ ہو جائے۔

ویرا ایک فتنے سے کم نہیں تھی۔ اس نے کم عمری ہی میں زندگی کے بارے میں ایسے ایسے تجربات حاصل کر لئے تھے جن سے عمر رسیدہ مرد اور عورتیں بھی محروم رہتی ہیں اسی وجہ سے اسے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ بدترین حالات میں بھی اس کا ذہن کسی کمپیوٹر کی طرح، پوری صورتِ حال کا گہرا تجزیہ کر کے اپنے فیصلے صادر کرتا رہتا تھا۔ یہ اس کی مکاری اور چالاکی کی انتہا تھی کہ میں اس کے ساتھ ایک طویل مدت گزارنے کے باوجود اس کی سوچی سمجھی چالوں کو اس کی جھلاہٹ اور بوکھلاہٹ کا اضطراری ردِ عمل سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ جمی لائیڈ ہر طرف پھیلے ہوئے موت کے سوداگروں کا سرغنہ تھا تو ویرا موت کے اس بڑے سوداگر کی بیٹی تھی جس سے کسی بھی صورت میں بے لوثی اور ہمدردی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ ہر لمحے اپنا مفاد پیشِ نظر رکھتی تھی۔ وہ سوچ اس کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اپنے مفادات سے متصادم قوتوں کو وہ ایک ثانئے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ مجھ سے کئی بار اس کا ٹکراؤ ہو چکا تھا لیکن ہر مرتبہ حالات نے ہمیں پھر یکجا ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس بار پھر تاریخ خود کو دہراتی نظر

آ رہی تھی۔ ان ہی خیالات میں الجھے ہوئے میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ ہوش آیا تو خاصا دن چڑھ چکا تھا۔

سلطان شاہ مجھ سے پہلے بیدار ہوچکا تھا اور باہر سے اخبارات لے آیا تھا۔

میں نے منہ ہاتھ دھونے سے پہلے' اس کے لائے ہوئے تینوں اردو اور انگریزی اخبارات کی سرخیاں دیکھ ڈالیں جن میں غلام رسول کی پُراسرار بازیابی کی سنسنی خیز کہانی نمایاں تھی۔

"اس بار قسمت ہم پر مہربان رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے آگاہ کیا۔ شاید وہ میرے بیدار ہونے سے پہلے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر اردو اخبارات چاٹ چکا تھا۔ "سپر ہائی وے والے واقعے میں شری مان سنگھ کے سارے ہی آدمی کام آگئے لیکن ان میں وہ خود نہیں تھا۔"

"سارے آدمی؟" میں نے چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن پانچواں تو کمانڈوز کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بڑے پانچوں میں غائب ہوگیا تھا۔"

"پولیس والوں کو ایک گڑھے سے اُس کی لاش مل گئی تھی۔ وہ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے' پانچوں سے نکلتے ہی ایک گہری خندق میں گرا ہوگا کیونکہ اس کی گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔ اب ایسا کوئی آدمی زندہ نہیں رہا تھا جو شری مان سنگھ کو وہاں پیش آنے والے اصل واقعات سے آگاہ کرسکے۔"

میرے لیے اصل اور سب سے اہم خبر وہی تھی اس لیے میں اخبار میز پر ڈال کر غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ میرے لیے منہ ہاتھ دھوئے بغیر اخبار بینی جیسے دلچسپ مشغلے سے بھی لطف اندوز ہونا ممکن نہیں تھا۔

میں واپس آیا تو سلطان شاہ میرے لیے ناشتے کی تیاری میں مصروف تھا۔ میں تفصیلی خبر کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

پچھلی رات جو کچھ ہوا' اس کے بارے میں وہی رپورٹ شائع ہوئی تھی جس کا بندوبست ظفر نے پہلے سے کیا ہوا تھا۔ خبر میں سپر ہائی وے سے نیچے' گلشنِ معمار والے موڑ کے قریب' اندھیرے میں کچھ مشتبہ افراد کی پُراسرار اجتماع کی خبر تھی۔ ان لوگوں کی رازدارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پولیس کو ان پر اسمگلر ہونے کا شبہ ہوا۔ پولیس پارٹی نے انھیں للکارا تو انہوں نے اندھادھند فائرنگ شروع کردی۔ پولیس کی طرف سے بھی جوابی کارروائی کی گئی۔ اسی اثنا میں وہاں موجود ہائی روف ایمبولنس میں دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی اور مزاحمت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ پولیس والوں کو وہاں سے کُل چھ لاشیں ملی تھیں جن میں سے ایک گردن ٹوٹنے سے ہلاک ہوا' دو کی موت پستولوں کی گولیوں سے واقع ہوئی تھی جبکہ دو افراد ایمبولنس میں جل کر ہلاک ہوئے تھے۔ البتہ غلام رسول کے بارے میں ڈاکٹروں نے تصدیق کی تھی کہ اس کی موت کسی خارجی زخم کی وجہ سے نہیں بلکہ کمزوری اور پھر حرکتِ قلب بند ہونے سے فطری

انداز میں واقع ہوئی تھی۔

ان اطلاعات کی بنا پر یہ نظریہ قائم کیا گیا تھا کہ اس ... غلام رسول کی منتقلی کے لیے مجرموں کے دو گروہ جمع ہوئے تھے ... دوران میں پولیس آگئی تو دونوں گروپ پولیس کی مداخلت کو ... دوسرے کی غفلت کا شاخسانہ سمجھ کر آپس میں لڑ پڑے ... نظریے کو اس امر سے بھی تقویت ملتی تھی کہ مرنے والوں کو ... قسم کے ہتھیاروں کے زخم آئے تھے' وہ جائے واردات سے ... نہیں ہوسکے تھے۔ قیاس کیا گیا تھا کہ اندھیرے اور ہڑبونگ کا ... اٹھا کر کچھ لوگ فرار ہونے میں بھی کامیاب ہوگئے تھے۔

ان لاشوں میں سے ایک شخص کو شہر کے بدنام بدمعاش ... طور پر شناخت کرلیا گیا جبکہ دیگر لاشوں کی شناخت کا معاملہ باقی تھا ... پولیس کی طرح اخباری نامہ نگار یہ اندازہ لگانے سے ... رہے تھے کہ غلام رسول مردہ حالت میں وہاں لایا گیا تھا یا ... ہونے والی فائرنگ سے دہشت زدہ ہو کر چل بسا تھا۔ اس بارے ... پوسٹ مارٹم کی تفصیلی رپورٹ کا انتظار کیا جارہا تھا کیونکہ ... کے وقت کا تعین اسی رپورٹ میں کیا جاتا تھا۔

اس معاملے میں ہم لوگوں سے اندازے کی غلطی یہ ہوئی ... اتنے کشت و خون کو اخبارات میں نمایاں جگہ نہیں مل سکی ... اخبار کا زور غلام رسول کی بازیابی پر رہا تھا جب کہ ہم اسے ... درجے کی بات قرار دلوانے کے لیے کوشاں رہے تھے۔

"سب کچھ اسی طرح شائع ہوا ہے جیسے رونما ہوا تھا۔" ... فارغ ہونے پر سلطان شاہ بولا "بس اتنا فرق پڑا ہے کہ تم لوگوں ... بجائے کسی نامعلوم پارٹی کا ذکر کیا گیا ہے۔"

"اب اندازہ ہوا کہ اخبار والے لکیر کے فقیر نہیں ... خبریں بنانے میں اپنا بھی سر کھپاتے ہیں۔" میں نے کہا ... یہ ہے کہ ایمبولنس پر بم مارے جانے کے بارے میں کوئی ... نہیں ہے ورنہ شری مان سنگھ کو سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔ وہ ... مشکل ہی سے قابو میں آئے گا۔"

"کار یا ایمبولنس میں آسانی سے آگ لگ سکتی ہے ... ٹنکی پر لگنے والی ایک گولی بھی یہ کام دکھا سکتی ہے۔ تم کو یہ ... ہوگا کہ دوسرے فریق تم نہیں تھے۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا اور فون پر ... نمبر ملانے لگا۔

آپریٹر کے ذریعے میں نے شیر شاہ سے سلسلہ ملوایا تو ... آواز سے اضمحلال مترشح تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم بہت اُداس معلوم ہو رہے ہو؟" ... اس کی ہیلو کے جواب میں کہا۔

"اوہ' باس!" اس کی آواز میں ایک دم جان پڑ گئی ... سے بات کرلو۔ اخبار دیکھنے کے بعد اس کا موڈ بہت خراب ... اس کا خیال ہے کہ ہم اپنا عدد غلط پارٹی کے حوالے کر آئے ...

"سب کچھ ٹھیک ہوا ہے۔ ایسے مواقع پر اصل پارٹیاں سامنے نہیں آتیں۔" میں نے سختی سے کہا پھر پوچھا "اس وقت چیف کہاں ہے؟"

"وہ اپنے گھر پر ہی آرام کررہا ہے۔ یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

میں کریڈل دبانے کے بعد حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

"کل رات سے تم کہاں تھے؟" میری آواز سنتے ہی وہ مجھ پر برس پڑا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم بھی وہیں کسی گڑھے میں پڑے ہوئے ڈھونے والوں کا انتظار کررہے ہوگے۔"

"میں پھنس گیا تھا۔ کل اس علاقے میں پولیس کا گشت بہت بڑھا ہوا تھا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "جاتے ہوئے تو میں ... ل کرا کے پولیس پارٹی کے سامنے سے نکل گیا لیکن واپسی میں ... ہمت نہیں کرسکا اور وہیں آصف اسکوائر میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔"

"جب اسے شیر شاہ چھوڑ کر آیا تو تمھیں وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"وقت اور مقام میں نے طے کیا تھا۔ دوسری پارٹی کو وہاں ... لے جانا میرے ذمے تھا۔"

"لیکن وہاں تو خاصی گڑبڑ ہوئی تھی۔ تم بچ نکلنے میں کیسے کامیاب ہوگئے؟"

"قسمت یاور تھی یا شاید تمہاری دعائیں کام کررہی تھیں۔" ... نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا "جاتے ہوئے میں ان کی گاڑی ... تھا۔ واپسی پیدل ہوئی کیونکہ پورا علاقہ بہت تیزی سے گھیر لیا گیا ... اگر میں اندھیرے سے نکل کر کسی سواری کی تلاش میں سڑک ... نے کی کوشش کرتا تو مشکلات سے دوچار ہوسکتا تھا۔ اسی لئے ... نے رات ان ہی اطراف میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"لیکن تم مجھے فون پر اطلاع تو دے سکتے تھے؟" وہ بدستور ... ہٹ میں جلا تھا۔

"اول تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا پھر وہاں فون بھی نہیں تھا۔ ... تم مطمئن رہو۔ تمہارے سر پر سے بوجھ ہٹ گیا ہے۔ پولیس ... آنے تک اس کا سانس باقی تھا......"

"اس پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ وہ وہی لوگ تھے یا تمہارے ... تو کوئی چال چل گئی ہے۔"

"بالکل وہی تھے۔ تم فکر نہ کرو۔ ایسے مواقع پر اصل چہرے ... سامنے نہیں آتے۔ وہ آئے ہوتے تو ان کا جو حشر ہوتا وہ ... سامنے ہے......"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" اس نے اضطراری انداز میں ... بات کاٹ دی۔ "پھر میں ڈان کو فون کئے دیتا ہوں۔ ویسے تم ... کب آرہے ہو؟"

"کوئی ضروری کام ہو تو ابھی آسکتا ہوں۔ بس شیو ذرا بڑھا ہوا ہے۔"

"دفتر آؤ تو مجھے اطلاع کردینا۔ میں بھی دو تین روز گھر پر رہوں گا۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"اور شاید اب شری مان سنگھ کی باری ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ایک مشکل سے نکلتے ہی دوسری دشواری میں کیوں گِھر جاتے ہیں؟"

"مدافعانہ حکمتِ عملی میں یوں ہی ہوتا ہے۔ دلدل سے نکلنے کے لئے جتنے ہاتھ پیر مارو گے' اسی قدر دھنستے چلے جاؤ گے۔ آج اگر شری مان سنگھ نے گڑبڑ کی تو میں کھل کر میدان میں آجاؤں گا اور ان کی کمزوریاں ڈھونڈ کر اُن کا جینا محال کردوں گا۔"

"اس کی سب سے بڑی کمزوری رجنی کی صورت میں تمہارے پاس ہے۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ رجنی ایک عورت ہے اور دوسری بات یہ ہے شری مان سنگھ کو اب رجنی سے محبت نہیں رہی۔ وہ خود رجنی سے چھٹکارا پانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔"

"چھٹکارا پانے کی بات اپنی جگہ پر ہے۔ تم یہ دیکھو کہ وہ اس کی لاش تک اپنی تحویل میں لینا چاہتا ہے۔"

"میں دیکھوں گا کہ اس معاملے میں کیا کرسکتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دوسری گھنٹی پر آپریٹر کی مترنم نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے میرا نام دریافت کیا اور چند ثانیوں کے وقفے کے بعد لائن شری مان سنگھ سے ملادی۔

ریسیور پر دورانِ انتظار گونجنے والی موسیقی ختم ہوتے ہی میرے کانوں میں شری مان سنگھ کی سخت اور سرد آواز آئی۔ "میں فون پر بالکل بات نہیں کروں گا۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے بلا تمہید کہا۔

"میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے تمہاری شرط پوری کردی ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ فون پر بالکل بات نہیں ہوگی۔ تم سے اسی وقت ملاقات ضروری ہے۔"

"تو پھر ہالیڈے اِن کی کافی شاپ میں آجاؤ۔ وہ تمہارے دفتر سے قریب ہے میں بھی وہاں پہنچتا ہوں۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ تمہیں میرے دفتر میں آنا ہوگا۔ تم پر میرا اعتماد متزلزل ہوچکا ہے۔"

اس کا دفتر میرے لئے چوہے دان بھی ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وہ ایک غیر ملک کی سفارتی عمارت میں واقع تھا لیکن میں اس پر اپنا کوئی خوف ظاہر کرکے اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "میں وہاں بھی آسکتا ہوں لیکن یہ

یاد رکھنا کہ میرے آدمی ہزار آنکھیں رکھتے ہیں۔ تم نے ذرا سی بھی بدنیتی کا مظاہرہ کیا تو تمہارے لئے بے اندازہ مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"مجھے اپنی مجبوریوں کا بخوبی علم ہے۔ میں گیٹ پر کہے دیتا ہوں۔ تم جلد از جلد پہنچو!"

اس سے گفتگو وہیں ختم ہو گئی جب سلطان شاہ کو علم ہوا کہ شری مان سنگھ نے مجھے اپنے کونسلیٹ میں بلایا ہے جس پر میں اپنی آمادگی ظاہر کر چکا ہوں تو وہ مجھ پر خاصا برہم ہوا کہ میں دیدہ و دانستہ ایک اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے جا رہا تھا۔

"مجھے جانا پڑے گا۔ سپرہائی وے کے واقعات کے بعد شری مان سنگھ مجھ سے باہر ملنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ وہ اپنے ملک کا ایک اہم سفارتی افسر ہے۔ اس کے ساتھ ذرا سی بھی اونچ نیچ ہوئی تو وہ بے موت مارا جائے گا۔ باہمی تعلقات نازک ہوں تو سفارتی افسر دیکھ بھال کر قدم اٹھاتا ہے۔ اس میں اُس کا قصور نہیں ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جرائم پیشہ لوگوں سے لڑ بھڑ کر اپنا راستہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ اس نے بہانے سے تمہیں وہاں بلا کر قید کر لیا تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔" میرے رویئے پر اس کا منہ بنا ہوا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ پھر بھی مجھے دیر ہو جائے تو تم دو گھنٹے بعد شری مان سنگھ کو فون کر کے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرنا۔ اس کے دماغ میں کوئی فتور ہوا تو وہ تمہارے فون سے رفع ہو جائے۔ بدترین حالات میں تم ظفر سے مدد لے سکو گے۔"

"ظفر تمہارا منتظر ہوگا۔" وہ چونک کر بولا "وہ سپرہائی وے سے واپسی کے بعد کے واقعات جاننے کے لئے بے چین ہوگا۔ وہ سب سے پہلے یہی اعتراض کرے گا کہ تمہیں اس سے مشورہ کئے بغیر کونسلیٹ کا رخ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ وہ طرار آدمی ہے۔ اسے سمجھانا میرے بس سے باہر ہوگا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ سب سلطان شاہ کے حیلے بہانے تھے جن کے سہارے وہ مجھے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے روکنا چاہ رہا تھا لیکن میں خوش اسلوبی کے ساتھ اسے اس کا کردار سمجھا کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ سلطان شاہ نے پھر بھی دل گرفتہ انداز میں مجھے رخصت کیا تھا۔

کونسلیٹ کی عمارت اچھے خاصے جیل خانے سے مشابہ تھی۔ احاطے کی دیوار پر کم از کم آٹھ فٹ اونچی مضبوط آہنی باڑھ نصب تھی جس کی سلاخوں کے درمیان سے اندر، احاطے میں ہونے والی نقل و حرکت نظر آ رہی تھی۔ دیوہیکل آہنی پھاٹک کے پیچھے ان لوگوں کے اپنے باوردی مسلح محافظ موجود تھے۔ پھاٹک سے باہر مقامی پولیس کا مسلح دستہ موجود تھا اور ویزا کے لئے آنے والے سلاخوں سے باہر بھیڑ بکریوں کی طرح ٹہل رہے تھے جیسے وہ مفت یا کوئی رعایت لینے کی گھات میں لگے ہوں۔

میں ٹیکسی سے اتر کر براہِ راست پھاٹک کی طرف بڑھا تو ... سپاہی میری اس جسارت پر چونکے۔ اندر والوں کی نگاہیں بھی ... سے مجھ پر مرکوز ہو گئیں لیکن جب میں نے پھاٹک پر پہنچ کر ... باڑھ کے پیچھے سے اپنا نام بتایا تو فوراً ہی پھاٹک سے ملحق ... کھول کر مجھے اندر بلا لیا گیا۔

اندر گھستے ہی ماحول کی تبدیلی یک بیک واضح ہو گئی۔ ... ہوئی داڑھیوں اور پگڑیوں والے سکھوں کے علاوہ تلک ... ساڑیوں کے آنچل ہر طرف سرسرا رہے تھے۔ جس شخص کو ... بھارت کے بارے میں ذرا سی شُدبد ہو وہ ان لوگوں کو دیکھ ... اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس ملک کی سفارتی عمارت میں موجود ...

وہ دفتر ایک وسیع و عریض رہائشی عمارت میں قائم تھا۔ ... وغیرہ کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ باضابطہ دفاتر کا روپ دے ... تھا۔ میں ایک اردلی کی رہنمائی میں متعدد پیچ در پیچ راہداریوں ... بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مجھے کسی پیشگی بندوبست ... تحت عمارت کے عقبی اور نسبتاً غیر مصروف حصے میں لے جایا ... تھا۔ میرے لئے وہ کوئی اچھا آغاز نہیں تھا۔ اس وقت مجھے ... اختیار اپنی بیم گن یاد آئی جو میں دانستہ اپنے ساتھ نہیں لایا ... میرا خیال تھا کہ عمارت میں داخل ہونے سے پہلے میری باقاعدہ ... تلاشی لی جائے گی لیکن خلافِ توقع کسی نے میرے بدن کو ہاتھ ... نہیں لگایا۔

آخرکار اردلی نے مجھے ایک وسیع نشست گاہ میں پہنچا دیا ... بیک وقت تیس چالیس افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ کمرے ... مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے نئے قالین پر وزنی چوبی صوفے ... ہوئے تھے اور اونچی چھت سے لٹکے ہوئے کئی پنکھے دھیمی رفتار ... گردش کر رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ اردلی مجھے وہاں چھوڑ کر واپس ... تھا بلکہ برآمدے میں رک گیا تھا۔

میں نے ایک صوفے پر دراز ہو کر وقت گزاری کے ... سگریٹ سلگا لی۔

چند منٹ بعد اردلی نے کمرے میں آکر ایس ایس ماد... آمد کا اعلان کیا۔ اس کا انداز اس قدر چونکا دینے والا تھا ... فوراً ہی غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے اٹھ گیا لیکن اپنی ... احساس ہوتے ہی جھلّا کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت ... اندازہ ہوا کہ بڑے لوگوں کے اردلی کن طور طریقوں ... صاحبوں کی شان میں چار چاند لگا کر انہیں اس نشے کا عادی ... ہیں۔

شری مان سنگھ آدھی آستین کی سفید بش شرٹ اور ... پتلون میں ملبوس، کمرے میں داخل ہوا تو اس کے منحنی ... عجیب سی توانائی انگڑائیاں لے رہی تھی۔ وہ آیا اور مجھ سے کوئی سلام دعا کئے بغیر خشک انداز میں میرے قریب بیٹھ گیا۔ چشمے کے سفید عدسوں کے پیچھے سے اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں، جن سے مجھے قدرے بے آرامی محسوس ہونے لگی۔

"مجھے اخبار سے پتا چلا ہے کہ رات کو وہاں گڑبڑ ہو گئی۔" میں نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے خود ہی جمود توڑا۔

"اخبار سے؟" اس کی تیوریوں پر کئی بل آ گئے۔ "تو کیا رات کو تم وہاں نہیں تھے؟"

"تم نے مجھے گیارہ بجے اسے وہاں پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد مجھے لوٹ آنا تھا۔ میرے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا؟ اس کا میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں......"

"میرے سب آدمی مارے گئے۔" اس کی آواز سے گہرا صدمہ ظاہر ہو رہا تھا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس کی سازش کی بنا پر پولیس وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئی؟ میرے لیے وہ ایک اہم بازی تھی جو میں ہار گیا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں تمہاری بدنیتی کارفرما تھی۔ ایک طرف تم نے مجھ سے پروگرام طے کیا اور دوسری طرف پولیس والوں سے مخبری کر دی۔ تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

"اگر میں تمہاری چھت کے نیچے موجود ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھ پر الزام تراشی کر کے میری توہین کرنی شروع کر دو!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "تم نے میرا نام سنا تھا تو یہ بھی سنا ہوگا کہ میرا ماضی کیا رہا ہے۔ میں اپنے معاملات کو خود سلجھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ جو لوگ پولیس کی چھتری میں پناہ ڈھونڈتے ہیں، وہ بدمعاش نہیں ہیجڑے ہوتے ہیں۔ اگر مخبری ہوئی ہے تو وہ تمہارے ہی کسی نمک حرام نے کی ہوگی۔"

اس دوران میں وہ پلکیں جھپکائے بغیر، مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا۔ میری بات پوری ہونے پر وہ بولا "اور شاید تم کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب تم نے اسے وہاں ڈالا تو وہ زندہ نہیں تھا۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ بیمار اور زخمی ہے مگر میں نے اسے زندہ چھوڑا تھا۔ وہ بعد میں دہشت سے مر گیا ہو تو اور بات ہے۔ ویسے بھی میرے اور تمہارے معاہدے میں اس کے زندہ ہونے کی کوئی شرط نہیں تھی۔ تمہیں وہ آدمی چاہئے تھا، میں نے اسے پہنچا دیا۔ اب تم اپنے وعدے سے مکرنے کے بہانے تلاش کر رہے ہو تو یہ دوسری بات ہے۔"

"دھیمی آواز میں، تہذیب سے بات کرو، ڈِپی!" وہ اچانک ہی تلخ ہو گیا۔ "تمہاری پوزیشن مشتبہ ہے۔ اپنی صفائی پیش کرنے کی ذمے داری بھی تم ہی کو قبول کرنی ہوگی۔"

"میں نے حقائق بتا دیئے ہیں۔" میں نے اسے پُرخار نظروں سے گھورتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ "ان پر یقین کرنا یا نہ کرنا تمہارا فعل ہے۔ میرا ضمیر بالکل مطمئن اور صاف ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری کہانی پر یقین نہ کرنے کی صورت میں، میں تمہیں قید میں ڈال کر سزا بھی دے سکتا ہوں۔ میرے سفیر سے پیشگی اجازت لئے بغیر تمہارے ملک کا بڑے سے بڑا افسر بھی اس عمارت میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ تم اپنی مرضی سے آئے ہو لیکن میری اجازت کے بغیر یہاں سے واپس نہیں جا سکو گے۔ میں اپنے حریفوں سے حقائق اگلوانے کے بہت سے گُر جانتا ہوں۔"

میں تضحیک آمیز انداز میں آہستگی سے ہنس دیا اور بولا۔ "افسروں کی بات افسروں تک رہنے دو۔ تم اپنی حکومت کے ملازم ہو اس لئے اس سے آگے نہیں سوچ سکتے۔ مجھے اپنی مرضی سے واپسی کا یقین نہ ہوتا تو تمہاری دعوت پر یوں بے چون و چرا یہاں نہ چلا آتا۔ تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے جاں نثار اس عمارت کے در و دیوار کو خون میں نہلا دیں گے۔"

"تم شی سے ٹوٹ چکے ہو، ویرا تمہارے خون کی پیاسی ہو کر غزالہ تک کو اغواء کر چکی ہے۔ اب تمہارے جاں نثار کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟" اس نے ابتدا سے اس وقت تک اپنی نگاہیں میرے چہرے پر جمائی ہوئی تھیں۔

"اگر تم کچھ جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ شی سے ٹوٹ کر زندہ رہنا ایک بڑی بات ہے اور میں زندہ ہوں۔ میری زندگی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ میرے دوست اور ہمدرد یہاں شی سے زیادہ طاقتور ہیں۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ تمہاری کھوپڑی کو تاک کر غلیل کا نشانہ بنایا گیا لیکن تمہارے مسلح آدمی کچھ بھی نہیں کر سکے۔ میں نہ روکتا تو اس پتھر کی جگہ تمہاری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ بھی اتر سکتا تھا۔"

"تت...... تو وہ تمہارے کسی آدمی کی حرکت تھی؟" میرے انکشاف پر وہ بری طرح سٹپٹا گیا۔

میں اعتراف میں سر ہلا کر رہ گیا۔ میں اُس کے مقابلے میں پوری ہمت اور جواں مردی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے کسی نادیدہ خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔ میری پوری کوشش تھی کہ غزالہ کی واپسی کی بات بنے یا نہ بنے، مجھے وہ ملاقات ختم کر کے جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہئے۔

"جب ہم وہاں دوستانہ ماحول میں باتیں کر رہے تھے تو اس کمینگی کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے بھنّا کر پوچھا۔

"وہ کمینگی نہ کی گئی ہوتی تو آج میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔"

"میں تمہیں تہ خانے میں بند کر کے اپنے اردلی سے تمہارے سر پر جوتے لگواؤں گا۔" اپنی بے عزتی یاد آتے ہی وہ غصے میں

اپنے آپ سے باہر ہونے لگا۔

میں ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اسے گھورتے ہوئے دھیمے مگر خوفناک لہجے میں بولا "میں اپنے قریب آنے والوں کے چیتھڑے اڑا ڈالوں گا۔ ہمت ہے تو یہ بھی کرکے دیکھ لو۔"

معاً اس عمارت کے دو باوردی محافظ اس کمرے میں گھس آئے اور آتے ہی انہوں نے اپنی سب مشین گنیں میری طرف تان لیں۔ "ہاتھ بلند کرلو!" ان میں سے ایک نے کہا۔

میرے لئے وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا اگر میں بزدلی کے ساتھ خود کو اُن کے حوالے کردیتا تب بھی قید ہی میرا مقدر بنتی جبکہ ویسے بھی شری مان سنگھ کے تیور اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔

وہ دونوں مسلح محافظ جس انداز میں کمرے میں داخل ہوئے' اس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ چھپ کر کمرے کی صورتحال پر نظر رکھے ہوئے تھے اور میرے جارحانہ تیوروں کا اندازہ لگاتے ہی اپنے صاحب کی مدد کے لئے اندر گھس آئے تھے حالانکہ اس وقت میرا مار دھاڑ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

میں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے لمحے بھر کے لئے سوچا۔ وہ تینوں پورے انہماک سے میری طرف متوجہ تھے۔ محافظ ایک ساتھ کھڑے تھے' شری مان سنگھ ان سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

میں نے اچانک آنکھیں پھاڑ کر اُن کے عقب میں دیکھتے ہوئے' تیز اضطراری لہجے میں کہا "ٹھہرو! انہیں ابھی نہ مارنا!"

وہ تینوں ہی بجلی کی سی سُرعت سے اپنے پیچھے پلٹے۔ وہ ان کا بے ساختہ ردِّ عمل تھا جس پر قابو پانا ان کے بس سے باہر تھا۔ میرے لیے پل بھر کی وہی مہلت کافی تھی۔ میں فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں محافظوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کی مشین گنیں چھینتا ہوا' ان سے آگے نکل گیا۔ وہ دونوں بوکھلائی ہوئی آوازیں نکالتے ہوئے قالین پر ڈھیر ہوگئے۔

میں اپنی جھونک پر قابو پانے کے بعد دونوں مشین گنیں سنبھالتے ہوئے پلٹا تو شری مان سنگھ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بدحواسی کے عالم میں کسی ایسے الو کی طرح آنکھیں جھپکائے جارہا تھا جیسے گھور تاریکی سے اٹھا کر اچانک ہی چمکتی ہوئی دھوپ میں پھینک دیا گیا ہو۔

اس وقت تک باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تیزی سے اس کمرے کا جائزہ لیا تو وہاں سے نکاسی کا وہی ایک دروازہ تھا جس سے سب لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ میں نے صورتِ حال میں کوئی خرابی یا پیچیدگی رُونما ہونے سے پہلے ہی اس دروازے کو اندر سے بولٹ کرلینے کا فیصلہ کرلیا۔

دونوں سپاہی نرم قالین پر لوٹ لگانے کے بعد اپنے قدموں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے لیکن اس آسانی کے ساتھ مار لئے جانے پر بہت زیادہ نروس اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔

میں نے ان پر سے نظریں ہٹائے بغیر دروازے کے پٹ بند کرکے تمام بولٹ چڑھا دیے۔

وقتی طور پر مَیں ان تینوں کو چکمہ دے کر اُن پر حاوی ہوچکا تھا لیکن میرے لئے وہ صورتِ حال نہایت دھماکا خیز تھی۔ میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا۔ اس وقت میرے فیصلے کی ذرا سی غلطی بھی مجھ پر زندہ رہنے کے راستے مسدود کرسکتی تھی۔

اس سنسنی خیز ماحول میں' مَیں اپنی سلامتی کے بارے میں فکرمند تھا اور وہ تینوں' میری ذہنی کیفیت سے بے خبر اپنی دردناک موت کی دہشت میں مبتلا ہوچکے تھے کیونکہ میری تحویل میں موجود دونوں سب مشین گنوں کے بھرے ہوئے میگزین چڑھے ہوئے تھے اور میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش ان تینوں پر بارودی جہنم کے دہانے کھول سکتی تھی۔

شری مان سنگھ نے ناخوشگوار تصادم کی وہ صورتِ حال میری مرضی یا ارادے کے بغیر میرے اوپر مسلط کی تھی۔ اس کے آدمیوں سے ہتھیار چھین لینے کے بعد میں نے ان پر بالادستی حاصل کرلی تھی اور اس کمرے میں داخلے کے واحد راستے کو اندر سے بولٹ کرکے میں نے اپنی اس برتری کو فیصلہ کُن بنالیا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک غیر ملکی کونسلیٹ کی وسیع وعریض عمارت تھی جہاں مسلح محافظوں کے علاوہ' عملے کی بھاری نفری بھی موجود رہی ہوگی۔ پھر اس حسّاس عمارت کی حفاظت کے لیے باہر مقامی پولیس کا مسلح دستہ موجود تھا جسے وہ لوگ وقتِ ضرورت اندر طلب کرسکتے تھے لیکن اس بھاری نفری کے باوجود وہ اس وقت تک بے بس تھے جب تک میں نے ہتھیاروں کے بَل پر شری مان سنگھ اور اس کے دو آدمیوں کو اس وسیع وعریض کمرے میں یرغمال بنایا ہوا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔

ان تینوں کو ہلاک کرنے کی دھمکی دے کر میں باہر والوں کو مداخلت کرنے سے باز رکھ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی جانوں کی کوئی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو مگر میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ شری مان سنگھ ان لوگوں کے لیے حد سے زیادہ اہم تھا۔ وہ اس کی زندگی کو ایک محصور دشمن کے کسی اضطراری ردِّعمل کا ایندھن بنانے کا کوئی موہوم ترین خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔

ان حالات میں شری مان سنگھ بھی میرے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوجاتا۔ میرے ... لیے پر غزالہ کو اس کمرے میں بلانے سے وہ انکار نہیں کرسکتا تھا۔ ایک بار غزالہ وہاں آجاتی تو میں ایک سب مشین گن کی نال شری مان سنگھ کی کھوپڑی سے لگاکر' اس کے اور غزالہ کے ساتھ وہاں سے نکل سکتا تھا۔ کونسلیٹ سے فرار ہونے کے لیے میں ان ہی لوگوں کی گاڑی لے جاسکتا تھا۔ جب تک شری مان سنگھ میرے نشانے کی زد میں' میری تحویل میں رہتا' اس کے آدمی میرے ساتھ کوئی شرارت کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ اس پوری کارروائی کی تکمیل میں باہر والوں کو اتنا وقت مل جاتا کہ وہ میرے متوقع فرار کے پیشِ نظر مقامی پولیس اور انتظامیہ سے بھرپور مدد حاصل کرلیتے اور اس عمارت سے باہر نکلتے ہی خونخوار بھیڑیے میرے پیچھے لگ جاتے۔

اس اعتبار سے اس عمارت کا محلِ وقوع بہت خراب تھا۔ عمارت کے تین اطراف میں سڑکیں تھیں۔ اس کی بغلی اور عقبی سڑک عموماً ویران ہی رہتی تھی مگر سامنے والی' فاطمہ جناح روڈ کافی مصروف سڑک تھی۔ میں پھاٹک سے نکل کر جاتا تو داہنی طرف پولیس سے مڈبھیڑ ہونے اور ٹریفک کے ہجوم میں پھنسنے کے قوی امکانات تھے کیونکہ ادھر کینٹ اسٹیشن سے آنے والا بھاری اور پُرہجوم ٹریفک بائیں طرف گھوم کر کلفٹن برج سے پہلے والے ٹریفک سگنل کی طرف جاتا تھا۔ اسی راستے پر ٹریفک پولیس کے علاوہ پولیس کی گشتی گاڑیوں کی بھی کثرت رہتی تھی جو میرے حق میں مضر ثابت ہوسکتی تھی۔

پھاٹک سے نکلنے کے بعد بائیں طرف فرار ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ فریئر ہال کی پشت سے گزرتے ہی شارعِ فیصل والا مصروف ترین چوراہا آجاتا تھا جہاں کسی زمانے میں پیلس سینما واقع ہوا کرتا تھا۔ شارعِ فیصل اور اواری ٹاورز کی طرف سے آنے والے تیز رفتار ٹریفک میں شامل ہونا آسان نام نہیں تھا۔ بائیں طرف جانے کے لیے' چوراہے پر رکنا ناگزیر ہوجاتا اور وہی میری شامت کا سبب بن جاتا کیونکہ وہاں ... ٹریفک چیک پوسٹ جدید ترین مواصلاتی سہولتوں سے لیس تھی۔ وہاں طاقتور انجنوں والی متعدد موٹر سائیکلوں کے ساتھ ہی برق رفتار گاڑیوں کا بیڑہ بھی موجود رہتا تھا۔ پھر موبائل فورس کی اِکّا دکّا گاڑیاں بھی وہاں ستاتی رہتی تھیں۔ میرا تعاقب کرنے والوں کے ذرا سے اشارے پر وہ مشینی جمگھٹ آناً فاناً میں میرے فرار کی ہر راہ مسدود کرکے مجھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرسکتا تھا کیونکہ اس معرکے میں پسپائی کی کوئی راہ ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

غزالہ کو بزورِ بازو وہاں سے نکال لے جانے کا تصور بہت حسین اور رومان انگیز تھا لیکن کونسلیٹ کے احاطے سے باہر جو سنگین خطرات پیش آسکتے تھے' وہ اس منصوبے کے حُسن اور رومان پر بُری طرح حاوی تھے۔ خرابی یہ تھی کہ میں اس وقت غزالہ کو بھول کر اکیلا بھی وہاں سے فرار ہوجاتا اور اپنے تحفظ کے لیے شری

مان سنگھ کو بھی ساتھ لیتا جاتا تب بھی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوتی اور میرے سوچے ہوئے تمام خطرات میرے استقبال کے منتظر ہوتے۔

وہاں سے فرار کا ارادہ ترک کردینے کے بعد ایک ہی صورت باقی رہ جاتی تھی کہ میں اپنے اضطراری ردِّعمل کا ازالہ کرتے ہوئے، ہتھیار ڈال کر خود کو شری مان سنگھ کے حوالے کردوں۔

لیکن وہ راستہ ہتک آمیز تھا۔ شری مان سنگھ کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرلینے کے بعد میں اس سازشی سفارت کار سے کبھی بھی نہیں جیت سکتا تھا۔

میں اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر ایک ہولناک صورتِ حال سے دوچار تھا اس لیے میرے ذہن نے چند ہی لمحوں میں وہ سارا تجزیہ مکمل کرکے اپنا آخری فیصلہ صادر کردیا۔

میں نے ان تینوں پر نگاہ رکھتے ہوئے، یکے بعد دیگرے دونوں سب مشین گنوں کے میگزین نکالے اور ان ناکارہ ہتھیاروں کو ایک دور اُفتادہ صوفے پر پھینک دیا۔

میری اس غیر متوقع حرکت پر شری مان سنگھ بھونچکا رہ گیا۔

میرا خیال تھا مجھے نہتا پاتے ہی، غیر مسلح محافظ اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن وہ بھی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے تھے اور ان کے دہانے احمقوں کی طرح کھل گئے تھے۔

دونوں بھرے ہوئے آہنی میگزین میرے ہاتھوں میں تھے۔ بظاہر میں بے پروایانہ انداز میں ان سے کھیل رہا تھا لیکن میں ان سے بھرپور کام لینے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ ان میں سے کوئی بھی مجھ پر حملہ آور ہونے کی حماقت کرتا تو میں کسی بھی تکلف کے بغیر آہنی ضرب سے اس کا سر کھول دیتا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میری ایسی کوئی دفاعی کارروائی شری مان سنگھ کے لیے قابلِ فہم ثابت ہوگی۔

غنیمت یہ ہوا کہ ان میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

"اب تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" آخر کار شری مان سنگھ نے ہی تحیّر زدہ آواز میں سکوت توڑا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر شاطرانہ لہجے میں کہا "تم نے دیکھ لیا کہ اوچھی حرکتوں سے مجھے مرعوب نہیں کیا جاسکتا۔ میں تمہارا بن بلایا مہمان نہیں ہوں، تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں۔ ہتھیار پھینک کر میں نے اپنی نیک نیتی اور خیرسگالی کا ثبوت دے دیا ہے۔ اس سے آگے جو کچھ ہوگا، اس کا انحصار تمہاری نیت اور ارادوں پر ہوگا۔"

"تو کیا تمہاری جیبیں خالی ہیں؟" اس کی حیرت دوچند ہو چکی تھی۔

"اتنے بھولے نہ بنو، شری مان سنگھ!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "یہ درست ہے کہ پھاٹک سے یہاں تک میری جامہ تلاشی نہیں لی گئی لیکن مجھے معلوم ہے کہ رہنمائی کے بہانے مجھے کم از کم دو مقامات پر حساس میٹل ڈی ٹیکٹرز سے گزارا گیا ہے۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار ہوتا تو وہاں الارم چیخ اٹھے ہوتے۔"

"بیٹھ جاؤ!" مجھے اشارہ کرنے کے بعد وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوکر خشک لہجے میں بولا "دروازہ کھول کر باہر جاؤ اور سکون سے بیٹھو، میرے طلب کیے بغیر کسی کو اندر آنے کی ضرورت نہیں۔ دوبارہ ایسی غیر ضروری مستعدی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردنیں توڑ دوں گا۔"

وہ بیک وقت اپنی خالی سب مشین گنوں کی طرف بڑھے تھے لیکن شری مان سنگھ نے خشمناک آواز میں انہیں روک دیا "باہر جاؤ۔ تمہارے ہاتھوں میں ان کی وقعت آہنی ڈنڈوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایسے ہتھیار صرف بہادروں کا زیور ہوتے ہیں، بزدلوں کے لیے گالی بن جاتے ہیں۔"

وہ دونوں ندامت کے ساتھ سر جھکائے دروازے کی طرف گئے اور کچھ کہے بغیر بولٹ گرا کر باہر نکل گئے۔ شری مان سنگھ بجا طور پر ان سے بہت زیادہ برگشتہ نظر آرہا تھا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہتھیار قبضے میں آجانے کے باوجود تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" چند ثانیوں کے بعد شری مان سنگھ بولا۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنی واپسی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے ایک منٹ بھی یہاں نہیں روک سکتے۔"

"تمہارے اس زعم کا کوئی نہ کوئی معقول سبب بھی ضرور ہوگا!" اس نے کہا۔

"میرا ہر ساتھی میرے اس اعتماد کا سبب ہے اور ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے" میں نے تلخی کم کرنے کی کوشش میں خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تمہارے ساتھی!" اس نے اضطراری لہجے میں دُہرایا، پھر کہا "تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا کہ تمہارے کچھ جاں نثار ساتھی بھی ہیں؟"

"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ میں تمہیں بتا بھی دیتا تو کیا فرق پڑسکتا تھا؟"

"خیر!" وہ بولا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں کسی بات کی کوئی خلش موجود تھی "یہ قصہ تو نمٹ گیا۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم نے اپنا کام پورا کردیا جب کہ غلام رسول میرے قبضے میں نہیں آیا۔ زندہ یا مردہ، میرے لیے وہ ہر حالت میں بہت زیادہ اہم تھا۔"

"اس بارے میں تم اپنی ناکامی کی ذمّے داری میرے سر پر نہیں ڈال سکتے" میں نے سختی سے کہا "میں اسے یہاں لانے پر آمادہ تھا لیکن تم نے اپنی مصلحتوں کی وجہ سے مجھے روک دیا۔ سراب گوٹھ پر جو کچھ ہوا، اس کی منصوبہ بندی تم نے کی تھی۔ گیارہ بجے غلام رسول کو وہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا تھا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا، اس کی پوری پوری ذمّے داری تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی ہے۔"

"مجھ سے بہت بڑی چُوک ہوئی جو اس وقت تمہیں زبان کھولنے کا موقع مل رہا ہے" اس نے قدرے تُرش مگر متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ میرے ملازمین نہیں بلکہ کرائے کے آدمی تھے۔ باہر کے آدمیوں کو ملوث کیے بغیر، مجھے پورا کام تم ہی کو سونپ دینا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں" میں نے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اب آئندہ احتیاط کرنا، عقل مند لوگ ٹھوکر کھا کر ہی سبق سیکھتے ہیں۔ میں نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کرنے پر دانستہ زور نہیں دیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم کو میری نیّت پر شبہ نہ ہونے لگے....."

"میرے پاس اس صورتِ حال کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے" اس کے چہرے پر غصے کا ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ "لیکن سچی بات یہ ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے۔"

"تمہارے دل کی اس خرابی کو دور کرنا میرے بس سے باہر ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہاری شرط پوری کردی، اب تمہیں بلا تردد اپنا وعدہ پورا کردینا چاہیے۔"

اس کے چہرے پر برہمی کے آثار نمودار ہوئے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور پُرسکون انداز میں بولا "میں تمہاری طرح مطلق العنان یا خود مختار نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تم خود مجھ کو ملازم ہونے کا طعنہ دے چکے ہو۔ میں اپنے ہر فعل کے لیے ان لوگوں کو جواب دہ ہوں جو مجھ سے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں غلام رسول کو سامنے لاکر غزالہ کی واپسی کا بندوبست....!"

"غزالہ کی واپسی!" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے دہرایا "وہ گئی کہاں تھی جو اب تم اس کی واپسی کا افسانہ تراش رہے ہو؟"

"سرحدیں بند اور سیل کرنے کی ساری باتیں سادہ لوح عوام کو جذباتی فریب دینے کی کوششیں ہوتی ہیں۔" وہ دھیما اور ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولا "تہذیب، ثقافت اور جغرافیے کے اعتبار سے یہ پورا علاقہ ایک ہی ہے۔ کاغذی نقشوں پر لکیریں کھینچ دینے سے ملک نہیں بنا کرتے۔ سندھ کے علاقے میں تو ہر سرحدی نگرانی بس چند چوکیوں تک محدود ہوتی ہے۔ باقی سرحدیں کھلی رہتی ہیں۔ یہ صورتِ حال دونوں طرف پائی جاتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر دلیر اور مہم جُو افراد آزادی کے ساتھ اپنی نقل و حرکت جاری رکھتے ہیں۔ ان میں ہمارے ایجنٹ اور کارندے بھی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ غزالہ کو راجستھان پہنچا چکے ہیں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے شری مان سنگھ نے میرے دل پر گھونسا رسید کردیا ہو۔ میں مٹھیاں بھینچ کر اضطراری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"سنو، دوست!" میں نے مضبوطی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر، اسے اپنی جگہ چھوڑنے سے روک دیا "اس وقت میں تمہاری چھت کے نیچے موجود ہوں، تمہارے آدمیوں کی کھلی اشتعال انگیزی کے باوجود، میں نے تحمل اور بردباری سے کام لے کر کسی خوں ریز تصادم سے گریز کیا ہے لیکن تم اس کے باوجود مجھے چُونا لگانے پر آمادہ نظر آرہے ہو۔ شاید اس وقت تم اپنی مکّاری سے کام لے کر مجھے بے نیل و مرام لوٹانے میں کامیاب ہوجاؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ دنیا بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ تم دوبارہ میری کسی غلیل کی زد میں آسکتے ہو اور میں اتنا بتادوں کہ اگلی بار غلیل کے پتھر کی جگہ پگھلا ہوا سیسہ ہوگا....."

"میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر مجھے دھمکیاں نہ دو!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا "غلام رسول والی بازی الٹ جانے سے کوئی قیامت نہیں آئی ہے۔ تم ملّا سرکار کے بارے میں کھوج نکال کر غزالہ کو حاصل کرسکتے ہو۔ وہ بھی ہمارے لیے بہت اہم آدمی ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا اور بولا "تم نے ایک ٹھوس انسانی وجود کی وصولی سے انکار کیا ہے حالانکہ وہ میرے قبضے سے نکل کر تمہارے آدمیوں کی ذمّے داری بن چکا تھا۔ ملّا سرکار کے بارے میں تو باتیں ہی باتیں ہوں گی۔ اگر میرے ذرائع نے یہ اطلاع دی کہ تمہارا ملّا سرکار، کے ٹو کی چوٹی پر، ایک خیمے میں رام نام کی مالا جپ رہا ہے تو تم اسے تسلیم کرنے سے انکار کردو گے۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت کہاں سے اور کیسے فراہم کرسکوں گا؟ اصل بات یہ ہے کہ تم میری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مجھے رگیدنے پر تُل گئے ہو۔"

"رگیدنے والی بات ہوتی تو غزالہ کو یہیں رکھا جاتا۔ درمیان میں کوئی سنگین رکاوٹ حائل کرکے تمہاری اور اس کی ملاقات کرائی جاتی تاکہ تمہارے ماند پڑتے ہوئے جذبات کو مہمیز دی جاسکے لیکن اس جذباتی استحصال سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے غزالہ کو سرحد پار بھیجا جاچکا ہے۔ اگر غزالہ تمہاری محبت ہے تو رجنی میری محبوب بیوی ہے اور وہ تمہاری تحویل میں ہے....."

"ان دونوں کا موازنہ مت کرو" میں نے پلٹ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "غزالہ وفا کی دھیمی آنچ میں سُلگ سُلگ کر پگھل رہی ہے اور رجنی سدا بہار رہنے کے لیے اپنے وجود کو ہر اُس چشمے سے جو اس کی دسترس میں ہو، سیراب کرتی پھر رہی ہے۔ میں غزالہ کی زندگی کے لیے دعاگو ہوں جب کہ تمہارے وجود کا رُواں رُواں رجنی کی موت کا آرزومند ہے۔"

"وہ کل کی بات تھی۔" اس کی آواز پر افسردگی کا پرتو نمایاں تھا "آج رجنی کے بارے میں میرے خیالات بدل چکے ہیں، میں آدھا سفارت کار اور آدھا سیکرٹ ایجنٹ ہوں۔ میری زندگی کے ان دو پاٹوں میں پس کر ہر عورت وہی بن جائے گی جو رجنی بن چکی

ہے۔ عمر کے اس مرحلے پر نئے دھان کوٹنے سے بہتر ہے کہ جو کچھ کوٹا اور پیسا جا چکا ہے' اسی پر محنت کی جائے۔ شاید آخری عمر میں وہ صرف میری ہو کر رہ سکے۔ میں اسے اپنے گھر میں شاد اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر یہ تمہاری کوئی قلابازی نہیں ہے تو پھر ملاّ سرکار کو بیچ سے نکال دو۔ غزالہ اور رجنی کا تبادلہ کرکے ہم چار زندگیوں کو سہل بنا سکتے ہیں۔"

"کاش' یہ میرے بس میں ہوتا!" اس کی اداسی یک بیک کچھ اور بڑھ گئی "تم خود مختار ہو اور رجنی تمہاری قیدی ہے مگر میں کچھ لوگوں کا تابع ہوں اور غزالہ اُن ہی کی ہدایت پر واپس لائی جاسکتی ہے۔ وہ اس تبادلے پر راضی نہیں ہوں گے۔"

"پھر میں تمہاری کسی بات پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں کی توثیق کے بغیر تمہاری ہر بات بے وزن اور بے توقیر ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم ان ہی سے میری ملاقات کا بندوبست کرادو۔"

اس کے ہونٹوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہارا مطالبہ بجا ہے لیکن ایسی کسی ملاقات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ فیصلہ کرنے والے یہاں نہیں' نئی دہلی میں رہتے ہیں۔ میں اس بار وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی چال بازی نہیں ہوگی....."

"بات وہی آجاتی ہے کہ تمہارے وعدوں میں کتنا وزن ہے۔ کل کو تم پھر اپنی مجبوریوں کا دکھڑا لے کر بیٹھ جاؤ گے اور میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اب رجنی میرے لیے اہمیت اختیار کرچکی ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسے کھودینے کے بعد میں ادھورا رہ جاؤں گا۔ اگر وہ آوارگی اور رنگینیوں کی طرف بہکی ہے تو اس میں اُس کے میلانِ طبع کے ساتھ ہی میری چشم پوشیوں' بلکہ ناروا حوصلہ افزائیوں کا بھی بڑا دخل ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں بھولا شری مان جی!" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا "ایک سیکرٹ ایجنٹ صرف اپنی پیشہ ورانہ کامیابیوں کے لیے جیتا ہے۔ اس کے لیے مشن کی کامیابی اور اپنی سلامتی کے علاوہ کسی چیز' کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ تم نے اپنے گہرے دوست' موتن لال کو اپنی بیوی کے حُسن کے جال میں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کیا۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنے رہے۔ تمہیں ہلکا سا ذہنی جھٹکا اس وقت محسوس ہوا جب میں نے آئینہ تمہارے سامنے رکھ دیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا شاید موتن لال.... جلترنگ کی دھنوں میں تباہی و بربادی کے نغمے الاپ کر' زندگی بھر رجنی کی کونپلوں سے عرقِ نشاط کشید کرتا رہتا اور تم ان رنگ رلیوں سے صرفِ نظر کرکے ان تخریب کاریوں اور دہشت گردیوں پر فخر کرتے رہتے جو موتن لال کے جل ترنگی پیغامات کی کوکھ سے جنم لیا کرتیں..."

"بس' ڈیئی!" شری مان سنگھ نے بے تابانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے مجھے خاموش کرادیا "تم بہت بے درد اور سفاک ہو۔ شاید اس لیے کہ تم ابھی تک شادی کے بندھن سے آزاد ہو اور یہ نہیں جانتے کہ بیوی کی بے وفائی کے زخم ایک انسان کو کس طرح کچوکے لگاتے ہیں۔ عورت غدار اور بے وفا ہوجائے تو اسے نہ اپنی بانہوں میں لے کر سکون ملتا ہے نہ اسے چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے۔ بیاہی عورت کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اسے کھل کھیلنے کی آزادی دے دی جائے۔ جو کچھ وہ سوچتی رہے' اسے وہ سب کرنے کی آزادی دے دی جائے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مرد اپنی چھوڑی ہوئی عورت کو ہر روز ایک نئی سیج پر اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ دادِ عیش دیتے ہوئے دیکھ کر بھی نرگ کی بھیانک آگ سے بچا رہے؟ تم عورت کی شناخت ہوتے ہو اور عورت تمہاری پہچان بن جاتی ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پل بھر میں ایک لکیر کھینچ کر اس شناخت اور پہچان کو مٹادیا جائے؟ آدمی سب سے پہلے آدمی ہوتا ہے' اس کے بعد سیکرٹ ایجنٹ' چور' اُچکا' اٹھائی گیرا یا سیاست داں ہوتا ہے۔ مجھے اس بکواس کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک طرف میرے دل میں اپنی محرومی کا گہرا اور غلیظ غبار بھرا ہوا ہے تو دوسری طرف تم کو یہ یقین دلانا بھی ضروری ہوگیا ہے کہ رجنی سے میری نفرت کی وجوہ سطحی' عارضی اور خود غرضانہ جذباتیت پر مبنی تھیں۔ وہ لاکھ حرامن اور بے وفا سہی لیکن میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ میری لاکھوں خلوتوں کی شریک رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس پر کہاں بھروسا کیا جاسکتا ہے اور کہاں وہ دغا دے بیٹھے گی۔ شاید تم کو غزالہ سے بہت محبت ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ آج تک تمہارے لیے شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی ہے۔ جس پھل کو تم نے چکھا ہی نہ ہو' اس کی لذت کا کوئی پیمانہ یا معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا ہے جب کہ میرے لیے رجنی ایک نشہ بن چکی ہے۔ تمہیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ میرے لیے رجنی کتنی اہم ہے۔ اس کی بازیابی کے لیے میں ہر جُوا کھیل سکتا ہوں۔ غزالہ تمہاری کمزوری ہے اور رجنی میری۔ جب دونوں طرف یکساں مجبوریاں درپیش ہوں تو عام طور پر معاہدے کامیاب رہتے ہیں۔"

"رجنی تو کل بھی میری تحویل میں تھی جب میں نے رات کے گیارہ بجے غلام رسول کو تمہارے بتائے ہوئے مقام پر پہنچایا تھا اور آج بھی وہی صورتِ حال برقرار ہے تو پھر......"

"یہ انسان کی کھوپڑی کا کمال ہے" اس نے میری بات کاٹ کر پلٹتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر پہلے تک وہ ایک ہرجائی عورت تھی جو میرے اعتماد کو سرِبازار نیلام کرکے موتن لال کی گود میں جا بیٹھی تھی لیکن جب تم نے میرے دو مسلح محافظوں کو یکلخت زیر کرکے ان کی گنیں سنبھالیں تو کایا پلٹ ہوگئی۔ میرا اندازہ تھا کہ تم بے رحمی اور سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم تینوں کو برسٹ مار کر ہلاک کردو گے۔ اس لمحے میں نے سوچا اور اندازہ لگایا کہ رجنی کی سُندر

تصویر اور اس کا حیات آفرین گداز سراپا میرے پیاروں میں سب سے نمایاں تھا۔ تم گولی مارنے سے پہلے مجھ سے میری آخری خواہش دریافت کرتے تو میں رجنی سے مل بیٹھنے کے سوا کسی بات کا کوئی ذکر نہ کرتا۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ اب وہ صورتِ حال باقی نہیں رہی جو اَب سے ذرا دیر پہلے تھی۔ میں نے تم سے کوئی وعدہ یا معاہدہ کیا تو میری پوری کوشش ہوگی کہ اس پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے تاکہ میری رجنی میرے گھر میں واپس لوٹ سکے۔"

"تم اپنے دَور کے مکارِ اعظم معلوم ہوتے ہو' شری مان جی!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں کیسے مان لوں کہ ہمیشہ کی طرح تم اب بھی جھوٹ نہیں بول رہے ہو؟"

"تمہاری زبان سے مکارِ اعظم کا خطاب' خوب صورت اور قابلِ فخر معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم بھی مانے ہوئے شاطر' چالباز اور دھوکے باز ہو" اس نے کسی ندامت کے بغیر کہا "میری دست بستہ التجا ہے کہ اس بار یقین کرلو۔ رجنی میری دیکھی بھالی ہے۔ میں اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوں۔ کوئی نئی عورت میرے لیے بالکل نئی اور بے اعتبار ہوگی۔ عورتوں کے بارے میں شاید تم بہت گھاگ ہو لیکن بیوی کے معاملے میں صفر ہو' اس لیے میں تمہیں ایک عام سی بات سمجھاتا ہوں کہ بُرے وقت میں آدمی دیکھے بھالے راستوں سے فرار ہوتا ہے' انجان کھائیوں میں چھلانگ نہیں لگاتا۔ میں موجودہ حالات میں رجنی کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتا اس لیے تمہیں میری اس مجبوری کو تسلیم کرکے میری زبان پر اعتبار کرلینا چاہیے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس بار میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"تم بُرے وقت کی بات کررہے ہو' میں کیسے مان لوں کہ تم پر واقعی کوئی اتنا بُرا وقت آیا ہوا ہے؟"

"اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ میں اس وقت تم سے مصالحانہ گفتگو کررہا ہوں" اس نے بلاتوقف جواب دیا "تم نہ صرف نہتے ہو بلکہ اکیلے بھی ہو۔ اپنی برتری کھو کر تم نے جو حماقت کی ہے وہ تمہیں مہنگی بھی پڑسکتی ہے۔ میرے دو چار آدمی آسانی کے ساتھ تمہیں قید یا ذبح کرسکتے ہیں لیکن میں اس راستے سے گریز کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہی ایک بات میرے دعوے کی تائید کے لیے کافی ہوگی۔"

"غلام رسول کے معاملے میں مجھے ایک ٹھوس وجود تمہارے حوالے کرنا تھا' جو میں نے کردیا لیکن اس کے باوجود میری نیت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ جب کہ ملاّ سرکار کے بارے میں' میں کوئی بری یا بھلی خبر ہی دے سکوں گا۔ اس تک رسائی میرے بس سے باہر ہوگی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم ٹھوس ثبوت کے بغیر میری کہانی پر کیسے یقین کرلوگے۔ ایسے کاموں میں ثبوت فراہم کرنا ناممکن ہوتا ہے۔"

"میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں" میری متواتر جرح نے اُسے پریشان کردیا تھا اور وہ مجھے مطمئن کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس معاملے میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے غزالہ کو سرحد پار طلب کرلیا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس طرح کھیل پر میری گرفت بالکل ختم ہوکر رہ جائے گی لیکن اب میں اس کا کوئی نہ کوئی توڑ کرلوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں دو چار روز میں غزالہ کو یہاں واپس بلوانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم سے کوئی وعدہ کررہا ہوں۔ یہ میری کوشش ہوگی۔ اس میں مجھے کامیابی بھی ہوسکتی ہے اور ناکامی بھی۔ لیکن میں تم کو اتنی یقین دہانی کراسکتا ہوں کہ ملاّ سرکار کے بارے میں اپنے کام کی تکمیل ہوجانے کے بعد تمہارے ساتھ کوئی زیادتی یا وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ غزالہ تمہیں واپس مل جائے گی۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "شاید ہم دونوں ہی اپنی اپنی مجبوریوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ تم مجھے رام کرنے کے لیے ایسے بلند بانگ دعوے کررہے ہو' جن کے تم شاید مجاز بھی نہیں ہو اور میں تمہاری باتوں کے کھوکھلے پن کو سمجھنے کے باوجود تم پر بھروسا کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ میرے سامنے کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ میں سرکاری اناج پر پروان چڑھنے والے حرام خوروں کے کھیل کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ مجھے زچ کرنے پر تُل گئے تو کسی بھی نازک موڑ پر تمہارا تبادلہ کرکے تمہیں کسی دور دراز مقام پر بھیج دیا جائے گا۔ تمہارے جاتے ہی میرا اور تمہارا معاہدہ کالعدم ہوجائے گا اور مجھے

تمہارے بعد آنے والے سے نئی شرائط پر کوئی سمجھوتا کرنا ہوگا کیونکہ اس وقت میرے ہاتھ میں کوئی کارڈ باقی نہیں رہے گا۔ تم مُلا سرکار کے بارے میں میری رپورٹ لینے کے بعد کہیں کوچ کر چکے ہوگے۔"

"میں مانتا ہوں کہ بیوروکریسی کے روایتی حربوں کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں" اس نے میری دلیل کا وزن تسلیم کرتے ہوئے' مصالحانہ لہجے میں کہا "میں تمہیں صرف اتنا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تمہارے مفاد کے خلاف ہونے والی سازشوں میں' مَیں فریق نہیں بنوں گا۔"

"چلو' میں یہ سب مانے لیتا ہوں مگر مجھے ایمانداری کے ساتھ یہ تو بتادو کہ غزالہ اسی شہر میں ہے یا تم اسے واقعی سرحد پار بھیج چکے ہو؟"

شری مان سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولا "تم مجھ پر مسلسل چوٹیں کیے جارہے ہو۔ تم یقین کرو کہ غزالہ سرحد پار جاچکی ہے....."

"بشرطیکہ اسے راستے میں رینجرز یا فوجیوں نے دوسروں کے ساتھ گولی نہ ماردی ہو" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنا اندیشہ ظاہر کردیا۔

"رینجرز اور فوجی اپنی چوکیوں اور ان کے گردوپیش کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں۔ شہروں بلکہ صوبے کی انتظامیہ نے ابھی تک' امن وامان کے قیام کے لیے ان سے کوئی مدد نہیں لی ہے اس لیے کھلے راستوں پر ان لوگوں کی حکمرانی ہے جو ہمارے دوست اور ہمدرد ہیں' ان کے لیے غزالہ کو سرحد پر پہنچانا کوئی بڑا کام نہیں تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ الحدید نامی بحری جہاز پکڑا گیا۔ تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ اس پر کس قدر خطرناک ہتھیار موجود تھے۔ الحدید کا مشن ناکام نہ ہوا ہوتا تو آج سرحدی زنجیریں حیدر آباد' نواب شاہ اور سکھر تک منتقل ہوگئی ہوتیں۔ ہمارے دوستوں کو ذرا سی کمک مل جائے تو تاریخ کے صفحات میں ایک نیا جغرافیہ جنم لے سکتا ہے۔"

"تم حیدر آباد' نواب شاہ اور سکھر کی بات کیوں کررہے ہو؟ کیا اس لیے کہ وہاں....."

اس نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیے بغیر پُرزور لہجے میں کہنا شروع کیا "میری بات کو نسلی اور لسانی چکر میں نہ الجھاؤ۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کاغذی نقشوں پر لکیریں لگانے سے ملک اور قومیں وجود میں نہیں آسکتیں۔ یہ ایک تاریخی عمل ہوتا ہے۔ تقسیم ہونی ہی تھی تو دریائے سندھ کو سرحد بنانا چاہیے تھا۔ روہڑی ہند میں ہوتی اور سکھر تمہارے سندھ کا حصہ ہوتا۔ دریا کے ایک کنارے ہمارا بھارت ہوتا اور دریا پار تمہاری مسلم نگری ہوتی۔ یہ کام ہمارے بڑے نہ کرسکے تو اسے اب درست کرلینا چاہیے۔ اچھا کام جب بھی کیا جائے' اچھا ہی کہلاتا ہے لیکن لا ایک الگ کہانی ہے۔ اس کا غزالہ یا رجنی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ہیروئن بلکہ موت کے بین الاقوامی سوداگروں سے ملنے والی ہولناک بارودی کمک کے حوالے سے اس نے جو کہانی چھیڑی تھی وہ میرے لیے اس اعتبار سے شرمناک تھی کہ الحدید سے آنے والے ہتھیاروں کی محفوظ ذخیرہ اندوزی اور تقسیم کے کام میں قائم بھائی جیسا مقامی تاجر کلیدی کردار ادا کررہا تھا۔ جب کہ اس واقعے کا دوسرا پہلو میرے لیے باعثِ فخر تھا کیونکہ میں نے اپنی کوششوں سے اس خطرناک مشن کو بدترین ناکامی سے دوچار کرایا تھا اور باہر سے ابوموسیٰ المبارک نامی خلیجی جزیرے کے راستے آنے والے ہتھیاروں اور گولا بارود کا سایہ بھی ان تخریب کار غداروں تک نہیں پہنچ سکا تھا جو اس مدد کی آس لگائے آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

میں اس حساس اور نازک موضوع پر شری مان سنگھ سے کسی نئی بحث میں الجھنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے الحدید والے مشن سے مکمل بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ تاریخ ہو یا جغرافیہ' اس کا انحصار ان لوگوں کے عزم اور حوصلے پر ہوتا ہے جو تاریخی یا جغرافیائی منصوبوں پر کام کرتے ہیں۔ اس فلسفے کی روشن ترین مثال یہ تھی کہ مسلمانوں کا اقلیتی طبقہ صدیوں تک ایک ایسے علاقے پر حکمرانی کرتا رہا جہاں ہندوؤں کی بھاری اکثریت بستی تھی۔ اگر شری مان سنگھ کٹر اور متعصب ہندو تھا تو میری بات اس کے لیے زہر سے کم نہیں تھی لیکن وہ ہندو یا سکھ ہونے کے ساتھ ہی ایک تجربے کار سفارت کار بھی تھا اس لیے وہ میرے تبصرے کو خاموشی سے پی گیا۔

"ہم پیشہ ور لوگ ہیں" وہ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا "ہمیں ان سطحی باتوں میں نہیں الجھنا چاہیے۔ تاریخ یا جغرافیے کے ساتھ کوئی آمرانہ زبردستی کی جائے تو حالات کروٹ مار کر خود بخود ساری انسانی غلطیوں کا ازالہ کرلیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کچھ ملک فنا ہوجاتے ہیں یا چند نئے ملک جنم لے لیتے ہیں مگر یہ میرا اور تمہارا شعبہ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے اس کے زہریلے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے مفاہمانہ انداز میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب میری واپسی کی کیا صورت ہوگی؟"

"کچھ بھی نہیں" اس نے بے ساختگی سے کہا "تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو اور جب چاہو' کسی کی اجازت کے بغیر واپس جاسکتے ہو' میں تم سے غلام رسول کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا وہ میں کرچکا ہوں۔"

"یہ ایک اہم خوش خبری ہے" میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"جانے سے پہلے ایک بات اور بتاتے جاؤ!" اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

میں رک کر اُس کی چمکدار اور تجسس آمیز نگاہوں میں جھانکنے لگا۔

"یہ اسپیشل ٹاسک فورس کیا بلا ہے؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا "پچھلے کچھ عرصے سے اس کا نام خاصے تواتر کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔"

"اخبارات تو اس بارے میں خاموش ہیں' میری نگاہ سے ایسی کوئی خبر نہیں گزری۔"

"اخبارات نہیں' میں زیرِ زمین دنیا کی بات کررہا ہوں۔ ہیری کینیجر اور اس کے افسران بھی ایس ٹی ایف کے بارے میں فکر مند نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کہوٹہ کی ایٹمی تنصیبات کے علاوہ دوسرے اہم اور حساس مقامات کی دیکھ بھال کی ذمّے داری بھی اس نئی فورس کو سونپ دی گئی ہے....."

گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا کیونکہ وہاں موجود فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

دوسری طرف شاید کونسلیٹ کا ٹیلی فون آپریٹر تھا کیونکہ چند ثانیوں تک اس کی بات سننے کے بعد' شری مان سنگھ اسے لائن ہولڈ کرنے کی ہدایت کرکے میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"تمہارے لیے کوئی شخص باربار فون کررہا ہے" اس نے کہا۔ "آپریٹر نے اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے فون بند کردیا تھا لیکن وہ باربار اسے تنگ کررہا ہے' تم بات کروگے؟"

"ضرور!" میں لپک کر اُس کی طرف بڑھا اور اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا "اگر میں نے بات کرکے اسے مطمئن نہ کیا تو صرف سات منٹ بعد اس عمارت میں قیامت آجائے گی۔"

"لائن دے دو!" شری مان سنگھ نے ماؤتھ پیس پر آپریٹر کو ہدایت دے کر فون کا ریسیور میرے حوالے کردیا۔

"حالات سازگار ہیں" میں نے کن انکھیوں سے شری مان سنگھ کا جائزہ لیتے ہوئے' سلطان شاہ کی آواز پہچان کر کہا۔ "آپریشن ڈیتھ اسکواڈ کو معطل سمجھو۔ میں چند منٹ بعد یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔"

"تم بے فکری سے باہر آؤ" سلطان شاہ کی آواز اُبھری۔ "پوری عمارت ہماری محاصرے میں ہے۔ تمہارے ساتھ ذرا سی بھی گڑبڑ کی گئی تو یہ عمارت آگ اور خون میں نہلا دی جائے گی" وہ میری توقع سے زیادہ چالاک ہوگیا تھا اور اس خیال سے ایسی باتیں کررہا تھا کہ اگر آپریٹر کوئی چابی گھما کر ہماری گفتگو سن رہا ہو تو اپنے آقاؤں کو بتادے کہ میری پُشت پر کیسے نڈر ساتھی صف آرا تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا" میں نے سختی کے ساتھ کہا "تم لوگوں کے سروں پر خون سوار ہورہا ہے" اسی لمحے میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور میں نے پینترا بدل کر کہا "کوئی گولی نہیں چلے گی' کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ میں یہاں سے اپنے میزبان کے ساتھ باہر نکلوں گا اور میرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر شری مان سنگھ کی طرف گھوما تو وہ الجھن آمیز انداز میں میری طرف نگراں تھا "یہ کیا چکر ہے؟ میں تو تمہارے ساتھ باہر نہیں جاسکتا۔"

"میرے ساتھی میری سلامتی کی طرف سے فکرمند ہورہے ہیں" میں نے ملائمت سے کہا "وہ سب وحشی اور خونخوار لیکن وفادار آدمی ہیں۔ اس وقت یہ عمارت کم ازکم تین راکٹ لانچرز کی زد میں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تمہاری نیت پر اعتماد نہیں تھا اس لیے میں اپنی جبری آزادی کا بندوبست کرنے کے بعد یہاں آیا تھا۔ طویل انتظار کے بعد اب ان کے اعصاب چٹخنے شروع ہوگئے ہیں۔ تم کو ذرا سی زحمت کرنی ہوگی ورنہ وہ بدستور بھڑکے رہیں گے۔ مجھے نرسری پر چھوڑ کر تم لوٹ آنا' میں وہاں سے ٹیکسی لے لوں گا۔"

"میں تمہیں یہیں ٹیکسی منگائے دیتا ہوں' میرا جانا کیا ضروری ہے؟"

"تمہاری مرضی!" میں نے بے پروائی سے شانے اُچکا کر کہا۔ "مجھے بس اس عمارت کی سلامتی عزیز ہے۔ میں اکیلا باہر نکلا تو ایسا نہ ہو کہ وہ اس عمارت پر چاندماری کرکے فرار ہوجائیں۔ میں اپنے آدمی سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ باہر نکلوں گا۔ اب ایسا نہ ہوا تو اُن کی کھوپڑیاں پھر جائیں گی۔"

"تم بلاوجہ مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تمہیں اُس سے ایسی بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" شری مان سنگھ نے چیخ کر کہا مگر میں محسوس کررہا تھا کہ وہ میری پوشیدہ دھمکیوں سے خاصا خائف ہوگیا تھا' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اب انہیں بتاؤ کہ تم اکیلے ہی یہاں سے جاؤ گے۔"

"کیسے بتاؤں؟" میں نے معصومیت سے پوچھا "اب تو جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔"

"اپنے کسی ساتھی کو فون کرو!" شری مان سنگھ نے جھلّا کر کہا۔

"اس نے کسی پبلک کال آفس سے فون کیا ہوگا۔ میں اس سے کہاں رابطہ کروں؟ ویسے تو ان سب کے پاس ٹرانسمیٹرز بھی ہیں

لیکن میں اپنا انسٹرومنٹ اس وجہ سے نہیں لایا کہ تم اس کی وجہ سے مشکوک اور شبہات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تم نے مجھے بلاوجہ مصیبت میں ڈال دیا" وہ بے زاری کے عالم میں بڑبڑایا "اب مجھے تم کو لاد کر گھر بھی پہنچانا ہوگا۔ پتا نہیں تمہیں ایسی احمقانہ بات کہنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

"بس، غلطی ہو ہی گئی۔ گھر کے بجائے تم مجھے نرسری پر چھوڑ دینا۔ وہاں سے میں خود چلا جاؤں گا۔"

میری وہ حرکت شری مان سنگھ کے مزاج پر واقعی گراں گزری تھی۔ میری بھیانک منظر کشی کی وجہ سے وہ میری خود ساختہ شرط سے انحراف کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے وہ بکتا جھکتا ہوا میرے ساتھ ہو لیا۔ اس کے محافظ دور دور سے ہمیں دیکھتے رہے۔

"مناسب سمجھو تو کوئی ہتھیار ساتھ لے لینا" عمارت کے وسطی حصے سے گزرتے ہوئے، میں نے اس کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"کیوں؟" اس نے آنکھیں نکال کر سوال کیا اور بھڑک کر وہیں رک گیا۔

"احتیاطاً مشورہ دے رہا ہوں کیونکہ میں بھی نہتا ہوں" میں نے مکارانہ نرمی سے کہا "ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی بھی ہتھیاروں سے خالی نہیں ہوتا۔ مشورہ ماننا یا نہ ماننا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کی نگاہوں سے ایسی بے بسی ہویدا تھی جیسے اس کا بس چلے تو وہ مجھے کچا ہی چبا جائے گا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راستے میں اس نے مجھے چلتے رہنے کی ہدایت کر کے اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ بعد میں جب وہ برآمدے میں مجھ سے ملا تو اس کی ایک جیب خاصی وزنی ہو چکی تھی۔

شری مان سنگھ نے ایک عام شہری نمبروں والی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو مجھے اس کی جیب سے پستول نکلوانے کی فکر لاحق ہو گئی۔ اس کی جیب میں رہتے ہوئے وہ ہتھیار میرے لیے بالکل بے مصرف تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس والی بات ادھوری رہ گئی تھی" گاڑی سڑک پر لانے کے بعد اس نے معتدل لب و لہجے میں مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا "اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میں فوج، پولیس اور ایسے ہی دوسرے سرکاری اداروں سے دور رہ کر کام کرنے کا عادی ہوں، اسی لیے مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے بارے میں ہیری کیسنجر بھی پریشان ہے" وہ بولا۔ "پاکستانی حکام ایس ٹی ایف کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے لیکن ہمارے ذرائع بتاتے ہیں کہ یہ بہت منظم، مؤثر اور طاقتور فورس ہے۔ اس کی ہارڈ کور، اسپیشل سروسز گروپ کے ریٹائرڈ فوجی افسران اور جوانوں پر مشتمل ہے۔ اس کی کمان تمہارے صدر کے چنے ہوئے ایک افسر کے ذمے ہے۔ اس کی شخصیت بہت پراسرار اور پوشیدہ ہے۔"

میں دھیمے سے ہنس پڑا "میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ ہیری کیسنجر بھی پاکستان کے بارے میں ضرورت سے زیادہ سوچنے لگا ہے، جبھی تم دونوں کو ایسے ڈراؤنے خواب آنے لگے ہیں۔ پاکستان جیسے مسکین ملک میں ایسی کسی رازدارانہ سرگرمی کا امکان ہی نہیں ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ خلا میں گردش کرنے والے جاسوس امریکی سیارے، دن میں اٹھارہ مرتبہ پاکستان پر سے گزرتے ہیں اور یہاں رونما ہونے والی زیرِ زمین تبدیلیوں تک کو ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایس ٹی ایف کا وجود زیادہ دنوں تک نہیں چھپایا جا سکتا۔"

"لیکن فی الحال یہ ایک راز بلکہ معمّا ہی بنا ہوا ہے، ہو سکے تو اس بارے میں بھی سن گن لینے کی کوشش کرنا۔" اس نے بولتے بولتے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا اور میرے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس کر کے فوراً ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "مگر اس کا ہماری باہمی شرط سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔"

میں دل ہی دل میں اسے گالی دے کر رہ گیا۔ فون پر سلطان شاہ سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اچھوتا خیال آیا تھا کہ کسی حیلے سے شری مان سنگھ کو کونسلیٹ کی عمارت سے باہر نکال کر اغوا کر لیا جائے تو غزالہ کی واپسی کا معاملہ کسی پس و پیش کے بغیر طے پا جائے گا۔ محض اسی وجہ سے میں نے اسے کوئی ہتھیار ساتھ لینے پر اکسایا تھا۔

میرا ارادہ تھا کہ دورانِ سفر میں اس کا پستول کسی بہانے سے باہر نکلوا کر اس پر قابض ہو جاؤں گا اور اسی کے زور پر اسے اغوا کر کے ایس ٹی ایف والوں کی تحویل میں پہنچا دوں گا جہاں رجنی پہلے ہی سے موجود تھی۔ اسے شری مان سنگھ کو اپنے روبرو دیکھ کر یقیناً خوشی ہوتی۔

شری مان سنگھ نے سلطان شاہ کا فون آنے سے پہلے ایس ٹی ایف کا ذکر چھیڑا تھا۔ اس نے بعد میں اس ذکر کی ابتدا کی ہوتی تو مجھے شبہ ہوتا کہ کہیں اس نے میرا دماغ نہ پڑھ لیا ہو۔ وہ میرے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا تھا لیکن میں اپنی بدنیتی کی وجہ سے ابتدا ہی سے محتاط اور چوکنا تھا۔ میں نے یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار عقب نما آئینے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

ابتدا میں مجھے خیال ہوا کہ وہ عادتاً ایسا کر رہا تھا۔ سفارتی نقاب کی آڑ میں وہ درحقیقت ایک خطرناک پیشے سے منسلک تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ چلنے سے پہلے، میں نے اسے مسلح ہونے کا مشورہ دے کر، اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی جس کی بنا پر وہ اپنے گرد و پیش اور عقب سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن اس کے اضطراری رویّے میں کوئی ایسی بات مضمر تھی کہ میری چھٹی حس نے مجھے اغوا کی کارروائی پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ میری دانست میں وہ الجھن دور ہونے سے پہلے کوئی اور پیش رفت خطرناک نتائج کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

آخر کار میری بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ میں شری مان سنگھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کوئی تمہارا پیچھا کر رہا ہے جو تم بار بار عقب نما آئینے میں دیکھ رہے ہو؟" تاج محل ہوٹل والے چوراہے سے گزرنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"اپنے محافظوں کی گاڑی کا دھیان رکھنا پڑ رہا ہے" اس نے میرے سوال پر کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر، بے پروائی سے کہا "ٹریفک کی بے ہنگم بھیڑ بھاڑ میں وہ اِدھر اُدھر نکل گئے تو مجھے واپس لوٹنا پڑ جائے گا۔"

"کیوں؟" میں نے اس کے آخری فقرے پر چونک کر سوال کیا۔

"آج کل کے مخدوش حالات میں، میں محافظوں کے بغیر شہری سڑکوں پر نہیں نکلتا۔ آپس کی دشمنیاں تو چلتی ہی رہتی ہیں لیکن دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات میں جب بھی کوئی خرابی جنم لیتی ہے تو سب سے پہلے ایک دوسرے کا سفارتی عملہ مخالف ملک کے عتاب کا نشانہ بنتا ہے۔ محافظ موجود ہوں تو کم از کم میرے سفارت خانے کو بروقت یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ مجھے چلتی سڑک سے کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھایا ہے۔ واردات ہوتے ہی شور مچا دیا جائے تو بدترین تشدد کی نوبت نہیں آتی۔"

اس کی وہ تقریر سن کر میرا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ ایک گرگِ باراں دیدہ تھا اور اسے عام حربوں سے زیر کرنا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں تھا۔

میں فلیٹ پر واپس پہنچا تو سلطان شاہ بے چینی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

اس نے میری کتھا سُن کر بُرا سا منہ بنایا اور جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا "اس کا مطلب ہوا کہ وہاں جانے کا خطرہ مول لے کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ بات وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔"

"تمہارا تجزیہ بہت سطحی ہے" میں نے کہا "اگر اس کے پیچھے محافظوں کا لشکر نہ ہوتا تو میں تمہیں تماشا دکھاتا۔ شری مان سنگھ کو بے ہوش کر کے اسٹیشن فور پر پہنچا دیا جاتا اور اس کی گاڑی ہیری کیسنجر کے کونسلیٹ کے باہر پارک کرا دی جاتی۔ اس طرح ان دونوں سفارتی مشنوں میں جس سرد جنگ کا آغاز ہوتا، اس کا سارا فائدہ ہم ہی کو پہنچتا۔ ان کا گٹھ جوڑ ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ بنا ہوا ہے۔"

"یہ سب ملکی اور قومی سطح کی باتیں ہیں۔ تم اتنے بڑے آدمی نہیں ہو کہ ایسی باتوں پر اپنے ذاتی مفادات قربان کرتے پھرو۔ آج کل تو بڑے بڑے لوگ بھی سب کچھ بیچ باچ کر اپنا گھر بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی؟ اسے کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟"

"انسان بس کوشش ہی کر سکتا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تقدیر کو بدلنا اس کے بس سے باہر کی بات ہے۔ وہاں جا کر میں نے شری مان سنگھ کو یہ جتا دیا ہے کہ میں بدترین حالات سے بھی لڑنا جانتا ہوں۔ جب میں نے مشین گنوں کے میگزین نکال کر وہ دونوں ہتھیار ایک طرف پھینکے تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ حیرت سے اس کا کیا حال ہوا تھا۔ میرے اس دلیرانہ رویّے کی وجہ سے وہ یہ بھی بھول بیٹھا کہ غلام رسول والے معاملے میں میری پوزیشن مشکوک ہے۔ اس کے ذہن سے شبہات زائل ہو جانے کے بعد مجھے کامیابی کی امید نظر آنے لگی ہے۔ وہ یقیناً غزالہ کو واپس بلوا لے گا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اکثر اوقات تمہاری بے بنیاد قیاس آرائیاں بھی درست ثابت ہوتی ہیں" اس نے مضمحل سی ہنسی کے ساتھ کہا "لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ شری مان سنگھ اگلی بار بھی ایسی ہی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔"

"موجودہ حالات میں ہم رجنی کو اس کی نیک نیتی کی ضمانت سمجھنے پر مجبور ہیں، کل تک وہ اس کی موت کا خواہاں تھا اور آج اس کے فراق میں مرا جا رہا ہے۔"

"ایسی ناقابلِ فہم باتیں اور ان کا جواز تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ یہ رام لیلائیں میری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ پتا نہیں لوگوں کو عورت کا اتنا گہرا نشہ کیوں چڑھ جاتا ہے؟"

"وقت آئے گا تو کسی کے بتائے بغیر یہ سارے فلسفے سمجھ لوگے" میں ہنس کر رہ گیا۔

میرے لیے وہ الجھن آمیز مرحلہ تھا۔ ملا سرکار کے بارے میں سب کچھ میرے علم میں تھا۔ میں پوری تفصیل میں جائے بغیر شری مان سنگھ کو صرف اتنا بتا سکتا تھا کہ وہ ایک مقابلے میں دردناک حادثے کا شکار ہو کر مارا گیا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ غزالہ کو فوری طور پر سرحد پار سے نہیں بلا سکتا تھا۔ اس کے عزائم کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے میں اسے اتنا وقت دینا چاہتا تھا کہ وہ میرے کچھ بتانے سے پہلے، حسبِ وعدہ غزالہ کو واپس لانے کی کوششیں کر سکے۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ میں چند روز کے لیے اپنے دل پر صبر کی سِل رکھ کر حالات سے سمجھوتا کر لوں اور غزالہ کو یکسر بھولا رہوں۔ اس دوران میں ویرا کا معاملہ نمٹایا جا سکتا تھا۔

"اور اب تم ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو گے؟" مجھے خیالات میں کھویا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"غزالہ سے بھٹک کر تمہارا ذہن لامحالہ اسی کی طرف جاتا ہے۔"

"تم گدھے ہو" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا "بات غزالہ اور ویرا کی نہیں' بلکہ ترجیحات کی ہوتی ہے۔ کیا تم بلیو کراس ڈیل کی اہمیت سے انکار کرسکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں!" اس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے پُرزور انداز میں کہا "میں تو یہ دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ جب بھی تمہاری اور اس کی ٹھن جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی ایسے معاملے میں ہاتھ ڈال دیتی ہے کہ ہم اپنی خونریز دشمنی کو بھول کر' اس کے ساتھ مصالحت پر مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"غنیمت ہے کہ اس بار تم نے ویرا سے مصالحت کا الزام مجھ پر نہیں ڈالا۔"

"اسے تم الزام نہیں کہہ سکتے۔ ظفر نے تمہاری اور ویرا کی گفتگو سننے کے بعد تمہارے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم دونوں کبھی ایک دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھاسکو گے۔ میرا اندازہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ فرق اتنا ہے کہ میں اپنے قیاسات کو الفاظ میں نہیں ڈھال سکا اور ظفر نے فوراً ہی تبصرہ کرڈالا۔ میں اس کے خیالات سے سوفیصد متفق ہوں۔"

"وقت آیا تو تم دیکھو گے کہ وہ میرے ہی ہاتھوں ماری جائے گی۔"

"وہ بھی یہی دعویٰ کرتی ہے لیکن اس کا عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ ابھی تم شری مان سنگھ اور رجنی کا ذکر کررہے تھے۔ وہاں بھی محبت اور نفرت کا کچھ ایسا ہی کھیل کارفرما نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں لیکن تمہارا اور ویرا کا معاملہ تو کسی بھی خانے میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ جب تک غزالہ زندہ ہے' وہ تمہاری توجہ حاصل نہیں کرسکتی لیکن پھر بھی وہ تمہارے پیچھے بھاگتی پھر رہی ہے۔"

"تم مبالغہ آرائی کررہے ہو۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ ہوتا کہ وہ غزالہ کو ٹھکانے لگادیتی لیکن اس نے آج تک غزالہ کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں لیکن تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ تمہیں چاہتی ہے۔ اس کی حالت مجنوں جیسی ہے' جسے لیلیٰ کے ساتھ ہی اس کا کتا بھی عزیز تھا۔ حالانکہ وہ اس پر لپکتا اور بھونکتا بھی تھا۔ وہ غزالہ کو نقصان نہیں پہنچاتی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ایسے کسی واقعے سے تمہیں دکھ ہوگا اور تم اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہوجاؤ گے۔"

"وقت ہی تمہاری ان کہانیوں کا جواب دے سکے گا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اب میں اسے سلور آئیز دینے کے بہانے بلا کر ہلاک کرسکتا ہوں۔ وہ نقرئی سکّے اس کی مجبوری بنے ہوئے ہیں۔ وہ میرے ایک اشارے پر کہیں بھی دوڑی چلی آئے گی

لیکن پھر بلیو کراس ڈیل کا کیا بنے گا؟"

"بہت نازک معاملہ ہے" وہ جلدی سے بولا "اس بار ویرا سے الجھنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ایران سے آنے والی چھ سو وزنی کھیپ کو وہی بچاسکتی ہے۔ بارہ ٹن وزنی ہیٹ ایکس چینجر قربانی دے کر اگر بقیہ سامان خیریت سے یہاں پہنچ گیا تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کو اس مشن پر مامور کیا گیا تو سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔"

"تمہارے بتائے بغیر بھی میں یہ باتیں جانتا ہوں۔ اس خطے کے حالات اس قدر نازک اور دھماکا خیز ہیں کہ ایران بھی ایٹمی طاقت بننے کی خواہش رکھ سکتا ہے لیکن اس کھیپ میں یقیناً ایسا سازو سامان موجود نہیں ہوگا جسے جوڑ کر ایک ایٹمی پلانٹ کھڑا کیا جائے۔ ایران والے خفیہ منڈیوں کے دلالوں کے ذریعے یہ کھیپ بھاری داموں کے عوض کسی بھی ملک کو بیچ سکتے تھے لیکن انہوں نے پاکستان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس مشن کو مکمل ہونا چاہیے۔"

"ہوسکتا ہے کہ بلیو کراس ڈیل کے ذریعے ان دونوں ممالک میں طویل مدت پر پھیلا ہوا' تعاون کا کوئی خاص منصوبہ پروان چڑھانے کی کوششیں کی جارہی ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "ایٹمی میدان میں پاکستان کی طلسماتی کامیابیوں کا ہر طرف ذکر ہے۔ ایران کی طرف سے ملنے والی مدد کے سہارے پاکستان کے پروگرام میں سرعت پیدا ہوسکتی ہے۔ کل وہ اس پوزیشن میں آسکتا ہے کہ ایران سمیت اپنے دوسرے دوستوں کو مدد دینی شروع کردے۔"

"یہ سب دور دراز امکانات اور قیاسات ہیں" میں نے کہا "سوچنے والی بات یہ ہے کہ شی کے آقاؤں کی پیش بینی کا کیا عالم ہے! انہوں نے ایران کو ایٹمی سازو سامان کی وہ کھیپ اس زمانے میں دی تھی جب وہاں ان کا بہترین اور روایتی دوست حکمران تھا۔ وہ خلائی ترقی کے عروج کا زمانہ نہیں تھا لیکن انہوں نے اس زمانے میں بھی اس کھیپ میں ایسے خفیہ آلات نصب کرنے سے گریز نہیں کیا جن کی مدد سے وہ کسی بھی وقت' پوری کھیپ کو جلے اور پگھلے ہوئے ملبے میں تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"اپنے مفادات کے حصول کے لیے اپنے بہترین دوستوں اور بہی خواہوں کو قربانی کا بکرا بنائے بغیر کوئی بھی ملک پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں ایک اور بات بھی بتاتا چلوں۔ مجھے تو یوں محسوس ہورہا ہے کہ وہ لوگ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے پاکستان کی ایٹمی کامیابیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کررہے ہیں....."

"تمہارا مطلب ہے کہ کھوشہ کی کہانیاں افسانوی ہیں" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم میری بات نہیں سمجھے۔ میں پاکستان کی کامیابی کی اہمیت نہیں گھٹارہا۔ جو کچھ ہوا ہے وہ واقعی قابل فخر اور قابلِ ذکر ہے لیکن عالمی پیمانے پر اسے بہت زیادہ بڑھاچڑھا کر کچھ اس انداز میں پیش کیا جارہا ہے جیسے پاکستان اس علاقے میں ایک بے لگام ایٹمی عفریت بننے والا ہے۔ وہ عالمی رائے عامہ کو یہ باور کرانے کی مسلسل کوششیں کررہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی بلیک میل کی وجہ سے پوری دنیا ہولناک تباہی کے کنارے پہنچ جائے گی۔"

"کیا اس طرح وہ پاکستانی عوام اور سائنس دانوں کی غیر ضروری حوصلہ افزائی نہیں کررہے؟"

"یہ ہماری احمقانہ بھول ہوگی کہ ہم ایسی مبالغہ آمیز خبروں پر فخر سے اپنی گردنیں اکڑانے لگیں۔ عالمی غنڈے ہمارے خلاف مضبوط فرد جرم کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں تاکہ کل کو وہ ہمارے خلاف کسی لشکر کشی کا فیصلہ کریں تو دنیا ان کا ساتھ دے اور ہم بھری چوپال میں اکیلے کھڑے رہ جائیں۔ ایک چھوٹے سے ملک کے خلاف کسی عالمی طاقت کی جارحیت کی مذمت کرنے کے بجائے ہر ملک اس کی تعریف کرے گا کہ اس نے عالمی امن کے لیے خطرہ بننے والے عناصر کی سرکوبی کا دلیرانہ فیصلہ کیا۔ حالات بہت سنگین رخ پر جارہے ہیں۔"

"تمہاری ان باتوں سے تو ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے ویرا ہماری محسن بننے والی ہے۔"

"اس کے مفادات کچھ اور ہیں اس لیے اس کی سوچ بھی ہم سے مختلف ہوگی۔ البتہ اسے یہ اندازہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اہم تعاون کی پیشکش کررہی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس سے ابھی بات کرو" سلطان شاہ اس گفتگو سے بہت زیادہ متاثر نظر آرہا تھا "وہ بہت زیادہ سیماب صفت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی رَو میں آکر اپنا ارادہ ہی بدل دے۔"

سلطان شاہ کا وہ خدشہ بے بنیاد تھا۔ ویرا کھل کر اعتراف کرچکی تھی کہ سلور آئی کے بغیر وہ مشینیں لانے والے کارواں تک رسائی حاصل کرسکتی تھی نہ شی کے بربوں میں لوٹ سکتی تھی۔ اس کے نزدیک وہ باہمی مفادات کا ایک اہم سودا تھا اسی وجہ سے وہ کوچ کرنے کے بجائے' شہر میں ڈیرے ڈالے' مجھ سے رابطے کے لیے کوشاں تھی۔

سلور آئیز پر قابض ہونے کے بعد وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہوجاتی تو اور بات تھی لیکن میں اس کا مزاج شناس تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے متاثر اور مرعوب کرنے کے لیے وہ آخر تک اپنے الفاظ پر ڈٹی رہے گی۔

میں نے سگریٹ سلگا کر ایرپیس سنبھالا اور صوفے پر دراز ہوکر اس کا سوئچ آن کردیا۔ اس ایرپیس کے ایک حصے میں فوراً ننھا سا سرخ بلب روشن ہوگیا۔

"ہیلو' مسز تھیلما کنگ! ڈینی کالنگ" قدرے توقف کے بعد میں نے ایرپیس پر پیغام دیا۔

"اب میں تھیلما کنگ نہیں رہی ہوں" دوسری طرف سے فوراً ہی ویرا کی آواز سنائی دی "اب تم مجھ سے شرافت سے بات کروگے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں مسز نہیں مِس ہوں۔"

"تم نے مسز نہ ہونے کے باوجود جوانی کی راتوں اور مرادوں کے دنوں کے مزے لُوٹے ہیں۔ تمہیں اس خطاب سے اتنا الرجک تو نہیں ہونا چاہیے" میں نے استہزا کے ساتھ کہا۔

"شام کے بجائے تم نے اس وقت کیوں رابطہ کیا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا مشن مکمل ہونے تک ہماری دشمنی کا سلسلہ موقوف ہوچکا ہے" میں نے بھی اس سے الجھنے کے بجائے معنی خیز لہجے میں کہا "اور اب ہمیں....."

"اس کا مطلب ہے کہ تم سلور آئیز سے دستبردار ہونے کے لیے آمادہ ہوچکے ہو؟" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے مسرت آمیز انداز میں کہا "پھر کب اور کہاں آرہے ہو؟"

"جب اور جہاں تم چاہو" ایک بنیادی فیصلہ کرلینے کے بعد میں نے غیر ضروری بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"شہر کے کسی ہوٹل میں مل لیتے ہیں؟" قدرے توقف کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔

"اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتیں تو اِدھر آجاؤ۔ یہ غریب اور اس کا غریب خانہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔"

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو اور کُھلے دل سے بات کررہے ہو؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"تم مجھ پر پوری طرح اعتماد کرسکتی ہو۔ میں جب بھی ماروں گا' تمہیں للکار کر ماروں گا۔ تم جیسی نرم و نازک عورت کو دھوکے سے پکڑنا میرے جمالیاتی ذوق کے خلاف ہوگا۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم نے میرے' غزالہ کے دوسرے اغوا کے جرم کو اتنی جلدی معاف کردیا ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا" میں نے فوراً ہی اس کی تصحیح کی "فی الحال میں نے کھاتے بند کرکے دشمنی کا حساب معطل کردیا ہے۔ جس دن ایران سے تمہاری کامیابی کی خبر آئی' یہ کتابیں دوبارہ کھل جائیں گی۔ تم نے بلیو کراس ڈیل کے بارے میں جو کچھ سوچا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔"

"فی الحال یہ بھی غنیمت ہے..... لیکن میں ایک فوری مشکل سے دوچار ہوگئی ہوں۔"

"میں مل بیٹھنے کی بات کررہا ہوں اور تم مشکل لے بیٹھیں!" میں نے جھلّا کر کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ میں اپنے ٹھکانے سے باہر نکل سکتی ہوں نہ تمہیں بلاسکتی ہوں۔"

"یعنی گلے کی ہڈی کی طرح' کہیں بیچ میں پھنس کر رہ گئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں بابر اسکوائر کے فلیٹ نمبر بارہ میں مقیم ہوں، پچھلے کئی گھنٹوں سے ایک مشتبہ آدمی اس عمارت کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ ہیری کیسنجر کا کوئی ٹاؤٹ ہے اور اس نے میری کسی بے پروائی کی وجہ سے میری جھلک دیکھ لی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ تمہارے فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہے جس کی وجہ سے تم وہاں محصور ہو کر رہ گئی ہو؟"

"غالباً میں یہی کہہ رہی ہوں" اس کی جلی بھنی آواز ابھری۔

"برقع اوڑھ کر نیچے اترو اور اس کے سر پر پہنچ کر، کراٹے کا ایک ہاتھ مار کر اس کا منکا توڑ دو۔ اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا۔

"اس سے کہو کہ اپنی ننھی سی عقل پر زیادہ زور نہ ڈالے۔" ویرا کی غصیلی آواز سنائی دی "میں کسی بھی صورت میں اس کے سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ وہ کافی دیر سے یہاں منڈلا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو بھی یہاں بلا لیا ہو۔"

"میں پوری صورتِ حال سمجھ چکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"تم چھیڑ چھاڑ کر کے ان کا دھیان بٹاؤ۔ میں اس افراتفری کا فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکل جاؤں گی۔ بعد میں تم بھی اپنی راہ لینا۔"

"وہ فلیٹ ان کی نظروں میں آگیا ہے تو تم دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کر سکو گی۔"

"ضرورت ہی کیا ہے؟ میں یہاں کرائے پر رہ رہی ہوں۔ کہیں اور چلی جاؤں گی .... بلکہ اب تو میں تمہارے ساتھ بھی رہ سکتی ہوں۔ تمہارے ملک میں اکیلی عورت لوگوں کی غیر ضروری توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ ساتھ رہنے میں مجھے خاصی سہولت رہے گی۔"

"تم بلاوجہ ہمارے گلے پڑنے کی کوشش کر رہی ہو" اس بار بھی سلطان شاہ خاموش نہ رہ سکا۔ "دشمنی معطل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم چاروں ہاتھ پیروں سے ہمارے سر پر سوار ہو جاؤ۔ یہ فلیٹ ہمارا نہیں بلکہ جہانگیر کا ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ ہم نے اس کے بیٹے کو اغوا کرنے والی کو یہاں رکھا ہوا ہے تو وہ ہمیں بھی نکال باہر کرے گا۔"

"وہ ڈیڈی کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ بچّے کی تلاش میں ڈیڈی نے دلچسپی نہ لی ہوتی تو پورے شہر کی پولیس مہینوں اس کا سراغ نہیں لگا سکتی تھی اور پھر میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اسے شہر کے بہترین کیئر سینٹر میں داخل کرایا تھا۔"

"بچّے کا کچھ بگڑا یا نہیں بگڑا لیکن اس کی ماں تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"میں اس سے ملی تو اسے ضرور منا لوں گی لیکن تم دونوں کو سمجھانا میرے بس سے باہر ہے" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی "تم دونوں بوڑھی عورتوں کی طرح 'لٹھ لے کر' ہر بات کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔"

"انجام بخیر ہونے کی وجہ سے ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک رہا ہو گا....."

اس نے تحیّر زدہ انداز میں میری بات کاٹ دی "اخاہ! آج تو تم انگریزی محاورے کا اردو ترجمہ کر رہے ہو۔ غنیمت ہے کہ تم اس مقبول محاورے سے واقف ہو ورنہ ....."

"ورنہ کی بات چھوڑو!" اس بار سلطان شاہ نے پھنکتے ہوئے لہجے میں دخل اندازی کی تھی "ورنہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، نتیجہ خربوزے کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ تم اپنی زبان بند رکھو، میں ڈیڈی سے بات کر رہی ہوں" ایئرپیس پر ویرا کی غصیلی آواز ابھری "وہی میری باتوں کا جواب دے سکتا ہے۔"

"میں تمہاری مرضی کا پابند نہیں ہوں۔ ڈیڈی نے منع کیا تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔ ورنہ میں عام طور پر بے سروپا باتیں سننی پسند نہیں کرتا۔"

"میں وہاں آکر تمہارا دماغ درست کر دوں گی۔ تم نے خود کو کیا سمجھ رکھا ہے؟"

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان شاہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ایئرپیس میں کہا "تم بلاوجہ گرمی دکھا رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ سلطان شاہ تم سے ہار مانے بغیر کئی دن تک بے معنی بحث میں مصروف رہ سکتا ہے۔"

"پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" قدرے توقف کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"میں ابھی نکلتا ہوں۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ اکیلا ہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں فلیٹ میں محصور ہوں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے صرف اسی کو دیکھا ہے مگر میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ وہ اکیلا نہیں ہو گا۔ تمہیں دیکھ بھال کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔"

میں نے اس مشتبہ آدمی کا حلیہ دریافت کیا اور ویرا مجھے تفصیل بتانے لگی۔

○☆○

ایک مرتبہ پھر ویرا کا قصہ درپیش تھا اور وہ مافیا کے ناپسندیدہ افراد کی فہرست میں شامل تھی اس لیے میں ڈنکے کی چوٹ پر شیر شاہ سے کام لے سکتا تھا۔

اسی صبح میری حبیب جیوانی سے بات ہو چکی تھی۔ وہ ذاتی وجوہ کی بنا پر چند روز کے لیے اپنے گھر ہی میں مقیم تھا۔ اس لیے عملاً مجھے ٹریڈ لائن کے معاملات اور عملے پر پوری بالادستی حاصل تھی۔ میں چاہتا تو وہاں سے بھاری لاؤ لشکر بھی طلب کر سکتا تھا لیکن میں

نے صرف شیر شاہ کو پوری رازداری کے ساتھ بابر اسکوائر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اسے متوقع شکار کا حلیہ بھی بتا دیا گیا تھا تاکہ وہ نادانستگی میں اس کے سامنے آنے کی حماقت نہ کر بیٹھے۔

اس کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ میں فلیٹ کو ویرا کے لیے خالی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ موقع پاتے ہی، بابر اسکوائر سے فرار ہو کر سیدھی ادھر ہی آتی اور میدان صاف پا کر، سلور آئیز کی تلاش میں پورے فلیٹ کو تہ و بالا کر سکتی تھی۔ اپنی دیگر مجرمانہ خوبیوں کے ساتھ ہی اسے یہ مہارت بھی حاصل تھی کہ مضبوط اور محفوظ ترین قفل بھی اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے پگھل جایا کرتے تھے۔ جب کہ سلور آئیز اسی فلیٹ کی ایک مقفل دیوار گیر الماری کے چور خانے میں پوشیدہ تھیں۔ سلطان شاہ کی موجودگی میں وہ فلیٹ میں زیادہ چھیڑ چھاڑ کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے سلطان شاہ کا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ دوسری طرف دشمن کی تعداد کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوتے تو ان سے نمٹنے یا انہیں الجھانے کے لیے ضروری تھا کہ میرے ساتھ کوئی مددگار یا سہل الفاظ میں، قربانی کا بکرا ہوتا جو مشتبہ آدمی سے براہِ راست جا ٹکراتا اور میں دور رہ کر اس کے متوقع حامیوں پر نگاہ رکھنے کی کوشش کرتا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے میں نے شیر شاہ کی دوڑ تو لگوا دی تھی لیکن تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اسے اصل واقعات سے آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ بے خبری میں نہ مارا جائے۔

مجھے معلوم تھا کہ بابر اسکوائر سے فرار ہونے کے بعد ویرا کو دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرنا تھا اس لیے میں نے شیر شاہ کو بتا دیا تھا کہ مجھے بابر اسکوائر میں ویرا کی روپوشی کا شبہ تھا۔ وہ ایک ایسا نکتہ تھا جس کی تصدیق بعد میں بھی کی جا سکتی تھی۔ ویرا کی تصویر دیکھ کر، اس عمارت کے بہتیرے مکین یہ بتا سکتے تھے کہ وہ ایک دو روز سے اسی عمارت میں مقیم تھی۔

میں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اصل کہانی میں صرف اتنی ترمیم کی تھی کہ ویرا کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والے کو اس کا محافظ بنا دیا تھا اور شیر شاہ کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زیر کرنے کے بعد ہم ویرا کو آسانی کے ساتھ اپنا قیدی بنا سکیں گے۔"

بابر اسکوائر شہر کے گنجان آباد اور بارونق علاقے کے عقبی حصے میں واقع تھا۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی اس دراز قامت کو دیکھ لیا جس کی طرف سے ویرا فکرمند تھی۔ وہ اپنے حلیے اور وضع قطع سے ہی اوباش فطرت معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا لباس تیسرے درجے کے عامیانہ بدمعاشوں کی طرح شوخ اور بہت زیادہ بے ڈھنگا تھا جس کی بنا پر اسے دور سے بھی پہچانا جا سکتا تھا۔

ان دنوں مجھے شہر میں کئی دشمنوں کی طرف سے خطرات درپیش تھے اس لیے میں نے کار کے بجائے ٹیکسی میں سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔ میں ٹیکسی چھوڑ کر آگے بڑھا تو مخالف فٹ پاتھ پر وہ بدمعاش نظر آگیا۔ میں رک کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

میں دیا سلائی بجھانے بھی نہ پایا تھا کہ یک بیک ابھرنے والے شور نے مجھے چونکا دیا۔

لمحہ بھر بعد ہی پوری صورتِ حال واضح ہو گئی اور میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

شاید شیر شاہ کہیں چھپ کر اپنے شکار کی نگرانی کر رہا تھا اسی وجہ سے اس نے مجھے دیکھ لیا مگر میں اسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد اس کے لیے خود پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو گیا اور باہر نکل کر کسی بہانے سے اپنے شکار سے الجھ پڑا۔

شیر شاہ کا حریف بہت مضبوط اور توانا تھا لیکن وہ اپنی بے خبری کی وجہ سے بُری طرح شیر شاہ کے عتاب میں آگیا۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک کیا، وہ میرے علم میں نہیں تھا لیکن جب میں تماشائیوں کے تحیر زدہ شور پر اس طرف متوجہ ہوا تو شیر شاہ اپنے حریف کو پختہ فٹ پاتھ پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو چکا تھا اور مشینی انداز میں اس کے جبڑوں پر مکّے برسا رہا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال خاصی اطمینان بخش تھی۔ شیر شاہ نے ضرورت سے زیادہ عجلت دکھائی تھی لیکن اس نے اپنے حریف کو زمین بوس کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

میں نے اس طرف پیش قدمی کرتے ہوئے، عقابی نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن دراز قامت کی مرمت پر کہیں بھی کوئی تشویش انگیز ردِّعمل دیکھنے میں نہیں آیا۔

دراز قامت جسمانی اعتبار سے شیر شاہ پر برتری رکھتا تھا۔ اچانک گھیر لیے جانے کے صدمے سے نجات ملتے ہی اس نے پینترے بدلنے شروع کر دیے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی شیر شاہ کو وہ اپنے سینے پر سے اچھال پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ اب شیر شاہ کو بھی خاصی بے رحمانہ مار سہنی ہو گی لیکن دراز قامت نے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی ایک حیرت ناک حرکت کی اور شیر شاہ پر جوابی حملہ کرنے کے بجائے پلٹ کر بھاگ لیا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے، وہ فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی ہوئی ایک سیاہ کار کی اگلی نشست پر گھسا۔ شاید اس کار کا انجن پہلے سے بیدار تھا کیونکہ اس کا دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی کار تیزی کے ساتھ حرکت میں آئی اور آناً فاناً میں وہاں سے بہت دور نکل گئی۔

"سالا جیب کترا تھا۔" میں قریب پہنچا تو شیر شاہ تماشائیوں کے سامنے اپنے جھگڑے کی وضاحت کر رہا تھا۔ "مقابلے پر ٹھہرتا تو مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ دیتا۔"

شوقین اور پیشہ ور تماشائیوں کے لیے وہ انکشاف سنسنی خیز ثابت ہوا۔ مجمع میں بیک وقت کئی تحیّر زدہ اضطراری آوازیں اُبھریں۔ ہر ایک کو یہی قلق تھا کہ شیر شاہ نے بھگوڑے جیب کترے

کی اصلیت کا اظہار کرنے میں تاخیر سے کام لیا ورنہ وہ بھی اسے دو چار تھپڑ، گھونسے اور لاتیں رسید کرلیتا۔

مجھے دیکھ کر شیر شاہ اس بھیڑ سے نکل آیا۔ کچھ دور تک ہم ایک دوسرے سے لاتعلقی اختیار کیے، آگے پیچھے چلتے رہے پھر ایک موڑ پر وہ میرے برابر میں آگیا۔

"شاباش، تم نے خاصی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اب میدان صاف ہے۔" میں نے اس کی تعریف کی۔

"میرا خیال ہے کہ کار والے کے علاوہ اس کا کوئی اور ساتھی نہیں تھا۔"

میں نے اثبات میں سرہلایا اور اسے ساتھ لے کر سڑک عبور کرلی کیونکہ بابر اسکوائر کی عمارت اسی طرف واقع تھی اور میں اس بار شیر شاہ کو ویرا کے مسکن تک لے جانے کے موڈ میں تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا فساد سے فائدہ اٹھا کر فرار ہوچکی ہوگی اور جب ہم اس کے فلیٹ پر پہنچیں گے تو وہاں کچھ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ اس طریقۂ کار کا واحد فائدہ یہ تھا کہ شیر شاہ میری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ میں واقعی ویرا کے خون کا پیاسا ہورہا تھا۔

"تمہاری جیب میں کوئی ہتھیار موجود ہے؟" میں نے اس ڈرامے میں جان ڈالنے کے لیے سرگوشیانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"بتیس بور کا بھرا ہوا آٹومیٹک ہے" اس نے اپنی داہنی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا "کہو تو اس کا سیفٹی کیچ ہٹالوں؟"

"ہمیں پہلی منزل کے فلیٹ نمبر بارہ پر دھاوا بولنا ہے۔ ویرا بہت چالاک اور مکار عورت ہے۔ اسے ذرا سا بھی موقع مل گیا تو وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوجائے گی۔ اس کے فرار ہونے کا خطرہ نظر آئے تو بے دریغ فائر کردینا۔ اب ہم اسے ڈھیل نہیں دے سکتے۔"

"تم فکر نہ کرو" وہ فخریہ لہجے میں بولا "آج میرے سر پر بھی خون سوار ہے۔ وہ بچ کر نہیں جاسکے گی۔"

میں اس ڈرامے کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے میں نے وقفے وقفے سے بارہ نمبر فلیٹ پر کئی بار ڈور بیل بجائی مگر اندر سناٹا چھایا رہا۔ شیر شاہ نے دھیمی اور ہیجان آمیز آواز میں دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کا مشورہ دیا مگر میں اسے گھور کر رہ گیا۔

چوتھی طویل گھنٹی پر وہی ہوا جو میں چاہ رہا تھا۔ پڑوس کے فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند عورت ہمارے سامنے آگئی۔

"خالی فلیٹ میں مسلسل گھنٹیاں بجا کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" اس نے ہم دونوں کو سر سے پیر تک گھورتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں پوچھا "کیا در و دیوار سے جواب لینا چاہتے ہو؟"

"خالی فلیٹ؟" میں نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ یہاں مسز تھیلما کنگ رہتی ہے، ہم اسی سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس کا نام یہی ہو لیکن میں نے اس سفید فام عورت کو چند منٹ پہلے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے لیے کوئی پیغام ہو تو مجھے بتادو لیکن اس بے ہودہ گھنٹی پر محنت نہ کرو۔ اس کی کرخت آواز سے مجھے خلجان ہونے لگتا ہے۔"

میں نے بے بسی سے شیر شاہ کی طرف دیکھا اور کہا "ہم دوبارہ آئیں گے۔ ہمارا اس سے ملنا ضروری ہے۔ آپ کو جو زحمت ہوئی، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔"

چڑچڑی بڑھیا نے اس وقت تک اپنے فلیٹ کا دروازہ بند نہیں کیا جب تک ہم نے زینے اترنے شروع نہ کردیے۔ شیر شاہ اس بڑھیا کی مداخلت پر بری طرح بھنّایا ہوا تھا مگر میرے لحاظ میں خاموش تھا۔

شیر شاہ کے لیے وہ ایک اہم مشن تھا۔ جس کی کامیابی اس کا مستقبل بنا سکتی تھی اس لیے وہ یکے بعد دیگرے متعدد متبادل تجاویز پیش کرتا رہا اور میں اس کے ہر منصوبے میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر اسے مسترد کرتا رہا۔ آخر کار میں نے اسے ویرا کے فلیٹ کی نگرانی پر مامور کرتے ہوئے اپنا فون نمبر دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ رات کے دس بجے تک فلیٹ پر گہری نگاہ رکھے اور ویرا کے نظر آتے ہی مجھے فون پر مطلع کردے۔

"اور اگر وہ دس بجے تک واپس نہ آئی؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں اس معاملے میں تمہارے علاوہ کسی اور کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتا۔ میرا بس چلے تو میں ویرا کی واپسی تک تمہیں یہیں روکے رکھوں لیکن تم بھی انسان ہو۔ تمہاری قوتِ برداشت کی ایک حد ہے۔ اس کے بعد تمہیں آرام کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔ اسی وجہ سے میں نے دس بجے کی حد مقرر کی ہے۔"

"تم اپنے ماتحتوں کا بہت خیال رکھتے ہو، باس!" وہ ممنونیت سے لبریز آواز میں بولا "جب تک میرے اعصاب میں دم خم ہے، میں یہیں ڈٹا رہوں گا۔ آخر کار وہ یہیں واپس آئے گی۔"

"گڈ! یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس دوران میں تم اس کے بارے میں معلومات بھی جمع کرسکتے ہو۔ جب بھی تم واپس لوٹنا چاہو، چلے جانا مگر مجھے فون کرنا نہ بھولنا تاکہ میں کوئی متبادل بندوبست کرسکوں" میرے ان فقروں پر اس کا سینہ پھول گیا۔ اس کے لیے یہ احساس باعثِ فخر تھا کہ میں نے اسے ایک اہم مشن پر مامور کیا ہے۔

اسے بیگار سے لگا کر میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اوّل تو مافیا والوں کو اس امر کا ٹھوس ثبوت فراہم کردیا تھا کہ میں پورے خلوص سے ویرا کی گھات میں لگا ہوا تھا تاکہ ہیروئن کی مقامی منڈی پر سے شی کا رہا سہا رسوخ ختم کرکے مافیا کی

بالادستی قائم کی جاسکے۔ دوم یہ کہ میں مفرور ویرا کی تلاش کے بہانے غیر معینہ مدت کے لیے ٹریڈ لائن سے غائب رہ سکتا تھا۔

میں واپس فلیٹ پہنچا تو ویرا وہاں موجود تھی۔ وہ مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے وہ مطلب پر آگئی۔ "معاہدے کے مطابق سلور آئیز میرے حوالے کرو تاکہ قصہ ختم ہو اور میں اپنے مشن پر روانہ ہوجاؤں۔"

"ابھی ایسی بھی کیا عجلت ہے؟" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ "اپنے فلیٹ سے فرار ہوکر آئی ہو تو اب تھوڑی دیر کے لیے اطمینان سے ہمارے پاس بھی بیٹھو!"

"بیٹھوں گی نہیں، اصرار کروگے تو لیٹ بھی جاؤں گی۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا "لیکن پہلے سلور آئیز میرے حوالے کرو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

میں اسے سلطان شاہ کے ساتھ وہیں چھوڑ کر، کمرے سے باہر نکل گیا۔

میرے خفیہ اور مقفل ٹھکانے پر سلور آئیز جوں کی توں موجود تھیں۔ میں نے وہاں سے دو طلائی سکّے نکالے جن پر چاندی میں حسین اور خوابناک آنکھ، اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے واپس آتے ہی وہ دونوں سکّے ویرا کے سامنے پھینک دیے۔

"یہ کیا؟" اس نے حیرت سے کہا "یہ تو صرف دو سلور آئیز ہیں۔"

"تمہاری گنتی واقعی قابلِ رشک ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ دو ہی ہیں۔"

"تیسری کہاں ہے؟" ویرا نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔ دونوں سکّے اس نے اٹھا لیے تھے۔

"شاید میرے ماتھے پر اُگ آئی ہو۔" میں نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔

"تم اس کا کیا کروگے؟ وہ بھی مجھے دے دو!" اس نے حریصانہ لہجے میں کہا۔

"جو کچھ طے ہوچکا ہے، اس سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے کہا۔ "کل کیا صورتِ حال ہوگی، اس کے بارے میں نہ تم کچھ جانتی ہو، نہ مجھے کوئی علم ہے۔ اس لیے فی الحال دو پر ہی گزارہ کرو۔ ان کی مدد سے تم نہ صرف بلیو کراس ڈیل والا کام سر انجام دے سکتی ہو بلکہ جمی لائیڈ کو بھی خوش کرسکتی ہو۔"

"یہ عورت آفت کی پرکالہ بلکہ شیطان کی خالہ ہے۔" سلطان شاہ نے کسی بھی قسم کی نفرت یا برہمی کا اظہار کیے بغیر مجھ سے کہا۔ "اس کی ذات سے تمہیں فائدہ ضرور پہنچتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہونے پاتا کہ وہ فائدہ کس وقت خسارے میں تبدیل ہوجائے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی ورزش کے بعد تمہاری عقل بھی کھل گئی ہے۔" ویرا نے اپنی روایتی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "پرکالہ اور خالہ کا قافیہ ملاتے ہوئے تم یہ بھول گئے کہ سلطان اور شیطان ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس حوالے سے تم مجھے اپنی خالہ مان لو تو ہمارے سارے جھگڑے طے ہوسکتے ہیں۔"

اس سے بات ختم کرتے ہی ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی۔ "تم شی سے ہمیشہ کے لیے اپنا تعلق ختم کرچکے ہو، سلور آئی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی کیونکہ اب شی نے تمہارا پیچھا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اس ایک سلور آئی سے تم کسے اور کس لیے دھوکا دوگے؟"

"بُرے وقت میں کھوٹا سکہ بھی کام آجاتا ہے۔ پھر یہ تو شی کا بیش قیمت طلائی سکہ ہے۔ نہ جانے کب اور کہاں کام آجائے۔ اس بارے میں ضد کرکے بدمزگی پیدا نہ کرو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "پھر مجھے نکلنا چاہیے۔ تمہارے چکر کی وجہ سے میں نے ابھی تک ایران جانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا ہے۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم میرے اصرار پر انکار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ویسے بھی تمہارا کام میری نگاہ میں بہت اہم ہے۔"

"اپریٹس پر بات کرتے ہوئے تو تم نے ہمارے ساتھ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم جیسے بے مصرف اور ناکارہ آدمی کے ساتھ رہ کر میں کیا کروں گی؟" ویرا کو اس پر فقرہ کسنے کا موقع مل گیا۔ "یہی بات ڈینی نے کہی ہوتی تو اس پر غور بھی کیا جاسکتا تھا.... آج تو تمہارے چکر کی وجہ سے ڈینی نے بھی پینے پلانے کی بات نہیں کی۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے اور یہ مجھے سوکھا ٹرخا رہا ہے۔"

"فکر نہ کرو، ہم لوگ مہمان نوازی کے آداب سے واقف ہیں۔ تم آرام سے بیٹھو، میں ابھی تم کو گیلا کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔" میں نے اسے رکنے پر آمادہ پاکر جلدی سے کہا۔

"خدا کی پناہ!" سلطان شاہ حیرت سے آنکھیں نکال کر بولا "تو تم لوگ دن دہاڑے شراب نوشی کروگے۔ میں نے تو سنا ہے کہ باقاعدہ شرابی بھی سورج ڈھلنے کے بعد ہی اپنی محفل سجاتے ہیں۔"

"شرم کی بات ہے کہ ڈینی جیسے آدمی کے ساتھ رہ کر بھی تم کچھ نہیں سیکھ سکے۔" ویرا ہاتھ آیا ہوا کوئی موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ "دن کو سفید شراب پی جاتی ہے، دھندلکا پھیلنے پر سنہرے رنگ کی شراب چلنے لگتی ہے۔ تمہیں آج تک یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ جن اور وِسکی میں کیا فرق ہے؟ میں نے تو تمہارے کسی بڑے شاعر کے بارے میں سنا تھا کہ کسی نے اسے وقت کے بارے میں ٹوک دیا تھا تو اس نے فوراً ہی منہ توڑ جواب دیا تھا کہ شراب گھڑی نہیں بلکہ گھڑے سے پی جانے والی شے ہے....."

"بس، بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کو خاموش کر دیا۔ "تم بلا وجہ بات نہ بڑھاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بھی سلطان شاہ سے اُلجھنے میں لطف آتا ہے۔" پھر میں فوراً ہی سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہم لوگ ایک دو گھنٹے تک بیٹھیں گے۔ اگر تم چاہو تو اس دوران میں اپنا بازار کا کام نمٹا سکتے ہو۔"

سلطان شاہ میرا اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا۔ "بازار نہ گیا تو رات کو ہوٹلوں کے باسی کھانے پر گزارا کرنا پڑے گا۔ میری واپسی چار بجے تک ہو گی۔" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

تخلیہ ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ خطرناک نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔

"یہ نہ بھولو کہ سلطان شاہ راستے میں سے بھی واپس آسکتا ہے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اتنا میں بھی جانتی ہوں۔ شہر میں زلزلہ بھی آگیا تو وہ چار بجے سے پہلے اس عمارت میں قدم نہیں رکھے گا۔ تم دونوں کے ساتھ رہ کر میں بھی اتنی بات سمجھنے لگی ہوں۔"

فلیٹ کے کیبنٹ میں میرا پرانا ذخیرہ موجود تھا۔ گلاس، آئس پاٹ، ٹانک واٹر اور لندن ڈرائی جن کی بوتل لے کر میں ڈرائنگ روم میں آیا تو ویرا اپنے وینٹی بیگ میں سے آئینہ نکال کر اپنا میک اَپ درست کر رہی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے وینٹی بیگ میں اس کا خود کار پستول چمک رہا تھا۔

دونوں گلاس ویرا نے اپنے مرمریں ہاتھوں سے بنائے پھر اپنا گلاس میری طرف لہراتے ہوئے کہا "چیئرز۔ تمہاری غزالہ کی خیریت اور سلامتی کے نام۔"

میں نے چیئرز کہہ کر اپنا گلاس ہولے سے اس کے گلاس سے ٹکرایا۔ کمرے کی فضا میں شیشے کا ہلکا سا ترنم گونجا اور میں نے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔ اس لمحے میں نے محسوس کیا کہ ویرا کے تنفس کی رفتار قدرے بڑھی ہوئی تھی اور کمرے کی پُرسکوت فضا میں اس کے گرم گرم سانسوں کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی۔

"میں دو چار دن رہنے کے ارادے سے یہاں آئی تھی۔" اس نے سگریٹ کے چند گہرے گہرے کش لینے کے بعد دھیمی آواز میں کہا "مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو یا نہ ہو لیکن ہم ایک طویل عرصے تک ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے۔ شاید مجھے ایران سے ہی آگے جانا پڑ جائے۔"

"میرے اور تمہارے راستے مختلف ہیں۔" میں نے اس کے موڈ کا اندازہ لگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اب بھی شی سے وابستہ ہو کیونکہ وہ تمہارے باپ کی تنظیم ہے۔ اسے بُرا بھلا کہنے کے باوجود تم لاشعوری طور پر اسی کی نادیدہ پناہ میں اپنی زندگی گزارنی چاہتی ہو مگر میں جمی لائیڈ اور شی کا بدترین دشمن ہوں۔ اس کے باوجود میں تمہاری ترقی اور کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ شرط صرف اتنی ہو گی کہ آئندہ میرا راستہ کاٹنے کی کوشش اور نہ ہی میرے ملک کے خلاف کسی سازش میں شریک... دو باتوں سے بچتی رہو گی تو ہم اچھے دوستوں کی طرح کبھی... رہیں گے ورنہ محاذ آرائی چلتی رہے گی۔"

"دوست!" اس نے گلاس سے ایک اور گھونٹ... حسرت بھری آواز میں کہا۔ "اسی ایک رشتے کے لیے تو... ہوں۔ کاش تم نے کبھی مجھے دوست سمجھا ہوتا..."

"یہ دوستی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم دونوں اس وقت... بیٹھے ہوئے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ دوستی نہیں، بس ایک آشنائی سی ہے۔ آشنائی ایک... کی بھی ہوتی ہے اور برسوں کی بھی۔ دوستی اس سے بہت اونچا بہت بڑا رشتہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے عمر بھر مردوں کو قدموں میں جھکایا ہے۔ میں اپنی پسند کے کھلونوں سے کھیلتی اور انہیں توڑتی رہی ہوں لیکن تمہیں میں نے اپنے دل میں... ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم غزالہ کو ٹوٹ کر چاہتے ہو اور جب... وہ زندہ رہے گی، تم میرے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچو گے... میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا۔ تمہیں حاصل کرنے کے لیے میں نے کبھی غزالہ پر کوئی مہلک وار نہیں کیا۔ میری سوچ... عجیب ہے۔ میں تمہیں چاہتی ہوں تو کسی ایسی شخصیت کو جو تم... بہت عزیز ہو، دکھ پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میں مانتی... کہ میں تمہیں تنگ کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر غزالہ کو... مشکلات سے دوچار کر چکی ہوں لیکن میں نے اسے کوئی... جسمانی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"تو تم یہ سمجھ رہی ہو کہ بھارتی کو نسلیٹ والے اسے مہمان... طرح رکھ رہے ہوں گے؟" میں نے اس کی غیر معمولی جذباتی... نظر انداز کرتے ہوئے، وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"انہیں غزالہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ لوگ تو اسے... میں رکھ کر مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں تاکہ مجھے پکڑ کر ہیری کینیز... حوالے کر سکیں۔ جب وہ میری طرف سے ناامید ہو جائیں... غزالہ کو بے ہوش کر کے شہر کے کسی ویرانے میں ڈال دیں گے..."

"کاش ایسا ہوتا!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "... بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ شری مان سنگھ غزالہ کے ساتھ... میرے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہے اور اب وہ غزالہ... ذریعے مجھے پھانسنے کے چکر میں ہے۔ واقعات پر گرفت کم... جائے تو انہونی باتیں ہونے لگتی ہیں۔"

"تمہارے بارے میں، میں نے اس سے بہت سرسری... کیا تھا جو صرف تمہارے نام تک محدود تھا۔ اسے اس سے... بھی کچھ معلوم ہے تو اس کا ذریعہ بھی کچھ اور ہو گا۔"

"ذرائع کچھ بھی رہے ہوں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ غز... معاملہ اُلجھ گیا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "غزالہ، شری مان سنگھ کی تحویل میں ہے اور اس کی بازیابی کا معاملہ اُلجھتا ہوا نظر آرہا ہے کیوں کہ شری مان سنگھ مجھے کسی کام میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا اس نے تم سے رابطہ کیا ہے؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

"رابطہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، مجھے میرے ذرائع ہر وقت صورتِ حال سے باخبر رکھتے ہیں۔ تمہارے قیاسات جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن ہونا وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں کیونکہ میرے آدمی شری مان سنگھ کے ذہن تک رسائی رکھتے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے دہانے سے غیر ارادی طور پر آواز برآمد ہوئی پھر اس نے پوچھا۔ "وہ غلام رسول کا کیا قصہ تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ شری مان سنگھ اس میں بھی ملوث رہا ہو؟"

"وہ میری بساط سے زیادہ اونچا معاملہ ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "اس میں کون ملوث ہے اور کون نہیں؟ میں اس بارے میں کوئی رائے زنی نہیں کر سکتا۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ تم غزالہ کو ورغلا کر یہاں سے لے گئیں اور اب وہ شری مان سنگھ کی قید میں ہے۔"

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "ہمارے درمیان دشمنی معطل ہو جانے کے بعد دوستی کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اب اگر تم واقعی مجھ سے کسی قسم کی مدد لینی چاہتے ہو تو کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مجھے ہر وہ بات بتا ڈالو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ شاید میں کچھ کر سکوں!"

اس کی بات معقول مگر معنی خیز تھی۔ وہ اس قدر متلون طبیعت کی مالک تھی کہ میں آنکھیں بند کر کے اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی، ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر، ایک بار پھر میرے خلاف صف آرا ہو سکتی تھی۔ جب کہ میرے لیے بلیو کراس ڈیل کو ہولناک تباہی سے بچانا سب سے اہم تھا۔ وہ کام مکمل ہونے سے پہلے میں ویرا کو برہم یا ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

اس سے تھوڑی بہت گفتگو کرنے کے بعد میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ شری مان سنگھ کے بارے میں ویرا کی معلومات ان ہی نکات تک محدود تھیں، جن سے اس کا براہِ راست تعلق تھا۔ میرے اور شری مان سنگھ کے درمیان پیش آنے والے، بعد کے واقعات سے وہ یکسر لاعلم تھی۔

اس تجزیے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ویرا کی معلومات میں کوئی قابلِ قدر اضافہ کیے بغیر، اسے ایک فرضی کہانی سنا دینی چاہیے تاکہ وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو اسے پیش رفت کا سہارا مل سکے۔

"میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپا رہا۔" لمحہ بھر کے توقف اور تیز رفتار ذہنی تجزیے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "اپنے اشتعال اور غصے کی وجہ سے تم نے غزالہ کو شری مان سنگھ کے چنگل میں دے دیا اور خود میرے خلاف ایک محاذ کھول کر بیٹھ گئیں۔ میرے لیے وہ پیچیدہ صورتِ حال ناقابلِ قبول تھی۔ ایک طرف میں تمہارا کھوج نکالنے کی کوشش کرتا رہا اور دوسری طرف شری مان سنگھ کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے ذرا دھمکا کر، غزالہ کی واپسی پر مجبور کر سکا تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔"

"ایک منٹ!" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ جیسے گھاگ آدمی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے کسی ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کی کیا بنیاد تھی؟" اس کے سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری توجہ اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ میری کہانی سن رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری نقل و حرکت میری نگاہ میں تھی۔ تم جس گاڑی میں انڈین کو نسلیٹ سے فرار ہوئیں، اس کا میک، ماڈل اور رنگ بھی میرے علم میں تھا۔ بعد میں وہ کار ایک پُراسرار دھماکے میں تباہ ہو گئی تھی۔ میں نے ان حوالوں کی بنا پر شری مان سنگھ کو فون کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک فری لانسر ہوں۔ اگر اس نے میرا منہ بند رکھنے کے لیے میری شرائط تسلیم نہ کیں تو میں معقول انعام کے بدلے میں وہ ساری معلومات کسی اہم سرکاری ادارے کو فراہم کر دوں گا۔ فوری طور پر وہ میرے انکشافات سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ فون پر اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پریشان اور متفکر ہو گیا ہے۔ میں نے اسے یہ بھی جتا دیا تھا کہ مشتبہ کار میں کو نسلیٹ سے فرار ہونے والی ویرا لائیڈ تھی جو ایک بین الاقوامی مجرمہ ہے اور نہایت شدت کے ساتھ مقامی پولیس کو مطلوب ہے۔ اس نے بظاہر ہتھیار ڈالتے ہوئے مجھ سے میری شرائط کے بارے میں دریافت کیا۔ یہاں مجھ سے ایک چوک ہو گئی کہ میں نے غزالہ کی رہائی کا معاملہ براہِ راست چھیڑ دیا۔ اگر وہ کئی شرائط میں سے ایک مطالبہ ہوتا تو شری مان سنگھ کو کسی قسم کا شبہ نہ ہوتا لیکن غزالہ کی بات سنتے ہی وہ شاید چوکنا ہو گیا۔ اس نے مجھ سے مزید چند سوالات کیے اور آخر میں کھل کر سامنے آگیا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اسے میری کہانی پر یقین نہیں ہے۔ میں ڈیبی کے لیے کام کر رہا ہوں کیونکہ روئے زمین پر ایک وہی شخص غزالہ کے بارے میں فکر مند ہو سکتا ہے۔ اس نے مجھ سے مزید گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہوئے، سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ وہ صرف اور صرف ڈیبی ہی سے بات کر سکتا ہے اور ڈیبی کو غزالہ کے حصول کے لیے اس کی چند شرائط قبول کرنی ہوں گی۔ میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔"

"پھر کیا ہوا؟" مجھے خاموش پا کر ویرا نے سوال کیا۔ "تم نے بعد میں اسے اپنی اصل حیثیت میں فون تو کیا ہو گا؟ وہ تم سے کیا چاہ

رہا تھا؟"

"میں نے اسے فون نہیں کیا۔ میں ابھی تک تذبذب میں جتلا ہوں۔" میں نے تفکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "اس کے بجائے میں نے تمہاری تلاش میں زیادہ دلچسپی لی کیونکہ میرا خیال تھا کہ تمہارے ذریعے کامیابی کا امکان زیادہ ہو سکتا ہے اور آج تم میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو۔"

"تم نے غلطی کی۔" وہ متاسفانہ انداز میں بولی۔ "تمہیں اس کو فون ضرور کرنا چاہیے تھا تاکہ تمہیں اس کا ذہن پڑھنے میں مدد ملتی۔ اس کی بات کو ماننا یا نہ ماننا پھر بھی تمہاری مرضی پر منحصر ہوتا۔"

"یہاں تم اندازے کی غلطی کر رہی ہو۔ اگر میں اس کے مطالبے تسلیم کر لیتا تو وہ مجھ پر حاوی ہو جاتا اور کسی نہ کسی شرط کی تکمیل کو غزالہ کی واپسی سے منسلک کر دیتا۔ میرے انکار کی صورت میں وہ غزالہ پر تشدد یا پھر اس کے قتل کی دھمکی بھی دے سکتا تھا۔ اس خوف نے مجھے اس سے رابطے سے روکے رکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ابھی، میری موجودگی میں اس سے بات کرو۔ وہ تمہارے قابو میں نہیں آیا تو پھر میں کوئی راہ نکالوں گی۔ میں پورے خلوص سے تمہاری مدد کرنی چاہتی ہوں۔"

"میں ہمیشہ سے تمہارے خلوص کا قدردان رہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب سرکتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے ساتھ شری مان سنگھ کی مصالحت نہیں ہو سکے گی۔ میرے ناکام ہونے کے بعد تم نے اس سے بات کی تو معاملہ اُلجھ جائے گا۔ وہ سمجھ لے گا کہ غزالہ میرے ساتھ ہی تمہارے لیے بھی بہت اہم ہے۔ اس چکر میں وہ تم پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے..."

"پھر میں ہی اس سے پوچھتی ہوں کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرنے کے بعد نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس معاملے میں اس کا ذہن شاید بہت زیادہ صاف اور واضح نہیں تھا۔

"میں نے اپنی کہانی اس لیے سنائی کہ تمہیں صورت حال کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ تم میرا نام لیے بغیر اپنے طور پر اس سے بات کرو۔ تمہارے ذہن میں جو تجویز ہے اس پر عمل کرو۔ بلکہ شری مان سنگھ میرا کوئی ذکر کرے تو تم میری طرف سے برہمی کا اظہار کر کے اس قصے کو وہیں ختم کر دینا۔ کسی بھی کامیابی کے لیے اسے یہ تاثر دینا ضروری ہے کہ میری اور تمہاری ملی بھگت نہیں ہے۔"

میرے لیے ویرا کو اس راہ پر ڈالنا بہت ضروری اور اہم تھا تاکہ شری مان سنگھ اسے میرے اور اپنے سمجھوتے کے بارے میں کوئی بات نہ بتا سکے۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا میری چال کو سمجھے بغیر میری تجاویز پر دھیان دے رہی تھی کیونکہ میں نے کسی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر معقولیت کا راستہ اختیار کیا تھا۔

ویرا نے دونوں کے لیے نئے گلاس تیار کیے پھر بولی۔ "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ غزالہ کی ذات میں بیک وقت ... دلچسپی بھانپ کر، شری مان سنگھ سخت رویّہ اختیار کر لے گا۔ ... میں نے ہی اس کی تحویل میں چھوڑا تھا۔ اس کے بعد میں نے مخدوش حالات کی بنا پر خود ہی اس سے رابطہ نہیں کیا۔ ... زیادہ بہتر اور منطقی بات یہی ہوگی کہ میں اس سے اپنی ... واپسی کا مطالبہ کروں۔"

"اہم بات یہ ہے کہ وہ میرا ذکر لے بھی بیٹھے تو تم مجھ سے بدترین اختلافات کا ذکر کر کے اسے یہ بھی بتا سکتی ہو کہ ... انتقام لینے کے لیے ہی تم نے غزالہ کو اغوا کر کے یرغمال ... ہے۔ اس طرح اسے یقین ہو جائے گا کہ اس نے غزالہ کو ... لوٹا دیا تو وہ میرے قبضے میں نہیں آ سکے گی۔"

"اور ظاہر ہے کہ تم خود بھی یہ ساری گفتگو سنی چاہو ..." اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے جس ... سے اپنا گلاس خالی کیا تھا، اس کی بنا پر اس کی آنکھوں میں ... لہرائے تیرنے لگے تھے۔

"سنا دو گی تو تمہاری مہربانی ہوگی۔" میں نے صوفے کی ... سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟ آج مجھ پر مہربان کیوں ہو رہے ہو؟" ... میرے جسم سے چپکتے ہوئے بولی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنا بہترین ... سمجھتا رہا ہوں۔" میں نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ... کہا۔ "لیکن تمہیں سلطان شاہ کی طرف جھکتا ہوا دیکھ کر ... پسپائی کی راہ اختیار کر لی۔ میں دل و جان سے تمہیں ایک ... عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا اندازہ دُرست ہے۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں ... "مشرق میں عورت کو بہت سی زیادتیوں کے باوجود سر کا تاج ... رکھا جاتا ہے جب کہ مغرب میں عورت کو بازار کی ایک جنس بنا دیا گیا ہے۔ وہاں عورت ہر روپ میں بہروپ دھا... مجبور ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ ہر جگہ نظرانداز کر دی جا... مجھے سلطان شاہ کی ذات میں ایک تندخو اور غیور مرد نظر آ... اپنی عورت کی حفاظت کے لیے ہر وقت خونخوار بھیڑیا بنا ... ہے۔ لیکن اس کے قریب جا کر مجھے شدید مایوسی کا سامنا کر... اس میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بہت بڑی ... ہے کہ وہ عورت کو خلوت میں پہل کرنے کا حق نہیں د... شاید اس کے قبائلی معاشرے نے بچپن میں اسے یہی کچھ ... سکھایا ہو۔ یہ بات اس کے ذہن میں اس بُری طرح ... کہ وہ اس اصول سے انحراف کو براہِ راست اپنی مردانگی ... سمجھتا ہے۔ اس نے مجھے بری طرح مایوس کیا ہے اور اب ... بھی اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا ہے۔"

اس دوران میں اس نے اپنا سر میرے بائیں شانے سے ٹکا لیا تھا۔

"مجھے اپنی زندگی میں ہزاروں مرد ملے ہیں۔" وہ اپنے گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے، مجروح لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن کسی میں ایسی انفرادیت نہیں مل سکی جو مجھے متاثر کر سکے۔ میں نے بہت سے وجیہہ اور بانکے مردوں کو اپنے سامنے ممیاتے اور ہکلاتے ہوئے دیکھا۔ مجھ جیسی عورت کو اپنی دسترس میں پا کر وہ یک بیک یوں پگھلتے ہیں کہ ان سے گھن آنے لگتی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اسے رسمی کارروائی تو کہا جا سکتا ہے لیکن محبت کا نام ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے برعکس سلطان شاہ ایک باوقار مرد ہے۔ اس کا مردانہ احساس برتری حد سے بڑھا ہوا ہونے کی وجہ سے مجھے ناگوار گزرا لیکن مَیں اس کی عزت کرتی ہوں۔ اور پھر تم ہو" اس نے رک کر ایک گہرا سانس لیا اور اپنا رخسار میرے شانے سے رگڑتے ہوئے بولی "میرا ماضی تمہارے سامنے کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔ تم جانتے ہو کہ میری زندگی میں بہت سے مرد کھلونوں کی طرح آئے اور ایک سائے کی طرح گزرتے چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جب تم سے میری راہ و رسم بڑھی تو مجھے غزالہ کے ساتھ تمہارے تعلق کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے تم سے توقعات باندھ لیں اور تم مجھ سے ایک دوست یا شاید کھلونا سمجھ کر اپنا وقت من مانے انداز میں گزارتے رہے۔ وہ میرا پہلا تجربہ تھا کہ میں من مانی کرنے کے بجائے کسی کی تابع ہوئی تھی۔ آخر کار میرا یہ خواب بھی بکھر گیا لیکن اس کی یادیں حسین ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آج کی اس ملاقات میں تم پرانی یادوں کو ضرور تازہ کرنا چاہو گے۔ یہ میری امید ہی نہیں، التجا بھی ہے۔"

میں نے اس کے نرم بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر آہستگی سے اس کا چہرہ اتنا اوپر اٹھایا کہ اس کی مخمور نگاہیں میری چبھتی ہوئی نظروں کے سامنے آ گئیں۔ "تم پاگل ہو رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"کبھی کبھی عقل اور ہوش مندی کا ساتھ چھوڑ کر ہی سرور ملتا ہے۔" وہ بولی۔

"اور چار بجے وہ واپس آ رہا ہے جو میری عقل کا پاسبان بنا پھرتا ہے۔"

"آنے دو، اب مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔" اس نے میری قمیص اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑ لی۔ "آج کی رات تو میں ویسے بھی اسی فلیٹ میں گزارنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"اور بلیو کراس ڈیل کا کیا بنے گا؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک دن کی تاخیر سے کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔" وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔ "اگر میں آج نہ آتی تو کیا ہوتا؟ سمجھ لیتا کہ ہم آج ملے ہی نہیں تھے۔"

"نہیں، ویرا" میں نے قدرے سختی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں آج ہی ایران کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ ہماری کسی بھی لغزش سے کام بگڑ گیا تو میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا رہے گا۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔ "میں ان ایرانیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ شور زیادہ مچاتے ہیں اور کام کم کرتے ہیں۔ اُن کا کارواں رک رک کر سفر کرے گا۔ ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔"

اس کا موڈ دیکھتے ہوئے مجھے اس بارے میں ہتھیار ڈالنے پڑ گئے لیکن اس کے ساتھ ہی غزالہ کا معاملہ بھی الجھا ہوا تھا اس لیے میں نے بے بسی سے کہا۔ "ایرانی کاہل الوجود ہیں لیکن شری مان سنگھ کسی شارک کی طرح تیز اور پھرتیلا ہے۔ اس سے ابھی چھیڑ چھاڑ کرو گی تو صبح تمہاری روانگی تک کوئی نہ کوئی بات واضح ہو جائے گی۔ خدا کے لیے، اس بارے میں کوئی بہانہ نہ تراش لینا۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ "تو پھر اسپیکر فون لاؤ، میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

ویرا نے غالباً شری مان سنگھ کا ذاتی نمبر ملایا تھا کیونکہ پہلی گھنٹی پر ہی، اسپیکر فون پر اس کی آواز سنائی دی تھی "ہیلو، سنگھ اسپیکنگ"

"میں ویرا بول رہی ہوں، اپنی امانت کی واپسی کے سلسلے میں۔" ویرا نے کہا۔ غنیمت تھا کہ اس وقت اس کے لب و لہجے پر سے رومانوی اثرات ختم ہو چکے تھے۔

"اوہ، تم کہاں ہو؟" شری مان سنگھ کی تحیّر زدہ آواز ابھری۔ "میں تو اس دن سے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہاری امانت پوری احتیاط اور حفاظت کے ساتھ میری تحویل میں ہے۔"

شری مان سنگھ کا وہ جواب سنتے ہی میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ غزالہ اس کی تحویل سے نکل کر سرحد پار پہنچا دی گئی تھی اور ویرا کو وہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ کچھ لوگ اچانک ہی میرے خلاف ہو گئے ہیں اور مجھے پہلی فرصت میں بے دست و پا کر دینا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں تم پر بھی ان کا خاصا دباؤ ہے۔ میں تمہاری مجبوریوں سے واقف ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ ان کے آمرانہ دباؤ کے سامنے تمہیں اپنی مرضی کے خلاف مجھ سے ہیر پھیر کرنا پڑے گا۔"

"تم خاصی باخبر ہو۔ میں تمہاری کسی بات کی تردید نہیں کروں گا۔ اوپر سے آئے ہوئے خفیہ احکام کے تحت ہم بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ ہیری کیسنجر سے بگاڑ پیدا کر کے ہم خسارے میں رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے خود ہی صورتِ حال کا اندازہ کر کے ہمیں ہر امتحان سے بچا رکھا ہے۔ تم سامنے آ جاتیں تو ہمارے تعلقات میں ہمیشہ کے لیے ایک ناگوار سی تلخی پیدا ہو سکتی تھی۔ ہم لوگ تمہارے بہت بڑے قدردان ہیں مگر مجبوریاں..."

"بار بار اپنی مجبوریوں کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ نہ کرو!" ویرا

نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔ "با اثر لوگوں کی زبان سے بے بسی اور مجبوری کا ذکر سنتے ہی مجھے وہ اونٹنی یاد آجاتی ہے جو جلتی ہوئی ریت پر ایک بچے کو جنم دینے کے بعد اپنے پیٹ میں اُڑے ہوئے دوسرے بچے کی ولادت کے انتظار میں تڑپ رہی تھی۔"

"واہ! کیا مثال دی ہے تم نے!" شری مان سنگھ کی آواز تحیر زدہ اور خوشامدانہ تھی۔ "ایسا اچھوتا اور نادر منظر تم نے کہاں دیکھ لیا تھا؟"

مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا کی خوشنودی اس کے لیے اس قدر اہمیت رکھتی تھی۔

"تھر کے علاقے کا قصہ ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی مجھ تک کیسے پہنچے گی؟" ویرا مطلب کی بات پر آگئی۔

"لڑکی کے بارے میں تمہیں شاید علم نہ ہو کہ ڈینی نامی ایک بدمعاش اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔" شری مان سنگھ نے غالباً جھجکتے ہوئے وہ ذکر چھیڑا تھا کیونکہ اس کی آواز سے تردّد جھلک رہا تھا۔

"ڈینی!" ویرا نے برہمی کے انداز میں دُہرایا۔ "اسے لڑکی کی ہُوا بھی نہیں لگ سکے گی۔ میں نے اسی کو زک پہنچانے کے لیے اس لڑکی کو اغوا کیا ہے۔ لیکن تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"میری اس سے بات چیت چل رہی ہے۔" شری مان سنگھ کے اس جواب کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کی وہ کہانی ویرا کو میری طرف سے ایک بار پھر بدگمان کرسکتی تھی۔

"وہ ہر قیمت پر اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب میری..." شری مان سنگھ نے اپنی کہانی جاری رکھنی چاہی لیکن ویرا نے میری آنکھ کا اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"اس سے تمہاری کیا بات چیت چل رہی ہے' اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ وہ لڑکی میری مرضی کے بغیر ڈینی کی تحویل میں نہیں جاسکتی۔ میں اسے فوری طور پر اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"فوری طور پر؟" شری مان سنگھ کی متردّد آواز ابھری۔ "اس میں ذرا سی دقت ہوگی۔"

"وہ کیا؟" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا۔ وہ شری مان سنگھ پر حاوی ہوچکی تھی۔

"ڈینی کے خطرے کے سدِّباب کے لیے اس لڑکی کو نئی دہلی کے حکام کی ہدایت پر سرحد پار منتقل کیا جاچکا ہے۔ تم چاہو تو اسے دوبارہ پاکستان لایا جاسکتا ہے لیکن میری رائے میں اسے پاکستان سے باہر رکھنا ہی بہتر ہوگا۔ وہاں ڈینی اور اس کے ساتھی کوئی گڑبڑ نہیں کرسکیں گے۔"

"تم لوگ یہاں اتنے بے بس نہیں ہو کہ ایک نازک اندام سی لڑکی کو چند روز کے لیے قید نہ رکھ سکو۔ اسے یہاں سے بھیج کر تم امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہو۔" ویرا اسے غصہ دکھا رہی تھی۔

"تمہاری بات درست ہے لیکن میرے پاس اُڑتی اڑتی خبریں موجود ہیں کہ ڈینی اب پاکستانی حکام کے ساتھ تعاون کرنے لگا ہے۔ اگر اس کے ہمدرد دن رات نگرانی شروع کرادیتے تو ہمارے لیے لڑکی کو یہاں سے ہٹانا ناممکن ہوجاتا۔ ہم نے جو کچھ کیا' اس میں ضرورت کے ساتھ ہی ہماری مجبوری کا بھی دخل ہے۔ ہم لڑکی کو تمہارے مطالبے پر فی الفور تمہارے حوالے کرنے کے پابند ہیں......"

"فی الفور والی بات مت کرو!" ویرا نے تیزی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اسے فوری طور پر پاکستان کیسے لاسکتے ہو؟ میں اس کی واپسی کراچی میں چاہتی ہوں۔"

میں نے آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں سے ویرا کو سمجھایا کہ وہ کراچی ہی میں واپسی کی بات پر اصرار نہ کرے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس طرح شری مان سنگھ کو بات ٹالنے کا بہانہ مل جائے گا اور ویرا وہ قصہ نمٹنے سے پہلے ہی بلیو کراس ڈیل کے تعاقب میں ایران چلی جائے گی۔

"تم جس طرح چاہو' ہم عمل کرنے کو تیار ہیں۔" شری مان سنگھ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"لڑکی کو کراچی لانے میں کتنا وقت صَرف ہوگا؟" ویرا نے مجھے آنکھ سے تفہیمی اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کم از کم تین دن.... اس مدت میں ایک آدھ دن کا اضافہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ہماری مشترکہ سرحدوں پر غیر یقینی صورتِ حال رہی ہے جو کسی بھی وقت بگڑ سکتی ہے۔"

"فضائی بلکہ خلائی سفر کے اس دور میں تم تین دن کی بات کر رہے ہو؟" ویرا نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا اسے گدھا گاڑی پر لاد کر کراچی لاؤ گے؟"

"فضائی سفر کے لیے دستاویزات تیار کی جاسکتی ہیں لیکن لڑکی بہت بدمعاش ہے۔ اسے علم ہوگیا کہ اسے پاکستان لایا جارہا ہے تو وہ یہاں پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کروے گی اور ہمارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ اسے زمینی راستے سے ہی یہاں لانا ہوگا۔ اس میں وقت لگ جائے گا۔"

"میرے لیے وقت بہت اہم ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد سخت اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں آج رات سے پہلے اس لڑکی کی واپسی چاہتی ہوں۔ تم دنیا کے کس حصے میں اسے ہمارے آدمیوں کے حوالے کرسکتے ہو؟" ویرا کے لب و لہجے میں پیشہ ورانہ اعتماد جھلک رہا تھا۔ میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ چند منٹ قبل' وہ میرے بدن سے چمٹی' اپنے کھولتے ہوئے جذبات کے عالم میں بھی سردی کھائے ہوئے کسی بچے کی طرح کانپ رہی تھی اور اس وقت بلیک کوئن بن کر اس طرح بول رہی تھی جیسے دنیا کے کئی خطوں میں اس کے باج گزار رہتے ہوں۔

"دہلی میں یہ کارروائی میرے ایک فون پر عمل میں آسکتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے مجھے خبر ملی تھی کہ لڑکی کو راجستھان سے نئی دہلی پہنچایا جاچکا ہے۔" شری مان سنگھ نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد کہا۔

"پاکستان تمہارے لیے مشکل ہے اور بھارت میں میرے رابطے نہیں ہیں۔ کسی اور ملک کی بات کرو!"

"پھر مشرقِ وسطیٰ یا مشرقِ بعید کا کوئی شہر طے کرلو۔ میں پہلی پرواز سے اسے روانہ کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"وہاں کے لیے ہوائی سفر مشکل نہیں ہوگا؟" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر پوچھا۔

"پاکستان میں آنے والے ہر بھارتی شہری' خصوصاً غیر مسلم کو شبے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جب کہ دوسرے ملکوں میں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ ہمارا کوئی بھی آدمی اسے ایک مریضہ کے طور پر ساتھ لے جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ پورے سفر اور منتقلی کی کارروائی کے دوران میں وہ ہوش ہی میں نہ آنے پائے۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر ممالک میں اغوا کے جرم کی سزا موت ہے اس لیے میں ادھر کا خطرہ مول نہیں لوں گی۔ تم اس لڑکی کو ہانگ کانگ پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" شری مان سنگھ نے بلا تامل کہا۔ "مجھے وہاں کا رابطہ دے دو۔ ہانگ کانگ حالانکہ یہاں سے چار گھنٹے آگے ہے لیکن میرے آدمی اسے بارہ بجے سے پہلے وہاں پہنچادیں گے۔"

"ہانگ کانگ کے بارہ بجے؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں' میں کراچی کے وقت کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس وقت ہانگ کانگ میں صبح کے چار بجے ہوں گے۔ نئی دہلی سے وہاں تک کی پرواز خاصی طویل ہے۔ اسے بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بندوبست مجھے منظور ہے۔ اب کان کھول کر سنو بلکہ نوٹ کرلو کہ تمہارے آدمیوں کو ائرپورٹ پہنچنے کے بعد شنگریلا کے کمرا نمبر آٹھ سو بیس میں ٹھہرنا ہے۔ یہ ہوٹل کولون کے علاقے شم ساچوئی ایسٹ میں واقع اور بہت مشہور ہے۔ ان کی بکنگ مس ترپاٹھی کے نام پر کرائی جائے گی۔ ان کے پہنچنے پر کوانگ فو نامی ایک چینی رابطہ کرے گا۔ یہ خیال رہے کہ کوانگ فو کے نام سے آنے والا' مکاؤ کا بہت خوفناک گروہ بند ہوگا۔ وہ ذرا سا شبہ ہونے پر اپنے ننھے سے چاقو کی نوک سے اپنے حریف کی شہ رگ کاٹ دینے میں ملکہ رکھتا ہے۔ تمہارا آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر' کوانگ فو کے ہمراہ کولون کی سمت پر واقع ایک گھاٹ پر جائے گا۔ وہاں سے وہ تینوں ایک تیز رفتار ہوور کرافٹ پر' دوسری جانب ہانگ کانگ کے علاقے وان چائی پہنچیں گے۔ وہاں سے ایک اسپیڈ بوٹ ان تینوں کو لے کر مکاؤ کے لیے روانہ ہوجائے گی۔ مکاؤ پہنچنے کے بعد تمہارا آدمی اپنی مرضی سے کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہوگا۔" ویرا رک رک کر سوچتی اور بولتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پورا منظر اس کی نظروں میں گھوم رہا ہو۔

"میرے آدمی کو مکاؤ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ شنگریلا ہی میں لڑکی کو کوانگ فو کے حوالے کردے گا۔"

"یہ بہت ضروری ہے۔" ویرا نے سختی سے کہا۔ "ہانگ کانگ اور مکاؤ میں رہنے والے جرائم پیشہ چینیوں سے ہانگ کانگ کی برطانوی انتظامیہ بہت خائف رہتی ہے۔ سمندر میں پولیس کی پیٹرولنگ بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ اکثر وہ لانچوں کو سمندر میں گھیر لیتے ہیں تاکہ منشیات اور انسانوں کی اسمگلنگ کا سدِّباب کیا جاسکے۔ ایسے ہی کسی برے وقت کے لیے تمہارے آدمی کی موجودگی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کاغذات وغیرہ کی مدد سے ہانگ کانگ پولیس کو مطمئن کرسکے۔ مکاؤ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔ وہاں کوانگ فو خود حالات سنبھال لے گا۔"

"تم مجھے اپنا نمبر دے دو تاکہ میں اپنا بندوبست کرنے کے بعد تمہیں اطلاع دے سکوں۔"

"فکر نہ کرو۔ ایک گھنٹے بعد میں خود معلوم کرلوں گی۔" ویرا نے یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم نے اسے فی البدیہہ ایسا پروگرام بتادیا جیسے تم نے سب کچھ پہلے سے طے کیا ہوا تھا۔" فون بند ہونے کے بعد میں نے حیرت سے کہا۔ "ان باتوں میں ردوبدل ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوانگ فو ہانگ کانگ یا کولون میں نہ ہو بلکہ مین لینڈ چائنا گیا ہوا ہو۔ چین ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ تم اسے کہاں تلاش کرو گی؟"

"آخاہ!" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "تم بھی ہانگ کانگ کے رہنے والوں کی طرح چین کو مین لینڈ کہتے ہو۔ تم وہاں کب گئے تھے؟ مجھے تو یاد نہیں کہ تم نے کبھی ادھر کا رخ کیا ہو۔"

"میں تمہاری طرح پیدائشی مجرم نہیں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شی میں آنے سے پہلے میں کاروبار میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اسی زمانے میں ہانگ کانگ کے پھیرے لگائے تھے۔ اب تو وہ سب ایک بھولا ہوا خواب محسوس ہوتا ہے۔ کنکریٹ' اسٹین لیس اسٹیل اور شیشوں سے سجے ہوئے اس ننھے سے ملک کی بھی اپنی ایک پُراسرار کائنات ہوا کرتی تھی۔ اونچے پہاڑوں کے دامن میں اونچی اونچی عمارتیں بھی کھلونوں کی طرح نظر آتی تھیں۔ پھر وہاں کے تند خو اور غصیلے چینی دُکاندار' جن کی آنکھ میں سُور کا بال ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے دس بیس فیصد ڈسکاؤنٹ دے دیں گے' گاہک داموں میں کمی کی بات کرے تو برہم ہو کر اسے دُکان سے اتار دیتے ہیں۔"

"ان چینیوں نے ہانگ کانگ میں بڑے مصائب جھیلنے کے بعد اپنی حیثیت بنائی ہے۔ دوسروں کے ساتھ برا سلوک کرکے وہ اپنے

خراب ماضی کا لاشعوری انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا یہ سلوک چھوٹی اور درمیانی دُکانوں میں اجنبی چہروں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ وہ بھی اتنے برے نہیں ہیں...“

”لعنت بھیجو ہانگ کانگ پر!“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”میں نے کچھ اور سوال کیا تھا اور تم نے جواب دینے کے بجائے مجھے کہیں اور الجھا لیا۔ میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔“

”ہانگ کانگ میں، میں نے طویل عرصہ گزارا ہے۔ ایک زمانے میں افیم اور چرس کی تجارت کے لیے وہ علاقہ بھی بہت زرخیز تھا۔ اِردگرد کی ساری پیداواری منڈیوں کا مال وہیں آتا تھا اور وہاں کوانگ فو میرا سرپرست ہوا کرتا تھا۔ وہ دن رات اپنے محل نما مکان میں حسین لڑکیوں اور اپنے پالتو غنڈوں میں گھرا رہتا ہے۔ دنیا بھر کی قیمتی شرابیں، اس مکان میں دن رات پانی کی طرح بہائی جاتی ہیں۔ وہ کسی اہم ترین ضرورت کے بغیر اپنی اس سلطنت سے باہر نہیں نکلتا۔ وہیں پڑا، اپنے کارندوں کو ہدایات دیتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مکاؤ میں ہی ہوگا۔“

”وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے ایک فون پر کولون کی طرف دوڑ لگا دے اور اپنی ساری رات برباد کرے؟ پھر اسے بھی آگے کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا ہوگا۔“ وہ کہانی میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔

”تم اپنی چونچ بند رکھو اور دیکھتے رہو کہ سارا کام کس طرح ہوتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ ہانگ کانگ میں میرا سرپرست بنا ہوا تھا۔ وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتا ہے۔“

”پتا نہیں اپنی ضرورتوں کے تحت تم نے کس کس کو اپنا باپ بنایا ہوا ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”جو تمہارا اصل باپ ہے وہ تمہیں اپنی بیٹی نہیں مانتا اور ایرے غیرے آسانی کے ساتھ تمہارے باپ بن بیٹھتے ہیں۔ ویسے یہ کوانگ فو کس چکر میں تم سے ٹکرایا تھا؟“

”چکر؟“ ویرا نے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ ”خدا کا خوف کرو، ڈینی! وہ شی کا بہت پرانا آئی مین ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ تو روایتی طور پر مافیا کا علاقہ رہا ہے جہاں زمین، سمندر اور فضا میں صرف مقامی ڈان کی مرضی چلتی ہے۔ وہاں شی کب سے اتنی فعال اور طاقت ور ہوگئی؟“

”مافیا کا اثر و رسوخ اٹلی سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچنے تک مدتیں گزر گئی تھیں لیکن شی وجود میں آتے ہی ہزار پابلا کی طرح ہر طرف پھیل گئی تھی۔ اچانک نمودار ہونے کی وجہ سے مقامی گروہ بند بہت جلد اس سے خائف ہو کر کترانے لگے تھے۔ ان کامیابیوں کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ شی نے ہر علاقے کے بہترین اور بے خوف لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹا تھا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو مافیا سلسلے، شی کے ابھرنے سے پہلے ہی اسے کچل ڈالتے۔

اور جمی لائیڈ کے سارے خواب ادھورے رہ جاتے۔“

”اب یہ ہرزہ سرائی ختم کرو اور کوانگ فو کو تلاش کرنے کی کوشش کرو!“ میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا اور وہ بے ہودہ عورت اس بار کسی جونک کی طرح میرے وجود سے چمٹ گئی۔

”تمہاری ان ہی اداؤں پر پیار آتا ہے۔“ وہ چند ثانیوں بعد اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ ”اب جلدی سے نیا پیگ تیار کرو اور اچھے بچّے کی طرح بیٹھ کر تماشا دیکھو کہ میں کس طرح بندوبست کرتی ہوں۔“

اس وقت ویرا کو خوش رکھنا میرے لیے ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔ اس کی دلچسپی کے طفیل، غزالہ کی بازیابی کا ناک ترین مرحلہ یک بیک آسان ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اگر میں اپنے طور پر شری مان سنگھ کے ساتھ مغز زنی کرتا رہتا تو وہ مجھے ایک کے بعد دوسرے کام میں الجھا کر مختلف حیلے بہانوں سے غزالہ کی واپسی کے معاملے کو ٹالتا رہتا اور آخر کار ایک ایسا مرحلہ آجاتا جب میں اپنی کسی لغزش کی بنا پر ہمیشہ کے لیے اس کے ملک دشمن چنگل میں پھنس کر رہ جاتا جس سے شاید مر کر بھی نجات نہ ملتی کیوں کہ میرے ساتھ ساتھ وہ ویرا کے ذریعے پھنسی ہوئی غزالہ کو بھی اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر سکتا تھا۔

میں نے غلام رسول والے معاملے میں اس پر اعتماد کر کے دیکھ لیا تھا کہ بظاہر ایمان دار اور ساہوکار نظر آنے کے باوجود وہ بنیادی طور پر ایک بدنیت آدمی تھا جس سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔ مجھ سے مذاکرات کے دوران میں اس پدر الحرام نے رجنی کے ساتھ اپنی محبت کا ڈراما رچا کر، پورے خلوص کے ساتھ مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے، اپنے اعلیٰ افسران کی مداخلت کی وجہ سے غزالہ کے معاملے پر اپنی گرفت کھو بیٹھا تھا اور اس کی واپسی کے لیے ان لوگوں کی منظوری یا رضامندی کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ جب کہ ویرا کے ساتھ اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے، اس خبیث نے کہیں بھی اپنی بے بسی یا مجبوری کا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا بلکہ ویرا کی ہر بات کو بلا کسی پس و پیش قبول کرتا چلا گیا تھا۔

اب اگر ویرا خانم کی مداخلت کی وجہ سے غزالہ کی رہائی کا مرحلہ اس قدر آسان ہوتا نظر آرہا تھا تو میں اپنی انا پسندی یا غلطی کی وجہ سے اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ویرا کسی آوارہ مزاج شہزادی کی طرح، ٹانگ پر ٹانگ رکھے مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے توجہ اور التزام کے ساتھ نئے گلاس تیار کیے۔ جب میں نے ایک گلاس اس کے سامنے رکھا تو اس نے ایک بے ہودہ سا مطالبہ کر دیا۔

عام حالات میں کسی حسین و جمیل دوشیزہ کے ایسے مطالبے پورا کرنا ایک مرد کی تشنہ آرزوؤں کی فہرست میں شامل ہوتا ہے لیکن اسی کام کو کسی نادرشاہی حکم کے ذریعے ایک فرض بنا دیا جائے تو وہ خاصا ناخوشگوار بلکہ کسی حد تک مشینی عمل بن جاتا ہے۔ میرے لیے وہ اس وقت حکم حاکم مرگِ مفاجات بن گیا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں پوری نزاکت، لطافت اور گرمجوشی سے کام لیتے ہوئے اس ہدایت کی تعمیل کی اور ویرا کھلکھلاتی ہوئی اسپیکر فون کی طرف متوجہ ہوئی۔

جہانگیر کو قدرت نے جہاں ہر قسم کے مالی وسائل سے نوازا تھا وہیں اسے ان وسائل سے مستفید ہونے کے ذوقِ سلیم سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے گھر کے دونوں نمبروں کے ساتھ ہی اس کے اس عشرت کدے کا فون بھی براہِ راست بین الاقوامی رابطوں کی سہولت سے مزین تھا۔

پہلی ہی کوشش میں ویرا کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا اور اسپیکر فون پر ایک بھاری مردانہ آواز میں عجیب سی چوں چاں سنائی دینے لگی جو میرے لیے بالکل ہی ناقابل فہم تھی۔

ان آوازوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی شکستہ چوہے کی دُم کو گنّا پیلنے کی مشین سے دھیمے دھیمے گزارا جا رہا ہو اور چوہا اپنی دُم پر پڑنے والے دباؤ سے بلبلا کر اونچی اور نیچی آوازوں میں چلا رہا ہو۔

میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ویرا کے لیے اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

”یہ کیا کیا تم نے؟“ میں نے غصیلے لہجے میں اس سے پوچھا۔ فون بند کرنے کے بعد وہ ... حسبِ معمول کر ہنس رہی تھی۔

”اور کیا کرتی؟“ اس نے ہنسی کے دوران میں بہ دقت تمام کہا۔ ”تمہارے چہرے کے تاثرات سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تمہیں زبردستی کیسٹر آئل پلا دیا گیا ہو۔ ان آوازوں میں کیا خرابی تھی؟“

”کچھ بھی نہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی چوہے کی دُم مروڑی جا رہی ہو اور وہ درد و اذیت سے بلبلا کر بری طرح چلا رہا ہو۔ وہ میرا اپنا ردِ عمل تھا جسے تم نظر انداز کر سکتی تھیں۔“

اس کی ہنسی یک بیک تیز ہو گئی۔ میں حیرانی اور خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ اس کا دورہ قدرے کم ہوا تو وہ بولی۔ ”تمہارا اندازہ حیرتناک حد تک درست تھا۔ وہ چوہے کی ہی آواز تھی۔ یہ کوانگ فو کا سیکیورٹی سسٹم ہے۔ اس سے بے خبر لوگ اسے کسی قسم کا استفسار سمجھ کر الٹے سیدھے جواب دینے شروع کر دیتے ہیں اور ان کے بولتے ہی وہ کال خود بخود منقطع ہو جاتی ہے۔ ان بے مقصد آوازوں کے جواب میں خاموش رہا جائے تو کال خود بخود کوانگ فو کی سیکریٹری کو منتقل ہو جاتی ہے۔“

”لیکن تم نے فون کیوں بند کر دیا جب کہ تم بالکل خاموش تھیں؟“ میں نے پوچھا۔

”میں خاموش ضرور تھی لیکن تمہارا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر میرے لیے اپنی ہنسی روکنی مشکل ہو رہی تھی۔ میں فون بند نہ کرتی تو میری ہنسی کی آواز ابھرتے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ خدا کے لیے اب اپنے تاثرات پر قابو رکھنا ورنہ میں کوانگ فو سے بات نہیں کر سکوں گی۔“

”ٹھیک ہے!“ میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ”اگر کوانگ فو نے اتنا احمقانہ [illegible] بنایا ہوا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ بظاہر تو وہ کوئی مردانہ آواز ہی معلوم ہوتی ہے۔“

”بس اب بحث نہ کرو!“ ویرا نے [illegible] بارہ اپنا مطلوبہ نمبر ملانے میں مصروف ہو گئی۔

سلسلہ ملنے پر اسپیکر فون پر ایک بار پھر وہی مضحکہ خیز آواز ابھرنے لگی۔ تقریباً تیس سیکنڈ بعد وہ آواز موقوف ہو گئی اور اس بار ایک نرم نسوانی آواز ابھری لیکن تلفظ اور لب و لہجے میں حیرتناک طور پر کوئی نمایاں فرق نہیں تھا یا شاید میرے متعصب کان کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

”میرا نام ویرا ہے۔ میں فادر کوانگ فو سے بات کرنی چاہتی ہے۔“ ویرا نے اس کے خاموش ہو جانے پر انگریزی میں اپنا مُدعا ظاہر کیا۔

”ہولڈ آن فور آ نیت!“ اس بار وہ آواز بہت نرم اور شیریں محسوس ہوئی۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد ہی اسپیکر فون پر خاصی گھن گرج کے ساتھ ایک پُرجوش مردانہ آواز ابھری۔ ”نی ہاؤ، مائی بے بی!“ شاید اس نے اپنے روایتی انداز میں اسے خوش آمدید کہا تھا۔ اس سے آگے اس نے انگریزی زبان استعمال کی تھی جس کا لب و لہجہ بہرحال چینی ہی تھا۔

”تم کہاں ہو اور آج اتنی مدت کے بعد مجھے کیسے یاد کیا ہے؟ میں اکثر تمہیں یاد کرتا رہتا ہوں، میری بچی! کہو، تمہارا غافل باپ تمہارے کس کام آسکتا ہے؟“ بولنے والے کی آواز بلاشبہ شراب کے نشے سے بوجھل تھی لیکن اس کے لہجے سے ویرا کے لیے بے پناہ پیار جھلک رہا تھا۔

اس کے بارے میں سنائی ہوئی، ویرا کی کہانی اگر درست تھی تو میں حیران تھا کہ کوانگ فو جیسا جاہ و جلال والا آدمی ویرا پر اس قدر مہربان کیسے ہو سکتا ہے۔

”میں بھی اکثر تمہیں یاد کر کے روتی ہوں، فادر!“ ویرا نے بھرّائی ہوئی مکّارانہ آواز میں کہا۔ ”دل چاہتا ہے کہ اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں لیکن تم جانتے ہی ہو کہ میرا اصل باپ کتنا ظالم ہے۔ وہ مجھے میری پسند کے ہر کام سے روک دیتا ہے۔ میں برسوں سے ادھر نہیں آسکی ہوں...“

”بُری بات، میری بچی!“ کوانگ فو کی آواز بزرگانہ ہو گئی۔ ”وہ بہت عظیم آدمی ہے۔ سپر آئی مین کے قدموں کی خاک سے ہم سب کی آنکھوں کو نور اور معدوں کو خوراک ملتی ہے۔ اس کے بارے

میں بُرا نہ سوچو۔ وہ ہم سب کا باپ ہے۔ وہ تمہیں اپنے سے دور رکھ کر پال رہا ہے تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ تم میں ہمت اور خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے سائے میں رہ کر شاید تم اتنا آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔"

ویرا کئی منٹ تک اس سے ٹھنکتی اور الجھتی رہی۔ کوانگ فو کا رویّہ کسی مشفق اور خیر خواہ بزرگ کا تھا۔ وہ مسلسل اسے سمجھاتا رہا اور دلاسا دیتا رہا۔ جب وہ مشقِ سخن خاصی طویل ہو گئی تو آخر کار کوانگ فو کو ہی پوچھنا پڑ گیا کہ ویرا نے اسے کیوں یاد کیا تھا۔

"فادر! میری ایک سہیلی کا معاملہ ہے۔" ویرا اس وقت لاڈ بیار میں بگڑی ہوئی کسی بچی کا انداز اختیار کر چکی تھی۔ "وہ کچھ غلط لوگوں کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ آج کسی بھی وقت ایک ہندی اسے اپنے ساتھ لے کر ہانگ کانگ پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں....."

"میں سمجھ گیا۔" کوانگ فو نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے بس لڑکی کا نام اور حُلیہ بتا دو۔ اگلے ایک مہینے تک اس نام اور حلیے کی لڑکی کولون ائرپورٹ سے نہیں نکل سکے گی۔ میرے آدمی اسے وہیں اپنی تحویل میں لے لیں گے اور اسے لانے والے کی لاش کا قیمہ بنا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔"

"نہیں فادر' یہ اتنا لمبا کام نہیں ہے۔" ویرا نے فخر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "وہ آدمی دوستوں میں سے ہے۔ وہ دونوں آج رات کسی بھی وقت آئیں گے۔ تم کولون کے شنگریلا کا آٹھ سو بیس نمبر کمرا مس ترپاٹھی کے نام بک کرا دو۔ وہ دونوں ائرپورٹ سے وہیں آئیں گے۔ تمہارا کوئی بھی آدمی تمہارے نام سے ان سے ملے گا تو وہ تمہارے ساتھ ہو لیں گے۔ شم سا چوئی کے گھاٹ سے تم انہیں دوسری طرف وان چائی کے گھاٹ پر لے جانا جہاں تمہاری اسپیڈ بوٹس ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے خطرے کی وجہ سے وہ آدمی مکاؤ تک تمہارے ساتھ آئے گا۔ اپنی سلطنت میں پہنچنے کے بعد تم لڑکی کو روک کر مرد کو آزاد کر دینا۔ وہ اپنی راہ خود تلاش کر لے گا۔"

اسپیکر فون پر کوانگ فو کی بلند آہنگ ہنسی گونجنے لگی۔ اسی بے ہنگم ہنسی کے دوران وہ بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تو ابھی تک ہانگ کانگ کو نہیں بھولی۔ تجھے یہاں کا ہر گھر گھاٹ اچھی طرح یاد ہے۔ وان چائی میں میرا گھاٹ اب بھی برقرار ہے۔ لنگڑا ہاؤ اسے چلاتا ہے۔ بظاہر وہ سیاحوں کو سمندری تفریح کے لیے کرائے پر بوٹس فراہم کرتا ہے لیکن اندر خانے اصل کام بھی چلتا رہتا ہے۔ لوک ہارٹ روڈ پر دونوں نائٹ کلب بھی پرانی سج دھج سے چل رہے ہیں۔ وہاں ایرک موک دیکھ بھال کرتا ہے کیونکہ مس چوائے کو دو سال پہلے فالج نے معذور کر دیا تھا۔ لیکن تیرے کام کے لیے مجھے خود ہی شنگریلا جانا ہوگا۔

ان دونوں کی لحہ بہ لحہ رنگ بدلتی ہوئی' وہ گفتگو سن کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے پیشانی پر چڑھی جا رہی تھیں۔ ویرا نے کوانگ فو جیسے گرگِ باراں دیدہ کو حیرتناک طور پر شیشے میں اتار رہا تھا۔

"نہیں فادر!" ویرا نے ٹھنک کر اصرار کیا۔ "پچھلے چند برسوں میں تم اور بھی موٹے ہو گئے ہو گے۔ تمہارے لیے چلنا پھرنا مشکل ہے۔ یہ کام تو تمہارا کوئی پالتو کتا بھی کر سکتا ہے۔"

"تُو ٹھیک کہتی ہے' میری بچی! آج کل میرا وزن پونے تین سو پونڈ ہو رہا ہے۔ جب کرنے کے لیے کوئی کام ہی نہ ہو تو آدمی شراب پی پی کر موٹا ہوتا رہتا ہے..."

"ایسا نہ کہو' فادر!" ویرا نے کسی مخلص خیر خواہ کی طرح تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس علاقے میں سارا کام تم ہی چلا رہے ہو۔"

"ایک زمانہ تھا کہ کوانگ فو جوان تھا۔" اس کی آواز میں حسرتیں سمٹ آئیں۔ "اس زمانے میں میں کینٹان کے گردونواح میں پھیلے ہوئے ویران گھاٹوں سے اپنی اکلوتی موٹر بوٹ میں سیکڑوں چینیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بھر کر ہانگ کانگ پہنچاتا تھا۔ ان ہزاروں مفلس بھگوڑوں میں سے آج بہت سے لوگ کروڑ پتی ہو چکے ہیں مگر وہ میرا احسان مانتے ہیں کہ سخت ترین حفاظتی انتظامات کے باوجود میں نے انہیں چین کی گھٹن سے نکال کر ہانگ کانگ کی فضاؤں میں پہنچایا تھا۔ میرا اصل دَور وہی تھا۔ اب تو بس میرا ذہن کام کرتا ہے جسم پڑے پڑے فربہ ہو رہا ہے۔ اچھے کارکن مل جانے سے یہی ایک نقصان ہوتا ہے کہ آدمی نکما ہونے لگتا ہے۔ اچھی ٹیم نہ ہو تو آدمی بھاگ بھاگ کر کانٹا ہو جاتا ہے لیکن اس کے دماغ کو زنگ لگ جاتا ہے۔"

"تم بہک رہے ہو' فادر!" ویرا اس خونخوار آئی مین سے گستاخی کی حد تک بے تکلف تھی۔ "میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں شنگریلا جانے کی ضرورت نہیں۔ مکاؤ سے کولون تک خاصی لمبی مسافت ہے۔ اس ایک گھنٹے میں تم شراب کی آدھی بوتل پی سکتے ہو۔ یہ کام تمہارا کوئی آدمی بھی کر سکتا ہے۔"

"نہیں!" اس بار کوانگ فو کا لہجہ بوڑھے بلڈاگ کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ "میں نے تیری باتوں سے اندازہ لگا[illegible] کہ تو آنے والوں کو میرا نام دے بیٹھی ہے۔ میں اپنے کسی آدمی کو اپنا نام استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس عمر میں بس نام ہی تو چلتا ہے۔ انہوں نے میرے نام کو بھی بٹا لگا دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ تیری مس ترپاٹھی کو میں خود مکاؤ لاؤں گا۔ تو نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں بھیجی جائے گی؟"

"اسے بھیجنے کی بات تو بعد میں آئے گی' پہلا مسئلہ تمہارا ہے۔" ویرا نے مکارانہ انداز میں مجھے آنکھ مار کر اسپیکر فون میں

کہا۔ "میں انہیں فون کر کے نام تبدیل کیے دیتی ہوں تاکہ تمہیں مکاؤ سے نہ نکلنا پڑے۔"

"مجھے غصہ مت دلا میری بچی!" کوانگ فو کی غصیلی آواز بھی محبت آمیز تھی۔ "تُو جو کچھ کہہ چکی ہے' وہ اٹل ہے۔ تجھے میری بوڑھی ہوتی ہوئی ہڈیوں پر بھروسا نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ میں یہ کام خود کروں گا۔ باپ اپنی بیٹیوں کے کام نہ آئیں تو گِدھ بھی ان کی لاشوں کو نوچنے سے شرماتے ہیں۔"

"فادر!" اس بار ویرا کی زبان سے اضطراری نعرہ ابھرا تھا۔ "کاش تم اپنی یہ بات میرے اصل باپ کو بھی سنانے کی ہمت کر سکو۔ میری پوری عمر ایسے ہی کسی سائے اور سائبان کی تلاش میں گزری ہے۔ میرے لیے تمہاری ذات ایک مقدس سائے اور سہارے کی طرح ہے۔"

"میری باتوں میں سُپر آئی مین کا عکس دیکھنے کی کوشش نہ کرو۔" کوانگ فو کی آواز یک بیک سخت اور بے رحمانہ ہو گئی۔ "برفانی چٹانوں پر سورج کی کرنوں کا پُرجلال رقص دیکھنے والی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ مجھے اس برتر ذات سے نہ ملاؤ۔ میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ تم نے اُسی کے نطفے سے جنم لیا ہے۔ ورنہ تم سے بھی کم عمر کی لڑکیاں دن رات میری خدمت کرتی ہیں۔"

کوانگ فو کا وہ تبصرہ بہت خوفناک اور زہرہ گداز تھا۔ ویرا سے کئی ثانیوں تک اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا اور وہ حیرت سے دیدے پھاڑے مجھے دیکھتی رہ گئی۔

"ٹھیک ہے فادر!" طویل سکوت کے بعد ویرا نے کہا۔ "جو تم چاہتے ہو' اب وہی ہوگا۔ مکاؤ سے مس ترپاٹھی کو جلد از جلد پاکستان پہنچانا ہے۔"

"پاکستان؟" کوانگ فو کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "یہ وہی ملک تو نہیں جو بھارت کی جڑ میں سے ذرا مشرقِ وسطیٰ کی طرف نکلا ہوا ہے؟"

"تم ٹھیک سمجھے ہو۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لڑکی کو اسی ملک کے ساحلی شہر' کراچی میں پہنچانا ہے۔"

"اسے وہاں کس کے حوالے کیا جائے گا؟ وہاں میر اکبر خان ہمارا آدمی ہے۔"

"میر اکبر کو بھول جاؤ۔ وہ مارا جا چکا ہے۔" ویرا نے مجھ پر ملامت آمیز نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکی ایک بار کراچی پہنچ جائے تو اپنی راہ خود تلاش کر لے گی۔"

"شاید میری کوئی بات تمہیں بری لگ گئی ہے۔" ویرا کے لہجے کی سرد مہری کو محسوس کرتے ہوئے خرانٹ کوانگ فو نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"نہیں' فادر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ویرا کا لہجہ بدستور مضمحل تھا۔ "میری حالت تو راہ میں پڑے ہوئے ایک ایسے شرابی کی سی ہے جو پوری دنیا کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتا ہے۔ اسے اپنی اصلیت اور حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی بہکا ہوا راہ گیر اس کی پسلیوں میں پوری قوت سے ٹھوکر رسید کرتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج یہ کام تم نے کیا ہے۔ تمہاری لگائی ہوئی ٹھوکر مجھے مدّتوں تک اپنی اصلیت کی یاد دلاتی رہے گی۔ میں اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ جو کچھ ہوں' وہ اپنے باپ کے طفیل ہوں۔"

"اپنی اصل کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔" اس بار کوانگ فو کا ردِّعمل جذباتی نہیں تھا۔ "تم حرامی ہو یا حلالی۔ یہ میرا اور تمہارا معاملہ نہیں کیونکہ اس پر ہم دونوں کا کوئی بس نہیں تھا۔ یہ معاملہ تمہارے ماں باپ کے درمیان تھا۔ میرے لئے ساری اہمیت اس بات کی ہے کہ تم سُپر آئی مین کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہو اور وہ تمہارے اس دعوے کی تائید کرتا ہے' نہ تصدیق۔ اس کا مطلب ہے کہ بظاہر تم سچی ہو۔ اسی اعتبار کی بنا پر میں نے تم کو اپنی بیٹی بنایا اور سمجھا ہے۔ یہ میرا کوئی احسان نہیں ہے۔ اس میں میری اپنی غرض مندی بھی شامل ہے۔ سُپر آئی مین ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا۔ اسے بھی اپنے عقیدے کے مطابق دفن ہونا ہے یا اس کی لاش پر مردار خوروں کی ضیافت ہوگی۔ پھر اس کی جگہ تم سنبھالو گی۔ اگر تم سے میری اچھی رسم و راہ رہی تو میں اپنے آخری وقت تک عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہوں گا۔ تم سے نہ بن سکی تو آخری عمر میں مجھے ہزاروں حسرتوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"ایسا نہیں ہوگا' فادر!" ویرا نے اس بار جذبات سے عاری اور سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے مشروط طور پر بیٹی بنایا ہے لیکن میں نے اپنی کسی غرض کے بغیر تمہیں اپنا فادر تسلیم کیا تھا۔ تمہیں اپنے الفاظ پر قائم رہنے یا نہ رہنے کی پوری آزادی ہے لیکن مجھے تم ہمیشہ اپنی بیٹی ہی پاؤ گے۔"

"تم عقل سے یکسر عاری ہو۔" اسپیکر فون پر کوانگ فو کی غصیلی آواز ابھری۔ "تم بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ سیدھی سادی رشتوں کی بات تھی جسے تم الجھا رہی ہو۔ بہر حال اب کچھ بھی ہو' تمہاری مس ترپاٹھی کل تک کراچی پہنچا دی جائے گی۔"

"فادر!" ویرا نے مجروح اور مضمحل لہجے میں کہا۔ "یہ بھی میری کوئی ہدایت نہیں' ایک التجا ہے۔ تم چاہو تو میری اس فرمائش کو اب بھی ٹھکرا سکتے ہو۔"

"تم شاید پاگل ہو گئی ہو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس لڑکی کو مکاؤ لانے کے لئے' میں خود کولون جاؤں گا۔ تمہاری یہ خواہش میرے لئے ایک امانت بن چکی ہے۔"

"میں اس تعاون پر تہِ دل سے تمہاری شکر گزار ہوں۔" ویرا نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر میری کسی بات سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو میں پورے خلوص کے ساتھ معافی چاہتی ہوں۔ دراصل قصور میرا ہی تھا کہ میں اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں پر ناز کرتی رہی۔ میں بھول گئی

تھی کہ میرے اوپر تمہاری تمام مہربانیاں میرے باپ کی وجہ سے تھیں۔ تمہارے محل میں اپنے سے کم خوبصورت لڑکیوں کو تمہارے پہلو میں دیکھ کر ہی مجھے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ تم مجھے اس فوج میں شامل کرنے کے بجائے بیٹی بنا رہے ہو تو اس کا کوئی گہرا اور خفیہ سبب ہوگا۔ وہ سبب مانع نہ ہوتا تو تمہارا ذوق مجھے بیٹی کے بجائے نئی محبوبہ ہی قرار دیتا۔"

"بس، اب خاموش ہو جاؤ۔" کوانگ فو کی آواز میں قدرے درشتی عود کر آئی۔ "تم نوجوان لڑکیوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ تم اپنے خوابوں کے جزیروں میں رہنا چاہتی ہو اور اگر کوئی ہمدرد تمہیں حقیقت کا آئینہ دکھائے تو اس سے ناراض ہو جاتی ہو۔ میں اگر، مگر اور قیاس آرائیوں پر یقین نہیں رکھتا، اٹل حقیقتوں پر چلتا ہوں۔ مجھے تم ہمیشہ ایک باپ کی طرح نرم اور مہربان پاؤگی کیونکہ کوانگ فو اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا۔"

"ٹھیک ہے فادر! پھر میں کراچی میں لڑکی کا انتظار کروں گی۔" ویرا نے کہا۔ میں نے اسے گھور کر اس قضیئے کو مزید طول دینے سے روک دیا تھا۔

"میں ابھی کولون کے لئے نکلتا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت کوئی نرم گرم بات تمہارے کام پر اثر انداز ہوگی۔ میں نے کھلے دل سے تم سے بات کی ہے اور میرے دل میں کوئی رنجش نہیں ہے؟"

"شکریہ فادر۔" ویرا نے آہستہ سے کہا۔ "ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد میں بھی سب کچھ بھول بھال کر نارمل ہو جاؤں گی۔ تم میرے مزاج سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے پر ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ جمی لائیڈ کیسے جاں نثاروں کے ذریعے دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ یہ لوگ سوتے ہوئے بھی اس کی برتری اور عظمت کے خواب دیکھتے ہوں گے۔"

"اس کی ہر بات درست اور سچ تھی۔ وہ جس کا کھاتا ہے، اسی کے گُن گاتا ہے۔ تمہیں اس کی کسی بات کا برا نہیں ماننا چاہئے تھا۔ اس جیسا حریص اور ندیدا بدمعاش اگر تم جیسی حسین و جمیل دوشیزہ کو پھانسنے سے گریز کرتا ہے تو اس کے بہت قوی محرکات ہونے ضروری ہیں..."

ویرا زور سے ہنس پڑی۔ "اب تم مجھے لیکچر دو گے۔ میں پہلے دن سے ہر بات جانتی ہوں۔ میں تو اس سے یوں ہی کھیل رہی تھی۔ بس اُس کی ایک بات ہی میرے دل کو لگی تھی جس پر میں لمحہ بھر کے لئے جذباتی ہو گئی تھی ورنہ یہ سب میری نپی تلی اداکاری تھی..."

"اس کی کس بات کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے اس کا فقرہ درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"وہی جو بیٹیوں کے کام نہ آنے والے باپوں کے بارے میں تھی۔ کوانگ فو کے الفاظ نے مجھے اندر تک سے جھنجوڑ کر بے قابو کر دیا تھا۔ اب تم سمجھ لو کہ میں نے کس طرح خود کو سنبھالا ہوگا۔"

"تمہیں اس سے اتنی زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہ تھی..." میں نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیئے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ طویل تعطّل کے بعد [illegible] کام کی بات نامناسب ہوتی۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں نے اسے بہت چالاکی کے ساتھ گھیرا ہے۔ غزالہ کا معاملہ وہ اپنے کسی آدمی کے حوالے کر دیتا تو وہ سب ہی ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہتھے چڑھ سکتے تھے۔ کوانگ فو بہت چالاک اور بارسوخ آدمی ہے۔ اسے ہر ایک افسر اچھی طرح جانتا ہے اور اس کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے۔ بعض بزدل افسران تو اپنی جان کے خوف سے اس کی راہ میں حائل ہونے سے بھی کتراتے ہیں۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اسے کیسے گھیرا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ "اس نے تو خود ہی کولون جانے کی پیشکش کی تھی۔ اس میں تمہاری کون سی چالاکی پنہاں تھی؟"

"میں نے شری مان سنگھ کو دانستہ کوانگ فو کا نام دیا تھا۔ میں اس وقت بھی جانتی تھی کہ کوانگ فو اپنے نام سے کسی اور کو نہیں جانے دے گا۔ وہ اپنی ساکھ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے آدمی بلیک ڈریگن کے نام سے آپریٹ کرتے ہیں اور ان کا ایک مخصوص شناختی نشان ہوتا ہے۔ میں نے ابتدا ہی سے یہ خیال رکھا تھا کہ وہ خود غزالہ کا معاملہ سنبھالے۔ تمہارے لئے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔"

"میں اس تعاون پر تمہارا احسان مند رہوں گا لیکن یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ غزالہ کا مسئلہ تمہارا ہی پیدا کیا ہوا ہے جسے تم خود ہی سلجھا رہی ہو۔ سب سے زیادہ اطمینان اور خوشی کی بات یہ ہے کہ شری مان سنگھ نے تمہارے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ شرافت کے ساتھ تمہاری ہر بات کو مانتا چلا گیا۔ اس نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ تمہارے بارے میں اس پر خاصا دباؤ تھا۔"

"سفارتی جرائم میں صورتِ حال اور ترجیحات بہت تیزی کے ساتھ بدلتی ہیں۔" ویرا بولی۔ "اس کے مفاہمانہ رویئے سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں ایک بار پھر شی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شری مان سنگھ نے اسی وجہ سے شرافت کا مظاہرہ کیا ہو۔"

"ایک بار غزالہ کراچی آ جائے تو پھر میں ایک ایک کر کے سب کو دیکھ لوں گا۔" میں نے اپنے گلاس سے آخری گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔" اس نے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈالتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "اگلے چوبیس گھنٹوں میں غزالہ واپس آنے والی ہے۔ کچھ اس کے استقبال کی مشق بھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ [illegible]

وقت پر تمہیں بھولا ہوا کوئی بھی سبق یاد نہ آئے اور وہ تمہیں کوس کر رہ جائے۔"

"تم ٹین ایجرز جیسی بے تابی اور بے قراری کا مظاہرہ کر رہی ہو۔" میں نے خاصی قوت سے مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔ "جب تم رات کو یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ ہی کر چکی ہو تو صبر سے کام لو۔ ابھی شری مان سنگھ کو فون کرنا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی لوٹ آئے گا۔ ہمیں اس کے سامنے مہذب رہنا ہوگا ورنہ اسے مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کسی بہانے سے آج رات کے لئے اسے باہر ٹال دو۔ ایک ہی چھت کے نیچے اس کی موجودگی کا احساس میرے موڈ کو غارت کر کے رکھ دے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایسے معاملات میں تم بھی اس سے دبتے ہو۔"

"مشرق میں اسے باہمی لحاظ اور مروّت کہا جاتا ہے ورنہ کوئی کسی کو ہاتھ تھام کر نہیں روک سکتا۔"

"لحاظ اور مروّت کی باتیں مجھے نہ سناؤ۔ میں نے زندگی کو بہت قریب سے اور اس کے گھناؤنے روپ میں دیکھا ہے۔ شاید تم یقین نہ کرو لیکن میں نے تمہارے ہی ملک کے ایک باپ اور اس کے بیٹے کو وینس کے ایک ہوٹل میں عجیب حال میں دیکھا تھا۔ پیسے بچانے کے لئے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ باپ کمرے میں ایک عورت کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا اور بیٹا نیچے بار میں وھسکی پی کر بے تابی سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"تو اس میں کون سی خرابی ہے؟ وہ کمرے میں کروٹ لے کر تو نہیں سو سکتا تھا۔ اسے لامحالہ اپنے باپ کے واپس لوٹنے کا انتظار کرنا تھا۔ تم بعض اوقات بے سروپا باتوں کے افسانے بنا لیتی ہو۔"

"تم دانستہ میری بات کو سمجھنے سے گریز کر رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے تیزی سے بولی۔ "بات عورت کی واپسی کی نہیں بلکہ باپ کی واپسی کی تھی کیونکہ باپ کے بعد بیٹے کو اس خاتون سے ملاقات کرنی تھی۔ کمرے کی طرح عورت میں بھی حصے داری کر کے وہ بچت کر رہے تھے تاکہ زیادہ دنوں تک عیش کر سکیں۔"

"اور انہوں نے خود ہی تمہیں یہ سب بتا دیا؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"انہوں نے نہیں بلکہ صرف لڑکے نے۔" اس نے غصے میں کہا۔ "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ لڑکا انتظار اور اضطراب کے عالم میں بار میں بیٹھا وھسکی پی رہا تھا۔ الکحل میں ہزاروں خرابیاں ہوں' تو ہوں مگر ایک اچھائی یہ ہے کہ یہ انسان کو سچ بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ لڑکا اپنے اعتراف پر ذرا بھی شرمسار نہیں تھا۔ اسے فخر تھا کہ اس کے' اپنے باپ سے دوستانہ مراسم ہیں۔ اب بتاؤ کہ اسے مشرق میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ کھلی ہوئی بے شرمی اور بے حیائی ہے۔ ایسے مستثنیات ہر علاقے میں ہوتے ہیں۔ ان کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ ویسے مجھے شبہ ہے کہ تم سے اس لڑکے کی کتھا سننے یا سمجھنے میں کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔"

"بات سننے اور سمجھنے سے آگے تک گئی تھی۔ مجھے اس میں دلچسپی اور سنسنی محسوس ہوئی اور میں وہاں بیٹھی رہی۔ وہ بار بار اپنی رسٹ واچ اور بار کے دروازے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ جوں ہی اسے بار کے دروازے پر اپنے باپ کی شکل نظر آئی' وہ تقریباً دوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ بار میں ہر جگہ بیٹھے ہوئے لوگ براجمان تھے لہٰذا وہ شخص اپنے بیٹے کے خالی کیے ہوئے اسٹول پر میرے قریب آبیٹھا۔ اس کے چہرے پر سکون اور آسودگی کا راج تھا۔ تم چاہو تو میں تمہیں ان دونوں کے نام بھی بتا سکتی ہوں۔ چمڑے یا چمڑے کے ملبوسات کی صنعت میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ کوئی گرے پڑے اور مفلوک الحال سیاح نہیں تھے۔"

اس کے باتوں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے میں اس کی جارحانہ حرکتوں سے بچا ہوا تھا جب کہ شری مان سنگھ کو فون کرنے میں تھوڑی سی دیر تھی' اس لیے میں نے بے یقینی سے کہا "یہ لیے تمہاری باتیں ناقابلِ فہم ہیں' ویسے تم خود جانتی ہو کہ مشرق اور مغرب کی سماجی اور معاشرتی اقدار میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔"

"میں فرق کو تسلیم کرتی ہوں لیکن تمہیں ماننا پڑے گا کہ مغرب کے مقابلے میں مشرق میں دوغلا پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہاں ہر کام کو چھپا کر کیا جاتا ہے ورنہ ہر ایک پارسا بنا پھرتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا تجزیہ درست ہو' میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اب آگے سنو!" اس نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "باپ نے اسٹول سنبھالتے ہی ٹماٹر کا جوس طلب کیا تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا کہ وہ جوس پر اکتفا کیوں کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ الکحل اس کے مذہب میں حرام ہے اور میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔"

"تم نے دنیا جہان کے سارے تضادات ان ہی دونوں سے منسوب کر دیے ہیں۔ پتا نہیں اپنی ان بے سروپا باتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟" میں نے قدرے چڑچڑے پن کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

خاصی طویل بحث اور تکرار چھڑ گئی۔ جب ویرا نے ان دونوں کے نام لیے تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا کیونکہ صنعت اور تجارت سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود' میں ان ناموں سے آشنا تھا۔

اسی دوران میں ایک گھنٹے کا مقررہ وقت پورا ہو گیا اور ویرا شری مان سنگھ کا نمبر ملانے لگی۔

"سارا بندوبست ہو گیا ہے۔" ویرا کی آواز پہچانتے ہی شری مان سنگھ نے حوصلہ افزا لہجے میں کہا "وہ دونوں مسٹر اور مسز پاٹھی کے ناموں سے سفر کریں گے۔ نئی دہلی سے وہ بنکاک اور وہاں سے ہانگ کانگ جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں کچھ زیادہ وقت لگ جائے گا۔"

"یہ تبدیلی مجھے پسند نہیں آئی۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے لیے وقت کا معاملہ بہت اہم ہے۔ اب مجھے آگے تک تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ ان دونوں کی منتقلی کے لیے شیڈول پروازوں پر انحصار کرنے کے بجائے تم کوئی چھوٹا جہاز چارٹر بھی کر سکتے تھے۔"

"ہمارے یہاں جہاز چارٹر کرنے کی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری "کسی سرکاری ادارے سے جہاز مستعار لینے میں بھی خاصا وقت صرف ہوتا اس لیے میں مجبور تھا۔ میرے لیے وقت کو مزید کم کرنا ممکن نہیں تھا۔ وقت بچانے کے لیے ان دونوں کو بنکاک کے راستے بھیجا جا رہا ہے کیونکہ ہانگ کانگ کے لیے براہِ راست پرواز علی الصبح سے پہلے دستیاب نہیں ہے۔ میں زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے' ہمارے آئندہ کے تعلقات کا انحصار اس ڈیل کی کامیاب تکمیل پر ہوگا۔"

"تم مجھے اپنا نمبر دے سکو تو میں تمہیں ڈیل مکمل ہوتے ہی اطلاع دے دوں گا۔"

"میں چند مجبوریوں کی وجہ سے اپنا فون نمبر نہیں دے سکتی۔ تمہارے آدمی کی کارکردگی کی اطلاع مجھے براہِ راست ہانگ کانگ سے مل جائے گی۔ وہاں میرے بہت مضبوط روابط ہیں۔"

"دراصل اس کے علاوہ بھی کچھ ضروریات ہیں۔ یہاں ہمارا ایک سیکرٹ ایجنٹ کافی دنوں سے لاپتا ہے۔ نئی دہلی سے بھی کچھ کاغذات آ رہے ہیں۔ ان معاملات میں' مَیں تم سے مدد لینا چاہتا ہوں۔"

ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا "لڑکی واپس آ جائے تو میں دو چار روز میں خود تم کو فون کر لوں گی لیکن تم میرے بارے میں پڑنے والے دباؤ کا سامنا کیسے کر سکو گے؟"

"ہماری ہر ڈیل اب خفیہ رہے گی۔ تفصیل مَیں بعد میں بتاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے' پھر اب چند دنوں بعد بات ہوگی۔" ویرا نے کہا اور بٹن دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی۔ ان لوگوں کو ملّا سرکار کے لاپتا ہونے سے بدترین تشویش اور پریشانی لاحق ہو چکی تھی اور ملّا کی تلاش کے سلسلے میں ہر ممکن ذریعے سے مدد لینے پر تل گئے تھے۔ اسی فہرست میں ویرا کا نام بھی تھا۔ اس نے نئی دہلی سے جن کاغذات کی آمد کا ذکر کیا تھا' ان کی نوعیت کے بارے میں بھی مَیں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان میں کیا ہوگا۔

سندھ میں ملّا سرکار کا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں وغیرہ کی بھاری کھیپ لانے والی لانچ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی جب کہ وہ لوگ سندھ میں مکمل تباہی پھیلانے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے' ان کی دانست میں چتا تیار تھی اور اس پر تیل چھڑک کر دیا سلائی دکھانے کی دیر تھی۔ اس لیے وہ لوگ کسی متبادل منصوبے پر اپنے کام کا آغاز کر سکتے تھے تاکہ ملّا سرکار کے حامیوں کے بکھرنے سے پہلے ہی ان کی موثر قوت سے بھرپور فائدہ اٹھا کر سندھ میں آگ اور خون کی ہولی شروع کرائی جا سکے۔

وہ معاملات کا ایک ایسا رخ تھا جس پر بعد میں بھی غور کیا جا سکتا تھا۔ فوری اہمیت غزالہ کی آزادی کی تھی۔ بظاہر ہمارے پاس کافی وقت تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ ویرا کے روانہ ہونے سے پہلے ہی غزالہ ہانگ کانگ میں کوانگ فو کی تحویل میں آ چکی ہوگی جب کہ کوانگ فو اپنے قول کا دُھنی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ غزالہ ایک بار اس کے قبضے میں آ گئی تو وہ اسے پاکستان بھیجنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔

وہ سارے معاملات ویرا نے طے کیے تھے۔ شری مان سنگھ اس سے دبا ہوا تھا۔ کوانگ فو اس سے بھرپور تعاون پر آمادہ تھا اس لیے میری دلی خواہش تھی کہ غزالہ سے متعلقہ مسائل ویرا کی موجودگی ہی میں حل ہو جائیں تاکہ کسی دیر سویر کی صورت میں وہ ان دونوں سے رابطہ کر سکے۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ سہولت ختم ہو جاتی۔ میری طرف سے کی جانے والی کوئی بھی پیش قدمی حالات کو خطرناک حد تک بگاڑ سکتی تھی اس لیے میرے پاس انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ جب کہ دوسری طرف بلیو کراس ڈیل کا معاملہ ایک تیز دھار تلوار کی طرح ہمارے سروں پر معلّق تھا۔ میری خواہش تھی کہ ویرا وقت ضائع کیے بغیر ایران کی طرف روانہ ہو جائے لیکن اس نے اپنی ضد کی وجہ سے میرے پاس شب بسری کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابتدا میں مجھے اس کا وہ فیصلہ گراں گزرا تھا لیکن بعد میں جس طرح ویرا کی مداخلت سے غزالہ کی بازیابی کے آثار پیدا ہوئے' اس کی بنا پر مجھے اس کا رک جانا بہتر نظر آنے لگا تھا۔

"سلطان شاہ کو بھگانے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" مجھے اپنے خیالات کی رَو میں مستغرق پا کر ویرا نے مجھے ٹہوکا دیتے ہوئے سوال کیا۔

"اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" میں نے فوری بہانا نہ بنایا۔ "میں اسے سمجھا بجھا کر کسی نہ کسی طرح ٹال سکتا ہوں لیکن تمہاری موجودگی میں اس کا رویّہ خاصا جارحانہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آئے گا کہ تمہارے آ جانے کی وجہ سے میں اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں یک بیک شکوک و شبہات کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"اس وقت ساڑھے تین بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "تم سلطان شاہ کی واپسی سے پہلے بازار وغیرہ کی طرف نکل جاؤ۔ میں سلطان شاہ کو یہ بتاؤں گا کہ تم واپس جاچکی ہو لیکن کوئی بندوبست نہ ہونے کی صورت میں تمہاری واپسی کا امکان بھی ہے۔ میں اسے سمجھادوں گا کہ تمہاری واپسی کی صورت میں، میں تم پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے تمہیں دیکھتے ہی وہ فلیٹ سے ٹل جائے۔ صبح وہ واپس آئے گا تو میں اسے تمہارے ذریعے غزالہ کی واپسی کی خوش خبری سنادوں گا اور وہ خوش ہوجائے گا۔"

"خدا کی پناہ، ڈیئی!" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے بولی "تم کس قدر چالاک اور مکار ہو کہ اپنے جگری دوست کے لیے ایک ایسی کہانی سوچ بیٹھے ہو کہ وہ بھول کر بھی تمہاری نیت پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"اس وقت میری لگام تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا "تمہارے سائے میں آکر ہر شخص شیطان کا چیلا بن سکتا ہے۔"

"اچھا، تو میں چلی!" وہ وینٹی بیگ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے اپنا گلاس بھی خالی کرلیا۔

اسے رخصت کرتے ہی میں بے تابانہ انداز میں فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ویرا کے آجانے کی وجہ سے میرا ہر ایک سے رابطہ منقطع ہوکر رہ گیا تھا۔ غلام رسول والا معاملہ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں ظفر سے ملے بغیر واپس آگئے تھے اور اس کے پاس ہمارا پتا ٹھکانا تک نہیں تھا۔ اس کے علاوہ مجھے سیٹھ حبیب جیوانی یا پھر شیر شاہ سے ضرور بات کرنی تھی تاکہ مافیا والوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کرسکوں، مجھے امید تھی کہ شیر شاہ ویرا کے فلیٹ پر وقت برباد کرنے کے بجائے معلومات حاصل کرکے لوٹ آیا ہوگا۔

ظفر میری آواز پہچانتے ہی خوش ہوگیا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کی نوبت آئی۔ میں پریشان تھا کہ تم نہ جانے کہاں رُوپوش ہوگئے ہو۔"

"کہیں نہیں، بس ایک دوست کے گھر پر ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تمہارے مصروف ہوجانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکے رہنا دشوار ہوگیا تھا۔"

"کیا کسی نے کوئی بدتمیزی یا حکم عدولی کی تھی؟" اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری۔

"نہیں" میں نے جلدی سے کہا "تمہارے آدمیوں نے بھرپور طریقے سے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہمیں ذرا سی بھی کامیابی نہ ہوتی۔ بچے کی بازیابی کے ساتھ ہی ہم سمگلنگ تک بھی پہنچ گئے تھے۔"

"مجھے وہ سب خبریں مل چکی ہیں۔ تمہیں بچے کی بازیابی مبارک ہو۔ جنونی مجرموں سے کوئی بات بعید نہیں ہوتی۔ مجھے ... کہ کہیں بچے کو ہلاک نہ کردیا گیا ہو۔"

"بچہ اپنی ماں کے پاس ہے اور حیرت ناک سرعت ... اس کا ذہنی توازن سنبھل رہا ہے۔" میں نے اس کی دلجوئی ... اندھیرے میں تیر پھینکا حالانکہ مجھے جہانگیر یا سلمٰی سے ... فرصت ہی نہیں مل سکی تھی۔

"اور اس تھیلما کنگ کا کیا بنا؟" اس وقت ظفر بہت الجھا ... میں معلوم ہورہا تھا۔

"اسی کے سلسلے میں بھاگ دوڑ جاری ہے۔ شاید جلد ہی ... میرا ہاتھ آجائے۔" میں نے اس قلیل سی مدت میں اس سے ... جھوٹ بولا۔

"اب تم فوری طور پر یہاں آجاؤ۔ میرے پاس تمہارے ... ایک بہت بڑی خبر ہے۔"

"کس بارے میں؟" میں نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

"غلام رسول کے سلسلے میں سرکاری طور پر تمہیں دس لاکھ روپے کا نقد انعام دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے ... کاغذات تیار کرنے ہیں جو تمہارے آئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتے۔"

"تم میری پوزیشن اور مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا "میں کسی بھی صورت میں ... انعام نہیں لے سکوں گا۔ میں نے جو کچھ کیا، انعام کے لیے نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہارا ماضی کریدا جائے گا، نہ تمہاری ... ہوگی۔ یہ بہت بڑا کام ہوا ہے۔ ہر طرف اس کارنامے کی دھوم ... ہوئی ہے مگر تمہارا نام ابھی تک صیغۂ راز میں ہے۔ اخبارات ... وہی کچھ چھپا ہے جو ہم نے انہیں فراہم کیا ہے، اس سے آگے ... قیاسات چل رہے ہیں۔"

"ان کاغذات میں میری جگہ اپنے کسی اچھے ماتحت کا نام ... دو!" میں نے لجاجت کے ساتھ کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ میں ... لوگوں میں گھرا ہوا ہوں۔ کسی کو اس بات کی بھنک بھی مل ... غلام رسول کی تباہی میں میرا ہاتھ تھا تو ہر طرف میرے دشمن ... ہوجائیں گے۔"

"انہیں ہم دیکھ لیں گے۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں ... کی۔

"تمہارے آدمی شب و روز میری حفاظت نہیں کر ... لوگ نادیدہ سایوں کی طرح اپنے شکار کا پیچھا کرتے ہیں ... ساتھ کسی مناسب موقع کا انتظار کرتے ہیں اور پھر اچانک ... مہلک وار کرکے روپوش ہوجاتے ہیں۔"

"اچھا، تم یہاں آجاؤ، پھر ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہیے" اس کی آواز تفکر آمیز ہوگئی۔

"شاید میں آج نہ آسکوں۔ اس کے لیے میں معذرت ... ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"تو کیا یہاں آنے میں بھی تم کوئی خطرہ محسوس کررہے ہو؟" اس مرتبہ اُس کا لہجہ قدرے ترش تھا۔

"دد... دراصل آج میرے دوست نے بچے کی بازیابی کی خوشی میں ایک محدود سی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو وہ بہت برا منائے گا۔ میں کل کسی وقت آجاؤں گا۔" میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ایک معقول ترین بہانہ سوچتے ہوئے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"وہ دعوت واقعی بہت اہم اور ضروری ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "پھر میں کل شدت کے ساتھ تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے پاس بلیو کراس ڈیل کے بارے میں بھی اہم خبریں ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ویسے رجنی کا کیا حال ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اس نے بہت اچھل کود مچائی لیکن اب اس کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔"

"بس تم دعا کرو کہ مجھے تھیلما کا سراغ مل جائے تو ہمارا سب سے بڑا مسئلہ حل ہوجائے۔"

"تم ویرا کو بار بار تھیلما کیوں کہہ رہے ہو؟ تمہارے لیے تو وہ نہ جانے کب سے ویرا ہی چلی آرہی ہے۔"

"اس کا نیا نام بھی خاصا اچھا ہے۔ کل ملیں گے تو اس بارے میں بھی بات ہوگی۔"

"شاید نام بدلنے سے تمہیں عورت میں کسی نئے پن کا احساس ہوتا ہوگا؟"

"نام بدلنے کے بعد سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ملوں گا تو اس نکتے پر بھی غور کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے ایک جاندار قہقہے کے ساتھ کہا اور اس نے جوابی قہقہے کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اگلی باری ٹریڈ لائن کی تھی۔ سیٹھ حبیب جیوانی مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ چند دنوں تک دفتر نہیں آئے گا مگر مجھے امید تھی کہ شیر شاہ سے میری بات ہوسکے گی۔

فون کا سلسلہ ملنے پر آپریٹر نے مجھے بتایا کہ شیر شاہ دفتر میں واپس نہیں لوٹا تھا البتہ چیف اپنے دفتر میں موجود تھا۔ میرے لیے وہ اطلاع حیرت ناک ہی نہیں، غیر متوقع بھی تھی۔

"لائن چیف کو دے دو!" میں نے خشک لہجے میں اسے ہدایت کی۔

لمحہ بھر میں حبیب جیوانی لائن پر آگیا اور خاصے پُرجوش لہجے میں بولا "یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہارا فون آگیا۔ میں نے شیر شاہ سے بھی کہہ دیا تھا کہ اس کا تم سے رابطہ ہو تو تمہیں میری طرف بھیج دے۔"

"میں اس بار لمبے ہی چکر میں ہوں اور کامیابی بہت قریب نظر آرہی ہے......"

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے کہنا شروع کردیا "تم بہت اچھے جارہے ہو۔ شیر شاہ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے فون پر مجھے رپورٹ دی ہے۔"

شیر شاہ کے فون کی بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی کیونکہ میں نے اسے خاص طور پر فلیٹ کا فون نمبر دیا تھا تاکہ وہ مجھ سے رابطہ برقرار رکھ سکے لیکن اس وقت مجھے خیال آیا کہ شری مان سنگھ اور کوانگ فو سے ویرا کی گفتگو کے دوران میں میرا فون کافی دیر تک مسلسل مصروف رہا تھا۔ رابطہ قائم کرنے میں مسلسل ناکامی کی بنا پر شیر شاہ یہی سمجھا ہوگا کہ میرا فون خراب ہوگیا ہے۔ وہ اپنی دانست میں ویرا کی کمین گاہ کی نگرانی کے اہم مشن پر مامور تھا اور زیادہ دیر تک اپنی ڈیوٹی کے مقام سے دور نہیں رہ سکتا تھا اس لیے اس نے ٹریڈ لائن فون کرکے پیغام دینے کی کوشش کی ہوگی لیکن وہاں اتفاق سے چیف بذاتِ خود موجود تھا، اس لیے شیر شاہ کو اپنی کہانی اسی کو سنانے کا موقع مل گیا۔ وہ اتفاق میرے حق میں بہت اچھا تھا کیونکہ میرے کہے بغیر چیف کو ہر بات معلوم ہوچکی تھی۔

"اس کی رپورٹ کیا رہی؟" میں نے تجسس کا مظاہرہ کرتے ہوئے چیف سے پوچھا۔

"وہ فلیٹ ویرا کا ہی ہے۔ وہ تین دن پہلے وہاں پہنچی تھی۔ اس نے اپنے کسی پڑوسی سے ملنے جلنے کی کوشش نہیں کی۔ آج اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ تم دونوں کے پہنچنے سے چند منٹ قبل نکل گئی ورنہ آج وہ اپنے بچوے دان میں پکڑلی گئی ہوتی۔ شیر شاہ پوری ہوشیاری سے اس فلیٹ کی نگرانی کررہا ہے۔"

"وہ بہت محنتی اور فرض شناس آدمی ہے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں تبصرہ کیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں چند دن کے لیے گھر پر رہوں گا۔ تم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے غیر متوقع طور پر دفتر آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"میں یہ جسارت کیسے کرسکتا ہوں۔" میں نے اُس کی کمزوری سے کھیلتے ہوئے کہا "تم چیف ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے مالک ہو۔ گھر میں رہو یا دفتر میں، تم سے کون سوال کرسکتا ہے؟"

"دراصل یہاں ریکارڈر پر میرے لیے ایک اہم پیغام موجود تھا۔ آپریٹر نے اپنے کی بورڈ پر سگنل دیکھ کر مجھے اطلاع دی اور میں یہاں دوڑا چلا آیا۔"

"وہ کیا پیغام تھا؟" اس کے خاموش ہوجانے پر میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ طویل عرصے سے ملتوی ہونے والی میٹنگ کا وقت آگیا ہے۔ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آج سے تیسرے دن میں دوپہر دو بجے اپنے دفتر میں موجود رہوں۔"

"یہ ڈان کا پیغام تھا؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔
"ڈان تھری کا پیغام تھا۔" اس کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی "لیکن یہ وہ ڈان نہیں ہے جو تم سے ملا تھا۔ اسے باغیوں کے خلاف ایک موثر کارروائی کے نتیجے میں ترقی مل گئی ہے۔ اس کی جگہ کوئی نیا آدمی آیا ہے جو اپنی آواز سے بہت ذہین اور سخت معلوم ہوتا ہے۔"
"پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ سوال کیا۔
"فی الحال عیش کرو!" اس کے جواب سے میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ٹل گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "لیکن آج سے تیسرے دن مقررہ وقت پر دفتر میں موجود رہنا نہ بھولنا۔ نہ جانے مجھے کب تمہاری ضرورت پیش آجائے۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں صبح ہی سے دفتر میں جم کر بیٹھ جاؤں گا' لیکن یہ یاد دلادوں کہ میں عیش نہیں کررہا۔ میں نے ویرا کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی زندگی عذاب بنالی ہے۔"
"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کوشش کرو کہ میں مقررہ وقت پر ڈان تھری کو اس بارے میں کوئی بڑی خوش خبری سنا سکوں۔"
"لیکن ابھی تو تم التوا میں پڑے ہوئے اجلاس کا ذکر کررہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس اجلاس میں مافیا اور ٹی میں کسی قابلِ عمل سمجھوتے پر غور کیا جانا تھا۔ میری کامیابی اس مقصد پر برا اثر نہیں ڈالے گی؟"
"ہرگز نہیں" اس نے پُرزور لہجے میں کہا "جنگ بندی ہونے سے پہلے ہر فریق کے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا ہوجاتی ہے تاکہ آخری لمحات پر حاصل کی جانے والی کامیابیوں کے سہارے جنگ بندی کے معاہدے میں مراعات حاصل کی جاسکیں۔ ہم کو ہر وقت اپنے بڑوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے کہا۔
"کوئی کام کی بات ہو تو مجھے گھر پر فون کرلینا۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کردیا۔
ان دونوں فون کالز کے بعد میرا ذہن بہت ہلکا ہوچکا تھا۔ ظفر نے میری حیلہ جوئی پر تھوڑی سی ناراضی کا مظاہرہ کیا تھا مگر میں اس سے بھی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرا مدّعا صرف اتنا تھا کہ غزالہ کی بحفاظت واپسی تک میں پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنی منصوبہ بندی کرسکوں۔
معاً میری نگاہ اپنی رِسٹ واچ پر پڑی تو میں چونک پڑا کیونکہ وہاں چار بج کر گیارہ منٹ ہورہے تھے۔
مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سلطان شاہ نے فلیٹ سے جانے سے پہلے چار بجے تک اپنی واپسی کا عندیہ دیا تھا۔ میں اس کی خُوبُو سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ وقت کے معاملے میں وہ میرے ساتھ انگریز بننے کی کوشش کرتا تھا' اگر اس نے واپسی کے لیے چار بجے کا وقت دیا تھا تو اسے نارمل حالات میں اس وقت تک فلیٹ میں ہونا چاہیے تھا۔
وقت دھیمے دھیمے آگے سرکتا رہا اور اسی کے ساتھ میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ سلطان شاہ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اگر وہ غیر متوقع طور پر کہیں پھنس ہی گیا تھا تو اسے فون کرکے مجھے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔ میرے ذہن میں اس کی سلامتی کے بارے میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔
شہر میں جن لوگوں سے میرا واسطہ تھا' ان سب ہی سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہوچکے تھے۔ ایک ویرا مقابلے پر رہ گئی تھی تو آخر کار اس سے بھی مصالحت ہوگئی تھی۔ ان حالات میں' میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سلطان شاہ کی سلامتی کو کن لوگوں کی طرف سے خطرات لاحق ہوسکتے تھے۔
تنہائی اور انتظار کے ان کٹھن لمحات میں جب میرے لیے اعصابی تناؤ ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو میں نے وقت گزارنے یا خود کو بہلانے کے لیے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔
"تم کہاں غائب ہو؟" میری آواز سنتے ہی جہانگیر اپنی روایتی خوش دلی کے ساتھ چہکا "میں تو بچے کو دیکھتے ہی جذبات سے ایسا مغلوب ہوا کہ تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا بھول گیا۔ اس بار تم نے واقعی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ بچہ ایک دو دن اور نہ ملتا تو سلمٰی ہمیشہ کے لیے پاگل ہوجاتی۔"
"پاگل بیویوں کے عقل مند شوہروں کو ہمیشہ کے لیے من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی ہے۔" میں نے اس کے موڈ کا ساتھ دینے کے لیے مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"یار' ایسا نہ کہو!" اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری "ذہنی فتور کے عالم میں وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ یوں پھاڑ کھانے کو دوڑتی تھی کہ میرا سیروں خون خشک ہوجاتا تھا۔ وہ مجھ سے اس طرح بچے کی واپسی کا مطالبہ کرتی تھی جیسے میں نے ہی اسے کہیں غائب کرایا ہو۔"
"اب سلمٰی کا کیا حال ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔
"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بچے کی گم شدگی کی خبر سنتے ہی' لاہور سے اس کا بڑا بھائی آگیا تھا۔ وہ ماں بیٹے کو آج صبح کی پرواز سے لاہور لے گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہاں رہ کر سلمٰی تیزی سے نارمل ہوسکے گی۔ ویسے بچہ واپس ملنے کے بعد اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی رُونما ہوئی تھی اور وہ ہر ایک کو پہچاننے لگی تھی۔"
"اس کا مطلب ہے کہ آج سے تم پھر لنڈورے رہ گئے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"تم بھی یہیں آجاؤ' مل بیٹھ کر اپنے دلوں کا بوجھ ہلکا کریں گے۔" اس نے پیشکش کی۔

"آج نہیں آسکتا' میں تمہارے فلیٹ ہی میں ہوں لیکن اکیلا اور بہت پریشان ہوں۔ آج سلطان شاہ کہیں غائب ہوگیا ہے۔ میں اس کی طرف سے فکرمند ہوں۔"
"اوہ! پھر تو میں خود ہی تمہارے پاس آتا ہوں۔ وہ کب سے لاپتا ہے؟"
"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں پھنس گیا ہو اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئے۔ لیکن عام طور پر وہ ایسا نہیں کرتا' اس لیے میں پریشان ہوں۔ تم ادھر نہ آنا۔ میرے پاس کچھ ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارا سامنا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ جیسے ہی آئے گا تو میں فون کرکے تمہیں مطلع کردوں گا۔"
پانچ' ساڑھے پانچ اور پھر چھ بھی بج گئے' باہر اندھیرا پھیلنے لگا لیکن سلطان شاہ کی واپسی کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے البتہ ساڑھے چھ بجے ویرا واپس لوٹ آئی۔
دروازے پر میرے پریشان چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ حیران رہ گئی۔
"کیا ہوا؟ تمہارا چہرہ اس قدر بے رونق اور اترا ہوا کیوں ہے؟" اندر داخل ہونے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا پھر میرے کچھ بولنے سے قبل ہی اس نے اگلا اور اہم ترین سوال بھی کرڈالا "سلطان شاہ کہاں ہے؟ کہیں وہ تم سے ناراض ہوکر تو نہیں چلا گیا؟"
"وہ سرے سے واپس ہی نہیں آیا اور یہی میری پریشانی کا اصل سبب ہے۔"
"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر صوفے پر گر گئی "تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایسے منہ لٹکائے بیٹھے ہو جیسے تمہارے سر پر آسمان گرا ہو۔ وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ دیر سویر سے واپس لوٹ ہی آئے گا۔ اتنی سی بات پر تمہیں اتنا فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"
"دس پندرہ منٹ کی تاخیر ہوسکتی ہے لیکن اب ساڑھے چھ بج رہے ہیں۔ وہ میرے ساتھ اتنی غیر ذمے داری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لیے کیا کیا جائے؟"
"کچھ بھی نہ کرو اور میرے ساتھ بیٹھ کر ایک آدھ پیگ چڑھا ڈالو۔ تھوڑی دیر میں ذہن بالکل صاف اور ہلکا ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اتنی دیر میں وہ بھی لوٹ آئے۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بھی اپنے برابر میں صوفے پر کھینچتے ہوئے کہا "اب میں تمہارے لیے جِن نہیں' وسکی تیار کرتی ہوں۔"
ویرا گلاس میں وسکی انڈیلنے لگی اور میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔
وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور ویرا اپنی باتوں سے میرا دھیان ہٹانے کی کامیاب کوشش کرتی رہی۔ ابتدا میں مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسنا پڑ رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ میری کھوپڑی پر سے بھی کہر چھٹنے لگی۔
سلطان شاہ کے ساتھ اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش ہی آگئی تھی تو میں اس کے لیے فوری طور پر کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ شہر بہت وسیع تھا' اس میں کسی ایک شخص کا کھوج نکالنا ناممکنات میں سے تھا۔ شہر کے اسپتالوں اور تھانوں سے رجوع کرنا خود اپنے لیے مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ کھل کر سامنے آنے کی صورت میں' مَیں خود دشواریوں میں گھِر سکتا تھا۔
بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ میری پریشانی کی وجہ سے ویرا کے سر سے رومان کا وہ بھوت اتر گیا جو شام کو اس کے سر پر چڑھ کر ناچ رہا تھا۔
"کہو تو شری مان ہی کو چھیڑا جائے کہ نئی دہلی میں کیا ہو رہا ہے۔" ویرا نے کہا۔
"بے سود ہے' فوری طور پر شاید وہ کچھ بھی نہیں بتاسکے گا۔ اس طرح اسے معاملے کو غیر ضروری اہمیت دینے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اب تو اس سے صبح ہی بات کرنا۔"
"یہاں سے نکل کر میں اپنی روانگی کا بندوبست بھی کر آئی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "کل دوپہر کی پرواز سے میں کوئٹہ جارہی ہوں۔ وہاں سے سرحد پار کرکے ایران میں داخل ہوجاؤں گی۔"
"اس طرح تو ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ جانے سے پہلے تم

کوانگ فو سے ہی براہِ راست معلومات حاصل کرسکوں گی۔" مجھے اس کا پروگرام امید افزا نظر آرہا تھا۔

دس بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میرے ہینڈ سیٹ اٹھانے سے پہلے ہی ویرا نے اسپیکر فون آن کردیا اور اس پر جہانگیر کی آواز سن کر زیرِ لب مسکرانے لگی۔

اس کی آواز پر گہرا نشہ غالب تھا مگر پھر بھی اسے سلطان شاہ کی فکر تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ سلطان شاہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا تو اس کی آواز میں اداسی رچ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر' میری پریشانی بانٹنے کے لیے فلیٹ کی طرف آنے کا ارادہ کیا مگر میں نے بوکھلا کر اسے منع کردیا۔

"اسے سلطان شاہ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ہی فون پر اسے بتایا تھا۔ میں یہ چیک کرنا چاہ رہا تھا کہ کہیں سلطان شاہ اسی کی طرف نہ نکل گیا ہو۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"اس کی بیوی کا اب کیا حال ہے؟" ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"اس کی حالت ابھی بھی خراب ہے۔" میں نے اسے شرمندہ کرنے کی نیت سے کہا "اس کا بھائی بہتر علاج اور ماحول کی تبدیلی کے لیے اسے بچے سمیت لاہور لے گیا ہے۔"

"اشتعال کے عالم میں مجھ سے بعض اوقات خاصی سنگین حماقتیں سرزد ہوجاتی ہیں۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "بعد میں مجھے خود بھی اپنے ایسے اقدامات پر افسوس ہوتا ہے۔"

"کم از کم مجھ سے بلاوجہ کی باتیں نہ کیا کرو۔ تمہارے ضمیر یا ذہن پر ذرا سا بھی بوجھ ہوتا تو تم بچے کو کہیں بھی ڈال سکتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی بچے کو اس کے ورثا تک پہنچا دیتا۔"

"بعد میں سے میری یہ مراد نہیں کہ اغوا کے فوراً بعد ہی مجھ پر شرمندگی کا دورہ پڑگیا تھا۔ وہ تو ایک مسلسل ذہنی کیفیت تھی جو مجھے تمہارے ساتھ ہی تمہارے متعلقین کے خلاف بھی اکسا رہی تھی۔ اس کا خاتمہ اس وقت ہوا ہے جب میری تم سے مصالحت ہوگئی۔ وہ انتقامی جنون ختم ہونے کے بعد میں اب سوچتی ہوں تو اس معصوم بچے کا اغوا ایک ظلم محسوس ہوتا ہے۔"

"یہ بھی غنیمت ہے کہ دیر سے ہی سہی' تم اپنا احتساب تو کرتی ہو۔"

"تمہارے ساتھ اب مجھے بھی سلطان شاہ کے بارے میں تشویش ہونے لگی ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ اب مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"اس فلیٹ میں بیٹھ کر تم کیا کرسکو گی؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔" ویرا نے کہا اور پھر وہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

اس نے یکے بعد دیگرے متعدد فون نمبر ملائے۔ بعض نمبروں پر اس کا مطلوبہ آدمی موجود نہیں تھا البتہ اس نے تین مختلف افراد کو سلطان شاہ کا حلیہ بتا کر اُس کا سراغ لگانے کی ہدایت کی۔ ان تینوں کو رپورٹ دینے کے لیے ویرا نے اسی فلیٹ کا فون نمبر دیا تھا۔

دو بجے تک فون پر مصروفیات کا سلسلہ جاری رہا۔ باہر سے رپورٹیں بھی آرہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی حوصلہ افزا بات سامنے نہیں آرہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آج میں نے اسے یہاں سے بھگانے کی بات کرکے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" آخر کار ویرا نے تھکے ہوئے انداز میں کہا "قدرت نے میری بات سن لی اور خود ہی اسے یہاں سے غائب کرنے کا بندوبست کردیا۔ بعض خیالات حیرت ناک طور پر حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری زبان سے آج پہلی بار قدرت کا ذکر سن رہا ہوں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"بے بسی اور مجبوری کے لمحات میں ہی آدمی کو کسی ایسی قوت کا خیال آتا ہے جو اس کے خواب و خیال اور ارادوں سے بھی زیادہ قوی ہے۔ آج میرے اور تمہارے ساتھ کچھ ایسی ہی صورت درپیش ہے۔"

اسی لمحے فلیٹ کی ڈور بیل گونجی اور ساتھ ہی کسی نے بے تابانہ انداز میں دروازے پر دستک دی اور میں غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔

میرے وہاں پہنچنے تک دروازہ خاصی شدت سے پیٹ ڈالا گیا تھا۔

میرا ہاتھ اضطراری طور پر ہونٹ کی طرف بڑھا لیکن میں یہ سوچ کر ٹھٹک کر رہ گیا کہ سلطان شاہ کے پاس فلیٹ کی چابی ہوتی ہے۔ اگر وہ آیا ہے تو اسے دستک دینے یا ڈور بیل بجانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ یقینی طور پر کوئی اور ہی تھا۔ مجھے محتاط ہوکر دروازہ کھولنا چاہیے تھا۔

"کھول چکونا!" چوبی دروازے کے اس پار سے درد میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری اس کے ساتھ ہی باہر والے نے شاید مایوسی کے عالم میں اپنا سر دروازے پر مارا تھا۔

اس بار میں نے وہ بگڑی ہوئی آواز واضح طور پر پہچان لی۔ وہ یقینی طور پر سلطان شاہ ہی تھا۔ میں نے جوں ہی دروازہ کھولا' وہ اپنی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا میری آغوش میں آرہا۔ اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ سارا چہرہ خون اور زخموں سے ڈھکا ہوا تھا' لباس تار تار تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے ہی بلڈنگ کا ادھیڑ عمر چوکیدار حیرت اور خوف کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ شاید سلطان شاہ کو سہارا دے کر اوپر تک لایا تھا۔ میں نے شکریہ ادا کرکے چوکیدار کو رخصت کیا۔ اس وقت تک ویرا بھی میری مدد کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے دروازہ بند کیا اور ہم دونوں سلطان شاہ کو خواب گاہ میں لے گئے۔

سلطان شاہ نڈھال ہوکر بستر پر گر گیا۔ اس نے آنکھیں موندلی تھیں اور بند پپوٹوں کے نیچے اس کی آنکھوں کی پتلیاں تیزی کے ساتھ یوں گھوم رہی تھیں جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔ ویرا کسی ماہر نرس کی طرح اس کے زخموں کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئی۔

"سلطان' سلطان شاہ!" میں نے اس کے الجھے ہوئے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے پکارا "یہ سب کیا ہے اور کیسے ہوگیا؟"

اس نے داہنا ہاتھ قدرے بلند کرکے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنی کہانی سنانے سے پہلے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"ابھی اسے نہ چھیڑو!" ویرا نے دھیمی آواز میں مجھے مشورہ دیا۔ "اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ ہونٹ بھی کٹے پھٹے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی زبان بھی زخمی ہو' ہمت ہوگی تو یہ خود ہی بولے گا۔"

سلطان شاہ نے پھولی ہوئی آنکھیں کھول کر' غنودگی کے سے عالم میں باری باری ہم دونوں کو دیکھا' اس کے سوجے ہوئے ہونٹوں پر خفیف سا کھچاؤ پیدا ہوا۔ شاید اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں ناکام رہا پھر اس نے تھکے ہوئے انداز میں دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

مجھے جہانگیر کے فلیٹ میں موجود سہولتوں کا سرے سے کوئی علم ہی نہیں تھا لیکن ویرا نے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر سلطان شاہ کی طبی امداد کے لوازم فراہم کرلیے اور ڈیٹول ملے ہوئے گرم پانی کی مدد سے ہولے ہولے زخموں کو صاف کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"ہوشیار رہو!" چند منٹ بعد سلطان شاہ نے سنبھالا لے کر گھٹی ہوئی آواز میں پہلی بار زبان کھولی تو مجھے ویرا کے قیاس کی داد دینا پڑی کیونکہ سلطان شاہ کی زبان متورم محسوس ہورہی تھی۔

"وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں دھاوا بول سکتے ہیں۔" وہ رک رک کر کہہ رہا تھا "وہ بہت سفاک اور خونخوار درندے معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں تمہاری تلاش ہے۔"

اس کا وہ انکشاف سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی سرایت کرگئی۔

"کچھ تو بتاؤ کہ وہ کون ہیں اور تم سے کہاں ٹکرا گئے؟" ویرا نے اس کے چہرے کے زخموں کی صفائی کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ "ہمیں تفصیلات کا علم نہیں ہوا تو ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

"میں کشمیر روڈ کے ایک لان سے نکل رہا تھا۔" اس نے رک رک کر بولنا شروع کیا "کہ اچانک ہی ایک کار میرے قریب آکر رکی اور تین آدمی نکل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے بہت مزاحمت کی لیکن وہ تینوں بہت جسیم اور قد آور تھے۔ ان میں سے کسی نے میری کنپٹی پر ایک زوردار ضرب لگائی اور میں بے ہوش ہوگیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ ویرا اس کے زخموں کی دیکھ بھال کے ساتھ ہی اس کی کہانی بھی سن رہی تھی جب کہ میں نے تب تک برے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہتھیار یکجا کرنے شروع کردیے تھے۔

"بعد میں ہوش آیا تو میں کسی عمارت کے ایک کمرے میں بند تھا اور وہی تینوں' خونخوار تیوروں کے ساتھ میرے سامنے موجود تھے۔" سلطان شاہ نے دوبارہ بولنا شروع کردیا تھا "میرے لیے ان کے چہرے اجنبی تھے لیکن وہ میرے ساتھ تمہارے نام سے بھی واقف تھے۔ مجھ سے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم کو کہاں گھیرا جاسکتا ہے۔ میرے انکار پر وہ میرے ساتھ تشدد پر اتر آئے۔ وقفوں وقفوں سے یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ ان کا خیال تھا کہ بے تحاشا مار کھانے کے بعد میری قوتِ برداشت جواب دے جائے گی اور میں سب کچھ اگلتا چلا جاؤں گا لیکن ایسا نہیں ہوسکا اور آخر کار وہ تینوں ہی بری طرح مجھ پر پل پڑے۔ مکوں' لاتوں اور ٹھوکروں سے انہوں نے میرے جسم کے ہر حصے کو نشانہ بنایا اور آخر کار میرے حواس جواب دیتے چلے گئے۔"

"اس پوری کارروائی میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی تمہارے سامنے نہیں آیا؟"

"شروع سے آخر تک وہی تینوں رہے۔ ان میں سے ایک آدمی وقفے وقفے سے باہر جاتا آتا رہا' وہ شاید فون پر کسی کو رپورٹ دے کر نئی ہدایات لے رہا تھا۔ اگر انہوں نے مجھے ایک کرسی سے نہ باندھا ہوتا تو میں موقع پاکر دو آدمیوں کو زیر کرنے کی کوشش کرسکتا تھا......"

"یہ سب فضول باتیں ہیں' پہلے تم اپنی اصل کہانی مکمل کرو!" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اس کے بعد تھوڑی دیر پہلے مجھے ہوش آیا تو میں کھلے آسمان کے نیچے ٹھنڈی اور نرم گھاس پر پڑا ہوا تھا اور میرا پورا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میرے قرب و جوار میں بالکل سناٹا تھا۔ اس وقت میرا ذہن ماؤف تھا لیکن آزادی کے احساس نے مجھے حوصلہ دیا اور میں گرتا پڑتا ہوا' وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پہچان لیا کہ مجھے کشمیر روڈ کے قرب و جوار ہی میں ڈالا گیا تھا۔ رات خاصی گزر چکی تھی اور میری حالت بہت خراب تھی مگر میں اکا دکا راہ گیروں سے بچتا بچاتا کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔"

سلطان شاہ نے پانی مانگا۔ ویرا نے لاکھ کوشش کی کہ وہ تقویت کے لیے تھوڑی سی برانڈی پی لے لیکن سلطان شاہ نے اس حالت میں بھی برانڈی قبول کرنے سے سختی سے انکار کردیا۔

چند منٹ کے تعطل کے بعد ویرا نے اس سے پوچھا "تمہیں یہ

خیال کیسے آیا کہ وہ یہاں دھاوا بول دیں گے؟"

"ان کا اصل مقصد ہی ڈیبی تک پہنچنا ہے۔ انہوں نے مجھے ادھ مُوا کر کے اسی لیے آزاد کیا کہ میں ہوش میں آتے ہی اپنے ٹھکانے کا رخ کروں گا۔ یہ بات اسی وقت میرے ذہن میں آجاتی تو میں ہرگز بھی ادھر کا رخ نہ کرتا بلکہ کہیں اور نکل جاتا لیکن اس وقت میرا ذہن دھندلایا ہوا تھا اور میرے حواس باختہ تھے اس لیے میں سیدھ باندھ کر اسی طرف چل دیا۔ بظاہر دور دور تک کوئی نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ انہوں نے یہاں تک میرا پیچھا کیا ہوگا۔ فلیٹ میں پہلا قدم رکھتے ہی مجھے اس بات کا دھیان آیا تھا۔ انہوں نے یہ گھر دیکھ لیا ہے اور اب بھرپور تیاری کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں آجائیں گے۔"

"تمہیں ان کی کسی بات سے یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون لوگ تھے یا کس کے لیے کام کر رہے تھے؟" ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں!" سلطان شاہ نے مایوسی سے کہا "جب تک میرے ہوش و حواس ساتھ دیتے رہے میں ان کی باتوں پر پوری طرح دھیان دیتا رہا لیکن وہ بہت محتاط تھے۔ مجھے کوئی سرا نہیں مل سکا۔"

"یہاں رہ کر تو ہم بری طرح گھیر لیے جائیں گے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا "ہمیں کوئی نہ کوئی راہ تلاش کرنی ہوگی۔"

اس دوران میں وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی سلطان شاہ کی مرہم پٹی سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اتنی احتیاط اور نرمی سے کام لے رہی تھی کہ سلطان شاہ کو ایک مرتبہ بھی احتجاج کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ بے چون و چرا ویرا کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

"میرا خیال قدرے مختلف ہے۔" میں نے کہا "یہ رہائشی عمارت ایک گنجان آبادی میں واقع ہے۔ وہ یہاں کسی بھی کارروائی کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ وہ گولیاں برساتے ہوئے بلڈنگ میں گھس بھی آئے تو ان کے لیے یہاں سے نکلنا دشوار ہوجائے گا ایسی کسی کامیاب کارروائی کے لیے انہیں بھاری نفری کی ضرورت ہوگی جو بیک وقت اندر اور باہر کے محاذ سنبھال سکے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں ایک بار یہاں دھاوا بول چکی ہوں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"لیکن تمہیں اس کا انجام بھی معلوم ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "تمہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔"

"اس وقت تمہارے مسلح آدمی باہر بھی پھیلے ہوئے تھے لیکن آج صورتِ حال مختلف ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" اس نئی صورتِ حال نے مجھے خاصا پریشان کردیا تھا۔

"تم اول خان سے بات کیوں نہیں کرتے؟" اس نے ... کر کہا "اس کے مسلح آدمی باہر رہ کر اس عمارت کی نگرانی کر... رہیں تو نہ صرف خطرہ ٹل جائے گا بلکہ ہم دن کے اجالے ... بحفاظت یہاں سے نکل سکیں گے۔ میری رائے میں اس وقت ... حل سب سے مناسب رہے گا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "یہ کام اسی وقت ہوجانا چاہیے۔"

ان دونوں کی بات معقول تھی لیکن میرے سامنے یہ الجھن درپیش تھی کہ میں نے ویرا کے معاملے میں ظفر کو اندھیرے میں رکھا ہوا تھا کیونکہ اس میں میرا اپنا مفاد تھا۔ دوسری طرف ویرا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اول خان کا تبادلہ ہوجانے کے بعد اس کی جگہ ظفر آچکا تھا۔ اگر میری فون کال کے نتیجے میں ظفر جوش میں آکر خود ہی فلیٹ پر آجاتا تو میرے لیے صورتِ حال کو سنبھالنا دشوار ہوسکتا تھا۔

لیکن یہ بات طے تھی کہ اس وقت ہمارے سامنے اس سے بہتر کوئی راہ موجود نہیں تھی، اس لیے میں نے تمہید باندھنے کی نیت سے ویرا سے کہا "مشکل یہ ہے کہ اول خان آج کل چھٹی پر چلا گیا ہے۔ اس کی جگہ جو شخص کام کر رہا ہے، اس سے میری زیادہ بے تکلفی نہیں ہے۔"

"پھر بھی کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟" ویرا نے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ انکار کردے گا۔ ہمیں حسرت تو نہیں رہے گی کہ ہم نے کوشش نہیں کی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں اسے تمہارے بارے میں بھی ایک کہانی سناؤں گا اور تم اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ تمہارا نام شامل ہونے سے میری بات میں زور پیدا ہوجائے گا اور اول خان کا جانشین فوری کارروائی پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں ہمیشہ تمہارے سیاہ و سفید میں گلے گلے ساتھ دیتی رہی ہوں۔"

ڈریسنگ ہوجانے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کی وجہ سے سلطان شاہ کی حالت خاصی بہتر ہوگئی تھی، غنیمت یہ تھا کہ اس کے سارے زخم سطحی نوعیت کے تھے۔ اس کے جسم کی کسی ہڈی وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے وہ بستر سے اتر آیا تاکہ باتھ روم میں جاکر لباس وغیرہ تبدیل کرسکے۔

میں ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگیا تاکہ ظفر سے بات کی جاسکے۔

"اول خان کے جانشین کا نام تم نے ابھی تک نہیں بتایا" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ظفر!" میں اس کے شکایتی انداز پر بے ساختہ ہنس پڑا "اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟"

"خدا کا شکر ہے کہ تمہارے ہونٹوں پر ہنسی تو نظر آئی۔" وہ میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑبڑائی "ورنہ شام سے کسی جواں سال بیوہ کی طرح، منہ لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔"

اسٹیشن فور کا نمبر ملانے پر دوسری طرف سے فوراً ہی آپریٹر کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں، مجھے ظفر صاحب سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"صاحب سو رہے ہیں، ضروری کام ہو تو میں جگادوں؟" آپریٹر نے ادب کے ساتھ کہا۔

"ضروری کام نہ ہوتا تو میں صبح کے تین بجے ہرگز فون نہ کرتا۔" میں نے نرمی کے ساتھ جواب دیا۔

آپریٹر مجھے لائن ہولڈ کرا کے غائب ہوگیا لیکن ایک منٹ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ ظفر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھی۔

"ہیلو، ڈینی! کیا بات ہے؟ اتنی صبح فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

میں نے معنی خیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میں ویرا سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ وہ اس وقت میرے ساتھ ہی موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمارے ستارے بھی چل پڑے ہیں لیکن اسی کے ساتھ کچھ نامعلوم لوگ ہمارے لہو کے پیاسے ہوگئے ہیں۔"

"کون لوگ ہیں وہ؟" اس کی آواز سے نیند کا نشہ ہرن ہوگیا۔ وہ میرے ساتھ ویرا کی موجودگی کے بارے میں میرا اشارہ بھانپ گیا تھا اس لیے اس نے خلافِ عادت ویرا کے بارے میں کسی بھی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر، براہِ راست مطلب کی بات شروع کردی۔

"کچھ نہیں معلوم، سلطان شاہ کسی کام سے باہر گیا تھا تو انہوں نے اس پر بہت زیادہ تشدد کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس وقت بھی باہر منڈلا رہے ہوں گے۔"

"تم فلیٹ مقفل کرکے اندر ہی بیٹھے رہو۔ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ فوراً آرہا ہوں۔" اس نے مزید چھان بین میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کہا۔

میں نے اسے فلیٹ کا پتا اور محلِ وقوع بتایا۔ میری بات سمجھتے ہی اس نے ریسیور شاید کریڈل پر رکھ دیا۔

"تم بلاوجہ ہی پریشان تھے، وہ تو بہت شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ویرا بولی۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ شاید یہ تمہارے نام کا اثر تھا کہ وہ فوراً حرکت میں آنے پر آمادہ ہوگیا۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

بے یقینی کی دھند صاف ہونے کے بعد، جوں جوں صورتِ حال واضح ہوتی جارہی تھی میرا موڈ نارمل ہوتا جارہا تھا کیونکہ ابھی سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی حالات سنسنی خیز رخ اختیار کرتے جارہے تھے۔

"وہ میرے بارے میں کیا جانتا ہے؟" ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"وہ جوان اور پُرجوش افسر ہے۔ اس کے لیے یہ بات بڑی حیرت ناک ثابت ہوگی کہ تم جیسی خوب صورت، جواں سال عورت جرائم کی دنیا میں کیوں بھٹک رہی ہے۔"

"مرد بلکہ بچے جرائم کرسکتے ہیں تو ایک عورت کے لیے اس میں کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں، بس ہمارے یہاں یہ ذرا نئی اور اچھوتی بات لگتی ہے۔ ورنہ مجرم عورتیں تو اپنے پیشے میں زیادہ کامیاب ہوتی ہیں۔ جدید ہتھیاروں سے بڑھ کر ان کے روایتی ہتھیار خطرناک ہوتے ہیں۔"

"ہر طرف سے مطمئن ہوتے ہی تم نے اب پھر چہکنا شروع کردیا؟" وہ منہ بنا کر بولی۔

"انسان چہکنے والا پرندہ ہے۔ اگلے پچھلے غموں کو روگ بنا کر پالتا رہے تو تمہیں ہر طرف آہوں اور سسکیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں سنائی دے گا۔"

"اس وقت ہانگ کانگ میں صبح کے ساڑھے سات بجے ہوں گے۔ کیا ارادہ ہے؟" اس نے میری کلائی تھام کر رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ، ضرور!" میں نے چونک کر کہا "اب تک تو کوانگ فو مکاؤ لوٹ آیا ہوگا۔"

"دیکھ لو کہ میں تمہاری غزالہ کا کتنا خیال رکھتی ہوں۔" اس نے دیدے نچا کر کہا اور فون سنبھال لیا۔

سلسلہ ملنے پر کوانگ فو کے نمبر سے وہی چوہے کی مضحکہ خیز چوں چاں سنائی دینے لگی اور ٹھیک تیس سیکنڈ بعد آپریٹر لائن پر آگئی۔

"مجھے فادر کوانگ فو سے بات کرنی ہے، میرا نام ویرا ہے۔" ویرا نے اس کی چینی زبان کے جواب میں ٹھہری ہوئی انگریزی میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"ڈون تو کل رات سے کولون گئے ہوئے ہیں۔" آپریٹر نے شکستہ انگریزی میں رک رک کر کہا "شنگریلا سے رات کے دو بجے ان کا فون آیا تھا کہ وہ واپس مکاؤ آرہے ہیں۔ انہیں اب سے پہلے یہاں آجانا چاہیے تھا لیکن ابھی تک سناٹا ہے۔ ہم لوگ ڈون کی طرف سے فکرمند ہیں۔"

"میں فادر کی منہ بولی بیٹی ہوں...." ویرا نے آپریٹر سے اپنا تفصیلی تعارف کرانا چاہا لیکن اس لڑکی نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے کمپیوٹر کے ساؤنڈ اسکینر نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی "اسی لیے میں نے تمہیں یہ سب بتایا ہے۔ ڈون نے ہدایت کی تھی کہ اس کی غیر حاضری میں تمہارا فون آجائے تو تمہیں ہر بات بلاکم و کاست بتادی جائے شاید وہ تمہاری کسی دوست کو لینے ہی گئے ہیں۔"

میرے لیے وہ خبر بہت وحشت انگیز تھی۔ کوانگ فو کا یوں غائب ہونا کسی گڑبڑ کی غمازی کر رہا تھا۔

"پھر تم لوگ فادر کی تلاش کے لیے کیا کر رہے ہو؟" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"ہمارے دو ہیلی کاپٹر مسلسل سمندر پر نیچی پرواز کر رہے ہیں لیکن ڈون کی اسپیڈ بوٹ کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا' بہرحال سب اپنی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔"

"ایسا تو نہیں کہ ہیلی کاپٹر دیر سے فضا میں بلند ہوئے ہوں اور اس سے پہلے ہی فادر کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ رُونما ہوچکا ہو؟" ویرا نے لحظہ بھر کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"یہاں بھی یہی خیال ظاہر کیا جارہا ہے۔" آپریٹر نے اعتراف کیا "ڈون کی واپسی کے لیے ہمیں ان کی کال کے بعد مقررہ وقت تک تو انتظار کرنا ہی تھا۔ اس میں کسی کا قصور نہیں ہے۔ ڈون کی تلاش کی مہم کا آغاز صبح پانچ بجے ہوا ہے۔ ہمیں سمندر میں کئی مقامات پر بھاری فائرنگ کی آوازوں کے تبادلے کی خبریں بھی ملی ہیں لیکن ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ ان اطراف کے گہرے پانیوں میں ایسے واقعات روزمرہ کا معمول ہیں۔"

"ٹھیک ہے بے بی!" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اگر میرے کام کی وجہ سے فادر کوانگ فو کو کوئی نقصان پہنچا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کرسکوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں خودکشی ہی کرلوں مگر فی الحال میں تمہاری کامیابی اور فادر کی واپسی کے لیے دعا کرتے ہوئے کسی اچھی خبر کی منتظر رہوں گی۔"

"میرے پاس تمہارا فون نمبر نہیں ہے۔ وہ لکھوادو تو اچھی خبر آتے ہی میں تمہیں فون کروں گی۔"

"اگلے آٹھ دس گھنٹوں تک میں اسی نمبر پر رہوں گی۔" ویرا نے فلیٹ کا فون نمبر بتانے کے بعد کہا "میری خواہش ہوگی کہ میری فادر ہی سے براہِ راست بات ہوسکے۔"

"تم ڈون کی بیٹی ہو۔ حوصلہ رکھو۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے مایوسی ہوئی ہے۔" آپریٹر کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "دلیر لوگ برے سے برے حالات کا بھی مقابلہ کرتے ہوئے زندہ رہتے ہیں۔ جو بزدل ہوتے ہیں وہ زندگی کے تقاضوں سے گھبرا کر موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔"

"میں تمہاری باتیں یاد کرنے کی کوشش کروں گی' نائی بے بی!" ویرا نے بڑے خلوص سے کہا "اتنی کم سنی میں تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟"

"ڈون ہمارا باپ اور استاد ہے۔ وہی ہم کو سب کچھ سکھاتا ہے۔" ہلکی سی ترنم ریز ہنسی کے ساتھ آپریٹر کی آواز ابھری "ویسے میں بے بی نہیں ہوں۔ میری عمر سینتالیس سال ہے۔"

اس کے آخری فقرے پر ویرا نے ایسا برا سا منہ بنایا تھا جیسے اس نے شہد کے دھوکے میں کونین مکسچر پی لیا ہو۔

چند رسمی فقروں کے بعد ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ ایک نئی اور غیر متوقع صورتِ حال ہے۔" اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"خدا کرے کہ خیر ہی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ کوانگ فو اتنی آسانی سے زیر ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"اب تو ہم انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرسکتے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"کیوں نہ شری مان سنگھ سے کھوج نکالنے کی کوشش کی جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"بے سود ہے۔" وہ بولی "اسے دہلی سے آگے کی کوئی خبر نہیں ہوگی۔ آپریٹر بتاچکی ہے کہ کوانگ فو نے آخری فون شنگریلا سے کیا تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ غزالہ تک پہنچ چکا تھا۔"

"یہ تم میں ڈون کب سے ہونے لگے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کروگے۔" وہ مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ بولی "یہ لفظ ڈونگ ہے اور چینی زبان میں بڑوں کے لیے احتراماً استعمال ہوتا ہے اور اس سے مخاطب کی انتہائی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ تلفظ کی وجہ سے تمہیں یہ لفظ ڈون سنائی دے رہا تھا۔"

"اور وہ تمہاری خودکشی والا ڈراما کیا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے مجبوراً ایسے ڈرامے کرنے ہی پڑتے ہیں۔"

اسی وقت سلطان شاہ لباس وغیرہ تبدیل کرکے ڈرائنگ روم میں آیا ہی تھا کہ اچانک ڈور بیل چیخ اٹھی۔

میں نے لپک کر دروازہ کھولا تو ظفر کا گمبھیر چہرہ میرے سامنے تھا۔

وہ میرے ہمراہ فلیٹ میں پوری طرح داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اچانک کہیں قریب ہی سے کسی بے آواز رائفل کے فائر کی مخصوص آواز ابھری اور فضا میں ایک دم توڑتی ہوئی انسانی چیخ گونجتی چلی گئی۔

میں نے اضطراری طور پر ظفر کو ایک طرف دھکیل کر فلیٹ سے باہر نکلنا چاہا لیکن اس نے میرے بازو تھام کر مجھے سختی کے ساتھ اندر ہی روک کر دروازہ بند کردیا۔

"سکون سے اندر بیٹھو!" اس نے سخت اور سرد لہجے میں کہا۔ "میں باہر کا رنگ دیکھ آیا ہوں۔ وہاں کھیل شروع ہوچکا ہے اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں لوٹ سکے گا۔"

ویرا میرے پیچھے کھڑی حیرت اور بے یقینی سے ظفر کو گھورے جارہی تھی۔

رائفل کے پہلے فائر اور دم توڑتی ہوئی انسانی چیخ کے ساتھ ہی باہر کی پُرسکون فضا میں ایک قیامت خیز ہنگامہ برپا ہوگیا۔ قریب اور قدرے دور سے' بھانت بھانت کے آتشیں ہتھیاروں کے مہلک نغمے گونجنے شروع ہوگئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات کے پُرہول اندھیرے میں دو طاغوتی حریف' ایک دوسرے کی گھات لگائے' اپنی کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے ہوں اور پہلی گولی چلتے ہی خونخوار تیوروں کے ساتھ ایک دوسرے کو جہنم رسید کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے ہوں۔

چند ماہ کی قلیل سی مدت میں' اس گنجان آباد اور صاف ستھرے رہائشی علاقے میں' وحشیانہ تصادم کی وہ تیسری واردات تھی اس لیے علاقے کے مکین بیدار ہونے کے باوجود اپنے مکانوں سے باہر آکر اپنی زندگیاں داؤ پر لگانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے اور دونوں حریفوں کو دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا۔ ایسے گمبھیر مقابلوں میں پولیس فورس کے تجربے کار افسران بھی اندھادھند مداخلت سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں بھاری جانی نقصان سے دوچار ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ صورتِ حال کی بھرپور سنگینی کا اندازہ لگالینے کے باوجود وہ اپنے جوانوں کے ساتھ اس وقت تک محاذ سے دور ہی رہتے ہیں جب تک دو میں سے ایک فریق کسی وجہ سے کمزور نہ پڑنے لگے۔ محاذ آرائی کی شدت میں کمی آتے ہی وہ سائرن اور سیٹیاں بجاتے اور ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے' مقابلے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر دوچار بدنصیب یا زخمی مجرم ہی ان کے ہاتھ لگتے ہیں ورنہ ہر مجرم پولیس کی آمد کی بُو سونگھتے ہی کسی محفوظ راستے سے فرار ہولیتا ہے اور آخر میں صرف پولیس فورس میدان میں رہ جاتی ہے۔

وہ اس معاملے کا ایک پہلو تھا لیکن دوسرا پہلو جو میرے لیے زیادہ اطمینان بخش تھا' وہ یہ تھا کہ اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل تھا۔ اس وقت سڑکیں اور گلیاں سنسان پڑی ہوئی ہونی چاہیے تھیں۔ اس طرح فائرنگ کی زد میں آکر بے گناہ راہ گیروں کے ہلاک یا زخمی ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہی تصادم تین چار گھنٹے پہلے ہوا ہوتا تو نہ جانے کتنے بے گناہ اس خونریزی کا شکار ہوجاتے۔

ہولناک فائرنگ کی گونج میں اِکّا دُکّا' دردناک انسانی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ گولیوں کا نشانہ بننے والے مقابلے میں شریک تھے۔

ظفر کی آمد کے ساتھ ہی بھرپور تصادم کا آغاز میرے لیے حیرت ناک تھا لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ویرا مسلسل حیرت اور بے یقینی کے ساتھ ظفر کو گھورے جارہی تھی اور بھڑکی ہوئی نظر آرہی تھی۔ پھر جب ظفر دروازہ بولٹ کرکے ویرا کی طرف گھوما تو اس کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

ان دونوں کی آنکھوں میں' ایک دوسرے کے لیے واضح طور پر شناسائی کی علامات نظر آرہی تھیں۔

"تم ...... تم یہاں!" ویرا نے تحیّر زدہ لہجے میں بولنے میں پہل کی تھی "تم تو کرنل جیسی جونز کے آدمی ہو۔ تمہیں اس وقت بوگوٹا یا کولمبیا کے کسی اور شہر میں ہونا چاہیے تھا۔"

ظفر کے ہونٹوں پر سرد اور سفاکانہ مسکراہٹ رینگ آئی اور وہ اپنے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا "اگر میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے رہی تو تم مس ویرونیکا ہو۔ مجھے یاد ہے کہ بوگوٹا کی سماجی تقریبات میں تم کرنل جیسی جونز کے دستِ راست کی منظورِ نظر ہوا کرتی تھیں۔"

ویرا کے تنے ہوئے اعصاب یک بیک ڈھیلے پڑگئے اور اس کے چہرے پر معصومانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ چند ثانیوں قبل وہ ایک چالاک' عیّار اور زمانہ شناس عورت کی طرح مستعد اور چوکنّا نظر آرہی تھی' اور کسی بھی غیر متوقع صورتِ حالت سے شاطرانہ انداز میں نمٹنے کے لیے تیار تھی۔

"تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" ویرا نے کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا "تم سے صرف ایک بار ہی میری سرسری سی ملاقات ہوئی تھی' مجھے امید نہیں تھی کہ تم مجھے اتنی آسانی کے ساتھ پہچان لوگے۔"

"تم انجان بنی رہتیں تو شاید مجھے بھی وہ سرسری سی ملاقات یاد نہ آتی لیکن تمہارے چونکا دینے والے ردِعمل نے یک بیک میرے ذہن کے سارے دریچے کھول دیے ہیں۔ شاید تم نے یہاں ویرا کا نام اختیار کیا ہوا ہے۔ مجھے تمہارے دیدار کا بہت اشتیاق تھا مگر مجھے یہ جان کر شدید ذہنی جھٹکا لگا ہے کہ ویرا لائیڈ کے نام سے جانی جانے والی عورت کرنل جیسی جونز کے ایک ماتحت کی داشتہ رہ چکی ہے۔"

میں حیرت سے گنگ ہوکر رہ گیا تھا اور بند دروازے کے قریب کھڑا ان دونوں کی ناقابلِ فہم گفتگو سن رہا تھا۔ وہ دونوں باہر برسنے والی بارودی آگ اور خونی برسات سے بے پروا' اتنے اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے جیسے ان کی نگاہوں میں اس خونریزی کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"ویرا اور ویرونیکا میں کوئی فرق نہیں" ظفر کے تضحیک آمیز تبصرے پر ویرا سنجیدہ ہوگئی "تم ڈیبی کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن میں تمہاری اصلیت سے واقف ہوں۔" بات کرتے کرتے' اس نے اچانک ہی اپنے بلاؤز سے ننھا سا خودکار پستول نکال کر اتنی پھرتی کے ساتھ ظفر پر تان لیا کہ اسے کسی جوابی کارروائی کا موقع ہی نہیں مل سکا اور وہ ہکا بکا ہوکر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"کرنل جیسی جونز کے آدمی صرف اور صرف پیسے کے غلام ہوتے ہیں" ویرا سرد لہجے میں کہہ رہی تھی "پیسے کے بَل پر انہیں کوئی بھی خرید سکتا ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تم اول خان جیسے محبِ وطن آدمی کو فریب دے کر کس طرح اسپیشل ٹاسک فورس میں داخل ہوئے اور تمہارا مقصد کیا ہے؟"

ویرا کا وہ انداز بہت جارحانہ اور اس کے سوالات جان دار تھے۔ چند لمحوں کے لیے ظفر کی ذات پر سے میرا اعتماد متزلزل ہوگیا۔

"اس کے ہاتھ سے پستول چھین کر دور پھینک دو!" ظفر نے پورے اعتماد کے ساتھ مجھ سے کہا لیکن میں تذبذب اور بے یقینی کے انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"خبردار!" اسی لمحے ویرا نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دے کر کہا "کسی نے بھی اپنی جگہ چھوڑنے کی حماقت کی تو میں بِلا تامل ظفر کی کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دوں گی۔"

غیر ارادی طور پر زمین پر میرے قدموں کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

میرے ذہن میں ان حالات وواقعات نے سر ابھارنا شروع کردیا جن کے تحت ظفر نے اول خان کی جگہ سنبھالی تھی۔ الحدید نامی لانچ کی گرفتاری، اول خان کا بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن اسے اتنی عجلت میں شہر سے روانہ کیا گیا کہ وہ کارروائی صریحاً تذلیل اور سزا کے زمرے میں نظر آتی تھی۔ پھر ان ہی پُراسرار حالات میں ظفر نے اول خان کی جگہ سنبھال لی۔ اس دوران میں میرا اول خان سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکا تھا لیکن میرے استفسار پر ظفر نے مجھے بتایا کہ اول خان کو الحدید والے کارنامے پر اتنے انعام اور اعزاز سے نوازا گیا تھا کہ وہ اپنے تبادلے پر بہت خوش تھا۔ ویرا کے انکشافات پر مجھے شبہ ہونے لگا کہ ظفر نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ شاید اسپیشل ٹاسک فورس میں بھی کرائے کے کچھ آدمی گھس آئے تھے اور ان ہی کی سازش کے نتیجے میں اول خان کو معزول یا معتوب کرکے ظفر کو سامنے لایا گیا تھا تاکہ اس کے ذریعے محبِ وطن عناصر کی بیخ کنی کرکے، دشمنوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے مشن کو آگے بڑھایا جاسکے۔

اگر میں کرنل جیسی جونز کے کردار سے پوری طرح باخبر نہیں تھا تو بالکل ہی بے خبر بھی نہیں تھا۔ سیاسی جرائم اور عالمی دہشت گردی کے معاملات میں کارلوس کے ساتھ ہی اس کا نام بھی بار ہا دنیا بھر کے اخبارات کی شہ سرخیوں میں آتا رہا تھا۔ ویرا نے ظفر کو واضح طور پر کرنل جیسی جونز کے آدمی کی حیثیت سے پہچانا تھا اور ظفر نے بوگوٹا کی سماجی تقریبات کا ذکر کرکے اس الزام کو تسلیم کرلیا تھا۔

میری نظروں میں وہ بہت خوف ناک اور دھماکا خیز صورتِ حال تھی جس کے نتیجے میں میرا پورا مشن تباہی سے دوچار ہوسکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ عالمی سیاست کی بساط پر پاکستان کے لہو کے پیاسوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ شری مان سنگھ اپنے ملک کی بھرپور پشت پناہی سے سندھ میں خونریزی اور شورش پھیلانا چاہتا تھا۔ اس کے اہم ترین سیکرٹ ایجنٹ، ملا سرکار کو جہنم واصل کیا جاچکا تھا لیکن اس کی جگہ دوسرے مہرے میدان میں اتارنے کی تیاریاں جاری تھیں، جمی لائیڈ کسی بھی مضبوط ضمانت کے بغیر پاکستان کے دشمنوں کو مہلک ترین ہتھیاروں سے لیس کرکے مسلح افواج کے سامنے کھڑا کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ ہیری کیسنجر اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر ان بکھری ہوئی کڑیوں کو یکجا کرنے میں مصروف تھا، پاکستان کی ایٹمی استعداد پر کاری ضرب لگانے کی سازشیں درونِ خانہ پروان چڑھ رہی تھیں۔ برادرانہ تعاون کے نام پر بلیو کراس ڈیل کے تحت، ایران سے حساس ایٹمی آلات اور سازوسامان کی چھ سو ٹن وزنی جو کھیپ پاکستان کو دی گئی تھی، اسے راستے ہی میں تباہ کرنے کی تیاریاں کرلی گئی تھیں۔ اگر وہ کھیپ کسی طرح پاکستان پہنچ بھی جاتی تو خلا میں گردش کرتے ہوئے کسی جاسوس سیارے سے مخصوص ریڈیائی اشارے نشر کرکے اس کھیپ کے ساتھ دوسری ایٹمی تنصیبات کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ ایران پاکستان کے ساتھ بھرپور اور قریبی تعاون کررہا تھا اس لیے بھرپور پروپیگنڈے کے ذریعے اس کے خلاف بھی ایک مربوط اور مضبوط فردِ جرم تیار کی جارہی تھی تاکہ مناسب وقت آنے پر اسے بھی سرکشی اور نافرمانی کی عبرت ناک سزا دی جاسکے۔ بظاہر ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان اور اس کے ہمدردوں کے لیے پنپنے اور زندہ رہنے کی ساری راہیں مسدود کرنے کا فیصلہ کرکے آخری انتظامات کیے جارہے ہوں۔

ویرا بذاتِ خود پارسا نہیں تھی، اس کا داغ داغ ماضی میرے سامنے بے نقاب تھا لیکن اس وقت وہ اپنے دل وجان کی گہرائیوں سے میرے ساتھ تھی۔ میں اس کے ظاہر وباطن سے بخوبی واقف تھا جبکہ ظفر کی ذات سے میری شناسائی بہت محدود اور صرف ظاہری تھی۔

اس کٹھن موڑ پر میں نے پوری طرح غیر جانب دار رہ کر خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ویرا اور ظفر خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرسکیں۔

"تت.... تو کیا تم بھی.... تم بھی اس کے ساتھ مل گئے؟" میرے قدموں میں کوئی جنبش نہ پاکر ظفر پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ، حیرت سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

"میں کسی سے نہیں ملا" میں نے کسی غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ کے لیے اپنی پوزیشن بچاتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا "باہر جہنم کے دہانے کھلے ہوئے ہیں، یہاں ویرا کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو وہ کسی جھجک یا ملال کے بغیر تمہیں گولی ماردے گی۔ میں اس کی سردمہری اور سفاکی سے واقف ہوں اسی لیے اپنی جگہ سے ہلنے سے مجبور ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ مل چکی ہے۔ تم اسے مطمئن کردو گے تو یہ خود تم سے معافی مانگ لے گی...."

"یہ میرا وعدہ ہے؟" ویرا استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ ظفر اس کے سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے گا۔

ظفر کے چہرے پر اشتعال، غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات پھیل گئے اور وہ ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوکر بولا "تم نے مجھے اپنے گھر بلا کر ذلیل کیا ہے، میرے آدمیوں نے تمہارے دفاع میں اپنے سردھڑ کی بازی لگائی ہوئی ہے، وہ اپنے خون میں نہارہے ہیں اور تم نے مجھے ایک آوارہ عورت کا یرغمالی بنوادیا ہے"

"آوارہ عورت!" ویرا سلگانے والے انداز میں ہنسی "مجھے یہ خطاب پسند آیا۔ آوارہ مرد، عورتوں کی زندگیاں خراب کرتے ہیں اور آوارہ عورت، مردوں کی زندگیاں عذاب بناتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مجھے ایسا سمجھتے ہو کیونکہ میں ایسا ہی بننا چاہتی تھی...."

"غلاظت کے کیڑے گندی نالیوں میں ہی خوش رہتے ہیں۔" ظفر اس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولا "اس لیے اپنی خوشی کے اسباب بیان کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کرنل جیسی جونز جیسے ضمیر فروش مجرم کا آدمی اسپیشل ٹاسک فورس میں کیا کررہا ہے؟" ویرا نے سخت لہجے میں اپنا سوال دُہرایا۔

ظفر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچے، چند ثانیوں تک ویرا کو گھورتا رہا پھر سپاٹ لہجے میں بولا "یہ تین برس پرانی بات ہے۔ اب میرا جیسی جونز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ تمہارا بیان ہے۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو؟"

ویرا کی جرح پر ظفر کی کھوپڑی چیخ گئی اور وہ تیز لہجے میں بولا۔ "تمہارے بارے میں بھی سب کچھ تمہارا یا ڈینی کا بیان ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ جیسی جونز کے دستِ راست، ایلشٹن سے اب تمہارا کوئی جائز یا ناجائز تعلق نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم دونوں اسی کے لیے کام کررہے ہو۔"

"مجھے اپنی تنظیم کے لیے جیسی جونز سے ایک اہم کام لینا تھا اس لیے میں نے دانستہ ایلشٹن سے رسم وراہ بڑھائی تھی ورنہ سب جانتے ہیں کہ ویرا لائیڈ صرف اور صرف شی کے لیے کام کرتی ہے۔"

"شی کی لغت میں پاکستان سے ہمدردی کا خانہ کب سے پیدا ہوگیا؟" ظفر بدستور بھنایا ہوا تھا۔

"اس کا شی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جو کچھ کررہی ہوں، ڈینی سے دوستی کی خاطر کررہی ہوں۔"

اچانک ظفر، ویرا کے عقب میں دیکھتے ہوئے پُراعتماد انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ سے مجھے شبہ ہوا کہ شاید سلطان شاہ اس کی مدد کے لیے ویرا کو بے بس کرنے والا تھا۔ میں نے اُدھر سر گھمایا اور یہی غلطی ویرا سے بھی سرزد ہوئی اور اسی لمحے اس کا بھرا ہوا پستول اس کی گرفت سے نکل کر ظفر کے قبضے میں پہنچ گیا۔

سلطان شاہ جہاں تھا' بدستور وہیں کھڑا ہوا تھا۔

"اور اب" ظفر پستول کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا "جی چاہتا ہے کہ میں تم تینوں کے بھیجے پاش پاش کردوں۔"

"کرنل جیسی جونز کے آدمی سے اس کے علاوہ کوئی اور توقع کی بھی نہیں جاسکتی" ویرا اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "موت باربار نہیں صرف ایک بار آتی ہے اور اگر میری موت تمہارے ہاتھوں آنی ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

باہر ہونے والی فائرنگ میں تواتر کے ساتھ ہی شدت بھی آگئی تھی۔ ابتدا میں پے درپے متعدد انسانی چیخیں سنائی دی تھیں لیکن بعد میں کسی مرنے یا زخمی ہونے والے کی چیخ نہیں ابھری تھی جس کا مطلب تھا کہ ابتدائی افراتفری یا بے خبری میں مار کھانے کے بعد دونوں حریفوں نے محفوظ مورچے سنبھال لیے تھے اور نہایت دل جمعی کے ساتھ ایک دوسرے کو میدان سے مار بھگانے کے لیے چاندماری میں مصروف تھے۔

"میں اب بھی غیر جانب دار رہوں گا" میں نے کہا "پہلے ویرا مسلح تھی اور اب تم ہتھیار بند ہو۔ اصل فیصلہ تم دونوں ہی کے درمیان ہونا ہے۔ مجھے دونوں پر پورا پورا اعتماد ہے۔"

ظفر ایک جھٹکے سے ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا اور اچانک ہی پستول اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے بولا "تین برس پہلے میں نے کرنل کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے ساتھ میں نے جو کچھ سیکھا وہ اب میرے کام آرہا ہے۔ میں تمہیں اتنا ضرور بتادوں کہ میں نے کرنل کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنے وطن کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ مجھے ڈھونڈ کر آفر دی گئی تھی اور میں فوراً ہی جیسی جونز کو چھوڑ کر پاکستان آگیا۔ شدید مشقت' ذہنی جمناسٹک اور مہم جوئی سے بھرپور زندگی کے بعد ریٹائرمنٹ کے بھیانک اور لامتناہی سناٹے سے تنگ آکر میں ملک سے باہر نکلا تھا۔ وہاں میں ان لوگوں سے ٹکرا گیا' بظاہر وہ کرائے کے فوجیوں کی تنظیم تھی۔ میں یہی سمجھ کر ان کے ساتھ شامل ہوا لیکن بعد میں پتا چلا کہ جیسی جونز ہزاروں جرائم میں بھی ملوث ہے۔ اس کے آدمی ڈرگ مافیا کو مسلح تحفظ فراہم کرتے تھے۔ ان کاموں میں میری مہم جویانہ طبیعت کو تسکین ملتی تھی اس لیے میں ان کے ساتھ لگا رہا پھر جوں ہی مجھے ایس ٹی ایف کی آفر ملی' میں اس بے نام ونشان زندگی کو خیرباد کہہ کر یہاں آگیا۔"

"لیکن تم یہ سب کیوں بتارہے ہو؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا "اب تو تم مجھے غیر مسلح کرچکے تھے اور ہم تینوں پر حاوی تھے۔"

"ہم لوگ اپنی انا کو فنا کرکے اپنے مشن کے لیے زندہ رہتے ہیں" ظفر سنجیدگی سے بولا "مجھے پہچاننے کے بعد تم نے وہی کیا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اب ہمیں ساتھ کام کرنا ہے۔ باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمہارے ذہن سے شبہات زائل کردیے جائیں ورنہ رہی سہی بے اعتمادی کسی نازک موڑ پر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاسکتی ہے۔"

"تمہاری سوچ قابلِ قدر ہے" ویرا نے مصالحانہ انداز میں کہا "مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ دنیا اس قدر وسیع ہونے کے باوجود کتنی مختصر سی ہے کہ بوگوٹا جیسے دور دراز شہر میں بچھڑنے کے بعد ہم آج پھر کراچی میں اتفاقاً ایک دوسرے کے سامنے آگئے؟"

"اس پر بیٹھ کر بھی غور کیا جاسکتا ہے" میں نے کہا اور ہم چاروں ہنستے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی تلخی اور کشیدگی حیرت ناک سرعت کے ساتھ تحلیل ہوچکی تھی۔ بظاہر اس کا صرف ایک ہی سبب تھا کہ ہم سب ایک اہم اور بڑے مشن کے لیے کام کررہے تھے اور ہر ایک نے پوری بے لوثی کے ساتھ اپنی انا کو نظرانداز کرنے کا تہیّہ کیا ہوا تھا۔

باہر پوری گھن گرج کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ جاری تھا اور اندر ظفر نہایت اطمینان کے ساتھ سلطان شاہ کی مزاج پُرسی کررہا تھا۔ اس نے اپنے مخصوص تفتیشی انداز میں سلطان شاہ سے متعدد سوالات کیے لیکن حملہ آوروں کی شناخت سامنے نہیں آسکی۔

اسی دوران میں ویرا باتھ روم کی جانب گئی تو میں نے باہر ہونے والی محاذ آرائی میں پولیس کی متوقع مداخلت کے بارے میں اپنے اندیشے کا اظہار کیا لیکن ظفر نے مجھے یہ بتا کر مطمئن کردیا کہ پولیس کے عملے کو صبح کا سورج طلوع ہونے تک اس علاقے سے دور رکھنے کا بندوبست کیا جاچکا تھا۔

"ابتدائی نقصانات اٹھانے کے بعد دونوں فریق ہوشیار ہوگئے ہیں" سلطان شاہ نے کہا "بظاہر یہ مقابلہ بے مقصد نشانے بازی میں تبدیل ہوتا جارہا ہے۔"

"فائر کی گونج سے اس کی سمت اور فاصلے کا اندازہ ہوجاتا ہے" ظفر مسکراتے ہوئے بولا "میرے کان اپنے آدمیوں کے فائر بخوبی پہچان رہے ہیں۔ وہ لوگ چاروں طرف پھیل کر حملہ آوروں کو گھیرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں نے ان کو ہدایت کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حملہ آوروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ اُن کی زبانیں کھلوا کر اُن کی اصلیت کا سراغ لگایا جاسکے۔"

"لاشیں ہاتھ لگ جائیں تو بھی بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے؟" ویرا گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے بولی "میری اور ڈینی کی' شہر کے بیشتر شورہ پشتوں سے واقفیت رہ چکی ہے۔ ہاتھ آنے والوں میں سے کوئی نہ کوئی یقیناً پہچان لیا جائے گا۔"

"ان لوگوں کے بارے میں تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟" ظفر نے مجھ سے سوال کیا۔

"عقل کام نہیں کرتی" میرا ذہن اس بارے میں بُری طرح الجھا ہوا تھا "بظاہر یہ حرکت ہیری کیسنجر کے آدمیوں کی ہوسکتی ہے کیونکہ اس وقت وہ ہمارا ایسا حریف ہے جس سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے لیکن وہ ہم تک پہنچنے کی کوشش ضرور کررہا ہوگا۔ وہ لوگ یقینی طور پر سلطان شاہ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور انہوں نے ہی سلطان شاہ پر تشدد کیا ہوگا۔"

اچانک ہی باہر گونجتا ہوا بارود کی شور ماند پڑنے لگا۔ پھر چند ہی لمحوں میں فائرنگ کا تبادلہ یکلخت موقوف ہوگیا اور ظفر اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

ہم تینوں نے بھی اس کی تقلید کی "تم یک بیک کچھ پریشان ہوگئے ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

ظفر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے پریشانی اس بات کی ہے کہ یہ مقابلہ میری توقع کے برعکس صرف پچیس منٹ میں ختم ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے آدمی ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے انہیں زیر نہیں کرسکیں گے۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں" ظفر اس کی طرف گھوم کر بولا "میرے آدمی قیدیوں اور لاشوں سمیت اسٹیشن فور پہنچیں گے اور پھر میرا کام شروع ہوجائے گا۔"

"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ اسٹیشن فور میں پہلے میری رہائش تھی" ویرا بولی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے اور شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ ہمارے طویل قبضے کے باوجود ابھی تک اس مکان کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آیا ہے...."

"وہ بھی کوئی جرائم پیشہ ہی رہا ہوگا" ویرا قہقہہ مار کر بولی "تم لوگوں کے نکلنے کے بعد اپنے مکان کا رخ کرے گا۔ موجودہ حالات میں تو اسے اپنا مکان ہاتھ سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہوگا۔"

"ہم بالکل عام سے شہری ہیں' وردی تک استعمال نہیں کرتے۔ پھر کسی کو ہم سے اس قدر خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" ظفر نے ویرا سے کہا اور میں نے اس کی آنکھوں کی چمک سے محسوس کیا کہ ابتدائی تلخی کے باوجود' وہ ویرا کے حسن وجمال سے بہت زیادہ مرعوب ہوچکا تھا۔

ویرا نے بھی ظفر کی اس کمزوری کو بھانپ لیا تھا اس لیے وہ شوخی کے ساتھ بولی "تم لوگوں کی بھاری گاڑیوں اور لڑاکا جسموں کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے تم لوگوں نے ابھی ابھی محاذ سے لوٹ کر وردیاں اتاری ہیں۔ بعض باتیں چھپانے کے باوجود ضرورت سے زیادہ نمایاں ہوجاتی ہیں اور شاید اسی وجہ سے شہر کے غنڈے تم لوگوں سے دور بھاگتے ہیں ورنہ اسٹیشن فور پر کئی بار دھاوا بولا جاچکا ہوتا۔"

"میں چل رہا ہوں" ظفر نے ہم تینوں میں سے کسی سے بھی خصوصی طور پر مخاطب ہوئے بغیر کہا لیکن اس کے اگلے فقرے سے واضح ہوگیا کہ اس کا پیغام ویرا کے لیے تھا۔

وہ کہہ رہا تھا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں اور کس کے لیے کام کررہے ہیں۔ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلنا چاہے تو وہ میرا مہمان ہوگا۔"

ویرا سے اپنی بے نیازی ظاہر کرنے کے لیے' ظفر اس وقت کسی اور طرف متوجہ تھا اس لیے ویرا نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر مجھے آنکھ ماری اور تیزی سے ظفر کی طرف جھپٹتے ہوئے بولی "آج میں تمہاری میزبانی سے لطف اندوز ہونے کے موڈ میں ہوں۔"

"پھر میرے پیچھے چلی آؤ" اس نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اجازت ہو تو ہم بھی آجائیں؟" میں نے ظفر کو اس کی حماقت کا احساس دلانے کی نیّت سے پوچھا۔

"بالکل آجاؤ" ظفر خوش دلی کے ساتھ بولا "میری تھرڈ ڈگری دیکھ کر تمہارے دل دھڑکنا بھول جائیں گے۔ میں پہلے ہی وار میں ان لوگوں کے اوسان خطا کردینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"پھر میں نہیں جاؤں گی۔ میرا دل تشدد کے معاملے میں خاصا کمزور ہے۔ انسان کے دل میں گولی اتارنے کے مقابلے میں اسے معذور کرنا میرے لیے بہت مشکل کام ہے" ویرا نے موقع پاتے ہی اپنا ارادہ بدل دیا۔

بظاہر اس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا تھا لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ اسے کوانگ فو یا اس کی سیکریٹری کی طرف سے آنے والی فون کال کا دھیان آگیا تھا۔ وہ اس اہم ترین فون کال کے انتظار میں بذاتِ خود فلیٹ میں موجود رہنا چاہتی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور فون وصول کرتا تو کوانگ فو کا ساؤنڈ اسکینر اس اجنبی آواز کو پہچاننے سے انکار کردیتا اور کال خود بخود منقطع ہوجاتی۔

ویرا کے ارادے میں رونما ہونے والی وہ غیر متوقع تبدیلی ظفر کے لیے انتہائی مایوس کن ثابت ہوئی۔ اس نے ویرا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بہتیرا زور لگایا لیکن وہ خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذرت کرتی رہی۔ سلطان شاہ زخمی تھا اور اسے آرام کی ضرورت بھی تھی اس لیے میں اکیلا ہی ظفر کے ساتھ فلیٹ سے نکل آیا۔ میری مداخلت کی وجہ سے ظفر کا خوشگوار موڈ اچانک ہی چوپٹ ہوگیا تھا۔

فلیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہی میرے نتھنوں میں جلے ہوئے بارود کی تیز بُو گھس آئی جس کا مطلب تھا کہ ہماری عمارت کے سامنے فائرنگ کا خاصا زور رہا تھا۔

زینوں میں گہری تاریکی کا راج تھا اور میرے دل میں یہ خوف سر ابھار رہا تھا کہ کہیں ہم اندھیرے میں چھپے ہوئے کسی دشمن کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں لیکن ظفر اس معاملے میں پوری طرح

محتاط تھا۔

اس نے پہلی لینڈنگ ختم کرتے ہی اپنے دہانے سے ایک مخصوص حیوانی آواز نکالی۔ وہ شاید کوئی اشارہ تھا کیونکہ جواب میں زینوں کے اختتام سے اسی قسم کی ایک اور آواز سنائی دی اور ظفر میرے شانے پر تھپکی دیتا ہوا' بے فکری سے آگے بڑھ گیا۔

آخری زینوں پر سے باہر کا منظر بہت ڈراؤنا نظر آرہا تھا۔ سڑک پر ہر طرف گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا اور فضا پر موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا۔

عمارت سے نکاسی کے راستے پر پہنچتے ہی' تاریکی میں سے اچانک دو سائے رینگ کر ہمارے دائیں بائیں آگئے' وہ داخلی راستے سے باہر' اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے اور پوری طرح مسلح تھے۔

"کیا پوزیشن ہے؟" ظفر نے اُن سے نرم لیکن تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دشمن پسپا ہوگیا۔ ایک لاش ہمارے قبضے میں بھی ہے" اُن دونوں میں سے ایک نے کہا۔

"تو کیا وہ لوگ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے؟" ظفر نے حیرت سے پوچھا۔

"سب نہیں' بس آپ کے پیچھے ایک آدمی نے عمارت میں گھسنے کی کوشش کی تھی۔ پہلا فائر اسی پر کیا گیا تھا' وہ گولیاں لگتے ہی راستے میں ڈھیر ہوگیا تھا۔ ہم نے اس کی لاش راستے سے گھسیٹ کر باہر دیوار کے ساتھ ڈال دی ہے؟" اسی شخص نے کہا۔

اس کے اشارے پر ہم دونوں دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی لاش کی طرف متوجہ ہوئے پھر ظفر بولا "تین آدمی یہاں رک کر عمارت کی حفاظت کریں گے۔ بقیہ لوگ لاشوں اور قیدیوں کو لے کر کیمپ آفس روانہ ہوجائیں۔ میں اسی طرف جارہا ہوں۔"

ظفر اُن دونوں کو ہدایات دے کر سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ اس طرف دور دور تک روشنی کی کوئی کرن نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ لڑنے والوں نے شاید سب سے پہلے اسٹریٹ لیمپس کو چھلنی کیا تھا تاکہ اندھیرے کی آڑ لے کر وہ اپنی نقل و حرکت کو اپنے حریف کی نظروں سے محفوظ رکھ سکیں۔"

اسی کے ساتھ تمام عمارتیں بھی اندھیرے میں نہائی ہوئی تھیں۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی فائرنگ کے شور سے علاقے کے جو مکین بیدار ہوگئے تھے وہ بھی اپنی جانوں کے خوف سے روشنیاں گل کیے' اندھیرے میں دُبکے ہوئے تھے اور وہ پورا علاقہ ایسی گھور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔

ایک اوٹ میں ظفر کی جیپ موجود تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہو کر خود ہی انجن اسٹارٹ کیا۔ اس اثنا میں' میں اس کے برابر والی نشست پر سوار ہوچکا تھا۔ جیپ تیزی سے اچھل کر پختہ سڑک پر آئی پھر اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی ایک وسیع چادر کی طرح تیرہ و تار ماحول میں پھیل گئی۔

"تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے آدمیوں کی کمان کون کرے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کی بعد میں نے پوچھا۔

"میرے ہر آدمی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ یہاں تو میرے بہت سے آدمی نظر آرہے تھے۔ اگر کسی جاں گسل معرکے میں صرف دو آدمی بھی رہ جائیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس کو کمان کرنی ہے اور کون صرف حکم کی تعمیل کرنے کا پابند ہوگا۔"

"اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہارا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے!" میں نے اس پر لطیف سا طنز کیا۔

"ہرگز نہیں" اس کا لہجہ دوٹوک تھا "میں نے فوج سے اپنے تعلق سے کبھی انکار نہیں کیا۔"

"ہائیں!" میں اس کے جواب پر بھونچکا رہ گیا "اس کا مطلب ہے کہ ایس ٹی ایف فوج ہی کی ایک ذیلی اور شاید خفیہ تنظیم ہے۔"

"یہ دعوٰی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے" اس نے سختی کے ساتھ میری بات کی تردید کی۔

"پہیلیاں بجھوا رہے ہو" میں نے قدرے چڑ کر کہا "فوج سے تعلق سے انکار بھی نہیں کرتے اور پھر بھی ایس ٹی ایف کا فوج سے کوئی تعلق تسلیم نہیں کرتے۔ یہ تو بہت عجیب سی بات ہے۔ اس کے دونوں پہلو خود ہی ایک دوسرے کی تردید کررہے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو" اُس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں ایک فرد ہوں' میں نے اپنی ذاتی حیثیت میں تیس برس فوج میں ملازمت کی ہے۔ آرٹلری کے کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد میں کولمبیا چلا گیا جہاں کرنل جیسی جونز ٹکرا گیا۔ اب میں جو کچھ کررہا ہوں' اس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے ابتدا ہی میں بتادیا گیا تھا کہ میری ملازمت سرکاری یا نیم سرکاری نہیں بلکہ نجی ہوگی اور خراب کارکردگی پر مجھے کسی بھی وقت ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا۔"

"اگر یہ واقعی نجی ملازمت ہے تو تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ تمہارا آجر کون ہے اور تم اپنے فرائض کے سلسلے میں کس کو جواب دہ ہو؟" مجھے ایس ٹی ایف کے بارے میں کُریدنے کا موقع مل گیا۔

"واجبات بروقت ملتے رہیں تو کسی کو فکر نہیں ہوتی کہ اس کا آجر کون ہے۔ جہاں تک جواب دہی کا تعلق ہے تو میں اپنے اوپر والے کے بعد کسی کو نہیں جانتا۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا ہے' دوسروں کے بارے میں غیر ضروری تجسس میں مبتلا نہیں ہوتا۔"

"پھر اہم سرکاری اہل کاروں اور پولیس کے محکمے میں تم لوگوں کے اثر و رسوخ کا کیا سبب ہے؟"

"ہماری نیک نامی" ظفر کے پاس جواب تیار تھا "سارے محکمے اور سرکاری ادارے جانتے ہیں کہ ہم لوگ ملک اور قوم سے مخلص ہو کر کام کرتے ہیں اس لیے ہمارے ساتھ تعاون کیا جاتا ہے۔"

"پولیس والے نیک ناموں کو رگیدنے کے بارے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ سب نچلے درجے کے غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی حرکتیں ہوتی ہیں اور پولیس کے ساتھ ساتھ دوسرے محکموں میں شاید اس سے زیادہ ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پولیس کا دن رات عوام سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے ان کی بُری حرکتیں بہت تیزی کے ساتھ شہرت پاتی ہیں اور وہ زیادہ بدنام ہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ سارے ہی ان پڑھ اور نیم خواندہ پولیس والے برے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی بہت سے لوگ مثالی کردار رکھتے ہیں لیکن اوپری سطح پر سروسز کے ذریعے جو سلجھے ہوئے لوگ آتے ہیں' ان میں برائیوں کا تناسب بہت کم ہے' پڑھے لکھے افسر بگڑ بھی جائیں تو ہر کس و ناکس کو تنگ نہیں کرتے۔ دیکھ بھال کر اِکّا دُکّا لمبا ہاتھ مارتے ہیں جس کی عملی تشہیر نہیں ہوتی۔"

"پولیس کے بارے میں بڑھتی ہوئی شکایتوں کا کوئی حل بھی ہے؟" گفتگو کا رخ غیر ارادی طور پر بدل گیا۔

"میری دانست میں تو اس کا حل بہت سیدھا اور آسان سا ہے" اس نے کہا "ہر تھانے دار لازمی طور پر سول سروس کے ذریعے آیا ہوا افسر ہو اور اس کا ماتحت عملہ مقامی تھانے کی حدود سے تعلق رکھتا ہو تاکہ ان لوگوں پر ڈسپلن کے ساتھ ہی اخلاقی اور معاشرتی دباؤ بھی پیدا ہو۔ ایک شہر یا صوبے میں دوسرے شہر اور صوبے کی پولیس لگانے کی پالیسی گوروں نے اپنائی تھی تاکہ ہر سپاہی اخلاقی و معاشرتی قیود سے آزاد رہ کر صرف ان کا وفادار رہے۔ ہم بدقسمتی سے آج تک اسی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پولیس کے موجودہ عملے میں سے بیشتر کو گھر بٹھانا پڑ جائے گا۔"

"قطعی نہیں۔ عمر یا سروس کی حد پوری کرکے انہیں ایک نہ ایک دن ریٹائر ہونا ہے۔ صرف نئی بھرتیوں کے لیے اصول بنالیے جائیں تو پانچ سات برس میں ہی پورا ڈھانچا بدل جائے گا۔ مجھے اس محکمے پر اختیار مل جائے تو میں اس سے بھی کم مدت میں نقشہ بدل سکتا ہوں۔"

"مشکل یہ ہے کہ اچھی باتیں لوگ ریٹائر ہونے کے بعد سوچتے ہیں۔ جب تک سروس میں رہتے ہیں' دل و جان سے اسی ناکارہ اور فرسودہ نظام سے جونک کی طرح چمٹے رہتے ہیں..."

"کیا مجھ پر طنز کررہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "پانی اتفاقاً نشیب کی طرف چلا گیا ورنہ

میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تم تو ویسے بھی پولیس سے نہیں بلکہ فوج سے ریٹائر ہوئے ہو۔"

اسی لمحے ایک لمبی سی گاڑی برق رفتاری کے ساتھ ظفر کی جیپ کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی' اس کی رفتار اتنی تیزی تھی کہ میں چونک کر تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ میرے عملے کی گاڑی تھی" ظفر نے میری بڑبڑاہٹ سن کر کہا "اس مہم میں میری جیپ کے علاوہ دو گاڑیاں گئی تھیں۔ دوسری بھی واپس آتی ہی ہوگی۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تمہارے آدمی اتنی جلدی واپس لوٹ سکیں گے....."

"انہیں کرنا ہی کیا تھا؟ لاشوں اور قیدیوں کو سمیٹ کر روانہ ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"

"وہاں رکنے والے آدمیوں کا کیا بنے گا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"جب تک مطلع صاف نہیں ہوجاتا' وہاں کی نگرانی برقرار رہے گی۔ دن میں کسی وقت دوسری ٹیم ان کی جگہ سنبھال کر انہیں آرام کرنے کے لیے بھیج دے گی۔"

باتیں کرتے ہوئے' ہم جلد ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ جہاں ایس ٹی ایف کے عملے کی دونوں گاڑیاں ہم سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور سب لوگ باہر جمع تھے۔

ظفر کے جیپ سے اترتے ہی' اس بھیڑ میں سے ایک تجربے کار اور گٹھیلے جسم والا شخص تیزی سے اس کی طرف آیا اور نیم فوجی انداز میں ایڑیاں بجاتے ہی مشینی انداز میں بولنے لگا "دس پرزنٹ' دو انجرڈ' ریسٹ آل کریکٹ۔ دشمن کے چار قیدی اور تین لاشیں قبضے میں ہیں۔"

مخصوص لب و لہجے میں دی جانے والی اس رپورٹ کا مفہوم بہت واضح تھا۔ مشن میں ایس ٹی ایف کے دس افراد نے شرکت کی تھی۔ ان میں سے صرف دو زخمی ہوئے اور بقیہ افراد خیریت سے تھے۔ اس کے مقابلے میں فریق ثانی کا نقصان بہت عبرتناک تھا۔

"قیدیوں کو یہاں فال اِن کراؤ" ظفر نے لان کی طرف نظریں اٹھا کر سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

قیدی لان پر موجود تھے۔ ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور دہانوں میں کپڑا ٹھونسنے کے بعد ان کے ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے چہرے سرخ اور متورم نظر آرہے تھے۔ ظفر کے آدمی ان کو دھکیلتے ہوئے پختہ ڈرائیو روے کی طرف لا رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک بُری طرح زخمی تھا اور چلتے ہوئے لنگڑا رہا تھا۔ اگر اس کے منہ میں کپڑا نہ ٹھنسا ہوا ہوتا تو ہر قدم پر اس کی چیخیں نکل رہی ہوتیں۔

ظفر نے صرف ایک نظر ان چاروں کو دیکھا۔ اس اثنا میں' میں ان میں سے ایک قیدی کو پہچان چکا تھا۔ وہ شہر کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا جو اپنے شکار کو ثبوت چھوڑے بغیر قتل کرنے میں خاص شہرت رکھتا تھا' کہا جاتا تھا کہ وہ اٹھارہ بیس افراد کو ہلاک کرنے کے باوجود کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آسکا تھا۔

پتا نہیں وہ محض اتفاق تھا یا ظفر نے استاد صدرو کو پہچان لیا تھا کہ اس نے اچانک ہی صدرو کے داہنے گھٹنے پر ٹھوکر سے شدید ضرب لگائی اور صدرو ہوا میں اچھل کر پختہ فرش پر گر گیا۔

"اس کی ایک ٹانگ اس درخت کے تنے سے اور دوسری میری جیپ کے بمپر ہک سے باندھ دو" ظفر نے بالکل سپاٹ اور دھیمے لہجے میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کی۔

دو آدمی بھوکے عقابوں کی طرح استاد صدرو پر ٹوٹ پڑے جس کے ہاتھ بدستور پشت پر بندھے ہوئے تھے پھر آناً فاناً میں صدرو کی ٹانگیں ایک لمبی رسی کے دونوں سروں کی مدد سے ظفر کی ہدایت کے مطابق باندھ دی گئیں' بقیہ تینوں قیدی دہشت زدہ نظروں سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

ظفر اُن میں سے کسی پر بھی نگاہ ڈالے بغیر اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

انجن اسٹارٹ کرکے اس نے اس قدر بے رحمی کے ساتھ جیپ کو ریورس کیا کہ رسی میں بندھے ہوئے قیدی کا دلخراش انجام دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ایس ٹی ایف کے کئی افراد بھی اپنی دبی دبی' اضطراری چیخوں پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ دو قیدی' اپنے ساتھی کا جسم چرنے اور اس سے خون کے تیز فوارے ابلنے کا منظر دیکھتے ہی گر کر بے ہوش ہوگئے۔ تیسرا اپنی جگہ کھڑا بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ دہشت سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

چاروں قیدیوں کے دہانوں میں حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا ہوا تھا' اس لیے ان میں سے کسی کی کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ انہیں آزادی حاصل ہوتی تو شاید ان کی دہشت زدہ چیخیں زمین و آسمان تک کو لرزا کر رکھ دیتیں۔

ظفر کے شکار کا جسم بہت بُری طرح دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اُدھڑے ہوئے ریشوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں سے زندہ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ایک ٹانگ چند پسلیوں سمیت درخت کے تنے سے بندھی ہوئی تڑپ رہی تھی۔ بقیہ جسم اور چہرہ دوسری ٹانگ کے ساتھ فرش پر دور تک گھسٹتا چلا گیا تھا اور پانی سے باہر آئی ہوئی کسی بڑی مچھلی طرح فرش پر تڑپ کر مہیب آوازیں پیدا کر رہا تھا۔ اس کا بھی دہانہ مقفل تھا لیکن اس سفاکانہ عمل میں شاید اس کے نرخرے کو بھی کھنچاؤ کے سبب نقصان پہنچا تھا کیونکہ اس کے کٹے ہوئے سینے کے کسی حصے سے ذبح کیے ہوئے سانڈ جیسی خوفناک خرخراہٹ پیدا ہو رہی تھی۔

ظفر اپنی جیپ کا انجن وہیں بند کرکے' اپنے شکار کے قریب جانے کی زحمت کیے بغیر تیر کی طرح اس قیدی کی طرف آیا جو اپنے ساتھی کا دلدوز انجام دیکھ لینے کے باوجود ہوش میں تھا۔

"میں وقت برباد کرنے کا قائل نہیں" ظفر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں بولا "اگر مجھے اپنے تمام سوالات کے جواب نہ ملے تو یکے بعد دیگرے تم تینوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہ اور کہنا کہ میں اپنا سوال دُہرانے کا عادی نہیں ہوں۔"

وہ شخص زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگا۔ فضا میں خاصی خنکی ہونے کے باوجود' اس کا چہرہ پسینے میں نہا گیا تھا اور آنکھیں وحشت سے پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

ظفر کے ایما پر ایک آدمی اس قیدی کا دہانہ آزاد کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اس وقت ظفر کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر درندگی ناچ رہی تھی' آنکھوں میں قاتلوں جیسا ٹھہراؤ پیدا ہوگیا تھا جس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر جم کر رہ گئی ہو۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ اگر بقیہ قیدیوں نے اس کے سوالات کے جواب دینے میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ کی تو وہ انہیں بھی اسی وحشیانہ موت سے ہم کنار کرنے میں کوئی تامل نہیں کرے گا۔

دہانہ آزاد ہوتے ہی قیدی' آسیب سے ڈرے ہوئے کسی بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔

اس وقت تک درخت سے بندھی ہوئی خون آلود ٹانگ بے جان ہو چکی تھی۔ پختہ فرش پر خون کی پچکاریاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کئی جگہ سرخ اور گاڑھا خون بہہ رہا تھا اور جیپ سے بندھا دھڑ آہستہ آہستہ تڑپ کر آخری منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"خاموش!" ظفر نے چنگھاڑ کی پُرشور آواز کے ساتھ' روتے ہوئے قیدی کے بائیں رخسار پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا "اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو' کہاں سے آئے ہو اور کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"ہم لوگ معاوضے پر ہر قسم کے کام کرتے ہیں" اس نے سہم کر رونا ترک کردیا اور اضطراری ہچکیوں کے درمیان بولنے لگا "ہمیں صدرو نے آج رات کے لئے اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔ اس کے ساتھ گیارہ آدمی آئے تھے۔ ہم لوگوں کو ایک فلیٹ پر حملہ کرکے' وہاں رہنے والوں کو اپنے ساتھ لے جانا تھا۔ اس کام کے لئے صدرو نے مجھے چھ ہزار روپے دیے تھے۔ دوسروں کے بارے مجھے پتا نہیں چل سکا۔"

"صدرو کس کے لئے کام کر رہا تھا؟" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسے دھندوں میں ہمیں اصل آدمی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا لیکن اڑتی اُڑتی خبریں سنی ہیں کہ صدرو آج کل کسی غیر ملکی کے لئے کام کر رہا تھا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کے پاس پیسے کی ریل پیل نظر آنے لگی ہے۔ وہ قیمتی کپڑے پہننے لگا تھا۔ شرابیں بھی ولایتی ہوتی تھیں۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ وہ کسی غیر ملکی کے لئے کام کر رہا تھا؟" ظفر نے تُرشی کے ساتھ پوچھا۔

"صدرو کے شہر میں کئی ٹھکانے ہیں۔ اس کی غیر حاضری میں کئی مرتبہ کوئی غیر ملکی فون پر اس کے بارے میں دریافت کرتا رہا تھا۔ وہیں سے خبریں پھیلنی شروع ہوگئیں لیکن صدرو نے اپنے موجودہ باس کے بارے میں سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ تم نے اسے زندہ رکھا ہوتا تو بہت کچھ بتا سکتا تھا۔"

"صدرو کا اڈہ کہاں ہے؟" ظفر نے چند ثانیوں کی خاموشی کی بعد سوال کیا۔

"ویسے تو وہ شہر کے شراب' جوئے اور قحبہ گری کے اڈوں میں ہی منڈلاتا رہتا تھا لیکن آج کل وہ ڈیفنس کے ایک بنگلے میں رہ رہا تھا۔ ہم لوگوں کو اس نے وہیں جمع کیا تھا۔"

"شام یا دوپہر کو لائے جانے والے آدمی کو کہاں رکھا گیا تھا؟" ظفر نے سلطان شاہ کا مسئلہ چھیڑ دیا۔

"صدرو نے خود ہی اسے پہچانا تھا اور اٹھا کر اپنے بنگلے پر لے آیا تھا۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو قیدی کو خاصی مار پڑ چکی تھی لیکن اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ پھر صدرو نے اسے بے ہوش کرکے کہیں پھنکوا دیا اور اپنے دو آدمیوں کو قیدی کے تعاقب پر لگا دیا۔ ان دونوں کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد ہی حملے کی تیاری کی گئی تھی... میں سچ کہہ رہا ہوں کہ اس قیدی پر تشدد میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔"

ظفر نے اس سے تفصیل کے ساتھ صدرو کے ڈیفنس والے بنگلے کا پتا معلوم کیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ قیدی نے اسے بتا دیا تھا کہ ان دنوں شہر کی ایک مشہور اور جواں سال طوائف کے علاوہ ایک شوقیہ ماڈل گرل بھی صدرو کے ساتھ رہ رہی تھی۔ پُراسرار ذرائع سے حاصل ہونے والی خطیر دولت کے سہارے' صدرو ان دنوں اپنی ساری ہی حسرتیں پوری کر رہا تھا۔

اپنے دفتر میں پہنچ کر ظفر نے فوری طور پر ایک دو نفری جماعت صدرو کے مکان کی طرف روانہ کردی تاکہ وہاں کی تلاشی لے کر اس کے روابط کا سراغ لگایا جاسکے۔ اس کا خیال تھا کہ صدرو کے ساتھ رہنے والی پیشہ ور لڑکیاں بھی اس معاملے میں مددگار ثابت ہوسکتی تھیں۔

"اور ان تینوں قیدیوں کا کیا بنے گا؟" تخلیہ ہونے پر میں نے ظفر سے سوال کیا۔

"یہ لوگ یقینی طور پر ہیری کیسنجر کے لئے کام کر رہے تھے اور وہ بلیو کراس ڈیل کا بہت بڑا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کا بہترین انجام

تو وہی ہونا چاہئے جو صدرو کا ہوا۔ میرا بس چلے تو ایسے غداروں کو زمین میں ' دھڑ تک زندہ دفن کرا کے ان پر بھوکے بھیڑیے چھڑوا دوں۔"

"تمہارا غصہ اپنی جگہ بالکل بجا ہے لیکن کیا وہ سلوک بہت زیادہ بے رحمانہ نہیں تھا؟" میں نے اس کے ردِعمل پر نگاہ رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی۔

"غیر جذباتی تماشائی بن کر سوچو گے تو وہ سزا وحشیانہ ہی نہیں' غیرانسانی بھی نظر آئے گی لیکن ایک محبِّ وطن کی طرح اس کے سنگین جرائم کو پیشِ نظر رکھو گے تو وہ سزا ناکافی محسوس ہوگی۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ میری نظروں میں اپنی زمین سے غداری سے بڑا جرم کوئی اور نہیں ہے۔"

میں نے اس سے بحث کرنے کا ارادہ ترک کردیا کیونکہ عام تعزیری قوانین کے تحت بھی قتلِ عمد میں اشتعال کے عالم میں کئے ہوئے اضطراری قتل میں نمایاں امتیاز برتا جاتا ہے۔ جبکہ وہاں قانون کا معاملہ درپیش نہیں تھا۔ اگر میں ظفر کی جگہ ہوتا تو شاید میرا ردِعمل اس سے کہیں زیادہ شدید اور لرزہ خیز ہوتا۔

میری دانست میں بلی تھیلے سے باہر آچکی تھی اور یہ ثابت ہوچکا تھا کہ ہیری کیسنجر ہی ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ حقیقت میں استاد صدرو کے مکان کی تلاشی اور اس کی داشتاؤں سے بازپرس محض رسمی کارروائی تھی اس لئے وہاں رک کے رہ کر مجھے کچھ حاصل نہ ہوتا جب کہ میرے فلیٹ میں کسی بھی لمحے کوانگ فو اور غزالہ کے بارے میں کوئی اہم خبر آسکتی تھی اس لئے میں نے ظفر سے اجازت طلب کی اور اس نے اپنے ایک ڈرائیور کو مجھے فلیٹ تک لے جانے پر مامور کردیا۔ اس وقت تک صدرو کے بے ہوش ساتھی بھی ہوش میں آچکے تھے اور دہشت اور بے یقینی کے عالم میں کھلے آسمان تلے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کررہے تھے۔ ان کے مردہ ساتھیوں کی لاشیں غالباً گاڑیوں سے نکالی ہی نہیں گئی تھیں جب کہ استاد صدرو کی چری ہوئی لاش کے دونوں حصے سمیٹنے کے بعد' اس کے گندے خون کی صفائی کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ ان لوگوں کے زندہ اور مردہ افراد کو اپنی تحویل میں لے کر' ایس ٹی ایف والوں نے میرے رہائشی فلیٹ کے قرب وجوار میں متصادم فریقوں کی اصلیت کے بارے میں کوئی ثبوت باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ ان میں سے جو بچ رہے تھے وہ یقینی طور پر فرار کی راہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

میں ایس ٹی ایف کی گاڑی میں شرف آباد کے علاقے میں پہنچا تو وہاں کا رنگ خاصا بدلا ہوا تھا۔

ہماری عمارت کے عقبی حصے میں تمام اسٹریٹ لیمپس بدستور تاریک پڑے ہوئے تھے لیکن تمام رہائشی فلیٹ کسی استثنیٰ کے بغیر روشن نظر آرہے تھے۔ اس وقت تک فائرنگ کو ختم ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی اس لئے بے شمار افراد اصل صورتِ حال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ ان حالات میں گاڑی کو ہجوم میں سے گزارنا مناسب نہیں تھا۔ تجسس میں مبتلا لوگوں کی ساری توجہ ہماری گاڑی کی طرف ہوجاتی اور کوئی سرکش گروہ گاڑی کا راستہ روک کر یہ جاننے کی کوشش کرسکتا تھا کہ میں اتنے منہ اندھیرے کہاں سے آرہا تھا' اس علاقے میں میرا کیا کام تھا۔

بات کو اتنی دور تک بڑھانے کے بجائے' میں نے گاڑی وہیں ہی رکوالی اور اس کے روانہ ہوجانے کے بعد بے پروایانہ انداز میں فلیٹ کی طرف چل دیا۔

وہاں ہونے والی فائرنگ بہت شدید تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا میں متعدد لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی ابھری تھیں' کئی جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے بھی پائے گئے تھے لیکن ٹکڑیوں کی صورت میں بٹے ہوئے لوگوں کو اس امر پر حیرت تھی کہ ان کے نکلنے پر ہر طرف میدان صاف پڑا ہوا تھا۔ ان کی حیرت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ قیامت کی فائرنگ ہونے کے باوجود پولیس کے عملے نے ادھر کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کی تھی جب کہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر بہادر آباد کا مشہور چوراہا واقع تھا جہاں دن رات پولیس کے گشتی دستے مامور رہتے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے علاقے کے تھانے سے فون پر رابطہ کرنا چاہا تو ناکامی ہوئی کیونکہ تھانے کا ٹیلی فون مسلسل انگیج ٹون سنا رہا تھا۔

میں راستے میں جگہ جگہ رکتا اور لوگوں کے ہیجان آمیز تبصرے سنتا ہوا اپنے فلیٹ کی عمارت میں داخل ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش اہل کار اپنی جگہوں پر ڈٹے رہ کر لوگوں کی توجہ کا نشانہ بننے کے بجائے قرب وجوار میں جمع ہونے والی بھیڑ میں شامل ہوگئے تھے۔

فلیٹ میں پہنچا تو وہاں سب کے چہروں پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

"سب کچھ ٹھیک ہوگیا۔ ان کے تین آدمی مارے گئے' چار پکڑے گئے۔ وہ ہیری کیسنجر کے لئے کام کررہے تھے۔ ان کا سرغنہ پکڑے جانے کے بعد ظفر کے ہاتھوں مارا گیا' لیکن تم لوگوں کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟" ان کے یک زبان استفسار پر میں نے چار فقروں میں اپنی کتھا مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔

"مکاؤ سے کوانگ فو کی سیکریٹری کا فون آیا تھا۔ وہاں کی صورتِ حال حوصلہ افزا نہیں ہے" ویرا نے مجھ سے نگاہیں چار کئے بغیر پژمردہ آواز میں کہا "ہمارے ساتھ کوانگ فو کے ستارے بھی گردش میں آگئے ہیں۔"

"کیا؟ وہاں کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے صوفے پر گرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھو کہ دھونس اور ہیبت کی وجہ سے ہانگ کانگ پولیس نے ڈان کو چھوڑ دیا ہے لیکن اس کی اسپیڈ بوٹ میں موجود ہر شخص کو گرفتار کرلیا ہے۔ ان میں غزالہ کے ساتھ ہی وہ بھارتی افسر بھی شامل ہے جو مسٹر ترپاٹھی کے نام سے اس کے ساتھ کولون پہنچا تھا۔"

"لیکن کیوں؟" ویرا کے انکشاف نے میرے ذہن کو الجھا کر رکھ دیا "پولیس والے کسی کو بلاوجہ گرفتار نہیں کرسکتے۔ ان لوگوں کا کوئی نہ کوئی جرم بھی بتایا گیا ہوگا؟"

"ابھی کسی کو کچھ پتا نہیں چل رہا" ویرا خود بھی اس نئی صورت حال پر پریشان نظر آرہی تھی "کوانگ فو کو گرفتار نہیں کیا گیا لیکن وہ سخت مشتعل ہے اور ہانگ کانگ میں ڈیرہ ڈالے بیٹھا ہوا ہے۔ وہی نہیں بلکہ بلیک ڈریگن کے ارکان بھی اس واقعے کو ڈان کی توہین وتذلیل قرار دے رہے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہانگ کانگ پولیس نے ایک ایسی اسپیڈ بوٹ پر چھاپا مارنے کی جسارت کیسے کی' جس میں ڈان سفر کررہا تھا۔ جیسے ہی صورت حال واضح ہوگی' مکاؤ سے دوبارہ فون آئے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ غزالہ کے بارے میں' ہانگ کانگ میں کسی نے مخبری کی ہے" میں نے بے چینی کے ساتھ صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"جب تک مکاؤ والوں پر کوئی صورت حال واضح نہ ہو' یہ تمام قیاس آرائیاں قبل از وقت بلکہ بے سود ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس چھاپے کا غزالہ کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اور وہ ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہو" ویرا نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم سب کچھ مکاؤ والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر' ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کون سا چارہ کار ہے؟" ویرا نے فوراً ہی ایک جوابی سوال داغ دیا "یہاں رہ کر تم ہانگ کانگ میں کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔ ایسی صورت میں تم غزالہ یا ڈان کوانگ فو کے دوسرے آدمیوں کے لئے کیا کرسکوگے؟"

"ہم نے اس سے رجوع کرکے بنیادی غلطی کی ہے۔" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی "اتنے وقت میں تو ڈیبی ہانگ کانگ جاکر غزالہ کو واپس لاسکتا تھا۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی" میں نے اسے شاباش دی۔ "میں اس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ ہم نے کوانگ فو سے رجوع کرکے خود ہی معاملہ الجھا لیا ہے۔"

"الجھایا سلجھا' جو کچھ ہونا تھا' وہ ہوچکا" ویرا تنک کر بولی۔ "اسے واپس نہیں لوٹایا جاسکتا' اس لئے اب اس لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔ تم دونوں مل کر بلاوجہ میرا دماغ خراب کررہے ہو۔" "ابھی تم نے ایک مفروضے کی بات کی تھی کہ شاید چھاپے کا تعلق غزالہ کی ذات سے نہ ہو' مجھے اس سے شدید اختلاف ہے۔"

میں نے کہا "تم خود بتا چکی ہو کہ ڈان کوانگ فو اپنے علاقے میں بے پناہ اثر ورسوخ کا مالک ہے اور مدتوں سے کسی روک ٹوک کے بغیر اپنا کاروبار چلا رہا ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ویرا آنکھیں نکال کر بولی "کوانگ فو کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو' قانون کی نظروں میں اول و آخر ایک مجرم ہے اور اسے کبھی نہ کبھی پکڑے جانا تھا۔"

"اب تم کٹھ حجتی کررہی ہو!" اس کی تاویل پر میرا منہ بن گیا "اگر اس کے آدمیوں کی آئے دن پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی' اس کے ٹھکانوں پر چھاپے پڑتے رہتے یا وہ خود کئی بار حوالات کی ہوا کھا چکا ہوتا تو اس چھاپے کو اسی کی کسی بے اعتدالی کا نتیجہ سمجھ لیتا۔ اس جیسا شاندار ماضی رکھنے والا شخص اچانک ہی محدود عتاب کا نشانہ بنتا ہے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کارروائی کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیوں کیا گیا جب وہ غزالہ کو ہانگ کانگ سے نکال کر مکاؤ کی طرف لا رہا تھا۔"

"میں تمہیں یہ بھی بتا چکی ہوں کہ کوانگ فو دن رات مکاؤ میں ' اپنے محل نما مکان میں پڑا بیش قیمت شرابوں میں نہاتا رہتا ہے۔ وہ عیش وعشرت کا دلدادہ ہے' اس لئے باہر نہیں نکلتا" ویرا جلے بھنے لہجے میں کہنے لگی "ہوسکتا ہے کہ ہانگ کانگ کی پولیس کافی دنوں سے اس کی گھات میں لگی ہوئی ہو' آج وہ ہمارے کام سے اپنا حصار چھوڑ کر باہر نکلا اور پولیس کو....."

بولتے بولتے وہ اچانک ہی خاموش ہوگئی اور میں بے اختیار ہنس پڑا "ہاں ' ہاں کہو کہ پولیس کو اسے پکڑنے کا موقع مل گیا۔ پریشانی کی بات یہی ہے کہ تمہارے کوانگ فو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسے بھی بند کردیا گیا ہوتا تو مجھے اتنی پریشانی نہ ہوتی۔"

"تم لوگوں کے دماغ میں ہر طرف منطق اور حجت گھسی رہتی ہے" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی "تم سے بات کرکے کبھی کبھی ذہن بہت بوجھل ہوجاتا ہے۔"

"فی الحال ہمیں مقامی پولیس کے لئے بھی کوئی کہانی سوچنے کی ضرورت ہے" سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا "وہ لوگ کسی بھی وقت نازل ہوسکتے ہیں۔"

"ان کے بارے میں ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ' اس علاقے کے ہزاروں مکینوں کی طرح ہم بھی اپنے فلیٹ میں تھے اور فائرنگ کی آوازیں سننے کے باوجود باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔ کسی کے فرشتے بھی یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ یہ سارا ہنگامہ ہمارے لئے ہی ہوا تھا" میں نے کہا۔

"ہمیں ان واقعات میں الجھانا اتنا مشکل نہیں ہے" سلطان شاہ پرخیال انداز میں بولا "کچھ عرصے پہلے ہی ہمارے پڑوس کا دروازہ اکھاڑ کر ایک عورت کو قتل کردیا گیا تھا' اس کے بعد وہ ویرا کے آدمیوں نے یہاں دل کھول کر اپنا میگزین برباد کیا تھا...."

"بلاوجہ کی باتیں مت بناؤ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا "ان میں سے کسی بھی واقعے کو ہم لوگوں سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر ہم اعتماد اور سختی کے ساتھ اپنی کہانی پر اڑے رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں الجھا سکے گی۔"

"ظاہر ہے!" ویرا نے تبصرہ کیا "اس بار تو ظفر بھی پوری طرح تمہاری پشت پناہی کررہا ہے۔"

"تمہارے ساتھ ہی وہ تم پر بھی مہربان نظر آرہا تھا" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اگر تم اس کے ساتھ چلی جاتیں تو شاید تم دونوں کے مراسم دوستی کی حد سے آگے بھی بڑھ جاتے۔"

"ایس ٹی ایف کے ایک فرض شناس افسر کے بارے میں ایسی رائے رکھتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"حسن پرستی سے فرض شناسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر فرض شناس آدمی جمالیاتی حس سے سرے سے محروم ہو۔ میں تم دونوں کی نگاہیں بھانپ رہا تھا۔ اب ایسی بھولی نہ بنو جیسے تمہیں ظفر کے دلی احساسات کے بارے میں کچھ علم ہی نہ رہا ہو۔"

"اوہ!" سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "جب ہی تم ظفر کے ساتھ جانے پر تیار ہوگئی تھیں۔"

"شاید پولیس کی گاڑیاں آرہی ہیں" میں نے دور سے آنے والی موہوم سی آوازوں پر کان جماتے ہوئے چونک کر کہا۔

"ہاں، یہ تو پولیس کی گاڑیوں کے سائرن ہی معلوم ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ بھی ان آوازوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "لیکن یہ لوگ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیوں آرہے ہیں؟"

"تو کیا انہیں صبح تک دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ اس بارے میں ظفر سے ہماری گفتگو اس وقت ہوئی تھی جب وہ باتھ روم میں گئی ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت سلطان شاہ کی حماقت کی وجہ سے وہ بات ویرا کے علم میں بھی آگئی۔

"حکم یا ہدایت کا علم نہیں" میں نے بات سنبھالنے کی نیت سے کہا "لیکن ایسا بندوبست ضرور کیا گیا تھا کہ پولیس بروقت یہاں نہ پہنچ سکے۔"

"پولیس والوں پر ایس ٹی ایف کا اتنا زور چلتا ہے اور تم پھر بھی انہیں غیر سرکاری افراد قرار دیتے ہو۔ یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے۔"

"میں جو کچھ کہتا ہوں، اس کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "درحقیقت میرے لئے بھی بہت سی [illegible] سے کم نہیں ہیں۔ میں بس اسی قدر رعایت کافی [illegible] کہ وہ لوگ ہر معاملے میں میرا ساتھ دیتے چلے آرہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا کھوج لگانے کے لئے بھی تم نے ان سے مدد حاصل کی ہوگی؟"

"اب تم نے پھر اونچی پرواز شروع کردی" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "وہ سب میرا اپنا کام تھا۔ میں تو ان لوگوں کو سرے سے بھولا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کے خدشات سے آگاہ ہونے کے بعد [illegible] نے ہی مجھے اول خان کا نام یاد دلایا تھا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "تم میں خوبی یہی ہے کہ تم ہر وقت حاضر دماغ رہتے ہو۔"

میرا ذہن پولیس والوں کی آمد میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے جھوٹ سچ بول کر ویرا کو تو خاموش کرادیا تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس والوں کے لئے ایس ٹی ایف کی اہم ہدایات سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور ظفر نے انہیں صبح طلوع ہونے تک اسے علاقے سے دور رہنے کے لئے کہا ہوا تھا۔

پھر مجھے وہ منظر یاد آیا جو میں نے فلیٹ واپسی پر دیکھا تھا۔ علاقے کے لوگ دہشت، سنسنی اور تشویش میں مبتلا تھے پھر وہاں مقابلہ ختم ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی اس لئے علاقے کے لوگوں کے رابطے اور دباؤ سے مجبور ہو کر پولیس والوں کو وہاں آنا پڑ گیا تھا۔ یہ امکان بھی موجود تھا کہ جائے واردات کی طرف پولیس پارٹی کی روانگی، ایس ٹی ایف کے کسی ذمّے دار سے کلیرنس لینے کے بعد عمل میں لائی گئی ہو۔

پولیس والوں کے بارے میں ہم تینوں ہی شدید تجسس میں مبتلا تھے اور یہ جاننے کے آرزومند تھے کہ وہ لوگ آنے کے بعد کس رخ پر کام کررہے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم فلیٹ سے باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ فلیٹ میں خورد نوش کے لوازم سمیت ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ سلطان شاہ چائے کا آخری کپ پینے کے بعد آرام کرنے کی نیت سے خواب گاہ میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ویرا ایک بار پھر ڈرائی جن کی بوتل وغیرہ نکال لائی اور دو گلاس بنانے کی تیاری میں مصروف ہوگئی۔

"خدا کا خوف کرو، ویرا!" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "سلطان شاہ کے جاتے ہی تم تو اس طرح اٹھی ہو جیسے کسی خرانٹ واعظ سے نجات ملی ہو۔"

"وہ ہمیں شراب پیتے دیکھ کر ایسے بُرے بُرے منہ بناتا ہے کہ پینے کا سارا لطف غارت ہوجاتا ہے۔ مجھے نشے کے لئے نہیں بلکہ اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لئے، اس وقت تھوڑی سی الکحل کی ضرورت ہے۔"

"اتنی صبح، سورج طلوع ہونے سے پہلے تم بوتل لے بیٹھیں پھر کچھ بھی نہیں کرسکو گی۔"

"اب تو ویسے بھی کچھ نہیں کیا جاسکتا" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر حسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں آج رات کا ہر لمحہ اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہ رہی تھی صورت حال نے ایسا پلٹا کھایا کہ سارا موڈ ہی تباہ ہو کر رہ گیا۔

اتفاق سے یہ سب سلطان شاہ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ سلطان شاہ تمہیں راہِ راست پر رکھنے کے ارادے سے مار کھا کر آیا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

وہ ہنس پڑی "میں محتاط تھی۔ میں نے اس کے ارادے کا نہیں، اتفاق کا ذکر کیا تھا۔ پتا نہیں تم اس کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہو؟ میری تو اور بات ہے لیکن میں اتنا بتائے دیتی ہوں کہ غزالہ، تمہاری اور سلطان شاہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بہت جلد حسد میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"وہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"سلور آئیز کی منتقلی کا معاہدہ کرکے ہم ایک بار پھر دوستی کا رشتہ قائم کرچکے ہیں" اس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اور دوستی میں ہر فریق کو دوسرے کے مفادات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بُری بھلی باتوں پر مشورہ دینا میرا فرض بنتا ہے۔"

"ضرور بنتا ہوگا، لیکن میرے اوپر کیوں چڑھی چلی آرہی ہو۔ سلطان شاہ کوئی روبوٹ نہیں ہے کہ بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سوگیا ہوگا۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ ہم آرام سے بھی باتیں کرسکتے ہیں۔"

ہم دونوں نے اپنے اپنے گلاس سے جن کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ اپنے معدوں میں منتقل کیے ہی تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔

دوسری طرف کوانگ فو کی سیکریٹری لائن پر موجود تھی۔

ویرا کا جواب سنتے ہی اس نے شاید اپنے ساؤنڈ اسکینر پر تجزیاتی رپورٹ دیکھ کر اس کی اصلیت پر یقین کرلیا اور بولی "اس بار ڈان کے ساتھ بہت بڑا فریب ہوا ہے۔ ہانگ کانگ سے آنے والی خبریں بہت تشویش انگیز ہیں اور ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟"

"فریب؟ تو کیا اسی کے کسی آدمی کی مخبری پر یہ ساری کارروائی کی گئی ہے۔"

"نہیں!" اس لڑکی کی پُراعتماد آواز ابھری "مخبروں کا انجام بہت برا اور عبرت ناک ہوتا ہے۔ ڈان کے نمک خوار اتنی بڑی حماقت کرکے اپنی زندگیاں عذاب نہیں بنا سکتے۔"

"تو پھر کیا ہوا ہے؟" ویرا اس کے انداز سے چڑ کر قدرے تیزی کے ساتھ بولی۔

"بس یہ سمجھو کہ معاملہ بہت بری طرح الجھ گیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ انہوں نے ڈان کو اس معاملے میں ملوث نہیں کیا ورنہ وہ چاہتے تو اس واقعے کی آڑ لے کر ڈان کی عزت اور وقار کی دھجیاں اڑا سکتے تھے اور ہم سب خون کے آنسو پی کر رہ جاتے۔"

"تم میرے اور ڈان کے مراسم سے واقف ہو" ویرا نے تحمل سے کام لیتے ہوئے، اس سینتالیس سالہ "لڑکی" کو سمجھانا چاہا "اس لیے مجھ سے پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ میں ڈان کی ہم سری کی دعوے دار تو نہیں ہوں مگر میرے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ لیکن جب تک مجھے پوری صورتِ حال کا علم نہیں ہوگا، میں ڈان کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔ ازراہِ کرم مجھے پوری کہانی سنا ڈالو۔"

"ساری خرابی یہ ہے کہ ڈان نے خود کو مکاؤ والے پیلس میں محصور کرکے سارا کام اپنے ماتحتوں پر چھوڑ دیا ہے" دوسری طرف سے ایک گہری سانس کے بعد کہا گیا "اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر بعض کم ظرفوں نے اپنے دھندے بھی شروع کرلیے ہیں۔ ڈان کی اسپیڈ بوٹ کے انجن روم سے ایک کروڑ پتی اور روپوش چینی کو برآمد کیا گیا ہے۔ وہ شخص بھی چین میں ہیروئن اسمگل کرنے کا مجرم ہے اور چین میں اس جرم کی سزا موت ہے۔ وہ کسی طرح چینی پولیس کی تحویل سے فرار ہو کر ہانگ کانگ آگیا اور یہاں ڈان کی اسپیڈ بوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ اسے یقینی طور پر ایرک نے بھاری معاوضہ لے کر پناہ دی ہوگی۔ ڈان کے فرشتوں کو بھی اس واقعے کا علم نہیں ہوگا کیونکہ ڈان، چینی پولیس اور حکام کی دشمنی مول لینے سے ہمیشہ بچتا رہا ہے۔ یہ لوگ پاتال تک اپنے شکاروں کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے۔"

"اگر ہم اپنی گفتگو اصل معاملے تک محدود رکھیں تو بہتر ہوگا" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"میں خود ضروری باتوں سے بچ رہی ہوں۔ وہ روپوش چینی ہاربر میں لنگر انداز اسپیڈ بوٹ میں چھپا رہا۔ پھر جب ڈان نے اچانک اسپیڈ بوٹ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تو ایرک نے اس موقعے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ڈان اپنی مہمان کو لے کر مکاؤ کے لیے روانہ ہوا تو اسپیڈ بوٹ کے انجن روم میں وہ چینی بھی موجود تھا۔ دوسری طرف حکام کو کسی طرح خبر مل گئی کہ مین لینڈ چائنا کے ایک مفرور مجرم کو اسپیڈ بوٹ کے ذریعے لے جایا جارہا ہے۔ لہٰذا راستے میں اسپیڈ بوٹ کو روک لیا گیا۔ ہانگ کانگ پولیس ڈان اور اس کے اٹل اصولوں سے بہت اچھی طرح واقف ہے اس لیے انہیں یقین ہے کہ مفرور چینی کو ہانگ کانگ کے راستے اسمگل کرنے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے لیکن اسپیڈ بوٹ کا عملہ مارا گیا ہے ان ہی کے ساتھ تمہاری مہمان اور اسے لانے والا بھی روک لیا گیا ہے اور ہانگ کانگ پولیس تفصیلی تفتیش کے بغیر ان میں سے کسی کو رہا نہیں کرے گی۔"

"پھر اب فادر کوانگ فو کہاں ہے؟" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔ تمہاری مہمان کو حاصل کیے بغیر وہ وہاں سے نہیں نکلے گا۔"

"جب وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تو پھر وہاں کیوں ٹھہرا ہوا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"تم جانتی ہو کہ ڈان اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس سے کوئی کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ یہ تمام معلومات بھی ان لوگوں نے فراہم کی ہیں جو ڈان کا کھوج لگانے کے لیے ہر طرف پھیلائے گئے تھے۔ ابھی تک ڈان سے ہمارا براہِ راست رابطہ نہیں ہوسکا۔ اس کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے، یہ صرف وہی جانتا ہے۔"

"وہ ہانگ کانگ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟" ویرا نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ ہلٹن کے رائل سوئیٹ میں مقیم ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ اس سے فون پر بات نہ کرنا۔ ڈان ہوٹل کے فون پر اپنے آدمیوں سے دعا سلام کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اسے کال ٹیپ کیے جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ وہ تمہاری آواز پہچانتے ہی فون بند کردے گا۔"

"لیکن اس سے رابطہ بہت ضروری ہے۔ میں اس سے کس طرح بات کرسکتی ہوں۔"

"فی الحال ناممکن ہے۔ ڈان نے ہوٹل میں ٹھہرنے کا فیصلہ کرکے ہم سب پر یہ واضح کردیا ہے کہ وہ فی الحال کسی سے ملنے یا بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ اسے اپنے آدمیوں سے رابطہ برقرار رکھنا ہوتا تو وہ ہوٹل کے بجائے اپنے ہی کسی ٹھکانے کا رخ کرتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اسپیڈ بوٹ والے سنگین واقعے نے اسے اپنے آدمیوں سے بدگمان کردیا ہے۔ اسی لیے وہ ان سے دور رہنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"وہ دور ضرور ہے لیکن اپنے کام سے غافل نہیں ہے۔ وان چائی والے گھاٹ سے بوٹس کے آپریشن کی ذمے داری لنگڑے ہاؤ پر ہے مگر وہ نائٹ کلبس کے چیف منیجر، ایرک موک کو جواب دہ ہے۔ جو کچھ ہوا ہے، وہ ایرک اور ہاؤ کی ملی بھگت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے کہ ہانگ کانگ پولیس ان دونوں پر ہاتھ ڈالتی اور وہ تشدد سے مجبور ہو کر زبان کھولتے، ان کی موت واقع ہوچکی ہے۔"

"اوہ!" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی "اس طرح تو ڈان خود ہی اپنا گردن پھنسا لے گا اور یہ پورا معاملہ بھی سنگین رخ اختیار کرلے گا، اس وقت تو اسے ہر انتقامی کارروائی موقوف رکھنی چاہیے تھی۔"

"تم فکر نہ کرو" اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈان ہم سب کا باپ اور استاد ہے۔ وہ مشکل کے بدترین حالات میں بھی چاق و چوبند رہتا ہے۔ دیسی جڑی بوٹیوں اور زہروں کے بارے میں اس کا علم کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ ان دونوں کی لاشوں کی طبی رپورٹیں ہارٹ فیلور کی ہی کہانی سنائیں گی اور ان کی اتفاقی موت پر کسی کو شبہ کرنے کی نوبت نہیں آسکے گی۔"

"میرے لیے ہر راستہ بند ہے، پھر میں کیا کروں؟" ویرا خاصی پریشان ہوگئی تھی۔

"صبر اور انتظار کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ تمہارا کام ڈان کے لیے ایک چیلنج بن گیا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن کوئی خبر ہو تو مجھے فون ضرور کردینا" ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم آٹھ دس گھنٹوں تک اس نمبر پر رہو گی۔ اس کے بعد کا نمبر بھی دے دو تاکہ میں تم سے فوری رابطہ کرسکوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اس نمبر کے علاوہ میرا کوئی اور رابطہ نہیں ہے" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے فون پر کہا "اس نمبر پر میں نہ ہوں تو میرے ساتھی کو پیغام دے دینا، وہ مجھے باخبر کردے گا۔"

"اس کی آواز سنوا دو تو یہ بھی کرلیا جائے گا۔ ساؤنڈ اسکیننگ کے بغیر ہم کسی سے کھل کر بات نہیں کرسکتے کیونکہ نام اور آواز بدلنا زیادہ دشوار نہیں ہوتا۔"

"اس کا نام تنویر ہے، میں فون اسے دے رہی ہوں" ویرا نے مجھے آنکھ سے اشارہ کرکے کہا۔

"ہیلو! میرا نام تنویر ہے" لحظہ بھر کے سکوت کے بعد میں نے اسپیکر فون پر کہا۔

"دو جملے اور ریکارڈ کرادو تاکہ اسکیننگ رینج میں اضافہ ہوجائے" کوانگ فو کی سیکریٹری کی آواز ابھری۔

"ویرا کی غیر موجودگی میں، میں شدت کے ساتھ تمہارے پیغام کا انتظار کروں گا۔ دیر ہوئی تو شاید میں خود تم سے رابطہ کرلوں۔" میں نے مہمل فقرے ریکارڈ کرانے کے بجائے بامعنی پیغام دیا۔

"گڈ! میں تم سے رابطہ رکھوں گی" اس فقرے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے فون کا سلسلہ منقطع کردیا گیا اور میں نے اپنا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"تم چاہو تو غزالہ کا مسئلہ حل ہونے تک میں یہاں رک سکتی ہوں" ویرا کہہ رہی تھی "ورنہ آج مجھے روانہ ہونا ہے۔ یہاں رکنے کی صورت میں بلیو کراس ڈیل کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"تم نے عقل مندی کا کام کیا کہ مکاؤ والوں سے میرا رابطہ کرادیا۔ میں خود ہی معلومات حاصل کرتا رہوں گا۔ تم بھی یہاں رہ کر اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکو گی۔ تمہارے لیے ایران والا کام زیادہ ضروری ہے۔"

ویرا کے پاس کراچی سے کوئٹہ جانے کے لیے ہوائی ٹکٹ موجود تھا جو وہ شام کو لے آئی تھی۔ اس کے مطابق ویرا کو زیادہ سے زیادہ ایک بجے تک ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جانے سے پہلے کم از کم ایک بار مکاؤ سے رابطہ کرسکتی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں خود اپنے معاملات کی دیکھ بھال کرسکتا

تھا۔ باہر پولیس والوں کی کارروائی جاری تھی۔ میں فلیٹ سے نیچے نہیں گیا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ محض رسمی کارروائی تھی۔ پتا نہیں، دوسرے فلیٹوں کے مکینوں سے باز پرس کی گئی تھی یا نہیں لیکن کسی نے ہمارے فلیٹ کا رخ نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف سلطان شاہ بھی کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر، تھوڑی دیر بعد گہری نیند سوگیا تھا اس لیے ویرا کو کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ میری رفتار سست تھی مگر وہ تیزی کے ساتھ پی رہی تھی اور اسی کے ساتھ اس کے دماغ پر رنگینی سوار ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اس کی ابتدائی چھیڑ چھاڑ کو سنجیدگی سے روکنے کی کوشش کی لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ اس کے لاشعور میں دبی ہوئی کچھ نا آسودہ خواہشات، نشے کے ساتھ اس کے حواس پر مسلط ہوتی جارہی تھیں اس لیے مجبور ہوکر، میں نے بھی اسے ڈھیل دے دی۔

اس وقت وہ شی کی بھیانک آئی ودمن کے بجائے ایک حسین وشوخ لڑکی بن کر رہ گئی تھی جو آزادی ملنے کے بعد دنیا بھر کی خوشیوں کو بیک وقت اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی کوشش کررہی ہو۔ اس کی آنکھیں شراب کے خمار سے بوجھل ہورہی تھیں، لب ورخسار اپنی ہی آنچ میں پگھلے جارہے تھے اور وہ لمحہ بہ لمحہ بے حجابی کی طرف بڑھتی جارہی تھی، میں خاموشی اور سکون سے اپنی جگہ بیٹھا اس کی چیرہ دستیوں سے لطف اندوز ہورہا تھا کیونکہ اس وقت میرے پاس وقت گزاری کے لیے کوئی معقول مشغلہ نہیں تھا۔

○☆○

میرے ایما پر ویرا نے نو بجے شری مان سنگھ کو فون کیا۔ بظاہر اس کا کام بہت سیدھا تھا۔ غزالہ کی واپسی کے بارے میں، اس نے مجھ سے سودے بازی کرکے اپنے کام میں الجھانا چاہا تھا لیکن ویرا کے پہلے ہی مطالبے پر اس نے غزالہ کو واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کردی تھی۔

مکاؤ سے آنے والی خبروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ شری مان سنگھ نے ویرا سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق، غزالہ کو اپنے ایک آدمی کے ساتھ ہانگ کانگ بھیج دیا تھا اور وہ دونوں شنگریلا سے کوانگ فو کے ساتھ بھی ہولیے تھے۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا، اس کا شری مان سنگھ سے کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی میں ذہنی طور پر اس بدمعاش کی طرف سے ایک بے نام سی خلش میں مبتلا تھا۔

سلسلہ ملتے ہی شری مان سنگھ نے ویرا کی آواز پہچان لی اور خوشگوار حیرت کے ساتھ بولا "اوہ! صبح ہی صبح تم نے مجھے کیسے یاد کرلیا؟ مجھے امید ہے کہ دوسری طرف سب خیریت ہوگی۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ نہیں ہوپارہا" ویرا مکارانہ انداز میں بولی "اسی لیے میں نے سوچا کہ تم سے معلوم کرلوں، تمہارے آدمی نے بھی ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد کسی نہ کسی کو رپورٹ دی ہوگی۔"

"ہاں، اس نے شنگریلا سے نئی دہلی فون کرکے اپنی خیریت کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بعد اس نے کسی سے کوئی بات کی ہو تو وہ میرے علم میں نہیں ہے۔ میرے حساب سے اب تک ان کی واپسی کا سفر شروع ہوچکا ہوگا ..... لیکن تمہارا اپنے آدمیوں سے رابطہ کیوں منقطع ہے؟"

"ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ٹھکانوں سے نکلے ہوئے ہوں" ویرا بے پروایانہ لہجے میں بولی "دیر سویر سے رابطہ ہوتا جائے گا۔ اگر وہ دونوں شنگریلا پہنچ گئے تھے تو آگے کا پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک ہوگا۔"

"پھر اب کب ملاقات ہوگی؟ میرے پاس نئی دہلی سے اہم کاغذات آگئے ہیں۔ ہم لوگوں پر روز بروز دباؤ بڑھتا جارہا ہے۔ نئے پلان پر کام شروع کرنے سے پہلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آخری مرحلے کے لیے سب کچھ تم ہی کو فراہم کرنا ہوگا۔"

اس نے گول مول بات کی تھی لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا اشارہ ہتھیاروں وغیرہ کی کھیپ کے بارے میں تھا جس کے بغیر کوئی بھی خونریز شورش کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

"میں چند روز کے لیے اپنے معاملات میں مصروف رہوں گی۔ ان سے نمٹنے کے بعد تم سے ملاقات کا کوئی پروگرام بن سکے گا۔ فی الحال میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا" شری مان سنگھ کی بات سن کر ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی۔

"تم چند روز کے لیے جا ہی رہی ہو تو روانگی سے پہلے ہیری کو بھی کھڑکاتی جاؤ۔"

"تم بلاوجہ ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے چھیڑ چھاڑ ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "کم ازکم یہ معلوم ہوجائے گا کہ وہ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے یا ہمارے ذریعے تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کررہا ہے؟"

چند منٹ کے بحث مباحثے کے بعد ویرا، ہیری کیسنجر کو فون کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

ویرا کی کال کسی غیرملکی عورت نے وصول کی اور ویرا نے اپنا نام ڈیزی بتاتے ہوئے ہیری کیسنجر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جس پر فوراً ہی ہیری لائن پر آگیا۔

"بڈھے طوطے! آج کل کیا کررہے ہو؟" ہیری کیسنجر کی آواز سنتے ہی ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ایک گہرے سانس کے ساتھ ہیری کیسنجر کی آواز ابھری "تو تم کو ابھی تک ہرزہ سرائی کرنے کی چھوٹ ملی ہوئی ہے؟ لیکن کان کھول کر سن لو کہ اب تمہارے دن گنے جاچکے ہیں۔"

"بوڑھے گدھ بھی ایک خاص مدت سے زیادہ زندہ نہیں رہتے۔ اس اعتبار سے تمہاری باری جلد ہی آنے والی ہے۔ ہم نے تمہاری وطن واپسی کے لیے صندل کے ایک خوب صورت

تابوت کا آرڈر دے دیا ہے۔"

"میرے پاس تمہارے خلاف اتنا مواد اکٹھا ہو چکا ہے کہ اب جمی لائیڈ بھی تمہیں معاف نہیں کرسکے گا۔ تم نے اس علاقے میں ہمارے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ خفیہ سرکاری پالیسیوں کے بارے میں تمہاری غیر ذمے دارانہ گفتگو کا کیسٹ میرے قبضے میں ہے۔ اس کی چند نقول تمہیں جہنم واصل کرنے کے لیے کافی ثابت ہوں گی۔"

ہیری کیسنجر کی تلخ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مجھے تمہاری اس گیدڑ بھبکی کی اصلیت معلوم ہو چکی ہے۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکو گی۔"

ہیری کے ان الفاظ پر میں پریشان ہو گیا کیونکہ فرضی کیسٹ کے بارے میں، میں نے ہی اس کی تشویش رفع کی تھی۔ ان دنوں میری ویرا سے ٹھنی ہوئی تھی اور میں ہر طرف سے اسے پریشان کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ہیری کیسنجر کے ذہن سے خیالی کیسٹ کا خوف دور کردیا تھا تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ ویرا کی گھات میں لگا رہے اور ویرا کی زندگی اجیرن بناتا رہے۔ لیکن غنیمت یہ ہوا کہ ہیری کیسنجر نے اس بارے میں تفصیل سے بات نہیں کی بلکہ حوالہ دینے پر ہی اکتفا کیا۔

"اور اب ایک نئی شرمناک بات سامنے آئی ہے" ویرا اس سے کہہ رہی تھی "تم اپنی سینئر سفارت کار کی حیثیت کو فراموش کرکے شہر کے تیسرے درجے کے قاتلوں اور بدمعاشوں سے دوستیاں گانٹھتے پھر رہے ہو اور وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر تمہارے ساتھ اپنی دانت کاٹی دوستی کی کہانیاں سناتے پھر رہے ہیں۔ یہ بے اعتدالیاں بہت جلد تمہیں غرق کردیں گی۔"

"میں تمہاری ان من گھڑت کہانیوں سے ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں....."

"پھر شاید استاد صدرو تمہاری ماں کا خصم رہا ہو گا جو تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔"

ویرا کا وہ وار نشانے پر بیٹھا اور ہیری کیسنجر بوکھلا گیا "تت.... تم کس استاد صدرو کی بات کررہی ہو؟ میں اس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔"

"یہ وہی صدرو ہے جسے پی سی ناکین کے خفیہ فنڈز کے سہارے تم نے راتوں رات، لکھ پتی بنا دیا تھا اور وہ شہر کے سارے نامی گرامی بدمعاشوں کو خریدنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔"

"تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔ وہ میرے لیے کام ضرور کرتا ہے لیکن میرے نام سے ناواقف ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہے۔ پھر وہ میرے بارے میں کہانیاں کیسے بنا سکتا ہے؟" ویرا کے پے در پے حملوں سے بوکھلا کر ہیری کیسنجر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

"اس سے ملاقات ہو تو اس بارے میں پوچھ لینا" ویرا نے بے پروائی سے کہا "میں تو چند روز کے لیے باہر جارہی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں جارہی ہو" اس کی آواز میں حسرت اور بے بسی سمٹ آئی "تم ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہو اور اس کام میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کرو گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارا آخری مشن ثابت ہو گا۔ ایران سے [illegible] کے بعد تمہیں ایک سنگین فردِ جرم کا سامنا کرنا ہو گا۔"

"میں ایسی دھمکیوں کو ٹھوکر پر رکھتی ہوں" ویرا نے حقیر آمیز لہجے میں کہا "اور اپنے بل بوتے پر زندہ رہتی ہوں۔ تم جیسے ہزار دشمن مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"صدرو کے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" ہیری اپنے اس تجسس آمیز سوال پر قابو نہ پاسکا۔

"مجھے کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے" ویرا نے تلخی کے ساتھ کہا "چاہو تو جہنم جاکر اُس سے ملاقات کرسکتے ہو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہو گا۔"

اپنی بات مکمل کرکے، ہیری کا جواب سنے بغیر، ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم نے اسے صدرو کا حوالہ دے کر اچھا نہیں کیا" فون بند ہو جانے کے بعد میں نے کہا۔

"کیوں؟ اس میں کیا خرابی تھی؟" اس نے آنکھیں نکال کر غصے سے سوال کیا۔

"ابھی تک وہ مجھے اور تمہیں الگ الگ گن رہا ہے۔ اگر اسے پتا چلا کہ صدرو، سلطان شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے مارا گیا ہے تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ صدرو کی ہلاکت کی خبر میرے یا سلطان شاہ کے ذریعے تم تک پہنچی ہے اور ہم آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اس طرح اسے ایک طرف توجہ مرکوز کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"یہ بے کار بات ہے" اس نے لاابالی انداز میں کہا "اسے کون بتائے گا کہ صدرو کس کے پیچھے تھا؟"

"تم بھول رہی ہو کہ صدرو کے کئی ساتھی اپنی جانیں بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے" میں نے طنزیہ لہجے میں اسے یاد دلاتے ہوئے کہا "وہ بالکل ہی بے خبر نہیں رہے ہوں گے۔"

"لیکن ان کا ہیری کیسنجر سے رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے" ویرا چٹکی بجا کر بولی "اس سے صدرو کا براہِ راست رابطہ رہتا تھا۔ اس کے آدمیوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے کام کررہے ہیں۔ ان غیر ضروری باتوں پر اپنا دماغ لڑانے کی کوشش نہ کرو۔"

ساڑھے دس بجے کے قریب ظفر فلیٹ پر آپہنچا۔ اسے بلو کراس ڈبل کو بچانے کے لیے ویرا کی روانگی کے پروگرام کا علم تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ اپنی نگاہیں سینکنے کے لیے ویرا کے پاس ضرور آئے گا۔

اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ صدرو کے مکان کی تلاشی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ وہاں ٹیلی فون سے ایک ٹیپ ریکارڈ منسلک تھا جس کا ٹیپ آدھا بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک تجوری میں سے بھی تین بھرے ہوئے آڈیو کیسٹ برآمد ہوئے تھے۔ ان سب میں صرف صدرو اور ایک غیر ملکی کے درمیان ہونے والی گفتگو موجود تھی۔ گفتگو کے متن اور صورتِ حال کی بنا پر ظفر کو پورا یقین تھا کہ وہ غیر ملکی ہیری کیسنجر ہی تھا۔

غالباً صدرو اپنے گھر آنے والی، ہیری کی ہر کال کو کسی خاص مقصد کے لیے ریکارڈ کرتا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی برے وقت ہیری کیسنجر کو بلیک میل کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو لیکن حقیقت یہ تھی کہ صدرو کی اس چالاکی نے ہیری کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کردیے تھے جن پر کارروائی کرنا محکمۂ خارجہ کا کام تھا۔ مقامی قانون کے تحت اس اہم سفارت کار کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جاسکتا تھا۔

ان کیسٹوں میں موجود آوازوں پر ہماری رائے لینے کے لیے ظفر ایک کیسٹ بھی اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔ میری دانست میں وہ اس طرح ویرا کو مرعوب یا متاثر کرنے کے چکر میں تھا۔

صدرو ہم تینوں کے لیے اس اعتبار سے اجنبی تھا کہ ہم میں سے کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی لیکن دوسری آواز، بلا مبالغہ ہیری کیسنجر ہی کی تھی۔ ظفر نے گفتگو کا جو حصہ ہمیں سنایا وہ میرے ہی بارے میں تھا۔ ہیری کی ہدایت تھی کہ ڈیپی کو ہر قیمت پر جلد از جلد تلاش کیا جائے۔

"نیچے کی کیا صورتِ حال ہے؟" کیسٹ سے فارغ ہونے کے بعد ویرا نے بے تکلفانہ انداز میں ظفر سے پوچھا۔

"ایسے واقعات کے بعد کشیدگی اور خوف و ہراس کی لہر پھیل ہی جاتی ہے" ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا "پورا بازار بھی بند پڑا ہوا ہے اور لوگ ٹولیوں کی صورت میں جابجا جمع ہیں۔"

"اور پولیس کیا کررہی ہے؟" ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"انہیں کچھ کرنا ہی نہیں تھا" ظفر سے پہلے میں بول پڑا "وہ لوگ خانہ پری کرکے چلے گئے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ظفر نے میری تائید کی "البتہ میرے کئی آدمی اب بھی نیچے موجود ہیں۔ ان کے سادہ لباسوں میں مہلک اور لاوارث ہتھیار چھپے ہوئے ہیں۔"

ویرا خوب صورت اور متناسب الاعضا ہونے کے ساتھ ہی اپنے نسوانی ہتھیاروں کے بھرپور استعمال پر ملکہ رکھتی تھی اس لیے لاتجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر اپنی ادائیں دکھاتی رہی۔ اس کی ترنم اور رسیلی ہنسی ظفر کو بھی خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور کررہی تھی۔ جب ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم ہو گئی تو میں خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا۔

سلطان شاہ بیدار ہو چکا تھا اور کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کیے بغیر کچن میں گھس کر اپنے لیے ناشتا تیار کررہا تھا، میں بھی اس کی مدد کے بہانے وہیں پہنچ گیا۔

ڈرائنگ روم میں وہ دونوں اپنی باتوں میں اتنے منہمک تھے کہ کچن سے اٹھنے والی، چائے کی اشتہا انگیز خوشبو بھی ان کے اعصاب پر اثرانداز نہیں ہو سکی اور میں انہیں چھیڑے بغیر، اپنی چائے کی پیالی لے کر سلطان شاہ کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا۔

"کیا بات ہے؟ تم نے ظفر کو ویرا کے ساتھ اکیلا کیوں چھوڑا ہوا ہے؟" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ان دونوں میں سے کوئی بھی نابالغ یا بے وقوف نہیں ہے اس لیے میں نے کباب میں ہڈی بننے کے بجائے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ جب باتوں سے دل بھر جائے گا تو ان میں سے کوئی خود ہی ہمیں آواز دے لے گا" میں نے اس کے بستر پر پاؤں پسار کر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"عمر کے اعتبار سے شاید ظفر، ویرا سے بڑا ہو لیکن وہ بہت شاطر اور مکار عورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ظفر کو کوئی الٹی پٹی پڑھا دے۔ تمہیں وہاں سے نہیں اٹھنا چاہیے تھا" سلطان شاہ کا لہجہ ملامت آمیز تھا۔

"اگر کوئی خود ہی الٹی پٹی پڑھنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ ایس ٹی ایف کا ایک اہم افسر ہے۔ اسے کسی جال سے بچائے رکھنا ہمارا فرض بنتا ہے۔"

"صرف اسی وقت جب وہ بے خبر ہو۔ ویرا کے بارے میں وہ ہر بات سے باخبر ہے۔"

"وہ کم بخت مردوں کو رجھانے کے فن میں یکتا ہے۔ ہونٹوں، آنکھوں اور اشاروں تک سے کام لینا جانتی ہے" سلطان شاہ بڑبڑاتے ہوئے بولا "ایسا نہ ہو کہ وہ ظفر سے کوئی اہم راز اگلوا لے۔"

میں دھیمے سے ہنس دیا "بہت ریسرچ کی ہے تم نے ویرا پر..... ویسے تم فکر نہ کرو۔ وہ آج واپس جارہی ہے اس لیے ظفر کو کوئی شدید نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ باتوں سے اس کا اخلاق زیادہ نہیں بگڑے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ویرا نے ہی مجھے آواز دینے میں پہل کی اور میں ہنستا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"ابتدا میں پیدا ہونے والی بدترین غلط فہمیوں اور تلخیوں کے بعد یہ دوستی بڑی مبارک ہے" میں نے ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی دوستانہ گرم جوشی پر کہا "امید ہے کہ اب کرنل جیسی جونز اور اس کے دستِ راست سے آشنائی کے مسائل طے ہو چکے ہوں گے۔"

"ہم اس تلخی کو بھول چکے ہیں" ظفر نے خوش دلی کے ساتھ کہا "ابھی تم ذکر نہ کرتے تو مجھے یاد بھی نہ آتا کہ ویرا سے میری کوئی جھڑپ ہوئی تھی۔ اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں سے قطع نظر یہ اندر سے

بہت سیدھی، سادی اور معصوم لڑکی ہے جسے آج تک کوئی سچا ہمدرد نہیں مل سکا۔"

ظفر کی سنجیدگی پر میرا دل چاہا کہ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لوں۔ آخر کار وہی ہوا تھا جس کا سلطان شاہ کو اندیشہ تھا۔ ویرا مجھ سے نگاہیں چرائے زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ اس سنگین دور میں ویرا سے تمہاری ملاقات ہوگئی" میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا "اب اپنا سوئمبر کب رچا رہے ہو؟"

"ویرا کا یہی خیال تھا کہ تم اس بدلی ہوئی صورت حال کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر سکو گے" ظفر نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر ہماری دوستی کوئی اور رخ اختیار کرلے لیکن ہماری پہلی ملاقات پر ایسی جلی کٹی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ تم ویسے بھی غزالہ سے محبت کا دم بھرتے ہو۔ تمہیں کسی اور عورت کو اپنا دست نگر بنائے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ صورت حال اس قدر مضحکہ خیز تھی کہ خود ویرا پر بری طرح ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ جسے وہ مسلسل کھانسی میں چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی غسل خانے کی طرف بھاگ گئی۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے؟" ویرا کے دفع ہوجانے پر میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ظفر کو ڈانٹا "تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایک آوارہ اور بدچلن عورت ہے۔ تم تو اس کی بوگوتا کی کہانیوں سے بھی واقف ہو۔ پھر اس کے دام میں آگئے؟ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"پتا نہیں تم کیا سمجھ رہے ہو" ظفر بدستور سنجیدہ تھا۔ "میری اور ویرا کی ذرا سی دوستی کو تم افسانہ کیوں بنا رہے ہو؟ میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں جسے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہو۔"

"ٹھیک ہے!" سلطان شاہ بگڑ کر مجھ سے بولا "بلاوجہ بدمزگی پیدا نہ کرو۔ ظفر کو بھی اپنے برے بھلے کا اندازہ ہے۔ ہم کو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

"سب بھاڑ میں جائیں" میں نے دل ہی دل میں کہا پھر ظفر سے بولا "معاف کرنا" میں ضرورت سے زیادہ حساس ہوگیا تھا۔ جس میں شاید میری تنگ نظری کا دخل تھا۔"

"کوئی بات نہیں" ظفر نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے صوفے پر اپنے قریب ہی بٹھالیا اور نرمی سے بولا "میں نے کبھی ویرا سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کیا تو تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔ فی الحال مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے ذاتی معاملات کو ویسے بھی خود ہی طے کرنے کا عادی ہوں۔"

اسی وقت ویرا غسل خانے سے واپس آگئی۔ ہنسی روکنے کی کوششوں کی وجہ سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے مگر وہ بدستور کھانسنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی "کھانسی کی وجہ سے بہت برا پھندا لگا تھا۔ ابھی تک گلے میں خراشیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"کچھ دیر خاموش رہوگی تو خراشیں دور ہوجائیں گی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اب تو ویسے بھی میری روانگی کا وقت ہو رہا ہے" ویرا نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں بولی "راستے میں کوئی ڈراپس لے لوں گی۔"

"پھر تیاری کرلو۔ میں ہی تمہیں ائیرپورٹ پر چھوڑ دوں گا" ظفر نے پیش کش کی "سلطان شاہ زخمی ہے۔ ڈینی کے لیے بھی آج باہر نہ نکلنا مناسب ہوگا۔"

سلطان شاہ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔

"مجھے کیا تیاری کرنی ہے؟ پرس اٹھاؤں گی اور چل دوں گی" ویرا، ظفر سے نظریں بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "ہاں کراچی سے آگے کے سفر کے لیے تیاریوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"یہ خیال رکھنا کہ تم اپنا پستول جہاز پر نہیں لے جاسکو گی" ظفر نے اسے یاد دلایا۔

ویرا نے اپنا ننھا سا پستول اپنے پرس سے نکال کر میری طرف اچھال دیا۔

ظفر اپنی جگہ سے اٹھا تو سب ہی سنجیدہ ہوگئے۔ ویرا ہم سب سے رخصت ہو کر ایک بہت بڑے مشن پر جا رہی تھی۔ وہ کوئی سرکاری مشن نہیں تھا، بس ہم سب کی مخلصانہ کوششوں کا ثمر تھا کہ ہمیں اپنے ملک کی بڑھتی ہوئی ایٹمی استعداد کے خلاف ایک بھیانک بین الاقوامی سازش کا سراغ مل گیا تھا۔ جس کے تحت ایران سے سڑک کے راستے آنے والے ایٹمی سازوسامان اور حساس ترین آلات کی چھ سوٹن وزنی کھیپ کو ایک خلائی اشارے کے ذریعے تباہ کیا جانا تھا۔ ویرا کا مشن اتنا تھا کہ خلائی اشارے حرکت میں آنے والے ہولناک بارودی ذخیرے پر مشتمل ہیٹ ایکس چینجر کو پوری کھیپ سے الگ کرکے تباہ کرادے تاکہ بھیانک تباہی کا سرچشمہ ختم ہونے کے ساتھ ہی بقیہ سازوسامان کسی خطرے کے بغیر پاکستان پہنچ جائے۔

ویرا نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ اسے ایران سے پاکستان واپس لوٹنے کا موقع ملا تو وہ ایک بار پھر ہم سے ملے گی۔ غزالہ کے بارے میں وہ اداس اور شرمندہ تھی لیکن جو کچھ ہو رہا تھا، وہ اس کے اختیار سے باہر تھا مگر میں دل ہی دل میں جانتا تھا کہ اگر ویرا نے غزالہ کی واپسی کے معاملے میں گہری دلچسپی نہ لی ہوتی تو اسے نئی دہلی میں، شری مان سنگھ کے آقاؤں کے چنگل سے نکالنا دشوار ہی نہیں ناممکن تھا۔ اور اب بھی کوانگ فو کی دلچسپی کی وجہ سے امید کی روشنی برقرار تھی۔

وہ سلطان شاہ کی طرف بڑھی تو وہ بوکھلا کر "ارے ارے" ہی رہ گیا اور ویرا پوری قوت سے اس کے ساتھ بغل گیر ہوگئی۔ دونوں کا باہمی مذاق تھا لیکن میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ویرا کی بے تکلفی ظفر کو اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور سلطان شاہ کے تازہ زخموں کے حوالے سے ویرا کو فوراً ہی اس سے الگ کردیا۔ سلطان شاہ ہانپتا ہوا صوفے پر گر گیا اور ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

چند منٹ کی جذباتی گفتگو کے بعد ویرا، ظفر کے ساتھ فلیٹ سے روانہ ہوگئی۔ اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے، مجھے اپنا وجود ادھورے خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔

ویرا لاکھ آوارہ، بدمعاش، عیار، مکار اور چالباز سہی لیکن اس کے اخلاق کا ایک بھرپور پہلو تھا کہ وہ جس سے بھی خلوص سے ملتی تھی، اسے اپنا گرویدہ بنالیتی تھی۔ وہ میری کچھ بھی نہیں لگتی تھی بلکہ کئی بار ایسا بھی ہوچکا تھا کہ وہ میرے خون کی پیاسی ہوگئی تھی اور میں شب و روز اس کی گھات میں رہنے لگا تھا لیکن ہر بار جب بھی اس نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو سچے دل کے ساتھ پرانی رنجشوں کو بھلا کر دوستی کا حق ادا کردیا۔

ویرا کے بارے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ جب بھی مجھ سے دل بیٹھنے میں کامیاب ہوئی، اس نے مجھ پر پوری طرح اعتماد کرتے ہوئے اپنے تفصیلی حالات سے باخبر رکھا جب کہ میں نے کبھی بھی اسے ضرورت سے زیادہ اعتماد میں نہیں لیا۔ اس میں بھی بارہا ہوتا رہا کہ میں نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر اصل واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا اور ویرا اپنے تیاسات کے باوجود میری ہر بات پر ظاہراً یقین کرتی رہی۔

آخری مرحلے پر شری مان سنگھ کے بارے میں بھی ایسی ہی صورت حال درپیش تھی۔ غزالہ کی واپسی کے بارے میں اس سے پہلے ہی میرے مذاکرات چل رہے تھے۔ میں غلام رسول کی واپسی کی شرط بھی پوری کرچکا تھا مگر وہ مجھے پوری طرح پھانسنے پر تلا ہوا تھا اس لیے اس نے ملّا سرکار کے بارے میں سراغ لگانے کا کام بھی مجھے سونپ دیا تھا اور مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد وہ غزالہ کو میرے حوالے کردے گا۔ میں نے اس بارے میں کچھ بتائے بغیر ویرا کو شری مان سنگھ کے پیچھے لگایا تو اس کے نتیجے میں غزالہ ان لوگوں کے چنگل سے تو رہا ہوگئی مگر ہانگ کانگ میں جا پھنسی تھی جہاں کوانگ فو اس کی رہائی کے لیے کوشاں تھا۔

ویرا نے شری مان سنگھ پر یہ تاثر برقرار رکھا تھا کہ وہ میری جان کی دشمن ہے اور مجھے زک پہنچانے کے لیے ہی غزالہ کو اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اب میں اپنی شرط کے حوالے سے شری مان سنگھ کو کرید کر دیکھوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔

"یہ واقعی بہت دلچسپ صورت حال ہے" سلطان شاہ نے میری تجویز سن کر کہا "دیکھنا چاہیے کہ شری مان سنگھ اب غزالہ کے بارے میں کیا قلابازی کھاتا ہے؟"

میں ویرا سے شری مان سنگھ کا ڈائریکٹ نمبر لے چکا تھا لیکن اسے کسی شبے کا موقع نہ دینے کے خیال سے میں نے پرانے نمبر پر ہی فون ملایا اور آپریٹر نے فوری طور پر میری کال شری مان سنگھ کی سیکریٹری کو منتقل کردی۔ اس نے مجھے بتایا کہ شری مان اس وقت مصروفیت کی وجہ سے فون پر بات کرنے سے قاصر تھا۔

"یہ ایک اہم کال ہے۔ میرا نام ڈینی ہے، ہوسکتا ہے کہ مجھے دوسری کال کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت میری بات ہونی بہت ضروری ہے" میں نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے لائن ہولڈ کرا کے غائب ہوگئی اور میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگالی۔

خاصے طویل تعطل کے بعد شری مان سنگھ کی آواز سنائی دی تو وہ خاصی خشمناک تھی "کہو! ایسی کیا مصیبت آپڑی ہے کہ اس وقت بات کرنی ضروری تھی۔"

"لہجہ سنبھال کر بات کرو، شری مان سنگھ جی!" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں تمہارا کوئی ادنیٰ ماتحت یا ذاتی ملازم نہیں ہوں جو تم اس قدر تحقیر آمیز لہجے میں بات کر رہے ہو۔"

"اوہ! معاف کیجئے مہاراج! مجھے شما کیجئے اور یہ فرمایئے کہ اس وقت کیسے زحمت کی ہے؟" اس کی بھنائی ہوئی آواز ابھری "تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک ذمے دار افسر کی مصروفیات کتنی پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ تمہارے دماغ پر بس اپنی اہمیت منوانے کا بھوت سوار ہے۔ اب جلدی بتاؤ کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں نے اپنا کام پورا کرلیا ہے" اسے ذہنی جھٹکا دینے کے لیے میں نے اپنے پروگرام سے انحراف کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "وقت ہو تو بات کرلو ورنہ اگلے ہفتے کا کوئی وقت دے دو۔"

"اوہو" اس کی بھونڈی سی ہنسی گونجی "تو یوں کہو نا کہ اصلی معاملے کی بات ہے۔ اس کے لیے تو میں اپنے ہزار کام بھی پیچھے چھوڑ سکتا ہوں، کہو، کیا خبریں ہیں۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں نے اپنا اور تمہارا وقت برباد کرنے کے لیے فون کیا ہوگا؟" میں نے اس کے سوال کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے چغلی کے ساتھ سوال کیا "آدمی جن لوگوں کے ساتھ کام کرتا ہے ان کے تھوڑے بہت نخرے بھی اٹھاتا ہے لیکن تم تو افلاطون سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے ہو۔"

"چلو، میں مانے لیتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میرا خیال تھا کہ تم نے غزالہ کی واپسی کا پروگرام جاننے کے لیے فون کیا ہوگا؟" اس نے اپنی صفائی کی کوشش میں مجھے خود ہی ایک سنہرا موقع فراہم کردیا۔

"غزالہ کی واپسی تمہارے لیے غیر اہم ہوسکتی ہے لیکن میرے لیے وہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم پہلے اسی کے بارے میں بات کرلیں۔ وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"وہ ابھی تک واپس نہیں آسکی۔ تم مجھے اپنے کام کے بارے میں بتاؤ، غزالہ کے بارے میں ہم شام کو بات کرسکتے ہیں۔"

"اب یہ نہیں ہوسکے گا، شری مان جی!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "پچھلے معاملے میں تمہاری زبان پر بھروسا کرکے میں

مار کھا چکا ہوں۔ اب میں ہوشیار ہو گیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ وہ اب تک واپس کیوں نہیں آسکی؟"

"اس کی واپسی سے تمہارا ہی نہیں' میرا مستقبل بھی وابستہ ہے" اس کا لہجہ قدرے تیز ہو گیا "اگر غزالہ ہمارے پاس ہے تو رجنی تمہاری تحویل میں ہے۔ ان دونوں کا تبادلہ ایک ساتھ ہی ہو گا۔ دیکھا جائے تو اب تمہارے کام کا غزالہ کی واپسی سے اتنا گہرا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے اپنی رپورٹ مجھے دے دی تب بھی میں جلد از جلد غزالہ کو تمہارے حوالے کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ رجنی میرے گھر واپس آسکے۔"

"رجنی سے تمہاری محبت باسی کڑھی کا ابال ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "پہلے تمہیں اس سے اتنی نفرت تھی کہ تم اسے قتل کروانا چاہتے تھے اور اب اس کی محبت کا دم بھر رہے ہو۔ تمہارے ان متضاد جذبات میں سے سچ کو ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں ہے جبکہ میرے لیے غزالہ ہمیشہ سے سب کچھ ہے۔ تم اپنے پیشہ ورانہ مفادات کے لیے رجنی کی بھینٹ دے سکتے ہو مگر میں ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کو نہیں بھول سکتا اس لیے تمہارے کام کی بات اسی وقت ہو سکے گی جب مجھے غزالہ کی واپسی کا سو فیصد یقین ہو۔"

"میں تمہیں اپنی مجبوریوں سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔" میرے لہجے کی سختی پر وہ یک بیک نرم پڑ گیا۔ "اب وہ دہلی والوں کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ لوگ ہماری مجبوریاں نہیں سمجھتے۔ ہر وقت سرخ فیتے کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ غزالہ کو ایک آدھ روز میں بیکانیر پہنچا دیا جائے گا۔ میدان صاف ملتے ہی اسے کسی بھی وقت سرحد پار کرا کے یہاں لے آیا جائے گا۔ اس بارے میں تم کو میری یقین دہانی پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

وہ خبیث نہایت ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولے جا رہا تھا۔ میرے سامنے کی بات تھی کہ اس نے ویرا کے مطالبے پر' غزالہ کو ہانگ کانگ بھجوا دیا تھا لیکن وہ مجھے یہی یقین دلانے کی کوششیں کر رہا تھا کہ غزالہ بدستور نئی دہلی میں قید تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت اس کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دوں لیکن میں نے ضبط سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے پوری طرح گھیرنے سے پہلے میں بات کھول دیتا تو وہ مکار کوئی قلابازی کھا سکتا تھا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ غزالہ ابھی تک نئی دہلی میں پھنسی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت کی بات تو نہیں کرتا لیکن پچھلی رات میری فون پر بات ہوئی تھی۔ ایک بجے رات کو وہ نئی دہلی ہی میں تھی۔ بعد کی خبر آج کسی وقت فون کر کے لوں گا۔" اس نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

وہ اس کے گرد پھیلائے جانے والے جال کا پہلا مضبوط پھندا تھا۔ وہ رات کے ایک بجے غزالہ کی نئی دہلی میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا جب کہ وہ اس سے بہت پہلے ہانگ کانگ پہنچا... تھی۔

"تم غزالہ کے بارے میں خبریں لیتے رہو۔ میں کل ک... تمہیں فون کروں گا۔"

"آخر تم میری نیت پر بھروسا کیوں نہیں کرتے؟" اس... زچ آکر بے بسی سے کہا۔

"بات تمہاری نیت کی نہیں' میرے اپنے حالات کی... میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور ہر ایک... معلوم ہے کہ غزالہ میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ اگر وہ تمہا... ہاتھوں سے نکل کر کسی اور کی تحویل میں چلی گئی تو میں کہیں کا... رہوں گا۔ تمہیں مستعدی کے ساتھ غزالہ کی واپسی کے ا... لگائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میں تمہیں آخر تک ا... تحقیقات کی ہوا نہ لگنے دوں۔"

"تم مجھ پر مسلسل رکیک حملے کیے جا رہے ہو!" اس... احتجاج کیا۔ "پہلے رجنی کے ساتھ میری دلی محبت پر شبہ ظاہر کیا... اب ہمیں بالکل ہی بزدل اور بودا کہہ رہے ہو۔"

"میں نے تمہیں کب بزدل یا بودا کہا؟" میں نے انجان... حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارا مقصد یہی تھا۔" اس نے اصرار کیا۔ "تم ہمیں... قابل بھی نہیں سمجھتے کہ ہم اپنے ایک قیدی کو حفاظت کے سا... اپنی تحویل میں رکھ سکیں۔ ہمارے قبضے سے کسی کو نکال لے... بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"مجھے اپنے ذرائع سے ملنے والی خبروں پر اعتماد کرنا پڑتا... وہ خبریں تشویشناک ہیں۔"

"تمہارے آدمی تمہیں گمراہ کرتے ہیں۔ تمہاری نظروں... اپنی وقعت بڑھانے کے لیے وہ پہلے ایسی حوصلہ شکن خبریں د... پھر تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے ساری رکاوٹوں کو دور کر... غزالہ کی طرف پیش قدمی کرنے والوں کو مار بھگایا ہے۔ جب... درحقیقت کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ایسی کہانیاں بیمار ماتحتوں کے ذ... کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ایسے بھیانک آسیب ان ہی کی کھوپڑیوں... پیدا اور دفن ہوتے رہتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ غزالہ کو کوئی... نہیں ہے اور وہ بہت زیادہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ ہم دنیا کی... اس خطے کی سپر پاور ضرور ہیں اور اپنے مفادات کی حفاظت... جانتے ہیں۔ تمہیں اس بارے میں ذرا بھی فکر نہیں... چاہیے۔۔۔۔"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں ان باتوں کو مان لیتا ہوں... اپنی رپورٹ اسی وقت دے سکوں گا جب میں اپنی نظروں... غزالہ کو تمہارے ساتھ دیکھ لوں گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم پرلے درجے کے ضدی اور ہٹ دھرم معلوم... ہو۔" شری مان سنگھ کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔ "تمہارا...

تو مجھے صرف اتنا ہی بتا دو کہ وہ زندہ ہے یا سورگباش ہو چکا ہے؟"

"یہی تو اصل نکتہ ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "اب تم مجھے زیادہ مجبور نہ کرو ورنہ میں اپنے شبہات کھول کر بیان کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس مرحلے پر میں کسی تلخی کو ہوا نہیں دینا چاہتا۔"

"بار بار ڈھکے چھپے اشارے کرنے سے تو بہتر ہے کہ تم ایک بار کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔" اس بار شری مان سنگھ نے غالباً تنگ کر کہا تھا۔ "تاکہ میں بھی ایک بار ہی جواب دے سکوں۔"

"تم مجھ سے مسلسل جھوٹ بول رہے ہو!" میں نے تیز اور غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم کسی اور سے سودا کر کے غزالہ کو ہانگ کانگ بھیج چکے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

میرے الفاظ پر دوسری جانب کئی سیکنڈ تک سناٹا چھایا رہا۔ ریسیور میں بس شری مان سنگھ کے تیز تیز سانسوں کی آوازیں آتی رہیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے بے لاگ الفاظ نے اس کے سینے پر کسی مضبوط مکے جیسی ضرب لگا کر اسے بالکل نڈھال کر دیا ہو۔

"یہ بالکل بے بنیاد اور شرمناک الزام ہے۔" آخر کار لائن پر اس کی تھکی ہوئی احتجاجی آواز ابھری۔

"تم اب مجھے مزید دھوکا نہیں دے سکتے۔" غصے میں اضطراری طور پر میری آواز خاصی بلند ہو گئی۔ "کہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ مس ترپاٹھی اور مسٹر ترپاٹھی نے ہانگ کانگ کے کس ہوٹل میں قیام کیا تھا..."

فون پر گونجنے والے، اس کے نیم ہذیانی قہقہے نے مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ میں حیران تھا کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ وہ اپنی شرمناک شکست کو بھول کر قہقہے لگانے پر مجبور ہو گیا ہے۔

آخر اس کی ہنسی کچھ کم ہوئی تو اس نے اسی دوران میں رک رک کر کہا۔ "ہانگ کانگ کا ذکر کر کے تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔ اب میں سمجھا کہ تم مسٹر اور مس ترپاٹھی والے مذاق کا نشانہ بن گئے ہو۔"

"مذاق؟ تم ہوش میں تو ہو؟ یہ مذاق نہیں، مصدقہ اطلاعات ہیں۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے!" شری مان سنگھ کا لب و لہجہ ایک بار پھر پراعتماد اور بے پروایانہ ہو گیا۔ "اب تم ذکر چھیڑ ہی بیٹھے ہو تو سنو کہ تمہارے بعض دشمن واقعی منہ مانگے داموں پر غزالہ کو خریدنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسی ہی پارٹی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے تنگ آ کر ایک ہندوستانی لڑکی کو غزالہ کی جگہ ہانگ کانگ بھیج دیا ہے۔ مس ترپاٹھی کے نام سے سفر کرنے والی لڑکی غزالہ نہیں، لکھنؤ کی شکنتلا دیوی ہے۔ ان لوگوں نے غزالہ کو کبھی دیکھا نہیں اس لیے وہ دھوکا کھا جائیں گے۔ اصل غزالہ بدستور نئی دہلی میں آرام کر رہی ہے۔"

میں نے اپنی دانست میں اس پر کاری وار کیا تھا لیکن اس کے جوابی انکشاف نے میرے اوسان خطا کر دیے۔ میرے معدے کے دہانے میں یک بیک اینٹھن شروع ہو گئی۔ پیٹ میں درد انگیز گرہیں پڑنے لگیں اور پشت میں پسلیوں سے سرایت کرتا ہوا اعصابی درد پیٹھ کو پھاڑنے لگا۔

میرے لیے وہ ایک مہیب صورت حال تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کھڑی ڈھلان پر پوری رفتار سے کسی نشیبی دریا کی طرف دوڑتے دوڑتے اچانک ہی آگ کا دریا سامنے آ گیا ہو جہاں رکنا آسان تھا نہ آگ میں کود پڑنا ممکن تھا۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ شری مان سنگھ فون پر مسلسل بولے جا رہا تھا لیکن اس کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر میں نے اضطراری طور پر فون بند ہی کر دیا۔

پتا نہیں وہ شری مان سنگھ کی کوئی چال تھی یا وہ واقعی سچ بول رہا تھا لیکن اس نے مجھے ذہنی انتشار کے ہولناک جہنم میں ضرور جھونک دیا تھا۔ حقیقت اور فریب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر اس قدر دھندلا گئے تھے کہ کسی ایک پر یقین کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ویرا سے لے کر کوانگ فو تک، سب ہی ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ویرا کا منہ بولا باپ جس لڑکی کی آزادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنائے ہانگ کانگ کے ایک ہوٹل میں ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا، وہ لڑکی دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔

ہانگ کانگ میں کوانگ فو جھک مار رہا تھا، ویرا ایک اہم ترین مشن پر روانہ ہو چکی تھی اور میں ویرا کی سودے بازی پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے شری مان سنگھ سے خاصا بگاڑ پیدا کر چکا تھا۔ جب کہ غزالہ اسی مردود کے ساتھیوں کی قید میں تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ پرپیچ گتھی کیسے سلجھ سکے گی۔

سلطان شاہ کچھ دیر تک دور بیٹھا میری حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پھر جب میں نے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں سے بوکھلا کر صوفے پر نیم دراز ہوا تو وہ نرمی سے میرے قریب آ بیٹھا۔

"تم اپنے دل پر اثر نہ لو!" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ ایک سیکرٹ ایجنٹ ہی نہیں، منجھا ہوا سفارت کار بھی ہے۔ تمہاری زبان سے ہانگ کانگ کا حوالہ سن کر اسے چپ لگ گئی تھی۔ ترپاٹھی کے نام پر اسے ایک راہ سوجھ گئی اور اس نے پینترا بدل دیا.... تم خود غور کرو کہ اگر اس کی کہانی میں ذرا سی بھی حقیقت ہوتی تو ترپاٹھیوں سے پہلے ہانگ کانگ کا ذکر کرتے

ہی اسے کھل جانا چاہیے تھا۔ اس نے ہاری ہوئی بازی جیتنے کی ایک چال چلی اور تم اس کے داؤ میں پھنس گئے۔ اگر تم اضطراری ردعمل کا شکار نہ ہو گئے ہوتے تو وہ تمہاری جرح کے جواب میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا تھا۔"

"لیکن اس کی باتیں بہت اہم تھیں۔ اس نے کھل کر کہا تھا کہ ان لوگوں نے غزالہ کو نہیں دیکھا اس لیے وہ دھوکا کھا جائیں گے۔ ویرا کراچی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہانگ کانگ میں جو لوگ غزالہ کی دیکھ بھال کے ذمے دار تھے انہیں تو بس شنگریلا کے کمرا نمبر آٹھ سو بیس میں ٹھہری ہوئی مس ترپاٹھی تک پہنچنا تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے کبھی غزالہ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ بات شری مان سنگھ اچھی طرح جانتا تھا۔"

"یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ شری مان سنگھ کا تکا لگ گیا ہو۔ تم نے سنا نہیں تھا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے اس کے لب و لہجے سے کس قدر خوشامد اور غرض مندی جھلک رہی تھی۔ وہ ویرا کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ ویرا نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کے آدمی غزالہ کو بلا تاخیر کراچی لائیں گے۔ اگر وہ کوئی اور لڑکی نکلتی تو چند ہی گھنٹوں میں شری مان سنگھ کے فریب کا پردہ چاک ہو جاتا اور ویرا ہمیشہ کے لیے اس کی دشمن ہو جاتی۔"

"اس کی باتوں سے میرا اعتماد پاش پاش ہو گیا ہے، اب میں اس وقت جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو چکا ہوں۔ وہ غزالہ بھی ہو سکتی ہے اور شکنتلا بھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر وہ شکنتلا ہی ہے تو کوانگ فو کو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر مکاؤ لوٹ جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکی رہا ہوتے ہی کوانگ فو کے خلاف کوئی ہنگامہ کھڑا کر دے۔" میں نے کہا۔

"تم چاہو تو میں ابھی ایئرپورٹ جا کر ویرا کو واپس لا سکتا ہوں۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ظفر کے چکر میں وہ جلدی چلی گئی ہے ورنہ اس کی پرواز میں ابھی کافی وقت باقی ہے۔ یہ گتھی سلجھانے کے بعد وہ کل صبح بھی کوئٹہ کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔"

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ "بلیو کراس ڈیل اس وقت سب سے اہم ہے۔ ویرا نے پہلی بار کسی بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اسے وقت پر ہو جانا چاہیے۔ اگر مال بردار کارواں خلائی سیارے کی رینج سے باہر نکل گیا تو دنیا کی کوئی طاقت بعد میں آنے والی بڑی تباہی کو نہیں ٹال سکے گی۔ ویرا کے مشن سے چھ سو ٹن کی کھیپ ہی نہیں، موجود ایٹمی تنصیبات کا مستقبل بھی وابستہ ہے۔"

"پھر تم ہی کوئی راہ نکالو۔ الجھے ہوئے معاملات میں میرا ذہن کام نہیں کرتا۔ اتنے معمولی سے جھٹکے پر تم یوں پڑ گئے تو ہم چند روز بھی اپنی مرضی سے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔"

اس کے الفاظ سنتے ہی میرے جسم کے مختلف حصوں میں خود بخود اینٹھن اور درد کی لہریں پیدا ہونے لگی تھیں۔

میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔ "اس میں میری سوچ یا ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "ہمت سے کام لو اور اٹھنے کی کوشش کرو۔ تم نے جس طرح فون بند کیا ہے اس پر شری مان سنگھ کو دلی مسرت ہوئی ہو گی۔"

"میرے لیے ایک کپ کافی تیار کرو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔" میں نے لیٹے لیٹے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا اور وہ نہایت سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر کچن کی طرف چلا گیا۔

آہستہ آہستہ میرا ذہن سوچنے کے قابل ہوا تو میں نے اس معاملے پر از سر نو غور شروع کیا۔

شری مان سنگھ کو جو زہر افشانی کرنی تھی، وہ کر چکا تھا۔ اس کے بارے میں اس سے کسی بھی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی البتہ ہانگ کانگ یا مکاؤ والے اس معاملے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔

میں نے اس بارے میں سلطان شاہ سے بھی مشورہ کیا اور پھر مکاؤ کے نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

کوانگ فو کے نمبر پر ابتدا میں وہی چوں چوں کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں سانس روکے اس سگنیچر ٹون کے خاتمے کا انتظار کرتے رہے۔ اس کے خاتمے پر فوراً وہی مانوس چینی آواز سنائی دی جو ہم اس سے پہلے بھی اس نمبر سے سن چکے تھے۔

"میں تنویر بول رہا ہوں اور انگریزی میں کچھ اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ضرور بات کرو!" عورت نے انگریزی میں کہا۔ "لیکن میں اتنا ضرور بتا دوں کہ ہانگ کانگ میں صورتِ حال ابھی تک جوں کی توں ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ دوسروں کے ساتھ وہ لڑکی بھی پولیس کی تحویل میں ہے؟"

"وہ پولیس کی تحویل میں نہ ہوتی تو کب کی مکاؤ لائی جا چکی ہوتی۔"

"ہمارے لیے ایک بڑی الجھن پیدا ہو گئی ہے جسے تمہاری ذرا سی توجہ سے دور کیا جا سکتا ہے۔" اصل بات کرنے سے پہلے میں نے تمہید کا سہارا لینا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہم ہر طرح تعاون کے لیے تیار ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہمیں فوری طور پر مس ترپاٹھی کی ایک تازہ تصویر کی ضرورت ہے۔ اگر تم کسی طرح اس کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر حاصل

کر کے مجھے کراچی فلیکس کرا سکو تو یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔"

"کیوں؟" وہ میری اس عجیب و غریب فرمائش پر چونک پڑی۔ "اس مرحلے پر تمہیں اس کی تصویر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ کیا تمہیں اس کی اصلیت پر شبہ ہو رہا ہے؟"

وہ فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی اس لیے میں نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کی نیت سے کہا۔ "وہاں ڈان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے اپنے طور پر چھان بین کی تو یہ امکان بھی سامنے آیا کہ کہیں نئی دہلی والوں نے لڑکی کو بدل نہ دیا ہو۔ یہ اُن کی کھلی بے ایمانی ہوتی جسے چھپانے کے لیے انہوں نے ہانگ کانگ سے لڑکی کی واپسی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر دیں..."

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" دوسری طرف سے میری بات کاٹ کر کہا گیا۔ "لڑکی کا معاملہ ہوتا تو اسی کو ہر کارروائی کا ہدف بنایا جاتا لیکن ابھی تک ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی ہے۔ اسپیڈ بوٹ سے واقعی ایک چینی مجرم برآمد ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سارا فتور پیدا ہوا ہے۔"

"پھر بھی ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مس ترپاٹھی وہی لڑکی ہے جس کا ہمیں انتظار ہے یا اسے بدل دیا گیا ہے۔ ہمیں فوری طور پر اس کی تصویر درکار ہے۔" میں نے اپنے مطالبے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس بارے میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔" اس نے نرم لہجے میں مشورہ دیا۔ "اس مرحلے پر لڑکی کی تصویر بلا وجہ حاصل کرنی مشکل ہے۔ تم صبر اور سکون کے ساتھ ہماری طرف سے کسی اچھی خبر کے منتظر رہو۔ فون پر تم بلا وجہ اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہے ہو۔"

"تمہارے ہمدردانہ مشورے کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن ہمارے لیے یہ کام بہت اہم ہے۔"

"ڈان کی منہ بولی بیٹی کہاں ہے؟ تم اس سے مشورہ کرو تو وہ تمہیں سمجھا سکے گی... کہیں ایسا تو نہیں کہ ویرا کی سہیلی تمہاری منگیتر یا محبوبہ ہو؟"

میں دل ہی دل میں اس کے قیاس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا لیکن فون پر خشک لہجے میں بولا۔ "یہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی نہیں بلکہ ایک نازک معاملہ ہے۔ میں اس وقت جو کچھ کر رہا ہوں، ویرا ہی کے ایما پر کر رہا ہوں۔ وہ اس وقت کسی کام سے دور گئی ہوئی ہے ورنہ وہ خود ہی تم کو فون کرتی۔"

"اسے بتا دو کہ ہانگ کانگ کی پولیس کا نظام بہت سخت ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو چین کی جڑ میں انگریز دس برس بھی سکون سے نہیں رہ سکتے تھے۔ جب تک وہ لڑکی پولیس کی تحویل میں ہے، پرندہ بھی اس کے لاک اپ میں پَر نہیں مار سکتا۔ اس کی تصویر حاصل کرنے کے لیے تمہیں اس کی رہائی یا پھر عدالت میں پیشی کا انتظار کرنا ہو گا۔ اس سے پہلے لڑکی کی تصویر ملنی مشکل ہے۔"

"لڑکی تک رسائی ناممکن ہے تو پولیس ریکارڈ سے اس کا کوئی کلوز اپ اُڑایا جا سکتا ہے۔" میں نے ایک اور امکان کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس والے مجرموں کو گرفتار کرنے کے بعد اپنے ریکارڈ کے لیے ان کے فنگر پرنٹس کے ساتھ متعدد زاویوں سے تصاویر بھی بناتے ہیں..."

"ہم ان سب باتوں سے واقف ہیں۔" وہ میرے مسلسل اصرار سے چڑ سی گئی اور تنک کر بولی۔ "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈان قانون سے لڑ کر نہیں بلکہ بچ کر چلنے کا عادی ہے۔ تمہاری فرمائش پر میں یا کوئی بھی اپنے کسی آدمی کو خطرے میں نہیں ڈالے گا، اس لیے تم لڑکی کی تصویر کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اگر تم اتنے ہی بے چین ہو تو میں تمہاری خواہش نوٹ کیے لیتی ہوں۔ ڈان سے رابطہ ہو گا تو اسے تمہاری خواہش سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ ویسے میں تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ڈان نے خود مکاؤ سے باہر قدم نکال کر اپنی منہ بولی بیٹی کو بے پناہ عزت دی ہے ورنہ وہ کسی سے زیادہ بات کرنی بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری فرمائش پر کان نہیں دھرے گا۔"

"لیکن میں ویرا کی مرضی سے بلکہ اسی کی ہدایت پر تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"میری حد تک یہ ٹھیک ہے لیکن ڈان بہت سختی کے ساتھ پروٹوکول پر چلتا ہے۔ ویرا کا کام پھنسا ہوا ہے تو اسے خود وقت نکال کر بات کرنی ہو گی۔ وہ مصروف ہے تو ڈان اس سے کہیں زیادہ مصروف رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی ایک بات پر مشتعل ہو کر ویرا سے ناراض ہو جائے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟ جیسا تم کہو گے میں اسی کے مطابق عمل کروں گی۔"

"پھر بھول جاؤ کہ میں نے تمہیں فون کیا ہے۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "ویرا آئے گی تو وہ خود ہی اپنے معاملے کو سنبھال لے گی۔ مجھے دلالی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"یہ نشانہ بھی خطا ہو گیا۔" فون بند ہونے پر سلطان شاہ نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے مایوسی سے شانے اُچکا کر کہا۔ "اس کی باتوں میں وزن تھا۔ انگریز جہاں اپنے قدم جماتا ہے وہاں سب سے پہلے رشوت اور بدعنوانی کو ختم کرتا ہے تاکہ اپنے اقتدار کو طول دے سکے، جب وہ جانے لگتا ہے تو ان خرابیوں کو پروان چڑھانے لگتا ہے۔ وہ بلا وجہ ہی ہانگ کانگ پولیس کی شان میں قصیدے نہیں پڑھ رہی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس صبر آزما انتظار کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہا؟"

"بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے۔ کوانگ فو کی سیکریٹری نے بھی نرمی کے ساتھ یہ جتا دیا ہے کہ ویرا کے حوالے سے ڈان ہمیں زیادہ اہمیت نہیں دے گا اس لیے اب ہانگ کانگ سے کسی غیر معمولی تعاون کی امید بے سود ہے۔ ہمیں یہیں کوئی راہ نکالنی ہو گی۔"

"اسی وقت شری مان سنگھ نے ڈرامائی انداز میں ایک دھماکا کر کے تمہیں پریشان کر دیا تھا۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔ "اب تم اس ذہنی صدمے سے بڑی حد تک سنبھل چکے ہو۔ کیوں نہ اسے ایک بار پھر فون کر کے کُریدا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی کہانی میں زیادہ جان نہیں ہے۔ تم اسے تھوڑا سا بھی ہلاؤ جلاؤ گے تو اس کا جھوٹ کھل کر سامنے آ جائے گا۔"

"میں بھی اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن میری حکمتِ عملی کچھ اور ہی ہو گی۔ زہر کا توڑ زہر سے کیا جائے تو مؤثر رہتا ہے ورنہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔"

"کیا حکمتِ عملی سوچی ہے تم نے؟" سلطان شاہ نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ، وہ اپنی باتوں سے خود ہی میری راہ بنائے گا۔" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا اور کافی کی پیالی آخری گھونٹ میں خالی کرنے کے بعد فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس بار ماتحت عملے کے کسی حیلے بہانے کے بغیر شری مان سنگھ فون پر آ گیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم جلد ہی مجھ سے رابطہ کرو گے۔" اس کے لہجے میں دور دور تک طنز یا تلخی کا شائبہ نہیں تھا۔ "اس وقت تم نے میری پوری بات سنے بغیر فون کیوں بند کر دیا تھا۔"

"ہانگ کانگ میں موجود شکنتلا دیوی کو غزالہ سمجھ کر میں نے ایک بھاری جُوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس مد میں ایک خطیر رقم پیشگی دے بیٹھا ہوں۔ تم نے اس لڑکی کی اصلیت بتا کر مجھے بھونچکا کر دیا تھا۔ اب مجھے پیشگی رقم واپس ملنے کی کوئی امید نہیں ہے لیکن میں مزید نقصان سے ضرور بچ گیا ہوں۔"

"غیر متوقع باتیں سامنے آنے سے صدمہ تو ہوتا ہے۔" اس مکار کی آواز میں دوستانہ ہمدردی سمٹ آئی۔ "ساری خرابی یہ ہے کہ تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔ اگر تم ترپاٹھیوں والی کہانی کو اپنے دل میں پالنے کے بجائے براہِ راست مجھ سے پوچھ لیتے تو میں اسی وقت تمہیں اصلیت بتا دیتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے غزالہ کے بارے میں تم سے سودے بازی مکمل کر لی ہو اور اسے کسی اور کے حوالے کر دوں؟ آخر مجھے رجنی کی زندگی بھی عزیز ہے۔ تم میری طرف سے کتنے بھی بدگمان ہو جاؤ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ میں رجنی کو واپس اپنی بانہوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے جذبات کو سمجھتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "موتن لال جیسے دوست نما بھیڑیے، رشتوں کی پروا کیے بغیر ہر عورت پر دانت رکھتے ہیں۔ ان کی چالبازیوں سے پارسا عورتیں بھی بہک جاتی ہیں لیکن میں تو یہ جانتا ہوں کہ چلتی ہوئی ندی کا پانی ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ اس میں دو چار مردار ڈھور ڈنگر گرنے سے پانی کی صفائی میں فرق نہیں پڑتا..."

"اب اس ذکر کو چھوڑو!" وہ میری میٹھی چٹکیوں پر تلملا کر بولا۔ "اصل بات پر آؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ غزالہ نئی دہلی میں محفوظ ہے اور جلد از جلد کراچی آنے والی ہے لیکن میں اس کے انتظار میں بے کار نہیں بیٹھنا چاہتا۔ تم نے اگر کوئی کام کیا ہے تو مجھے اس کو آگے بڑھانا ہے۔"

"اس بارے میں ضد نہ کرو!" میں نے لجاجت سے کہا۔ "غزالہ آنے ہی والی ہے تو ایک دو روز صبر کر لو۔ یہ سمجھ لو کہ میں ابھی تک جھک مار رہا ہوں..."

"میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ایسا ہی تھا تو تم مجھے کچھ نہ بتاتے اور میں تم پر بھروسا کیے بیٹھا رہتا۔ جان بوجھ کر انجان بنے رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ ہم لوگ تو انجان ہونے کے باوجود اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ مار لیتے ہیں۔ تم مجھے الٹی پٹی پڑھا رہے ہو۔"

"تم مجھے حد سے زیادہ مجبور کر رہے ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ آدمی میرے لیے کتنا اہم ہے۔ تم نے کوئی اچھی خبر سنائی تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تمہارے اور غزالہ کے دن پھر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "پھر شام کو کہیں مل لو۔"

"میرے دفتر کیوں نہیں آ جاتے؟" اس نے نہایت معصومانہ انداز میں مجھے چوہے دان میں داخل ہونے کی دعوت دی۔

"تمہارے دفتر میں میرا پچھلا تجربہ بہت تلخ تھا۔ کسی سنتری کی کھوپڑی سنک گئی تو وہ مجھے ٹھنڈا ہی کر دے گا۔ میں باہر رہ کر ہی سکون سے بات کر سکوں گا۔"

"وہ زندہ تو ہے نا؟" شری مان سنگھ کی اضطراری آواز ابھری۔ مجھے تعاون پر آمادہ پا کر، اس کے ذہن میں سویا ہوا تجسس ایک مرتبہ پھر بیدار ہو گیا۔

"غزالہ جب تک گھر نہ لوٹ آئے، میں اسے زندہ نہیں سمجھتا۔ یہ سب باتیں بہت سے اگر اور مگر سے وابستہ ہوتی ہیں۔ آؤ گے تو اس بارے میں کھل کر بات ہو گی۔" میں نے اسے چکر دیتے ہوئے کہا۔

وہ میری حیلہ جوئی کو یقیناً بھانپ گیا تھا لیکن اس نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے مابین سرد جنگ چھڑی ہوئی تھی جس میں ہم دونوں ہی بہت سی باتیں سمجھ لینے کے باوجود، انجان بنے رہنے پر مجبور تھے کیونکہ دونوں ہی بیک وقت ایک دوسرے پر اپنے داؤ آزمانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

"میں ٹھیک سات بجے ماری پور کے لیول کراسنگ کو عبور کر کے تمہارا انتظار کروں گیا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد شری مان سنگھ کی آواز ابھری۔ "وہاں سے ہم ہاکس بے کی طرف نکل جائیں گے۔"

"ہاکس بے؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔ "رات کے اندھیرے میں ہاکس بے پر کیا ملے گا؟"

"وہاں ہم سکون اور بے فکری سے بات کر سکیں گے۔" اس کی آواز میں عجیب سا بوجھل پن سمٹ آیا۔ "آج جمعرات ہے اور چودھویں کی رات بھی۔ سمندر کے جوبن کے نظارے دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ وہاں پہنچے ہوئے ہوں گے۔ وہیں ہمارا ہٹ بھی ہے۔ باتوں باتوں میں زیادہ پی گئے تو رات وہیں گزار لیں گے۔ ویسے بھی ویک اینڈ پر تفریح کی دلدادہ لڑکیوں کی کئی ٹولیاں کٹی ہوئی پتنگوں کی طرح چکراتی رہتی ہیں۔ چاہو تو ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ شامل کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں سات بجے لیول کراسنگ پر پہنچ جاؤں گا۔" میں نے اس کے دیے ہوئے پروگرام سے اتفاق کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس سے میری گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ بہت زیادہ حیران و پریشان نظر آ رہا تھا۔ فون بند ہوتے ہی وہ جھلا کر مجھ پر برس پڑا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آج تمہاری کھوپڑی پر برف کیوں جم گئی ہے؟ پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ اسے ہلا جلا کر اس کے جھوٹ کا پول کھولو گے 'بات ہوئی تو اس سے ملنے کا پروگرام بنا بیٹھے!"

"میرا ذہن ابھی تک یقین اور بے یقینی کی دُھند سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ اگر غزالہ واقعی ان لوگوں کے قبضے میں ہے تو شری مان سنگھ سے محاذ آرائی مول لے کر میں اس کی مشکلات میں اضافہ کر دوں گا۔ اسی احتیاط کی وجہ سے میں نے مصالحت کی راہ اختیار کی ہے۔"

"وہ رات کے اندھیرے میں تمہیں ہاکس بے لے جا رہا ہے۔" سلطان شاہ غصے اور بے بسی سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ "اس خطرناک راستے پر بعض جگہ دن میں بھی ڈرائیونگ مشکل ہوتی ہے پھر رات کے اندھیرے میں روشنیاں گُل کر کے اس کا پیچھا کرنا تو بالکل ناممکن ہو گا۔ وہاں ہٹ میں پہلے سے اس کے پالتو غنڈے موجود ہوں گے جو بے رحمی کے ساتھ مار مار کر تمہاری ہڈیاں پسلیاں توڑ دیں گے اور پھر تمہیں چڑھے ہوئے سمندر میں پھینک کر لوٹ آئیں گے۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ یہ ساری باتیں تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہیں؟"

"ویک اینڈ پر وہ ساحل اتنا ویران نہیں ہوتا ہو گا....."

"اور آج چاندنی رات بھی ہے؟" سلطان شاہ غرّایا۔ "تمہاری عقل بالکل ماؤف ہو گئی ہے۔ وہ تو ساحل پر منڈلانے والی خوبصورت لڑکیوں کا بھی ذکر کر رہا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہم یورپ کے کسی ساحلی شہر میں نہیں' بلکہ کراچی میں ہیں جہاں شریف لوگ راتوں کو آوارہ گردی کرنے کے بجائے نرم بستروں میں آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ غزالہ کو وہ ہانگ کانگ بھیج چکا ہے۔ تم سے ملا سرکار کے بارے میں ساری معلومات اگلوانے کے بعد وہ تمہیں بے دردی سے ہلاک کر دے گا۔"

"گڈ!" اس کی تقریر ختم ہو جانے پر میں نے بھرپور ہنسی کے ساتھ کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ جو امکانات میرے سامنے ہیں وہ تمہاری نظروں میں بھی ہیں۔ میری کھوپڑی ہر طرح تروتازہ ہے اور اب میں اسے اسی کے حربوں سے زیر کروں گا۔ شری مان سنگھ اگر چالاک بننے کی کوششیں کر رہا ہے تو اسے اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑے گا۔"

"لیکن تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ تو ہو گا؟ ہاکس بے پہنچنے کے بعد تم اسے کس طرح زیر کرو گے؟" میری وضاحت پر سلطان شاہ کے لب و لہجے میں نمایاں نرمی پیدا ہو گئی۔

"اب ظفر کے آدمیوں کو میدان میں لانا پڑے گا۔" میں نے اسپیکر فون آن کرتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ کے آدمیوں پر آج کی رات بھاری پڑنے والی ہے۔"

فون کا سلسلہ ملنے پر تیسری گھنٹی بجی تو مجھے تشویش ہونے لگی کیونکہ ایس ٹی ایف کا آپریٹر ہمیشہ پہلی گھنٹی پر فون اٹھانے کا عادی تھا۔ چوتھی گھنٹی معدوم ہونے سے پہلے ہی وہ لائن پر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا آج بورڈ خالی پڑا ہوا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"اوہ نو سر!" وہ میری آواز پہچان کر جلدی سے بولا۔ "آج یہاں ذرا ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ ظفر صاحب ابھی ابھی زخمی حالت میں واپس آئے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اسی طرف چلے گئے تھے۔"

وہ خبر سنتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ویرا کو ائرپورٹ چھوڑنے گیا تھا۔ اگر وہ واپسی پر زخمی تھا تو معاملہ گڑبڑ تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں وہ ویرا کی کوئی حرکت نہ ہو لیکن وہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ پیروں میں جوتے ڈالے اور روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

شری مان سنگھ کا اہم اور نازک ترین معاملہ وقتی طور پر میرے ذہن سے معدوم ہو گیا تھا۔

اس روز شاید ہر طرف سے ہمارے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔

وہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی تھی اس لیے سلطان شاہ نے بھی وہی کچھ سنا تھا جو دوسری جانب سے میرے علم میں لایا گیا تھا۔ مجھے روانگی کی تیاری پکڑتے دیکھ کر وہ بھی مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اتنی عجلت اور گھبراہٹ میں کہاں جارہے ہو؟" اس نے میرے سامنے آکر لجلجی آواز میں سوال کیا۔

"تم نے سنا نہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "یہاں سے وہ ویرا کے ساتھ ائرپورٹ گیا تھا اور اب زخمی حالت میں اپنے ٹھکانے پر پہنچا ہے۔"

میرے لہجے پر لمحے بھر کے لیے سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنے ردِعمل پر قابو پالیا اور بے تابانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے بولا "وہ جس حالت میں بھی ہے لیکن اس قابل ضرور ہے کہ گاڑی چلا کر اپنے آفس میں واپس پہنچ گیا ہے۔ یہ پریشانی کی بات ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم سر پر پیر رکھ کر اس کی طرف دوڑ لگادیں۔ وہ تیس برس تک فوج میں افسری کرچکا ہے، اس کے بعد اُس نے کرنل جیسی جونز جیسے بین الاقوامی مجرم اور دہشت گرد کے ساتھ کولمبیا میں خاصی مدت گزارنے کے بعد ایس ٹی ایف میں شمولیت اختیار کی ہے۔ صورت سے وہ کتنا بھی جزان اور کھلنڈرا نظر آتا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ پچاس کے لپیٹے میں ہے۔ اس جیسے گھاگ آدمی کے لیے تم اس طرح پریشان ہورہے ہو جیسے وہ میلے کی بھیڑ میں اپنے ماں باپ سے بچھڑا ہوا کوئی نوعمر لڑکا ہو۔ وہ اپنی حفاظت کے ہر گُر سے واقف ہے....."

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" اس کی طول پکڑتی ہوئی تمہید سے اکتا کر میں نے خشک لہجے میں پوچھا "کیا ہم اس کے بارے میں ہر اخلاقی ذمے داری سے یکسر آزاد ہیں؟"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم اسے بھول جائیں لیکن تم اس کے بارے میں ضرورت سے زیادہ اثر لے رہے ہو۔ اس وقت تمہارے سامنے اپنے مسائل بھی ہیں جن کا حل سوچنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"ویرا کے چلے جانے کے بعد ہمارے لیے تھوڑی سی دشواریاں پیدا ہوچکی ہیں" میں نے ملائمت کے ساتھ اسے سمجھاتے ہوئے کہا "وہ کوانگ فو سے بہت زیادہ بے تکلف ہے اور اس پر حاوی ہو کر بات کرتی ہے جب کہ ہمیں ہانگ کانگ میں سرد مہری کے رویّے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کوانگ فو کی سیکریٹری بتا ہی چکی ہے کہ وہ ہم کو منہ نہیں لگائے گا' البتہ وہ غزالہ کو رہائی دلانے میں کامیاب ہوگیا تو اسے براہِ راست کراچی ہی روانہ کرے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے کچھ حاصل نہیں ہوگا' الٹا وہ ہم سے مشتعل ہوسکتا ہے۔ موجودہ حالات میں ہم صرف انتظار ہی کرسکتے ہیں یا پھر براہِ راست ہانگ کانگ جانا پڑے گا۔ یہاں رہتے ہوئے ہم صرف شری مان سنگھ پر کام کرسکتے ہیں' ہمیں یہ یقین کرنا ہے کہ غزالہ ہانگ کانگ بھیجی جاچکی ہے یا اس کی جگہ کسی اور لڑکی کو بھیج کر اسے نئی دہلی ہی میں رکھا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب صرف شری مان سنگھ کے پاس ہے۔ اس سے پنجہ آزمائی کے لیے ہمیں افرادی قوت درکار ہے جو فوری طور پر ظفر ہی سے مل سکتی ہے۔"

"لیکن تم سن چکے ہو کہ ظفر بری طرح زخمی ہے" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے میں اس کی عیادت یا خبرگیری کے لیے جانا چاہتا ہوں" میں نے زور دے کر کہا۔

"تم عیادت کے لیے جاؤ گے اور وہیں گھر جاؤ گے" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "وہ اپنے یونٹ کا سربراہ ہے۔ اسے خون میں نہایا ہوا دیکھ کر' وہاں ہر شخص بوکھلاہٹ کا شکار ہوچکا ہوگا۔ اس ہڑبونگ میں تم کو اپنی بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکے گا۔"

"یہ تمہارے مفروضات ہیں" میں نے اکتا کر کہا "ظفر ایک ذمے دار افسر ہے۔ وہ اپنی وجہ سے پورا نظم وضبط تباہ نہیں ہونے دے گا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بھانپ لے گا کہ میں کسی ضرورت کے تحت وہاں پہنچا ہوں۔ اگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہوئی تو میں خود ہی اپنے مطلب کی بات چھیڑ دوں گا۔"

"میری دانست میں وہاں جانے کے بجائے کوئی اور بندوبست کرنا زیادہ بہتر رہے گا" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کھل کر بکو کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے جل کر کہا "مُنہ میں گھونگھنیاں کیا چبا رہے ہو؟"

"تم اسپیشل ٹاسک فورس سے مدد لینے کے بجائے کرائے کے آدمی بھی اکٹھے کرسکتے ہو۔"

"زیرِ زمیں دنیا کے لوگوں سے ہمارے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس وقت بے جگر آدمیوں کی ضرورت ہے جو وقت پڑنے پر آنکھیں بند کرکے ہماری لڑائی میں کود سکیں۔ اگر شری مان سنگھ کی نیت میں فتور پیدا ہوگیا ہے تو وہ آج شام پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اترے گا اور ہماری کسی بھی لغزش کو نظرانداز نہیں کرے گا۔ ناقابلِ اعتماد اور نکمے آدمیوں کی وجہ سے ہم بری طرح مار کھا جائیں گے۔ اتنے مختصر وقت میں 'مُنہ مانگا معاوضہ دے کر بھی بھروسے کے آدمی نہیں مل سکیں گے۔"

"تمہارے رابطے ضرور ٹوٹے ہوئے ہیں لیکن میرے کئی قریبی دوست اور رشتے دار' برے بھلے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ میں ان کی معرفت اپنے کام کے دس پانچ آدمی پیدا کرالوں گا۔ رہی معاوضے کی بات تو اس وقت بھی تمہارے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ شی والوں کی گن بوٹ کی فروخت سے تم نے جو لاکھوں ڈالر کمائے تھے' وہ ابھی تک سلمٰی کی تجوری میں پڑے زنگ کھا رہے ہیں۔"

میں حیرت سے اسے گھورتا رہ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ ہماری ایک خطیر رقم سلمٰی کی تحویل میں تھی لیکن میرے روز مرّہ اخراجات مافیا اور دوسرے ذرائع سے پورے ہورہے تھے اس لیے میں نے ایک طویل مدت سے اس محفوظ رقم کو چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی بلکہ ایک اعتبار سے میں عملاً اسے بھولا ہوا تھا لیکن سلطان شاہ نے اس وقت اس رقم کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں وہ اس رقم کا حوالہ دے کر بالواسطہ طور پر اپنے حصے کا مطالبہ نہ کررہا ہو لیکن اس کی آنکھوں میں معصومانہ چمک دیکھ کر مجھے اپنا وہ گندہ خیال فوراً ہی ترک کردینا پڑا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو محض پیسے کے لیے اپنی اصل کو بھول کر' اپنے محسنوں پر بھوکے درندوں کی طرح غرانے لگتے ہیں یا برا وقت آنے پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

"تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو" قدرے توقف کے بعد میں نے نرمی سے کہا "یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے ظفر سے مل لینے دو۔ اگر وہاں کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ آؤں گا۔ اس کے بعد تمہاری تجویز پر عمل کرلیا جائے گا۔"

"پھر جانے آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا "میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔ وہاں کام نہ بنا تو ادھر سے ہی لانڈھی کی طرف نکل جائیں گے۔"

سلطان شاہ کی وہ تجویز معقول تھی اس لیے میں خاموش رہا اور پھر ہم دونوں یکے بعد دیگرے فلیٹ سے نکل کر سیڑھیاں طے کرنے لگے۔

باہر بازار بدستور بند تھا اور ہر طرف خوف وہراس کے سائے لہرا رہے تھے۔ کئی جگہ متعدد افراد پر مشتمل ٹکڑیاں جمع تھیں اور شاید مُنہ اندھیرے ہونے والی خوں ریزی پر اظہارِ رائے کا سلسلہ جاری تھا۔ ہم دونوں وہاں رکے بغیر اس علاقے سے نکلتے چلے گئے۔

اس وقت ہم دونوں' جہانگیر سے مستعار لی ہوئی کالی شیراڈ میں سفر کررہے تھے۔ اس سے پیشتر میں اس گاڑی کے استعمال سے گریز ہی کرتا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہیری کینجر کے لیے کام کرنے والے لوگ اس گاڑی کو پہچانتے تھے اور اس کی وجہ سے کہیں بھی مجھے گھیرنے کی کوشش کرسکتے تھے لیکن اس وقت صورتِ حال خاصی مختلف تھی۔ اگر میں گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی وغیرہ سے سفر کرتا تو خاصا وقت برباد ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ استاد صدرو مارا جاچکا تھا۔ ان دنوں وہی ہیری کینجر کے لیے کام کررہا تھا اور یقینی طور پر خود ہی ہیری کینجر سے رابطہ برقرار رکھتا تھا۔ اس کے آدمیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ استاد صدرو کس کے لیے کام کررہا تھا اور اس کے کیا مقاصد تھے۔ وہ تو بس وقتاً فوقتاً ملنے والی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ ان کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ مستقل بنیادوں پر کسی شکار کا تعاقب کرتے رہیں اور گھات لگا کر اس پر وار کرگزریں۔

کسی بھی برے وقت سے نمٹنے کے لیے اس گاڑی میں چند مہلک آتشیں ہتھیار اور کچھ شعبدے ہر وقت پڑے رہتے تھے جن کی مدد سے ہم کسی ناگہانی خطرے کو بہ آسانی ٹال سکتے تھے لیکن میری توقع کے عین مطابق وہ سفر سکون سے طے ہوگیا۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر محتاط تھے لیکن پورے راستے ہمیں ایسی کوئی گاڑی نظر نہیں آئی جس پر ہمیں تعاقب کرنے والوں کی سواری ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

اسٹیشن فور پر کسی باز پرس کے بغیر ہمیں گاڑی اندر لے جانے کی اجازت مل گئی لیکن میں نے اندر گھستے ہی بھانپ لیا کہ وہاں کسی قسم کی افراتفری نہ ہونے کے باوجود فضا پر سوگوار سی خاموشی طاری تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ ظفر اپنے دفتر کے بجائے ریٹائرنگ روم میں تھا جہاں ڈاکٹر اس کے معائنے اور مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھا۔ ظفر زخمی ضرور تھا لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر بتائی جارہی تھی۔ ہم دونوں ظفر کے دفتر سے ملحق انتظار گاہ میں جا بیٹھے جہاں فوراً ہی چائے بھی پہنچادی گئی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تم نے بلاوجہ ہی بات کا بتنگڑ بنایا ہوا تھا۔ یہاں ذرا سی بھی افراتفری نہیں ہے۔ ظفر تھوڑی دیر میں مرہم پٹی سے فارغ ہوکر آئے گا تو اس سے بات کرلی جائے گی۔"

سلطان شاہ نے قدرے بے آرامی کے ساتھ صوفے پر پہلو بدلا پھر کہا "یہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے رجنی سے ملاقات کیوں نہ کرلی جائے؟ دیکھتے ہیں کہ اب وہ شری مان سنگھ کے بارے میں کیا کہتی ہے۔"

"وقت گزارنے کے لیے اچھا خیال ہے لیکن اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ وہ دونوں ہی بے شرم اور بے غیرت ہیں۔ ان کے لیے شادی جیسے مقدس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دونوں ہی اپنی اپنی خوشیوں اور مقاصد کے حصول کے لیے اپنے من مانے راستوں پر چل رہے ہیں۔ شری مان سنگھ نے اپنا کام نکالنے کے لیے رجنی کو دیدہ ودانستہ موتن لعل جیسے بھوکے شکاری کی کچھار میں ہانک دیا اور وہ اس موقع کو غنیمت جان کر موتن لعل کی آغوش میں جا بیٹھی۔ ایسی عورت سے مل کر تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ چند ثانیوں بعد پُرخیال انداز میں بولا "میرا خیال تھا کہ اب تک اسے موتن لعل کی موت اور بعد

کے واقعات پر بہت کچھ سوچنے کا موقع مل چکا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات نے اس کی سوچ پر کوئی قابلِ ذکر اثر ڈالا ہو۔"

"مجھے امید نہیں۔ پھر بھی اس سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" میں نے کہا۔

چائے ختم کرنے کے بعد ہم نے ظفر کے ان آدمیوں سے رابطہ کرنے کا ارادہ کیا جو جہانگیر کے شیر خوار بیٹے کی تلاش اور بازیابی کی مہم میں ہمارے ساتھ شریک رہے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ظفر کی غیر حاضری میں ہمیں ان دونوں سے خاصی مدد مل سکے گی۔

میرے ایما پر چند ہی منٹ میں ارشد اور اکبر نہایت مؤدبانہ انداز میں وہیں آپہنچے۔

رجنی سے ملاقات کا ذکر سنتے ہی وہ دونوں پریشان نظر آنے لگے۔ پھر اکبر نے مجھے آگاہ کیا کہ وہ لوگ ہماری حیثیت سے پوری طرح واقف تھے لیکن رجنی ایک اہم ترین قیدی تھی جسے ظفر کی خصوصی ہدایت پر قیدِ تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ جہاں ایس ٹی ایف کے عملے کے کسی رکن کو بھی نقاب لگائے بغیر اس کے سامنے جانے کی اجازت نہیں تھی اس لیے ظفر سے خصوصی ہدایت لیے بغیر اس سے ہماری ملاقات کا انتظام نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا خصوصی ڈسپلن تھا جس پر ذاتی مراسم کسی بھی صورت میں اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے اس لیے ہمارے پاس انتظار گاہ میں وقت گزارنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم نے شکریہ ادا کرکے ارشد اور اکبر کو رخصت کردیا۔ جاتے ہوئے ان کا انداز بہت زیادہ معذرت خواہانہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد ظفر ڈریسنگ سے فارغ ہوکر اپنے قدموں پر چلتا ہوا وہیں آگیا۔

اس کے جسم پر ڈھیلا ڈھالا سفید لباس تھا جو سینے پر خاصا پھولا ہوا تھا۔ ظفر کے چہرے وغیرہ کی اچھی طرح صفائی کی گئی تھی لیکن پھر بھی اس کی گردن اور چہرے پر جابجا خون کے دھبے موجود تھے اور ٹھوڑی کے گرد بھاری ڈریسنگ نظر آرہی تھی۔

ہمیں دیکھتے ہی ظفر نے دوستانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن ڈریسنگ کی وجہ سے اس کے ہونٹ عجیب انداز میں پھیل کر رہ گئے۔ ہم دونوں اسے دیکھتے ہی اضطراری طور پر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔

ہم نے اسے سہارا دے کر احتیاط سے صوفے پر بٹھالیا تو اس نے اشارے سے اپنے ان دو آدمیوں کو واپس لوٹا دیا جو اس کے ساتھ آئے تھے۔

"یہ کیا ہوا؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا "تھوڑی ہی دیر پہلے تم ویرا کو ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے گئے تو اچھے خاصے تھے پھر یہ حادثہ کہاں اور کیسے رُونما ہوا؟"

"بس، میری حماقت کہہ لو!" ڈریسنگ کی وجہ سے وہ مُنہ کھول کر بولنے سے قاصر تھا اس لیے اس کے لب و لہجے کے ساتھ ہی تلفظ بھی بدل کر رہ گیا تھا "اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو ہوا ہی ہوگا۔ ویرا نے تو تمہارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کی؟"

"وہ اول درجے کی مکّار اور حرّافہ ہے" اس کے لہجے سے شرمندگی ظاہر ہورہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس کی وجہ سے تم سے تلخ کلامی کی۔ تم دونوں کا اندازہ صحیح تھا کہ وہ اپنی معصومانہ کہانی سے مجھے بہت زیادہ متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی اور وہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔"

"تو کیا اسی نے تم کو زخمی کیا ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کا جواب اثبات میں بھی دیا جاسکتا ہے اور نفی میں بھی" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اصل قصور میرا ہے کہ میں تم لوگوں کی بریفنگ نظرانداز کرکے اس پر بھروسا کربیٹھا۔ وہ شکل وصورت سے جتنی حسین اور دلکش نظر آتی ہے، فطرتاً اس سے کہیں زیادہ خبیث ہے۔"

"پکی ساحرہ ہے، ساحرہ!" سلطان شاہ برا سا مُنہ بناکر بولا "اپنے حسن کے جادو سے اب تک نہ جانے کتنے مردوں کی زندگیاں تباہ کرچکی ہوگی۔ جابر تنگی میں ہوتی تو وہاں کے بڑے بوڑھے، اس کے کرتوتوں کی بنا پر اسے زمین میں آدھا گاڑ کر اس پر خونخوار کتے چھڑوادیتے۔ وہاں خراب عورتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو جادوگرنیوں اور چڑیلوں کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔"

سلطان شاہ کی اس توہّم پرستانہ وضاحت پر میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ روشن خیال اور جدید تر دنیا میں ایک طویل مدت گزارنے کے باوجود اس کے ذہن سے بچپن کی سنی ہوئی کہانیاں کو نہیں ہوسکی تھیں۔ جابر تنگی اور اس جیسے دوسرے پسماندہ علاقوں میں ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ بہت سے کام کرنے پڑتے ہوں گے۔ بڑی حد تک آزادانہ نقل وحرکت کے اس ماحول میں کھیتوں اور پہاڑوں میں مُنہ زور جذبوں کے بے لگام ہونے کے خاصے امکانات ہوسکتے تھے کیونکہ تنہائی ہی ہر بڑے گناہ کا پہلا مرحلہ ہوتی ہے۔ ہزاروں گناہوں کا ارتکاب صرف اس وجہ سے نہیں ہوپاتا کہ شیطانی جذبوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے سرکشوں کو کہیں خلوت یا تنہائی میسر نہیں آتی۔ دیہی علاقوں کے بڑے بوڑھے گمراہی کے ان امکانات سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں اسی لیے اپنے جوان ہوتے ہوئے بچوں کو علاماتی کہانیوں اور روایتی قصوں کے ذریعے چڑیلوں اور جادوگرنیوں کے وجود سے ڈراتے رہتے ہیں۔ ہر کہانی کا محور یہ ہوتا ہے کہ وہ شیطانی قوتیں، حسین وجمیل لڑکیوں کا روپ دھار کر جوان مردوں کو اپنی اداؤں کا اسیر بناتی ہیں اور ان کے وجود سے جوہرِ حیات کشید کرکے انہیں سسکنے اور مرنے کے لیے چھوڑ کر غائب ہوجاتی ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ ان کے بچے حسین عورتوں اور لڑکیوں سے دور رہیں۔ یہ گر صدیوں سے دنیا کے ہر دیہی علاقے میں کامیابی سے رائج ہے۔ لیکن سلطان شاہ عاقل وبالغ ہونے کے باوجود بچپن کے اس تصور کو اپنے ذہن سے کھرچ کر صاف کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"تمہارے فلیٹ سے نکل کر، میں ویرا کو ایک بڑے ہوٹل میں لے گیا تھا" ظفر خفت آمیز لہجے میں اپنی حماقت کی داستان سنانے لگا۔ "وہاں کھانا کھاتے ہوئے اس نے کولمبیا کا قصہ چھیڑ دیا اور بتایا کہ کرنل جیسی جونز کا دستِ راست، ایلسٹن کس قدر درندہ صفت آدمی تھا۔ اس کی کہانی کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بوگوٹا میں ایلسٹن کے ساتھ نہیں رہ رہی تھی بلکہ جان کے خوف سے اس کی یرغمالی بنی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کے ہر حساس حصے پر ایلسٹن کی درندگی کے نشانات بھرے ہوئے زخموں کی صورت میں موجود تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ میں ایک اکیلا آدمی ہوں لیکن اپنی خوشیوں کے لیے کسی شریف اور خانہ دار عورت کی زندگی داؤ پر نہیں لگاسکتا۔ ہم لوگ صحرا میں بھڑکتے ہوئے چراغ کی طرح جیتے ہیں۔ جب تک زندہ رہتے ہیں تو پوری دھوم دھام کے ساتھ ہر طرف اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر اچانک ہی کوئی حادثہ، تصادم یا ہنگامہ، آندھی کے بے رحم تھپیڑے کی طرح ہماری زندگی کا چراغ گل کردیتا ہے۔ گھر اور بستر کی موت بہت کم لوگوں کا مقدر بنتی ہے۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ شاید میرے لیے ویرا کا ساتھ بہتر رہے گا۔ وہ ہر حال میں اپنی گزر بسر کا بندوبست کرسکتی ہے۔ وہ ہر بات میں میری ہاں میں ہاں ملاتی رہی لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ وہ مکاری سے کام لے کر میرے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس نے مجھ سے الگ ہونے سے پہلے مجھ سے قسم لے کر ایک بند لفافہ میرے حوالے کیا۔ مجھے وہ لفافہ دفتر پہنچ کر ہی کھولنا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنے بیگ میں سے ریشمی کپڑے سے بنا ہوا ایک نازک اور خوشبودار پھول نکال کر مجھے تحفے میں دیا۔ وہ بالکل کسی اصلی پھول کی طرح مہک رہا تھا۔ میں نے بعد میں وہ پھول اپنے کالر میں لگالیا۔ واپسی کے سفر میں، میں نے ویرا کا تصور کرتے ہوئے کئی بار اس پھول کو سونگھا لیکن وہ ویرا کا کوئی خطرناک شعبدہ تھا۔ ڈرگ روڈ اسٹیشن سے آگے نکلتے ہی، میرے کالر میں لگا ہوا وہ پھول ایک خفیف سے دھماکے سے پھٹ گیا اور میری جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ میری ٹھوڑی پر ذرا گہرا زخم آیا ہے ورنہ جبڑے، گردن اور سینے پر صرف خراشیں ہیں جن سے بہہ نکلنے والے خون نے مجھے بوکھلاکر رکھ دیا تھا۔ وہ واقعہ رُونما ہوتے ہی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جو کچھ ہوا، ویرا کے دیے ہوئے پھول کی وجہ سے ہوا تھا اس لیے میں نے راستے ہی میں اس کا دیا ہوا لفافہ چاک کیا تو اس میں سے ایک سادہ کاغذ برآمد ہوا جس پر ایک مختصری تحریر تھی۔"

"وہ کیا تھی؟" اس بار ظفر کی خاموشی پر میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"عورت کو بڑی سے بڑی گالی دے لینا لیکن آئندہ کسی کو آوارہ نہ کہنا" ظفر نے تلخ لہجے میں کہا "وہ بہت بدمعاش اور حرامزادی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ میرے دفتر پہنچنے سے پہلے وہ پھول اپنا کام دکھاجائے گا۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے ہلکی سی سزا دی ہے کیونکہ میں نے اسے آوارہ قرار دیا تھا...."

"غنیمت ہے کہ اب تم اس کی اصلیت سمجھ گئے" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ ڈیزی کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مرد کو کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ اب یہی دیکھو کہ زیادہ خون بہنے سے تمہاری حالت بگڑ بھی سکتی تھی لیکن اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ بس وہ تم پر اپنی بالادستی جتانا چاہتی تھی۔ وہ پیدائشی حرام زادی ہے کیونکہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی ماں شادی شدہ نہیں تھی۔ وہ ویرا کی پیدائش کا الزام جمی لائیڈ کے کھاتے میں ڈالتی تھی اور وہ اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔"

"لیکن تم ائرپورٹ واپس کیوں نہیں گئے؟" میں نے پوچھا۔ "تم اسے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے واپس لاسکتے تھے تاکہ اسے اس گھٹیا حرکت کا مزہ چکھایا جاسکتا۔"

"بات سمجھ میں آتے ہی میرا یہی ردِعمل تھا۔ گاڑی گھماکر میں اسٹارگیٹ تک واپس بھی گیا تھا۔ اس وقت تک ویرا کی پرواز کی روانگی میں اتنا وقت تھا کہ میں اسے لاؤنج ہی سے واپس بلوا سکتا تھا لیکن پھر مجھے بلیو کراس ڈیل کا خیال آگیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک کا ایک وسیع تر مفاد اس عیار لڑکی کے مشن سے وابستہ ہوگیا ہے۔ بس اسی وجہ سے میں اپنا غصہ پی کر واپس لوٹ آیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم آرام کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران میں ایران سے کوئی اچھی خبر آجائے" میں نے کہا "تم نے آرام نہ کیا تو یہ معمولی سے زخم خراب بھی ہوسکتے ہیں۔"

"آرام کی بس ایک ہی منزل آتی ہے" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "جب دو گز زمین ہمیشہ کے لیے انسان کا مسکن بن جاتی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں کیا ہورہا ہے۔ سلطان شاہ پہلے ہی صدرو کے آدمیوں سے مار کھاکر زخمی تھا، اب میں بھی پڑگیا تو سارا بوجھ تم پر آجائے گا۔"

بات میرے مطلب کی تھی لیکن پہل اس نے کی تھی اس لیے مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا "ویرا کی وجہ سے غزالہ کی بازیابی کے آثار پیدا ہوگئے تھے لیکن اس کے جاتے ہی بات یکایک الجھ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب کون سی راہ اختیار کی جائے؟"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔ شاید میں کوئی حل سوچ سکوں" اس نے آہستگی سے اپنی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔

"ہماری اطلاع کے مطابق غزالہ کو ہانگ کانگ پہنچایا جاچکا

ہے' جہاں سے کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش اسے پاکستان روانہ کردیتا لیکن کوانگ فو کے آدمیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غزالہ ہانگ کانگ کی پولیس کی تحویل میں چلی گئی ہے....."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا" ظفر نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی "وہاں برطانوی راج ہے اور ان کے زیرِ اثر پولیس کا محکمہ بہت سخت اور فعّال ہے جس سے کسی رُو رعایت کی امید نہیں کی جاسکتی۔"

"لیکن میرے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بات اچک لی "اصل پریشانی یہ ہے کہ شری مان سنگھ نے مجھے مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہانگ کانگ جانے والی لڑکی غزالہ نہیں' بلکہ کوئی اور ہے۔ غزالہ بدستور نئی دہلی میں ہے۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" میرے انکشاف نے ظفر کو بری طرح چونکا دیا۔

"تمہارے ائرپورٹ جانے کے بعد میں نے شری مان سنگھ کو فون کیا تھا" یہ کہہ کر میں نے اسے اختصار کے ساتھ اول سے آخر تک پوری کہانی سنادی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ بے چاری غزالہ کیوں پس رہی ہے؟" میرے خاموش ہونے پر وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا "تم نے جمی لائیڈیا شی کو ہیروئن فروشوں کی عالمی تنظیم سمجھ کر ان سے ٹکر لی تھی لیکن اب رفتہ رفتہ بات ذاتی مخاصمت پر آگئی ہے۔ تم ان کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور وہ ہر جگہ تمہیں زک پہنچانے کے درپے ہیں۔ جمی لائیڈ ہو یا ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ' تمہارے خلاف ان کے مفادات مشترک ہیں۔"

غنیمت یہ تھا کہ ظفر کو میرے اور مافیا کے خفیہ روابط کا علم نہیں تھا ورنہ بات اور زیادہ الجھ جاتی۔

بات بہت سیدھی سی تھی کہ میری اصل دشمنی صرف جمی لائیڈ سے تھی جو شی کا سربراہ تھا اور اس دشمنی کی بنیاد یہ تھی کہ وہ بظاہر پاکستان سے بیش قیمت ہیروئن کی اسمگلنگ میں دلچسپی ظاہر کرتا تھا لیکن اس کا حقیقی مشن یہ تھا کہ بھاری داموں پر سرحدی علاقوں سے خریدی گئی ہیروئن کی بھاری مقدار کو سستے داموں پاکستان کے ہر شہر اور قصبے میں پھیلا دیا جائے تاکہ پاکستان میں ہیروئن کی اس قدر کھپت پیدا ہوجائے کہ پاکستان اور افغانستان میں کاشت ہونے والی ساری افیم اسی طلب میں کھپ جائے اور مغربی دنیا میں بھیجنے کے لیے فاضل پیداوار باقی نہ رہے۔ مغرب اور امریکا کو ہیروئن کی ہولناک یلغار سے بچانے کے لیے وہ ایک منفی منصوبہ تھا' جس کے تحت پاکستان کی نئی نسل کو منظم پیمانے پر ہیروئن کا عادی بنایا جارہا تھا۔

جب تک شی کا وہ مقصد میری نظروں سے اوجھل رہا میں تن' من' دھن سے ان کے لیے کام کرتا رہا لیکن ان کے اصل عزائم کا ادراک ہوتے ہی میں نے اپنی راہ بدل لی اور شی کو ہر جگہ زک پہنچانے پر تل گیا۔ اس اعتبار سے' میری لڑائی ہیروئن فروشوں کے خلاف تھی۔ اس بھیڑ میں غیر ملکی مجرموں کے ساتھ ان کے مقامی کارندے بھی میرے مقابل صف آرا تھے اور میں بہت کامیابی کے ساتھ ان کو زیر کرتا چلا آرہا تھا۔

پھر شی کے غنڈوں سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے' مجھے مخصوص حالات میں مافیا کے ڈان تھری کی پیش کش قبول کرنی پڑی۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں نے ان کی صفوں میں رہتے ہوئے بھی ان کو بھاری نقصان پہنچایا تھا لیکن ظاہری طور پر میں ان کا شریکِ کار تھا۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شی کا مکروہ چہرہ میرے سامنے بے نقاب ہوتا جارہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر اسے صدرِ امریکا سے خطیر رقوم مل رہی تھیں۔ امریکا کے ریاستی ذرائع بھرپور طریقے سے اس کی پشت پناہی کرتے تھے۔ پھر وہ لوگ زیرِ زمین دنیا سے وابستہ نامور لوگوں میں اپنا بھرم رکھنے کے لیے ہیروئن کی تھوڑی بہت غیر قانونی تجارت بھی کرتے تھے۔ کرائے کے آدمیوں کے ذریعے ہیروئن کی کھیپیں پاکستان سے یورپ بھیجی جاتی تھیں جن سے مزید کالا دھن حاصل ہوتا تھا۔ اس اسمگلنگ کے ذریعے بھی فاضل پیداوار کا رخ امریکا کے بجائے یورپ کی زرخیز منڈی کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ مال لے جانے والے عموماً پاکستانی نوجوان یا طالب علم ہوتے تھے اس لیے ان کے پکڑے جانے کی صورت میں شی' امریکا یا صدرِ امریکا پر کوئی حرف گیری نہیں ہوتی تھی بلکہ پاکستان ہی عالمی ملامت کا نشانہ بنتا تھا اور کامیابی کی صورت میں شی کے مالی وسائل میں کروڑوں ڈالر کا اضافہ ہوجاتا تھا۔

ہیروئن کے اس بھیانک کھیل میں شی نے پاکستان کے جرائم پیشہ لوگوں سے گہرے روابط استوار کرلیے تھے اس وجہ سے اسے سیاسی نقشہ گری میں بھی پیش قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس خطے کے بارے میں امریکا کے مخصوص نظریات اور مفادات تھے جن کے حصول کے لیے سازشوں کا سہارا لینا ناگزیر ہوگیا تھا اس لیے شی کے مالی وسائل پاکستان کے باغیوں اور غداروں کی پرورش کے لیے استعمال ہونے لگے۔ اسی ضمن میں ملّا سرکار کا نام سامنے آتا تھا۔ وہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کے عزائم رکھنے والے انتہاپسندوں کا آلۂ کار تھا اور اس نے ملک کے محروم و مایوس طبقوں میں اپنے پیروکاروں کا ایک مضبوط گروہ بنالیا تھا۔ اس لیے شی کی مہربانیاں اس کی نامہربان ذات پر مرکوز ہوتی چلی گئیں۔ شروع سے آخر تک' شی کے کردار میں ایک قابلِ نفرت تسلسل پایا جاتا تھا۔ وہ ہر جگہ اور ہر اعتبار سے پاکستان اور اس کے مفادات کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ الحدید نامی لانچ کی گرفتاری کے بعد ویرا کا تازہ ترین مشن شی کی بدنیتی کا کھلا ثبوت تھا۔

ایران سے بذریعہ سڑک آنے والے چھ سو ٹن وزنی ایٹمی آلات اور سازوسامان کا ہیروئن سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ کھیپ پاکستان کے ایٹمی وسائل اور استعداد میں قابلِ ذکر اضافے کا سبب بن سکتی تھی اس لیے شی اسے تباہ کرنے پر تل گئی تھی۔ دوسری طرف شی کے آقا' پاکستان میں موجود ایٹمی سہولتوں کے خلاف ایک منظم مہم چلا رہے تھے اور مغربی دنیا کو نام نہاد اسلامی ایٹم بم کا ہوّا دکھا کر ایک خاص ذہنی ماحول تیار کررہے تھے تاکہ مفادات کے تصادم کے کسی مرحلے پر انہیں طاقت و بربریت کا کوئی گھناؤنا کھیل اختیار کرنا پڑے تو انہیں ہر طرف سے تائید و حمایت مل سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہیروئن کے نام پر جو بھی حکومتی اور زیرِ زمین تنظیمیں پروان چڑھ رہی تھیں' مالی وسائل کی بے اندازہ فراوانی کی وجہ سے پچھلے چند برسوں میں ان کے اثرونفوذ میں ناقابلِ تصور اضافہ ہوا تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کے اثرات خودرو جنگلی جڑوں کی طرح تیزی کے ساتھ پھیلتے جارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میری مہم کا رخ بھی ہمہ گیر ہوتا جارہا تھا حالانکہ میرا اصل مشن صرف شی کی تباہی تک محدود تھا۔

جس طرح میں شی کے ہر مفاد پر وار کررہا تھا اسی طرح شی اور اس کے ہم نوا مجھے ہر طرح زک پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔ میری کوئی جائداد تھی' نہ لمبا چوڑا خاندان' جس پر وہ کوئی کاری ضرب لگاتے البتہ ویرا کے جنون اور انتہاپسندی کی وجہ سے یہ بات میرے ہر دشمن کے علم میں آچکی تھی کہ میں غزالہ کو حد سے زیادہ چاہتا تھا' اس وجہ سے غزالہ شری مان سنگھ کی نظروں میں بھی آگئی تھی اور اسے اس چکر سے بچانا بھی ہیروئن کے خلاف' میری مہم کا ایک ناگزیر حصہ بن چکا تھا۔

"پھر اب تم نے کیا سوچا ہے؟" کچھ دیر کے مباحثے کے بعد آخرکار ظفر نے پوچھا۔

"میرے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ وعدے کے مطابق مجھے سات بجے ماری پور کے لیول کراسنگ پر پہنچنا ہوگا۔ اس کے بعد جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا" میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی نیت خراب نظر آتی ہے" ظفر نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تھوڑی دیر پہلے تم نے بتایا تھا کہ ماری پور سے وہ ہاکس بے جائے گا جہاں اس کی کوئی ہٹ بھی ہے۔ اگر وہاں اس کے آدمی موجود ہوئے تو تم بہت آسانی کے ساتھ بے بس کرلیے جاؤگے۔ یہ نہ بھولو کہ شری مان سنگھ کا اصل شکار تم خود ہو۔ تم کو پھانسنے کے لیے اس نے غزالہ کو نئی دہلی منتقل کرایا ہے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" میں نے اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش کرنے کے بجائے اسی سے سوال کیا "میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انتظار کی آگ میں نہیں سلگنا چاہتا۔"

"میرے آدمی تمہاری حفاظت کرسکتے ہیں۔ میں یہ بھی معلوم کرسکتا ہوں کہ ہاکس بے پر انڈین کونسلیٹ والوں کے ہٹ کا کیا نمبر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ شری مان سنگھ اسی ہٹ پر جائے۔ کسی بھی غلط کام کے لیے وہ ایسی جگہ کا انتخاب کرے گا کہ بعد میں اس کے دفتر کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ غزلوں' گانوں اور شراب کی محفلوں کے ذریعے ان لوگوں نے شہر کے متموّل طبقے میں بہتیرے دوست پیدا کرلیے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی سے بھی اس کا ہٹ مستعار لے سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو میرے آدمی اس کے سرکاری ہٹ پر انتظار میں ساری رات سوکھتے رہیں گے اور وہ کہیں اور تمہارا بھرکس نکال رہا ہوگا۔"

"تمہارے آدمیوں کو ہی میدان میں اتارنا ہے تو وہ تعاقب بھی کرسکتے ہیں" میں نے کہا۔

"وہ چوکنا ہوجائے گا۔ شام کو اور خاص طور پر اندھیرا پھیلنے کے بعد شہر سے ادھر جانے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ پیچھے آنے والی کوئی بھی کار اسے ہوشیار کرنے کے لیے کافی ہوگی۔"

"ضروری نہیں کہ تعاقب شہر ہی سے شروع کیا جائے" میں نے اپنے ذہن میں تشکیل پانے والے خاکے کو الفاظ میں ڈھالتے ہوئے کہا "آبادی سے نکلنے کے بعد' ہٹس کی ابتدا تک ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ راستے میں پڑنے والے مچھیروں کے گوٹھ اس کی منزل نہیں ہوسکتے۔ اس مہم میں گاڑیوں یا جیپوں کے بجائے عام باربرداری والا کوئی ٹرک استعمال کرنا ہوگا تاکہ تمہارے مسلح آدمی اس کے پچھلے حصے میں دبکے رہیں۔ کار میں گزرنے والے کو اندازہ ہی نہیں ہوسکے گا کہ ٹرک میں بوجھ لدا ہوا ہے یا آدمی چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ٹرک ہٹس کے آغاز پر اس طرح کھڑا رہے جیسے اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہو۔ میں کالی شیراڈ میں سفر کروں گا۔ میری کار دیکھتے ہی ٹرک حرکت میں آجائے اور ہماری منزل دیکھتا ہوا آگے نکل جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ واپس آکر ہمارے ہٹ کو گھیرے میں لے سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس تھوڑے سے وقت میں' مَیں حالات کو قابو سے باہر نہیں ہونے دوں گا۔"

"اور اگر شری مان سنگھ نے اصرار کیا کہ تم شیراڈ چھوڑ کر ماری پور سے اسی کی کار میں سفر کرو' تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ کو ایک نیا نکتہ سوجھ گیا "ٹرک والے کالی شیراڈ کا انتظار کرتے رہ جائیں گے۔ انہیں پتا بھی نہیں چل سکے گا کہ تم اندھیرے میں کس کار میں نکل گئے ہو۔"

"ماری پور لیول کراسنگ پر حالات مختلف ہوں گے۔ میں سختی کے ساتھ اس کی ایسی کوئی بھی تجویز رد کردوں گا اور واپس لوٹ جانے کی دھمکی تک دے سکوں گا۔ اتنی بات تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"احتیاطاً دو چار آدمی وہاں بھی بھیج دیے جائیں گے تاکہ وہ زبردستی نہ کرسکے" ظفر نے کہا "ویسے میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک تجربے کار آدمی ہے۔ شہری حدود میں ایسا کوئی سنگین خطرہ مول

نہیں لے گا جس کی بنا پر اس کے پھنس جانے کا امکان پیدا ہوجائے۔"

اس نے اپنے خدشے پر خود ہی رائے دے دی تھی اس لیے میں خاموش رہا۔

شام کے لیے ایک منصوبہ طے ہوچکا تھا اس لیے ہم تینوں تندہی کے ساتھ اس کی جزئیات پر تبادلۂ خیال کرنے میں مصروف ہوگئے۔ ظفر نے خود ہی اعتراف کرلیا کہ اس کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ خنک رات میں پوری مستعدی کے ساتھ اس مہم کی دیکھ بھال کرسکے۔ دوسری طرف وہ سلطان شاہ کی شرکت کا بھی مخالف تھا کیونکہ وہ بھی زخمی تھا جب کہ کھلے ساحل پر ہونے والے مقابلے میں کسی بھی شخص کی ذرا سی مجبوری یا مجبوری کی وجہ سے پیدا ہونے والی سستی اس کے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے وہ فیصلہ آسانی کے ساتھ قبول نہیں کیا لیکن، جب ظفر نے اسے یہ بتایا کہ اس کی دلی تمنا رہی ہے کہ وہ اپنے ازلی حریف کے کسی اہم سفارت کار پر رنگے ہاتھوں چھاپا مار سکے لیکن صورتِ حال کی نزاکت کی بنا پر وہ اپنے دل پر جبر کرکے مہم میں شرکت سے گریز کررہا ہے' تو اسے بھی ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ مُنہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

اپنی غیر حاضری میں ظفر نے اشرف خان نامی' اپنے ایک ماتحت کو اس مہم کی نگرانی سونپنے کا فیصلہ کیا اس لیے اسے بھی وہیں طلب کرلیا گیا اور پھر نئی مہم کے واضح خدوخال بننے شروع ہوگئے۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو سلطان شاہ کا مُنہ پھولا ہوا تھا۔ میں اسے ذرا بھی چھیڑتا تو وہ مجھ پر برس کر اپنے دل کا سارا غبار نکال لیتا۔ اس لیے میں خاموشی سے کار چلاتا رہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری شرکت سے ظفر کو کیا تکلیف تھی؟" طویل خاموشی سے بے زار ہوکر' آخرکار سلطان شاہ بول ہی پڑا "مجھے تو یوں محسوس ہورہا ہے جیسے تم دونوں نے مل کر مجھے ہر معاملے سے بالکل الگ تھلگ رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ کبھی تم مجھے گھر بٹھادیتے ہو اور اب اس نے مجھے دور رہنے کا نادر شاہی مشورہ دیا ہے۔ اگر میں اسی قدر ناکارہ ہوں تو....."

"بس اب زیادہ نہ بولو!" میں نے اس کے تلخ ہونے سے پہلے ہی اس کی بات کاٹ دی "ہم میں سے کسی کو تمہاری اہمیت یا افادیت پر شبہ نہیں ہے۔ آج کی مہم میں جسمانی فٹنس بہت ضروری ہے۔ کھلی فضا میں ہونے والے امکانی مقابلے میں چاق و چوبند رہ کر ہی اپنا بچاؤ کیا جاسکے گا۔ وہاں سستی دکھانے والے کو امان نہیں مل سکے گی۔ اسی وجہ سے ظفر خود بھی رکنے پر مجبور ہوگیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میرے بدن میں اترنے والی گولی مجھے ہی نقصان پہنچائے گی اس لیے میری سلامتی کے بارے میں اسے اتنا زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلے بھُنے انداز میں بڑبڑایا "بعض اوقات دوسروں کی حد سے بڑھی ہوئی فکرمندی کوفت کا سبب بن جاتی ہے۔"

میرے نزدیک وہ اس کی خود کلامی تھی اس لیے میں نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ چند ثانیوں تک اول فول تبصرے کرنے کے بعد خود ہی خاموش ہوگیا۔

فلیٹ پر واپس پہنچنے کے بعد میرے پاس کافی وقت تھا اس لیے میں تازہ دم ہونے کی نیت سے باتھ روب سنبھال کر غسل خانے میں گھس گیا۔ شاور کے نیچے' اپنے بدن پر نیم گرم پانی کی تیز دھاریں ڈالتے ہوئے بھی میرا ذہن پوری صورتِ حال میں اُلجھا ہوا تھا۔

اس وقت میں کئی محاذوں پر اُلجھا ہوا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ غزالہ والے معاملے کے علاوہ ہر طرف صورتِ حال پوری طرح قابو میں نظر آرہی تھی۔

سب سے اہم معاملے کا تعلق بلیو کراس ڈیل کی سلامتی سے تھا اور اس بیش قیمت ایٹمی کھیپ کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے دیما کوئٹہ کے راستے ایران کے لیے روانہ ہوچکی تھی۔ اس کے بعد ہیری کینجر کی باری آتی تھی جو ایک سُپر پاور کا طاقت ور سیاسی اہل کار تھا اور ان دنوں میرے اور میرے ہمدردوں کے لہو کا پیاسا ہورہا تھا لیکن اس کے پالتو غنڈے ایس ٹی ایف کے ہاتھوں بدترین شکست اور تباہی سے دوچار ہوچکے تھے۔ ان کا سرغنہ' استاد صدرو دردناک انداز میں جہنم کا ایندھن بن چکا تھا۔ اس کے بھاگ نکلنے والے ساتھی شہر کی انجان کمیں گاہوں میں کہیں دبکے ہوئے اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ انہیں صدرو کے انجام کا علم نہیں ہوسکا تھا لیکن صدرو کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے کام کررہے تھے۔ اس لیے ہیری کینجر کے ان خونخوار غنڈوں کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ گیا تھا اور مجھے فوری طور پر ان کی طرف سے کسی جوابی کارروائی کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ اگلی کسی مہم کے لیے ہیری کینجر کو از سرِنو کچھ لوگوں کو منظم اور یکجا کرکے میدان میں اتارنا پڑتا جس کے لیے وقت درکار ہوتا اور وہی وقت میرا سرمایہ تھا۔ تیسرے معاملے کا تعلق مافیا سے تھا۔ گو میں سیٹھ حبیب جیوانی اور اس کے منشیات فروشوں کے لیے اپنے دل میں نرمی کا کوئی گوشہ نہیں رکھتا تھا لیکن پھر بھی میں ان لوگوں کی صفوں میں ایک ذمے دار منصب پر فائز تھا۔ ان دنوں میں دیرا کی بچ کنی کے بہانے ان لوگوں سے اپنی جان چھڑائے ہوئے تھا البتہ وہ میری نجات کا آخری دن تھا کیونکہ حبیب جیوانی کے آخری پیغام کے مطابق' مجھے اگلے روز دوپہر کے دو بجے سے پہلے ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچنا تھا۔ وہ حبیب جیوانی کا حکم نہیں تھا بلکہ اسے بھی ڈان تھری کی جانب سے وہ ہدایت ملی تھی اور اس کے مطابق اگلا سورج طلوع ہونے تک میں مافیا کے بندھنوں سے پوری طرح آزاد اور خودمختار تھا۔

میرا آخری اور اہم معرکہ شری مان سنگھ کے ساتھ چل رہا

تھا۔ غزالہ کی ہانگ کانگ روانگی کے بارے میں مجھے اس نے بدترین الجھن میں ڈالا ہوا تھا۔ ایک طرف مکاؤ سے فون پر ملنے والی خبریں تھیں جن کے مطابق غزالہ ہانگ کانگ پولیس کی قید میں تھی اور دوسری طرف شری مان سنگھ نے مجھے یہ خبر سنائی ہوئی تھی کہ غزالہ سرے سے ہانگ کانگ گئی ہی نہیں تھی۔ البتہ اس کے کچھ طلب گاروں کو فریب دینے کے لیے، اس کی جگہ لکھنؤ کی شکنتلا دیوی کو بھیج دیا گیا تھا۔ وہ غزالہ تھی یا شکنتلا دیوی۔ اس کا انکشاف تو وقت آنے پر ہی ہو سکتا تھا لیکن میرے لیے تسلی کی بات یہ تھی کہ ہم نے کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر معاملے کے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہوا تھا۔

ہانگ کانگ میں شی کے آئی مین، کوانگ فو نے غزالہ کی بازیابی کے لیے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور کراچی میں، میں شری مان سنگھ کے ساتھ پُرپیچ مذاکرات میں مصروف تھا جس کا فیصلہ کن مرحلہ تیزی کے ساتھ قریب آتا جا رہا تھا۔

شری مان سنگھ سے اس وقت تک ہونے والی ملاقاتوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی تھی کہ ان لوگوں کی سازشوں کے منظرنامے سے ملّا سرکار کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگ شدید بے چینی اور بے یقینی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ جب تک ملّا سرکار سرگرم عمل تھا تو ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ بعد میں الحدید کے ذریعے جدید ترین اور تباہ کن ہتھیاروں کی کھیپ آئی اور ساحل پر اترنے سے پہلے پکڑی گئی تو ملّا سرکار گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اس کے بعد شاید وہ لوگ دوسرے ذرائع سے ہتھیاروں وغیرہ کی نئی کھیپ منگوانے کا بندوبست کر چکے تھے لیکن سندھ کے دیہی علاقوں میں ان کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو ان ہتھیاروں کو پوری ذمے داری کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچا سکے جو قانون کی حکمرانی کو للکارتے ہوئے، جنگلوں میں روپوش ہو چکے تھے۔

اپنے روابط کی گم شدہ کڑیوں کو یکجا کرنے کے لیے شری مان سنگھ کو ایک قابلِ اعتماد آدمی کی شدید ضرورت تھی۔ ویرا نے اپنی حماقت کے زیرِ اثر، غزالہ کو اس کے حوالے کر کے گویا میری نکیل اس کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ وہ میرے ماضی سے خاصی حد تک واقف تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے رام کر کے وہ اپنے مسائل پر بڑی حد تک قابو پا لے گا۔ اس نے غزالہ کی واپسی کے بدلے غلام رسول کو لانے کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس بارے میں اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ لیے بغیر غلام رسول کی سرد لاش اس کے آدمیوں کے حوالے کر کے ان پر حملہ کرا دیا۔ میں نے تکنیکی اعتبار سے اپنی ذمے داری پوری کر دی تھی لیکن شری مان سنگھ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اس نے ملّا سرکار کا کھوج لگانے کی ذمے داری کے ساتھ ہی مجھ سے ایس ٹی ایف کی سرگرمیوں کا پتا چلانے کا بھی مطالبہ کر دیا۔

ملّا سرکار را کا ایجنٹ تھا اور عام آبادی میں اپنی جگہ بنانے کے بعد اپنے ملک کے مفادات کے لیے درپردہ کام کر رہا تھا۔ اسی کی طرح شری مان سنگھ بھی اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کا کارندہ تھا اور سفارتی نقاب کی اوٹ میں اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس نے مجھے اپنی راہ پر لانے کے لیے پیشہ ورانہ حربوں کا استعمال شروع کیا ہوا تھا اور گھیر گھار کر مجھے اپنی ہی سرزمین کے خلاف میدان میں لانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے اس نے ایک ایسا دلدلی میدان تیار کیا تھا جہاں قدم رکھتے ہی میں اندر ہی اندر دھنستا چلا جاتا۔ میں ایک بار اس کے لیے کام کرنا شروع کر دیتا تو قلیل سی مدت میں، وہ میرے خلاف اتنا مواد اکٹھا کر سکتا تھا کہ میرے لیے اس کی بلیک میلنگ سے جان چھڑانا محال ہو جاتی اور میں ہمیشہ کے لیے اس متعفن دلدل میں دھنس کر رہ جاتا۔

میرے لیے یہ امر خوشی اور اطمینان کا باعث تھا کہ شری مان سنگھ سے فیصلہ کن اور اعصاب شکن ملاقات کے لیے میرے پاس خاصا وقت موجود تھا اور میں اپنی ذہنی توانائیاں دوسرے مسائل میں ضائع کیے بغیر اس مردود کی سازش کو ناکام بنا سکتا تھا۔

میں مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی سیاہ شیراڈ کار میں ماری پور والے لیول کراسنگ پر پہنچ گیا اور ریلوے لائن عبور کر کے اپنی گاڑی ایک کنارے سے لگا دی۔

اس وقت تک وہاں ٹریفک کا دباؤ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ مسافروں کے انتظار میں کھڑی ہوئی اکّا دکّا منی بسوں کے علاوہ وہاں ایسی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی جس پر شری مان سنگھ کی کار ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ میں نے نہایت غور سے قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن ایسے لوگوں کی نشاندہی سے قاصر رہا جن پر ایس ٹی ایف سے تعلق رکھنے کا شبہ کیا جا سکتا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ظفر عملی طور پر اس مہم میں شریک نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے پس پردہ رہتے ہوئے اس امر کا پورا پورا بندوبست کر لیا ہوگا کہ حفاظتی تدابیر میں کوئی کمی نہ رہ سکے۔ اس نے میری موجودگی میں اشرف خان کو اپنا پورا پلان سمجھا دیا تھا جس کی رُو سے ایس ٹی ایف کے کم از کم تین مسلح افراد کو ایسی جگہوں پر موجود ہونا چاہیے تھا جہاں سے وہ بوقتِ ضرورت میری مدد کے لیے آسکیں۔

ٹھیک سات بجے مجھے اپنی کار کے عقب نما آئینے میں ایک کار کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آئے۔ وہ کار ریلوے لائن عبور کر کے میری ہی طرف آرہی تھی۔ اس کی رفتار بہت سست تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کار چلانے والے کو اپنے آس پاس کسی کی تلاش ہو۔ میں اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر چوکنا ہو گیا۔

اسے کسی کی تلاش تھی جب کہ وہاں قرب و جوار میں میری گاڑی کے علاوہ کوئی کار موجود نہیں تھی اس لیے وہ کار سیدھی

برابر میں آرکی۔

وہ نئے ماڈل کی سفید ٹویوٹا کرولا تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک تنومند اور جھگڑالو تیوروں والا شخص براجمان تھا جب کہ پچھلی سیٹ پر شری مان سنگھ دھنسا ہوا تھا۔

کرولا کے رکنے سے پہلے شری مان سنگھ نے بھی مجھے دیکھ لیا اور گاڑی رکی تو شری مان سنگھ اپنے بائیں طرف سرک کر کھڑکی کے قریب آچکا تھا۔

"اپنی گاڑی یہیں کہیں پارک کر کے لاک کردو۔" اس نے شیشہ اتار کر مجھ سے کہا "ایک ہی کار میں باتیں کرتے ہوئے آرام سے چلیں گے۔ واپسی پر اپنی گاڑی لے لینا۔"

اس کی وہ تجویز ہمارے طے شدہ منصوبے سے متصادم تھی۔ اس کے ہٹس کے آغاز پر، ٹرک میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے آدمی میری کالی شیراڈ ہی پہچان کر اپنی پیش قدمی کا آغاز کرتے۔ اگر میں اپنی کار چھوڑ کر سفید کرولا میں سفر کرتا تو میں ان کے قریب سے گزر جاتا اور رات کے اندھیرے میں انہیں پتا بھی نہ چلتا کہ شری مان سنگھ مجھے کب اپنے چوہے دان کی طرف لے گیا ہے۔

"خدا کا خوف کرو، شری!" میں نے اس کی تجویز سنتے ہی کہا۔ "آج کل شہر کے بھرے پرے بازاروں میں لوگوں سے گاڑیاں چھینی جا رہی ہیں اور تم مجھے اس ویرانے میں گاڑی چھوڑنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ یہاں تھوڑی ہی دیر میں الّو بولنے لگیں گے اور پھر گاڑی تو کیا اس کے سائے کا بھی پتا نہیں چلے گا۔"

"پھر گاڑی واپس گھما لو۔ ٹرک اسٹینڈ کے علاقے میں ساری رات، دن کا سماں رہتا ہے۔ گاڑی وہیں کسی دکان یا پیٹرول پمپ پر چھوڑ دینا، وہاں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

"بلاوجہ وقت برباد ہوگا۔" میں نے اس کے اصرار کا توڑ کرنے کے لیے سختی سے کہا "ہم اپنی اپنی گاڑیوں میں ہی چلیں گے۔ تمہارا موڈ ہو تو رات ساحل پر گزار لینا۔ میں فارغ ہو کر واپس شہر لوٹنا چاہتا ہوں۔ میری گاڑی موجود ہوگی تو تمہیں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔"

"پھر تم میرے ساتھ آجاؤ!" اس نے آخری حربہ آزماتے ہوئے کہا "تمہاری کار میرا ڈرائیور چلا لے گا۔" اس کی بات پوری ہوتے ہی اس کا ڈرائیور اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔

اس کی وہ تجویز میرے لیے غیر متوقع تھی۔ اپنا منصوبہ طے کرتے ہوئے، میں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ کسی ڈرائیور کے ساتھ آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اکیلا ہوگا اور میں آسانی کے ساتھ اپنی گاڑی میں سفر جاری رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر وہ میری جان کا جنجال بننے پر تُلا ہوا تھا۔

"اگر مجھے اپنی کار میں اغوا کر کے کہیں اور لے جانے کا پروگرام ہے تو کھل کر بات کرو۔" میں نے تنگ آکر جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا "ورنہ اپنی اپنی گاڑی میں چلو۔ میں تمہارے پیچھے آتا رہوں گا۔"

"میری نیت خراب ہو تو آگے چل کر بھی گڑبڑ کر سکتا ہوں۔ تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ جب تم یہیں سے میری نیت پر شبہ کر رہے ہو تو ہٹ میں پہنچنے کے بعد کیا ہوگا؟ وہاں تم پوری طرح میرے رحم و کرم پر ہوگے۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔" میں نے جھلّا کر کہا "اس وقت تو وہی ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ آج کی ملاقات کو ختم سمجھو۔ بعد میں ہم کسی اچھے وقت پر دوبارہ مل سکتے ہیں۔"

"تم بہت ضدی ہو۔" وہ بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولا۔ "جس بات پر اڑ جاتے ہو، اس پر سے تمہیں ہلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ملاقات میری نہیں بلکہ تمہاری مرضی سے ہو رہی ہے۔ میں نے بہت مشکل سے وقت نکال کر تمہارے لیے ایک خوب صورت دعوت کا اہتمام کیا ہے اور تم میرے سارے بندوبست کو خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہو۔ خیر، تم جس طرح چاہو میرے پیچھے چلے آؤ۔ باقی باتیں ہٹ پر ہی ہو جائیں گی۔"

اس کا جسیم ڈرائیور پھرتی کے ساتھ اپنی نشست سنبھال کر آگے روانہ ہو گیا اور میں بھی شیراڈ کا انجن اسٹارٹ کر کے تیزی کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی تھی کہ شری مان سنگھ مجھے اپنی ہی گاڑی میں لے جانے پر کیوں مُصر تھا حالانکہ ہٹ پر پہنچنے کے بعد میں بظاہر پوری طرح اس کے رحم و کرم پر ہوتا اور اگر وہ میرے ساتھ کوئی چال ہی چلنی چاہ رہا تھا تو اسے اس کے لیے ہٹ پر بہتر مواقع میسر ہوتے۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ شاید اس نے ہٹ کا سرے سے کوئی بندوبست ہی نہیں کیا تھا اور مجھے بہلا پھسلا کر راستے ہی سے اغوا کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ میں ایک بار اس کی کار میں سوار ہو جاتا تو وہ راستے میں موقع پا کر مجھے بے ہوش کر سکتا تھا اور ایسی حالت میں اپنے کسی بھی محفوظ ٹھکانے پر قید کر سکتا تھا لیکن مجھے فوراً ہی وہ خیال اپنے سر سے جھٹک دینا پڑا کیونکہ وہ خود ہی ہٹ پر کسی پُرتکلف ضیافت کا ذکر کر چکا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کے پروگرام میں ہٹ کا انتظام شامل تھا۔

سفید کرولا کے پیچھے سفر کرتے ہوئے میں نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ اس کار پر سفارتی نمبر پلیٹ کے بجائے کراچی کی عام نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ عام حالات میں وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی کیونکہ بیشتر سفارتکار اپنی نجی مصروفیات اور خاص طور پر تفریحی سرگرمیوں کے دوران میں لوگوں کی توجہ سے بچے رہنے کے لیے اپنی ہر سفارتی شناخت کو خیرباد کہنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہاں معاملہ شری مان سنگھ جیسے چالاک سیکرٹ ایجنٹ کا تھا اس لیے میں خود کو ہر معمولی سے معمولی بات پر توجہ دینے کے لیے مجبور پا رہا تھا۔

کراچی کے ساحلی تفریحی مقامات پر شہری سہولیات اور تحفظ کی عدم فراہمی کی وجہ سے رات میں آمد و رفت کا رجحان نہیں پایا

جاتا۔ سمندری تفریحات کے دلدادہ لوگوں کی دوڑ عموماً کلفٹن تک محدود رہتی ہے۔ رات میں ہاکس بے اور سینڈزپٹ کے دور افتادہ اور تاریک سواحل کا رخ کرنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ ان میں وہی غیر ملکی نظر آتے ہیں جو رات کے سناٹے میں' ساحلی ریت پر کچھوؤں اور کیکڑوں کی مست خرامی کے نظارے دیکھنے کے شوق میں اپنے مقامی میزبانوں کے ساتھ مہم جوئی پر نکل پڑتے ہیں اور پھر سمندر کے بپھرے ہوئے پانیوں میں بھی پاؤں تر کرلیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ٹول ٹیکس پوسٹ کے دو نفری عملے نے قدرے حیرت کے ساتھ پیسے وصول کرکے دونوں گاڑیوں کو ٹیکس ٹوکن دیے اور ہمارا ویرانے کا سفر شروع ہوگیا۔

طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب رات کے لامتناہی سناٹے میں سمندر کی سرکش موجوں کا دھیما دھیما شور سنائی دینے لگا تو اندھیرے میں دور تک پھیلتی ہوئی' ہیڈ لیمپس کی روشنی میں' کہیں کہیں ہٹس کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ پھر اسی انعکاس میں سڑک کے کنارے ایک خستہ حال ٹرک کا ہیولا بھی نظر آیا جو ایک ہی جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ٹرک نظر آتے ہی مجھے اپنے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اترتا ہوا محسوس ہوا۔

دونوں گاڑیوں کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن اس وقت ہم ٹرک سے خاصی دور تھے کہ اچانک ٹرک کے سائلنسر سے دھوئیں کا ایک مرغولہ خارج ہوا' اس کی عقبی بتیاں روشن ہوئیں اور ٹرک آہستگی کے ساتھ حرکت میں آتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ لوگ اپنی ذات کو ہر شک و شبے سے بالاتر رکھنے کے لیے' ہر گاڑی کی آمد پر اسی طرح ٹرک اسٹارٹ کرکے پیش قدمی کررہے تھے اور شاید کالی شیراڈ نظر نہ آنے پر دوبارہ رک کر انجن بند کرلیتے تھے۔

آناً فاناً میں' میں کچے سے رینگ کر سڑک پر آتے ہوئے' نصف باڈی والے ٹرک سے آگے نکل گیا۔ اندھیرے اور تیز رفتاری کی وجہ سے میں ٹرک کے کیبن کا جائزہ نہیں لے سکا لیکن آگے نکل جانے کے بعد' میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ میری کار دیکھتے ہی' ان لوگوں کے ٹرک نے رفتار پکڑلی تھی۔

چند ہی منٹ بعد ہم ساحل کے متوازی بنی ہوئی سڑک پر آگئے جہاں داہنے ہاتھ پر شورزدہ ویرانہ پھیلا ہوا تھا اور بائیں طرف ہٹس کی قطار سے آگے سمندر کا کنارا تھا۔

کاروں کے مقابلے میں ٹرک کی رفتار بہت زیادہ سست نہیں تھی۔ خاک دھول میں اٹا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ خستہ حال ضرور نظر آیا تھا لیکن میری گاڑی سے اس کا فاصلہ بتا رہا تھا کہ ٹرک کا انجن بہت مضبوط اور جان دار تھا۔ جس کے سہارے وہ گھنٹوں ہمارا کامیاب تعاقب کرسکتے تھے۔

لیکن وہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہا۔ اچانک شری مان سنگھ کی کار کی رفتار کم ہوئی اور وہ بائیں طرف ایک پختہ راستے پر گھوم گئی جو ایک وسیع دو منزلہ ہٹ کی طرف جارہا تھا۔ میں نے اس کی تقلید کی اور چند ثانیوں بعد ٹرک غراتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

ہمارے پہنچنے سے پہلے اس ہٹ پر ایک سیاہ مرسڈیز پہلے سے موجود تھی اور ہٹ کے بعض حصوں سے جھانکنے والی روشنی سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ہٹ اس وقت بھی آباد تھا۔ میں اپنی کار کا انجن بند کرکے نیچے اترا تو میرے کانوں میں جنریٹر کا ہلکا سا شور گونجنے لگا اور ہٹ میں روشنی کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوگیا۔ ان لوگوں نے اپنی ضروریات کے لیے وہاں کسی طاقت ور جنریٹر کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

ہماری گاڑیاں رکتے ہی ہٹ کی دیوار کے سائے سے ایک دراز قامت سایہ نکل کر ہمارے سامنے آگیا۔ تاروں بھرے آسمان کے نیچے' میلے کپڑوں میں ملبوس اس دراز قامت شخص کی آنکھوں میں پُراسرار اور معنی خیز چمک کوند رہی تھی۔ خنک ہواؤں سے اپنے بچاؤ کے لیے اس نے ایک پرانا اونی کوٹ پہنا ہوا تھا اور سر پر بھی اونی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ اپنی وضع قطع سے ملازمین کے کسی جاں نثار اور وفادار قبیلے کا فرد معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے سب سے پہلے شری مان سنگھ کو سلام کیا جس کا مطلب تھا کہ شری مان سنگھ اس ہٹ پر اجنبی نہیں بلکہ اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔

"کیا حال ہے' احمد؟" شری مان سنگھ نے اپنائیت کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بس صاحب' کرم ہے مولا کا۔" اس نے رسمی سا جواب دیا پھر قدرے رازدارانہ لہجے میں بولا "مس لوگ اندر ہے۔ دو کریٹ سوڈا فریج میں ہے۔ اوپر پانی کی ٹنکی فل ہے۔ جنریٹر میں بھی صبح تک کے لیے پیٹرول کا بندوبست ہے اور کوئی کام ہو تو میں ادھر ہی رہوں گا۔"

"یہاں ٹھنڈ اور اوس میں بیمار پڑجاؤ گے۔" شری مان سنگھ نے ہمدردی سے کہا "ادھر آگے برآمدے میں چلے جاؤ۔ ہم لوگ زیادہ وقت اندر ہی گزاریں گے۔"

وہ عارفانہ انداز میں دھیمے سے ہنسا اور بولا "صاحب' ہم لوگ سمندر کے کیڑے ہیں۔ سردی اور گرمی میں اسی پانی سے لڑ کر زندہ رہتے ہیں۔ ٹھنڈ اور اوس ہمارا کچھ نہیں بگاڑتی۔ ہاں ریت سے نکلنے والے زہریلے کیڑوں سے ڈر لگتا ہے۔ تم بھی باہر نکلو تو ذرا خیال رکھنا۔ یہ کیڑے چاندنی راتوں میں زیادہ نظر آتے ہیں۔"

احمد کے تعارف کے لیے وہ گفتگو کافی تھی۔ وہ مچھیروں کے قبیلے کا کوئی مقامی تھا جو اپنی سہل پسندی کی وجہ سے آبائی پیشے کو خیرباد کہہ کر ان ہٹس کی چوکیداری پر گزارہ کر رہا تھا۔ ہاکس بے اور سینڈزپٹ کے علاقے میں ایسا ہر چوکیدار' دس پانچ ہٹس کی نگہبانی کرتا تھا۔ انہیں ہٹس کے مالکان سے ملنے والی قلیل تنخواہ سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ چھٹی کے دنوں میں تفریح کے لیے ادھر آنکلنے والے لوگوں کو سو پچاس روپے لے کر' اپنے ہٹس کے سایہ دار برآمدے استعمال کرنے کی چھوٹ دے دیتے تھے۔ کوئی پارٹی مٹھی زیادہ گرم کرنے کی توفیق رکھتی ہو تو اسے غیر آباد ہٹس کے کمروں اور زنجیر وغیرہ سے بھی فیضیاب ہونے کا موقع مل جاتا تھا۔

احمد کی آنکھوں میں کوندنے والی مخصوص چمک اور لب و لہجے کی سرگرمی سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہیجان کے عالم میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سوڈے کے کریٹ بلاوجہ ٹھنڈے نہیں کرائے گئے تھے۔ اس کا میل لال پری سے ہی ملتا تھا۔ ویران ساحل پر شراب پینے والوں کے ساتھ مس لوگ بھی ہوں تو ان راتوں کا تماشا' احمد کو نہ جانے کتنی راتوں تک سونے نہ دیتا ہوگا اور وہ موسم کی پروا کیے بغیر جولانی کے ان ہی لمحوں کے انتظار میں وہاں رات کالی کرنے پر آمادہ تھا۔

شری مان سنگھ کو لانے والا ڈرائیور' احمد کے پاس ہی رک گیا۔ میں نے شری مان سنگھ کے ساتھ برآمدے کی دوسری ہی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ ہٹ کا دروازہ کھلا اور میری آنکھوں کے سامنے قیامت سی کوند گئی۔

ہاکس بے کے ساحل پر رات گزارنے کا ذکر کرتے ہوئے شری مان سنگھ نے خاصی رنگ آمیزی سے کام لیا تھا اور میں اس علاقے کی بے برگ و بار فضا سے واقف ہوتے ہوئے بھی خاموش ہی رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ شری مان سنگھ نے وہاں اپنا دل بہلانے کا ہر سامان جمع کیا ہوا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے میں سے دھیمے اور مدھر سُروں میں کسی مغنیہ کی رسیلی آواز آرہی تھی۔ شاید اندر غزلوں کا کوئی کیسٹ چل رہا تھا اور رنگے ہوئے سنہرے بالوں والی ایک سراپا غزل دروازے پر کھڑی ہمیں خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ وہ کسی بھی معیار اور انداز سے حسین کہے جانے کے قابل نہیں تھی۔ خدوخال واجبی سے تھے' ہونٹ نزاکت سے عاری مگر آنکھیں چمک سے بھرپور تھیں۔ لیکن اس نے اپنے بھرے بھرے بدن پر ایسا چست اور خوش رنگ لباس پہنا ہوا تھا کہ نگاہیں اس کے بدن کے ارمان انگیز نشیب و فراز میں الجھ کر حسن کی ہر روایتی تعریف کو بھول جاتی تھیں۔ اس نے اپنے شہابی رنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت ہلکے میک اپ کا سہارا لیا ہوا تھا۔ اس پر ترشے ہوئے سنہری بالوں نے اسے بے حد جاذب نظر بنا دیا تھا۔

"آؤ یار شری!" اس نے بڑھ کر شری مان سنگھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بے تکلفی سے کہا "تمہاری بس یہی ادا ہمیں مار دیتی ہے کہ تم ہمیشہ وقت کا دھیان رکھتے ہو لیکن یہ دیکھ لو کہ آج بھی ہم تم سے پہلے پہنچے ہوئے ہیں۔"

"مبارک ہو ... یہ مرسڈیز کب خریدی تم نے؟" شری مان سنگھ نے اس کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل بہت اونچی اڑ رہی ہو۔"

"یار' ہماری سوچ تو ہمیشہ ہی اونچی رہی ہے۔ بس قسمت ذرا دیر سے یاوری کرتی ہے۔ آج کل محکمۂ تجارت کا ایک کھوسٹ افسر ہم پر مہربان ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کی صورت اور بیمار عادتوں سے چڑ ہے۔ ہم اسے دھتکارتے ہیں تو وہ بڈھا سمجھتا ہے کہ ہم نخرے دکھا رہے ہیں۔ ہماری ناز برداری میں اس نے آج کل حاتم کی قبر پر لات ماری ہوئی ہے۔ اسی سے نکالے ہوئے مال سے ہم نے یہ گاڑی خریدی ہے۔"

"بہت شاندار ہے' بالکل تمہاری طرح!" شری مان سنگھ نے قہقہہ مار کر تعریف کی۔

"بالکل نہیں!" اس نے اپنے بڑے بڑے دیدے مٹکا کر کہا۔ "نئی ہوتی تو ہماری طرح ہوتی۔ یہ دو سال پرانا ماڈل ہے۔"

"دو کیا' مرسڈیز تو دس سال تک چلنے کے بعد بھی نئی رہتی ہے۔" شری مان سنگھ نے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سرکاری افسر کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آرہا ہے جو وہ تم پر ایک خزانہ لٹائے جارہا ہے۔ یہ گاڑی اٹھارہ بیس لاکھ سے کم کیا ہوگی؟"

"ہمارے نصیب سے اسے مل رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی دے ہی جاتا ہوگا۔ ہمیں آم کھانے سے مطلب ہے' پیڑ گن کر اپنا وقت کیوں خراب کریں؟ اپنی فیاضیوں کی وجہ سے اب وہ ہمیں کبھی کبھی اچھا لگنے لگا ہے۔"

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں رک گیا کیونکہ ایک کمرے سے گزر کر ہم تینوں آراستہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوچکے تھے جہاں ایک جوڑا پہلے سے موجود تھا۔ فضا میں پرانی اسکاچ کی بو رچی ہوئی تھی اور فضا میں دھوئیں کے مرغولے چکرا رہے تھے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر سوڈے کی کھلی ہوئی بوتلیں اور بھرے ہوئے گلاس موجود تھے۔ اسکاچ کی بوتل عورت کے قدموں میں' قالین پر رکھی ہوئی تھی۔

اس وقت تک میں ان دونوں کے پیچھے چل رہا تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد شری مان سنگھ دوسرے مرد سے ملنے کے لیے پُرتپاک انداز میں آگے بڑھا تو میں پیش قدمی کرکے سنہرے بالوں والی کے برابر میں پہنچ گیا۔

"ارے' معاف کرنا!" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں فوراً ہی اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا "باتوں میں ہم تمہیں تو بھول ہی گئے تھے۔ ہاؤ سلی' اتنی دیر ہوگئی اور ہم نے اپنا تعارف تک نہیں کرایا۔ ہمیں رلّی کہتے ہیں۔ شی از پارو' اور اس کا ساتھی رومی ہے۔"

"سارے رنک نیم ہی چل رہے ہیں تو میں ڈینی ہوں۔" میں نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

رلّی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی الہڑ دیہاتن کے ہاتھوں سے چاندی کے گھنگھرو سنگلاخ زمین پر گر کر بج اٹھے ہوں۔ اس کی ہنسی بہت مترنم اور دل آویز تھی۔ وہ ہنسی تو اس

کے بھرے بھرے، شہابی رخساروں پر دونوں طرف گہرے گڑھے پڑ گئے جنھوں نے اُس کی کشش میں اور اضافہ کردیا۔

"خوش ذوق معلوم ہوتے ہو۔" وہ میرے ساتھ صوفوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "پڑھے لکھے اور شائستہ لوگوں سے مل کر ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ تم اسٹرانگ لیتے ہو یا لائٹ؟"

میں نے گھور کر اُس کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے کہا "نیٹ! نو کِمِسنگ!"

"ہاؤ سویٹ!" وہ خوشی سے اچھل پڑی "ہم بھی نیٹ ہی پیتے ہیں۔ شراب جب تک پگھلی ہوئی آگ کی طرح حلق اور چھاتی کو نہ جلائے، مزہ نہیں دیتی لیکن شری کہتا ہے کہ خالص شراب عمر آدھی کردیتی ہے۔"

"تمہیں قدرت نے اتنا حسین بنایا ہے کہ تمہاری عمر تو ہمیشہ آدھی ہی رہے گی۔ سو برس کی ہو کر بھی پچاس کی نظر آؤ گی۔ پھر اس پرہیز سے فائدہ؟" میں نے اسے خوش کرنے اور ماحول میں گھل مل جانے کی نیت سے کہا اور وہ بے تحاشا خوش ہوگئی۔ ایسی بھرپور اور انوکھی تعریف شاید اس نے پہلی بار سنی تھی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ دونوں میں سے کسی مرد نے میرے بے تکلفانہ تبصرے پر مُنہ نہیں بنایا تھا۔ میں پارو اور روی سے ہاتھ ملا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور رلّی ہمارے لیے گلاس بنانے لگی۔

اس ملاقات کے بارے میں شروع ہی سے میرے ذہن میں خدشات موجود تھے اس لیے میں ہر لمحے بہت ہوشیار اور چوکنا رہا تھا۔ باہر گاڑی کے ہیڈ لیمپس بند کرنے سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں احمد کے علاوہ اور کوئی ذی روح موجود نہیں تھا یا کم از کم نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے بعد رلّی سامنے آئی تو اس کی شخصیت بہت بے ضرر بلکہ ریلی نظر آئی۔ اس کی گفتگو کا انداز منفرد تھا، وہ تعلیم یافتہ بھی نظر آتی تھی اور اگر اس نے مرسڈیز کے حوالے سے اپنے کسی کھوسٹ عاشق کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں یہی سمجھتا کہ وہ کسی مال دار گھرانے کی بگڑی ہوئی لڑکی ہے کیونکہ اُن دنوں شہر کے متموّل خاندانوں کی لڑکیوں اور عورتوں میں بے باکانہ انداز میں گفتگو کرنے کا رجحان روز بروز ترقی پذیر تھا بلکہ بعض فیشن زدہ لڑکیاں تو خود کو ترقی پسند ظاہر کرنے کے لیے گفتگو میں چھوٹی موٹی گالیوں کا استعمال بھی ضروری سمجھنے لگی تھیں۔

پارو نازک اندام اور قدرے سنجیدہ لڑکی تھی۔ وہ جینز اور جیکٹ میں ملبوس تھی اور یوں سوچ سوچ کر اسکاچ کے گھونٹ لے رہی تھی جیسے اس کا ذہن کسی فلسفیانہ مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے کسی مار دھاڑ یا ہنگامہ آرائی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اور یہی حال روی کا تھا۔ وہ کسرتی بدن کا مالک ضرور تھا لیکن اس کے بشرے سے ایسی پیدائشی بے پروائی اور خوش حالی کا اظہار ہورہا تھا جو تیسرے درجے کے غنڈوں جیسی لڑائی بھڑائی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اس پوری بھیڑ میں شری مان سنگھ اور اس کے ڈرائیور کے علاوہ مجھے کوئی ایسا فرد نظر نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اپنی سلامتی کو کوئی خطرہ محسوس ہوتا۔

رلّی واضح طور پر ایک رنگین مزاج اور دل پھینک لڑکی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پیشہ ور کال گرل ہی رہی ہو۔ اسی طرح پارو بھی مردوں سے آزادانہ دوستی اور میل جول کی عادی نظر آتی تھی اور شاید روی کی گرل فرینڈ بھی تھی کیونکہ ہماری آمد پر وہ دونوں اندر ہی رازونیاز میں مصروف رہے تھے۔ رلّی، شری مان سنگھ کی [illegible] ہوسکتی تھی۔ ان سب میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ ان کے نام ہندوانہ تھے۔ لیکن اس موقع پر ان کی یکجائی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

اس وقت تک کہیں بھی، خطرے کی کوئی علامت نہیں تھی اور بظاہر وہ خوش باش اور بے فکرے لوگوں کی محفل ناؤ نوش معلوم ہورہی تھی۔ جہاں میں دو جوڑوں کے درمیان پھنس گیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ شری مان سنگھ مجھے وہاں کیوں لایا تھا اور مجھ سے کیا چاہتا تھا۔

اسی اثنا میں شری مان سنگھ کا ڈرائیور ایک وزنی باسکٹ لے آیا جس میں سے اٹھنے والی ملی جلی اشتہا انگیز خوشبوؤں میں بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو سب سے زیادہ نمایاں تھی۔

اسکاچ کے گلاس تیار کرنے کے بعد رلّی، شری مان سنگھ کے بجائے، نہایت بے تکلفانہ انداز میں میرے قریب آکر بیٹھی تو میں بوکھلا گیا۔

"ہم کہیں اور بیٹھ جائیں؟" مجھے اپنے وجود میں سمٹتا دیکھ کر رلّی نے معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا "تم کچھ بے آرام سے لگ رہے ہو۔"

"نن .... نہیں، تم شوق سے یہیں بیٹھو۔ یہ تو میری خوش بختی ہے کہ تم کو پورے کمرے میں یہی جگہ پسند آئی۔ بس مجھے شری کے اکیلے پن کا خیال آگیا تھا۔" بوکھلاہٹ کے ابتدائی حملے کے بعد میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"ایک تو تم خود اچھے ہو پھر تمہارا نام اتنا اچھا ہے... ڈیئی کہتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کوئی گینڈے کا سر توڑنے والا آگیا ہو۔ شری نے تو آج ہمیں تم ہی سے ملوانے کے لیے بلایا ہے... ویسے تم کرتے کیا ہو؟"

"گینڈوں کے سر توڑتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور کمرا قہقہوں سے گونج اٹھا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں اور خوش گپیوں میں وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ رلّی بے تکلفانہ چھیڑ چھاڑ کرکے میرے اعصاب پر حاوی ہونے کی کوشش کررہی تھی۔ ساتھ ہی اس کی کوشش بھی تھی کہ میرے معدے میں شراب کی مقدار تیزی سے بڑھتی رہے۔

پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک چھناکا ہوا۔ شراب اور شباب!

شری مان سنگھ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میں نے اس کے بھرے ریسٹورنٹ میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر اس کے محافظوں کو غیر مسلح کرکے ان لوگوں کو یرغمال بنالیا تھا۔ پھر نتائج کی فکر کیے بغیر، پوری بے خوفی کے ساتھ وہ ہتھیار انہیں لوٹا بھی دیے تھے۔ اس وقت میرے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی وہ میں ہی جانتا تھا لیکن شری مان سنگھ کے نقطۂ نظر سے وہ میری بے جگری اور دلیری کا ایک شاندار مظاہرہ تھا۔

اس تجربے کی بنا پر شاید شری مان سنگھ نے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ محض طاقت کے بل پر مجھے جھکانے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا اس لیے اُس نے ان دونوں ہتھیاروں کو بیک وقت آزمانے کا فیصلہ کرلیا جو دنیا کے کسی بھی مرد کو زیر کرنے کے لیے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس وقت تک اس نے مجھ سے کام کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ دوسری طرف رلّی، اس کے ایما پر مجھے نہ صرف تیزی سے شراب پلائے جارہی تھی بلکہ اپنی شوخ اداؤں سے مجھے مشتعل کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہی تھی۔ دوسری طرف مجھے ترغیب و تحریص دلانے کے لیے روی خاصی نازیبا صورت میں پارو کے ساتھ جڑا بیٹھا تھا اور شری مان سنگھ کسی تجربے کار گدھ کی طرح، الگ بیٹھا، چور نظروں سے رلّی کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔

شری مان سنگھ کی اس غلیظ حکمتِ عملی کا ادراک ہوتے ہی میں اس لمحے کو کوسنے لگا جب میں نے رلّی کو چڑانے کی نیت سے نیٹ اسکاچ پینے کی فرمائش کی تھی۔

اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ رلّی نے پہلے گلاس کے بعد اسکاچ کی ایک بوند بھی نہیں لی تھی۔ وہ جتنی پیتی تھی گلاس میں صرف سوڈا ڈال کر اسی کو پورا کرلیتی تھی جب کہ مجھے وہ ہر بار خالص اسکاچ دیے جارہی تھی۔

مجھے اپنی حد کا بخوبی اندازہ تھا لیکن اس نازک مرحلے پر میں ذہنی دباؤ کے ساتھ ساتھ جسمانی جمود سے بھی بچنا چاہ رہا تھا اس لیے نیٹ وہسکی کے تین لارج پیگ بخیر و خوبی ہضم کرلینے کے بعد میں نے فوری طور پر نشے میں آجانے کی اداکاری شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ان حالات میں میرے لیے وہی ایک طریقہ رہ گیا تھا جس پر عمل کرکے میں شری مان سنگھ کو کھل کر سامنے آنے پر آمادہ یا مجبور کرسکتا تھا۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ رلّی کے انگ انگ میں صنفِ مخالف کے لیے بے پناہ مقناطیسی کشش موجود تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے بیٹھے کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پوری شدت سے بیدار ہوئی تھی کہ اس کے نرم و گداز سراپا سے ہم نشینی کا کچھ نہ کچھ خراج وصول کیا جائے لیکن اس وقت تک میں نیٹ وہسکی پینے کے باوجود فرزانگی کا مظاہرہ کررہا تھا اس لیے کسی بھی عامیانہ حرکت سے گریز کرتا رہا لیکن نشے میں آنے کی اداکاری شروع کرتے ہی، میں قدرے بے راہ روی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے لہجے کو بوجھل اور قدرے لکنت آمیز بناتے ہوئے مدافعانہ طرزِ عمل کو خیرباد کہہ دیا۔

جارحانہ رویّے کے زیر اثر کی جانے والی ابتدائی چھیڑ چھاڑ کو رلّی نے خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کرلیا۔ اس کے نزدیک وہ اس کی کامیابی تھی کہ اس کا جادو میرے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

میں ایک مدتِ دراز سے شراب نوشی کی قبیح عادت میں مبتلا تھا لیکن شراب پی کر کبھی بھی اپنے آپے سے باہر نہیں ہوا تھا۔ اس کے برعکس، میں نے بارہا شائستہ لوگوں کو ندیدے پن کے مظاہرے کے نتیجے میں کھوپڑی سے باہر ہوتے دیکھا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ خمار میں چُور ہونے کے بعد آدمی کیا کچھ کرنے لگتا ہے۔

آنکھوں میں خمار لانے کے لیے مجھے کسی اداکاری کی ضرورت نہیں تھی، میں جتنی پی چکا تھا، وہی آنکھیں لال کرنے کے لیے کافی تھی البتہ لب و لہجے میں بگڑے ہوئے شرابی والی ہکلاہٹ، ضد اور تکرار میں بتدریج اضافہ کرتے ہوئے، جب میں نے رلّی کو ذرا زیادہ پریشان کرنا شروع کیا تو اس نے بے بسی کے ساتھ استفسار طلب نگاہوں سے شری مان سنگھ کی طرف دیکھا اور اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے رلّی کو وہ سب سہنے کا اشارہ دے دیا۔

"تم ہمیں تھکا رہے ہو۔" للی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ اس کے مہکتے ہوئے وجود کے لمس اور چہرے سے ٹکراتے ہوئے گرم سانسوں نے میرا ذہن بوجھل کردیا۔

"ہم کہاں بھاگے جارہے ہیں۔ رات اپنی ہے، یہ آرام دہ ہٹ اپنا ہے۔ پھر تم اتنے بے صبر کیوں ہوئے جارہے ہو؟" وہ اسی سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "اور کچھ نہیں تو ذرا روی اور شنکر ہی کی شرم کرو۔"

"شرم تم کو مگر نہیں آتی۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر ہانک لگائی "جس نے کی شرم، اس کے پھوٹے کرم، اب کہو تو یہی خیال مالکوس میں سناؤں۔"

"بس، بس اب تھوڑی دیر چپ رہو۔" اس نے میرے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "دیکھو، غور سے سنو! کیسٹ پر چترا کتنی خوب صورت غزل گا رہی ہے۔" اس کے انداز میں یک بیک بے پروائی آگئی تھی۔

"وہ اپنے مرد کے بل پر گاتی ہے۔" میں نے کھینچ کھینچ کر کہا "جس دن جگ جیت سنگھ نے اسے چھوڑ دیا، وہ گانا بجانا بھول جائے

گی....." میں نے رک کر دو تین ہچکیاں لیں اور اپنا سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا کر بات وہیں ادھوری چھوڑ دی۔

میں نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ شری مان سنگھ میری حالت دیکھ کر پسندیدگی کے انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ پھر وہ اپنی جگہ چھوڑ کر روی اور پارو کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور ایک جھٹکے کے ساتھ جھوم کر، میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ للی بہت غور سے میرا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے چہرے پر شوخی کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی۔

میں نے سگریٹ نکال کر دانستہ فلٹر کے بجائے تمباکو والا سرا ہونٹوں میں دبا لیا۔ دیا سلائی سلگانی چاہی تو وہ اڑ کر گرفت سے نکل گئی۔ تیسری دیا سلائی بدقت تمام روشن ہوئی تو فلٹر نے آگ پکڑنے سے انکار کر دیا۔ دیا سلائی ختم ہونے لگی تو میں نے اسے یوں ہی قالین پر پھینک دیا۔

للی نے بوکھلا کر اپنے سینڈل کے تلے سے وہ دیا سلائی بجھا دی اور میرے دہانے سے سگریٹ الگ کرتے ہوئے بڑبڑائی "اب تم کام سے گئے۔ ہمیں کچے شرابیوں سے چڑ ہوتی ہے۔ برداشت نہیں کر سکتے تو اتنی پیتے کیوں ہو؟ اب تمہیں الٹی اور سیدھی سگریٹ کی بھی تمیز نہیں رہی۔"

"الٹی!" میں نے دیدے پھاڑ کر حیرت سے دہرایا "تو تم ہی ایک سگریٹ سلگا دو۔ تمہارے ہونٹوں سے تو وہ ویسے ہی جل اٹھے گی۔ کیا خوب ہونٹ پائے ہیں تم نے! سرخ یاقوت کے ڈلے....!"

وہ ہنس پڑی "چڑھ چکی ہے پھر بھی ہمیں بنانے سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ اور شاعری سارے ہی مردوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہوتی ہے۔"

پھر وہ کھڑے کھڑے، میرے لیے سگریٹ سلگانے لگی۔ اس کے ہاتھ سے سگریٹ لیتے ہوئے، میں نے اسے کھینچ کر صوفے پر ہی گرا لیا اور وہ ارے ارے کرتی ہوئی ڈھیر ہو گئی۔

للی کی ہلکی سی اضطراری آواز پر شری مان سنگھ چونک کر ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔ اس وقت تک وہ روی اور روپا کے ساتھ بہت دھیمی آواز میں باتیں کرتا رہا تھا۔

"ہوشیار رہنا" اس نے میری موجودگی کو گویا نظر انداز کرتے ہوئے للی سے کہا "یہ اب خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ میں چند منٹ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"ہمیں یہ اچھا لگ رہا ہے۔" للی نے ہنستے ہوئے کہا "بہکنے کے بعد تو سالے کا روپ کچھ اور نکھر آیا ہے۔"

"ہائے!" میں اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کراہا "کیا بات ہے کہ اب عورتوں کے بھی سالے ہونے لگے ہیں۔ سالے 'بارہ مسالے' چٹپٹے کرارے...."

میں نے شکستہ لہجے میں بے تکی بکواس شروع کر دی۔ جو کچھ میرے منہ میں آ رہا تھا، وہ میں بکے جا رہا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اپنی ان حرکتوں سے مجھے ایک عجیب سا ذہنی سکون بھی مل رہا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے بولنے کی آزادی نے شاید میرے ذہن کی کچھ گرہیں کھولنی شروع کر دی تھیں۔

"یار! اب کیا کر رہے ہو؟" للی نے میرے دہانے پر ہاتھ رکھ کر شری مان سنگھ سے کہا "روی اور پارو کو باہر بھیج دو۔ یہ بھی چاندنی رات میں ساحل پر چہل قدمی کا مزہ لے لیں گے۔ یہ ایک بار نشے میں بے سُدھ ہو کر سو گیا تو پھر صبح ہی کی خبر لائے گا۔ اب اس سے نمٹ ہی لینا چاہیے۔"

"ہم جا رہے ہیں، ڈارلنگ!" روی نے بوجھل آواز میں کہا "پارو خود کھلی ہوا میں نکلنے کے لیے بے چین ہے۔ تم یہاں عیش کرو۔ آئی وش یو گڈ ٹائم اینڈ لک!"

وہ پارو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اسی طرف لیتا چلا گیا جدھر سے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔

شری مان سنگھ نے اپنی جگہ پر جا کر میز سے گلاس اٹھایا اور ایک لمبی چسکی لینے کے بعد، گلاس سمیت ہماری ہی طرف آ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہو چکی تھی۔ وہ میرے برابر میں آ بیٹھا اور للی اٹھ کر ہٹ کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"کہو، یہ لڑکی کیسی ہے؟" للی کے چلے جانے کے بعد شری مان سنگھ نے میرے قریب کھسک کر پوچھا۔

"یہ آج رات مجھے تڑپا تڑپا کر مار دے گی۔" میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے، لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایسی ڈبنگ لونڈیا بہت مدت بعد دیکھی ہے۔ یہ تو میرے ہوش و حواس پر چھا گئی ہے۔"

"تم چاہو تو یہ تمہاری ہو سکتی ہے...." اس نے اسٹارٹ لیا لیکن میں نے یکے بعد دیگرے دو ہچکیاں لے کر ایک مرتبہ پھر اپنا سر صوفے کی پشت گاہ پر ڈال دیا۔

شری مان سنگھ نے میرے اوسان بحال کرانے کے لیے پہلے ہولے ہولے پھر زور زور سے میرے دونوں رخساروں پر تھپڑ لگاتے ہوئے مجھے پکارا لیکن میں بس غوں غاں کر کے رہ گیا۔ اس کی کوششوں میں آنے والی شدت جب ناگواری کی سرحدوں میں داخل ہونے لگی تو میں نے ڈوبنے ابھرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر منہ چلانے لگتا اور کبھی پوری طرح انٹا غفیل ہو جاتا۔ اس دوران میں لڑکھڑائے ہوئے لہجے اور ٹوٹے پھوٹے فقروں میں مہمل تقریر کے ساتھ اِکا دُکا ذو معنی فقروں کا سلسلہ جاری رہا اور جب للی ایک گلاس کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئی تو شری مان سنگھ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے للی کی مدد سے وہ گلاس زبردستی میرے منہ سے لگایا اور لیموں کا بہت زیادہ

ترش شربت میرے معدے میں اتار دیا کیونکہ بہت زیادہ نشے کا وہی ایک موثر توڑ تھا۔

"بس اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو!" شری مان سنگھ کی آواز میرے کانوں میں آئی "تھوڑی دیر بعد یہ اس قابل ہوسکے گا کہ ہم اس سے مذاکرات کرسکیں۔"

"یار، تم بھی کمال کے آدمی ہو۔" وہ رلّی کی آواز تھی "دشمن سے ایسے میٹھے سلوک کا تصور ہمارے لیے انوکھا ہے۔"

"یہ بہت ڈھیٹ اور حرامی ہے۔" شری مان کی آواز غصیلی ہوگئی "ضد پر اڑ جائے تو جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ یہ مار دھاڑ سے راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہے۔ آج کل اپنی مادہ سے بچھڑا ہوا ہے۔ تم سے ملنے کے بعد خاصا پگھلا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے لالچ میں میرے جال میں پھنس جائے۔"

"یار، شری! کچھ تو شرم کیا کرو۔ تم نے جو کچھ کہا ہم اس پر پورے خلوص سے عمل کررہے ہیں لیکن تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ ہم کوئی عام بازاری عورت نہیں، تمہاری دوست ہیں۔"

"مگر صرف میری دوست نہیں ہو... تمہاری فہرست بھی خاصی لمبی ہے۔ مرسڈیز کی کہانی تم سنا ہی چکی ہو۔ دل پھینک بُڈھے بہت گھاگ اور چالاک ہوتے ہیں۔ ان ہی عورتوں کو دانہ ڈالتے ہیں جن سے توقعات ہوتی ہیں۔ تمہاری شہرت سے واقف ہونے کے بعد ہی اس نے فیاضیوں کا سلسلہ شروع کیا ہوگا۔"

"تم یہ کام پارو سے بھی لے سکتے تھے۔" رلّی نے شکایت کی۔ "ہمیں ہی کیوں آگے بڑھایا؟"

"وہ حسین ضرور ہے مگر سوکھی سڑی لڑکیوں سے میں گھبراتا ہوں، پتا نہیں کب کس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں۔ پھر آج کل ردی اس کے بارے میں سنجیدہ ہے۔ وہ اسے روک سکتا تھا۔"

"ردی کا باپ پارو جیسی بے نام و نشان لڑکی کو مر کر بھی اپنی بہو نہیں بنائے گا۔ یہ موٹی سی بات ان دونوں کی عقل میں نہیں آرہی۔ جس دن ردی کا باپ تاؤ میں آکر اسے ہر چیز سے عاق کرے گا، اسی دن پارو اپنے کنگال محبوب کو چھوڑ کر پُھر سے کسی کے ساتھ اُڑ جائے گی۔"

"بس، اب چپ رہو۔ دیکھو شاید اسے ہوش آرہا ہے۔ اسے صوفے پر گرا کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لو۔" میرے بدن کی خفیف سی جنبش پر شری مان سنگھ کی اضطراری آواز ابھری۔

میرا خیال ہے کہ اس فرمائش پر رلّی نے اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورا ہوگا کیونکہ اس نے زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر، چند ثانیوں بعد شری مان سنگھ کی ہدایت کو عملی جامہ پہنادیا۔

شری مان سنگھ کی دشمنی کا وہ انداز واقعی بہت لطیف اور سرور انگیز تھا لیکن میں اس سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے تھوڑی دیر بعد میں نے غنودہ اور بہکی ہوئی آوازوں کے ساتھ کسل مندی کا اظہار کرتے ہوئے رفتہ رفتہ آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت رلّی کا فسوں خیز چہرہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرا کر بولی "شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئے۔ اب تم یہاں آرام کرو۔ میں ذرا کپڑے بدل کر آتی ہوں۔"

اس نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ میرا سر صوفے پر رکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

میں چند ثانیوں تک دیدے پھاڑے اسی سمت میں دیکھتا رہا جدھر وہ گئی تھی، پھر کسی محروم و مظلوم شرابی کی طرح، اس کے فراق میں بڑبڑانے لگا۔ شری مان سنگھ نے مجھے سہارا دے کر بٹھادیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت محنتی اور ایماندار آدمی ہو۔" شری مان سنگھ نے اپنی مکّارانہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا "اور وعدے کے مطابق میرے لیے کام کررہے ہو۔ میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور اس لیے میں نے آج یہ بندوبست کیا ہے تاکہ تم خود دیکھ لو کہ میں تمہارا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنی اب تک کی کارکردگی کی رپورٹ دے دو۔"

میں اس دوران میں خالی الذّہنی کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے حسرت بھری آواز میں پوچھا "وہ کہاں چلی گئی؟"

غصے سے شری مان سنگھ کے چہرے کے خدوخال تک بگڑ کر رہ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرے اس غیر متعلق سوال پر اس کی ہڈیاں تک سلگ اٹھی ہوں گی مگر اس نے خود کو بے قابو نہیں ہونے دیا اور نرمی سے بولا "وہ بھی آجائے گی۔ سب کچھ ہوجائے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کہاں ہے؟"

اس وقت میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کرلیا کہ اس مرحلے پر مجھے بات آگے بڑھانی چاہیے۔ اگر میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہتا یا ملا سرکار کی طرف سے اپنی یکسر لاعلمی کا اظہار کرتا تو میری ذات میں شری مان سنگھ کی دلچسپی ختم ہوجاتی پھر وہ تشدد کی راہ اختیار کرسکتا تھا۔ اس بارے میں اسے ذرا سی بھی امید دلا دی جاتی تو اس کا مصالحانہ رویّہ برقرار رہ سکتا تھا۔

"ملا سرکار.... وہ سرنگوں میں چھپا ہوا ہے۔" میں نے چونک کر کہا "کیٹیوں کے علاقے میں ان لوگوں نے جنگل کے نیچے زمین کھود کر، اندر ہی اندر راستے بنائے ہوئے ہیں، جن میں کوئی گھسنے کی ہمت نہیں کرتا۔ وہ ان ہی سرنگوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہ رہا ہے۔"

میرا وہ امید افزا جواب سن کر شری مان سنگھ کا چہرہ دمک اٹھا اور اس نے پہلے جیسی آواز میں پوچھا "اس کے دوست کون ہیں؟ تمہیں یہ خبر کس سے ملی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ اس کے دوست کون ہیں۔ جن لوگوں تک میری رسائی ہے، میں ان سے آگے کسی کو نہیں جانتا۔ مم... مگر وہ کہاں چلی گئی؟" آخر میں، میں نے پھر ٹیپ کا مصرعہ جڑ دیا۔

"اوہ! میں اسے ابھی بلاتا ہوں۔" شری مان سنگھ نے منہ بنا کر کہا اور للی کو آواز دینے لگا۔

"لیکن تم نے غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اس سے شکوہ کیا۔

"ایک ہی بات کو بار بار دُہرانا لاحاصل ہے۔" اس نے جواب دیا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ نئی دہلی میں ہے۔ میں اسے جلد از جلد یہاں بلانے کی کوشش کررہا ہوں۔ اس سے آگے میرے بس کی بات نہیں ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ کب تک واپس آتی ہے۔"

"اور وہ ہانگ کانگ والی لڑکی؟" میں نے مخمور آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں تمہیں کون الٹی سیدھی خبریں پہنچاتا رہتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا "میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ غزالہ نہیں شکنتلا دیوی ہے....."

اسی وقت للی ہنستی ہوئی واپس آگئی۔ اس بار اس نے چست لباس کی جگہ، ڈھیلا ڈھالا مردانہ شب خوابی کا لباس پہنا ہوا تھا۔

"یہ بار بار تمہیں یاد کررہا ہے۔" شری مان سنگھ نے اسے آنکھ مار کر کہا "تھوڑی دیر کے لیے اسی کے پاس بیٹھی رہو تاکہ یہ تسلی سے میری باتوں کا جواب دے سکے۔"

رلّی کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرے قریب آبیٹھی اور بولی "ہمیں کیوں یاد کررہے ہو؟"

اس لمحے تک میں اس کھیل میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن رلّی کے آخری سوال میں کچھ ایسا بازاری انداز پنہاں تھا کہ مجھ پر یک بیک اکتاہٹ نے حملہ کردیا اور میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا بات ہے؟ اٹھ کیوں گئے؟ ہمارے پاس ہی بیٹھے رہو نا!" رلّی نے اٹھلا کر کہا۔

"رات خاصی ہوگئی ہے، اب مجھے چلنا چاہیے۔" میں نے شری مان سنگھ سے بوجھل لہجے میں کہا۔

"اب کہاں جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے کہا "تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے کہ گاڑی چلا سکو۔ حالت سنبھلے گی تو نکل جانا۔ اس وقت کسی کھڈ یا نالے میں جا گروگے۔"

"نہیں، تازہ ہوا لگے گی تو میں خود بخود ٹھیک ہوجاؤں گا۔" میں نے کہا "تمہارے لیموں نے خاصا کام دکھایا ہے۔"

شری مان سنگھ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے سامنے آگیا اور تمسخرانہ لہجے میں بولا "ابھی تو رلّی بھی تم سے کچھ راز و نیاز کرے گی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی دوستی میں تم غزالہ کو بھول جاؤ گے۔ بس مجھے دو چار باتیں اور بتادو پھر میں تمہیں رلّی کے ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

"اب اور کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے خوابناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ملا سرکار کے بارے میں تمہاری اطلاعات کے کیا ذرائع ہیں؟" وہ یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

"پتا نہیں، میں تمہارے اس سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" میں نے نشے کی جھونک سے نکلنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "تمہیں معلومات درکار تھیں، وہ میں نے تم کو مہیّا کردیں۔ اب تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہے جس کی رُو سے غزالہ کو جلد از جلد میری تحویل میں ہونا چاہیے۔"

رلّی نے پیچھے سے آکر میری کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور بے تکلفی کے ساتھ بولی "ہمارے ہوتے ہوئے تم کس کو یاد کررہے ہو؟ یہ غزالہ کون ہے؟ ہم سے اچھی اور دلکش تو ہرگز نہیں ہوگی۔"

مجھے بولنے کا موقع دیے بغیر شری مان سنگھ نے بولنا شروع کردیا "تمہاری معلومات کے ذرائع میرے لیے بہت اہم ہیں کیونکہ میں ہر قیمت پر جلد از جلد ملا سرکار سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب تک وہ لوگ سامنے نہیں آئیں گے میں اپنے مشن میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کرسکوں گا۔"

"تم بظاہر ایک سفارتکار ہو۔" میں لحہ بہ لحہ نشے کے اثرات سے آزاد ہونے کا تاثر دیتے ہوئے بولا "لیکن تمہاری پُراسرار دلچسپیوں سے یہ ظاہر ہے کہ تمہیں زیرِ زمین دنیا کے لوگوں اور ان کے طور طریقوں سے خاصی واقفیت حاصل ہے۔ اندرونِ سندھ سے بہت سے ایسے لوگ، جو قانون کو مطلوب ہیں، کراچی آتے رہتے ہیں اور یہاں عیش و عشرت کے چند روز گزارنے کے بعد دوبارہ اپنی دنیا میں لوٹ جاتے ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کے ذریعے یہ خبر مجھ تک پہنچی ہے۔"

"میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔" شری مان سنگھ نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"نام جاننا تمہارے لیے بے سود ہوگا کیونکہ وہ تمہاری دسترس سے باہر ہے۔"

"وہ میرا کام ہے اور پھر تم کس کام آؤ گے۔ میں تمہارے روابط استعمال کرسکتا ہوں۔"

"تم نام بتا کر اس قصے کو ختم کرو!" رلّی نے بے پروایانہ انداز میں، مجھے اکساتے ہوئے کہا "ان خشک باتوں سے فارغ ہوکر ہمیں آرام بھی کرنا ہے۔ یہ حسین رات ایسی خشک اور بے سروپا باتوں میں برباد نہیں کی جاسکتی۔"

"رحیم بخش چانچڑ!" میں نے کہا "ملا سرکار کے بارے میں خبر کا ذریعہ وہی بنا تھا۔"

"اور اب وہ کہاں ہے؟" شری مان سنگھ نے فوراً ہی اگلا

سوال جڑدیا۔

رحیم بخش چاچڑ کا کوئی وجود ہو تو ہو لیکن اس وقت وہ میرے ذہن کی اختراع تھی اس لیے میں نے بے پروائی سے کہا "کہیں بھی ہوسکتا ہے کیونکہ میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

"جس کسی نے تمہیں خبردی' اس کا نام پتا کیا ہے؟" شری مان سنگھ نے پوچھا۔

"اب تم پولیس والوں کی طرح جرح کررہے ہو۔" میں نے چڑ کر کہا "میں نے یہ معلومات چلتے پھرتے جمع کی ہیں۔ اتنی تفصیل مجھے یاد نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس ملاقات کا مقصد پورا ہوگیا ہے اور اب مجھے چلنا چاہیے۔"

میں نے فیصلہ کن انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ شری مان سنگھ تیزی کے ساتھ الٹے قدموں پیچھے ہٹا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے ایک ننھا سا مشینی پستول نکال لیا جس کا سبک سا میگزین اس کی نال سے زیادہ لمبا تھا۔

"مہمان اپنی مرضی سے آتے ہیں اور میزبان کی مرضی سے جاتے ہیں۔" اس نے پستول کی نال کو جنبش دے کر کہا "واپس صوفے پر بیٹھ جاؤ ورنہ میں بے دریغ فائر کردوں گا۔"

میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے اسے گھورا اور آہستگی سے کہا "میں تمہاری اس حرکت کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ اس طرح تم مجھ کو کس بات پر مجبور کرنا چاہتے ہو۔"

"تم شری کے بارے میں بہت کم جانتے ہو۔" للّی نے جارحانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "یہ ملا سرکار تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہاں پہنچ کر رہے گا اور تم اس کی مدد یا رہنمائی کرو گے۔"

"تت... تو تم بھی اس کی ہم نوا ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہم جس کا کھاتے ہیں' اسی کا گاتے ہیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی "ہم نے جو کچھ کیا وہ شری کی مرضی سے کیا ہے۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ تم بڑے حسین ہو' اسی لیے میں تم پر مرمٹی تھی۔"

"اگر تم یہ کہتے ہو کہ ملا سرکار زندہ ہے تو مجھے اس کا سراغ چاہیے۔" شری مان سنگھ نے سفاکانہ لہجے میں کہا "جب تک وہ مجھ سے نہیں ملتا' تم کو رہائی یا آزادی نہیں مل سکے گی۔"

"میں تم جیسے ذمے دار سفارت کار سے ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔" میں نے نشے میں ہونے کی اداکاری ترک کرکے تلخ لہجے میں کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے یرغمال بنارہے ہو؟"

"جو چاہے سمجھ لو۔" وہ بے پروائی سے بولا "جو لوگ اپنی مرضی سے تعاون نہیں کرتے' میں انہیں راہِ راست پر لانا جانتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ایک سنگین حماقت کا ارتکاب کررہے ہو۔" میں نے کہا۔

"اور ہم سوچتے ہیں کہ تم بہت بڑے حرامی ہو۔" للّی نے خشک اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "چند منٹ پہلے تم نشے میں بری طرح ڈاؤن نظر آرہے تھے اور اب تمہاری کھوپڑی خوب چل رہی ہے۔"

"میرا دوسرا خیال یہ ہے کہ مجھے لیموں پانی پلا کر تم نے مجھ پر احسان کیا ہے ورنہ یہ نشہ تو مجھے لے ہی ڈوبا تھا۔ میں تو یہ رات تمہاری حسین اور سنہری زلفوں کے سائے میں گزارنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔"

"یہ ممکن ہے" شری مان سنگھ نے کہا "للّی برسوں سے میری گہری دوست ہے۔ دوسروں سے مال ضرور کاٹتی ہے لیکن اس کے شب و روز میرے ہیں۔ میرے سوا کسی کو اس کی خلوت میں رسائی نہیں ہے۔ لیکن تم مجھے ملا سرکار سے ملوادو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا دل بھرجانے تک یہ تمہاری رہے گی۔"

"تمہارے وعدے!" میں نے تلخی کے ساتھ کہا "ان پر اعتبار کرکے اب تک کیا حاصل ہوا ہے جو میں آئندہ کے لیے کوئی اچھی امید رکھوں۔ تم باتوں کے سُورما ہو۔ عمل کا مرحلہ آتا ہے تو دُم اٹھا دیتے ہو۔"

"میرے وعدے نتائج پر منحصر ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غلام رسول والے معاملے کا حوالہ دے رہے ہو لیکن مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا حاصل کیا؟ تم نے اس کی لاش میرے آدمیوں کو سونپ کر تکنیکی اعتبار سے اپنا کام پورا کردیا لیکن اس کی لاش بھی میرے قبضے میں نہیں آسکی۔ ایسی حالت میں' میں کیا کرسکتا تھا؟"

"جب اسے تمہارے آدمیوں کے حوالے کیا گیا تو وہ زندہ تھا۔ دوم یہ کہ اسے یا اس کی لاش کو تم تک پہنچانا میری شرائط میں شامل نہیں تھا۔ میں نے طے شدہ شرائط کے مطابق اپنا کام پورا کردیا تھا لیکن تم اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکے اور آج پھر تم وہی کہانی دُہرانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"یہ میری پیشہ ورانہ مجبوریاں ہیں۔ میں اپنی کارکردگی کے لیے جن لوگوں کو جواب دہ ہوں' وہ مشینی ذہن کے مالک ہیں۔ وہ کوششوں کو نہیں' نتائج کو پرکھتے ہیں اور میری کارکردگی کے نتائج صفر رہے ہیں۔ غلام رسول کو ایک غدار اور سازشی کی حیثیت سے یہاں دفن کیا گیا ہے۔ اسے میرے ملک کی مٹی ملتی تو وہ ایک بہت بڑے ہیرو کی طرح دھوم دھام سے قبر میں اتارا جاتا۔ ایسی صورت میں' میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔"

"اور اب؟" میں نے بہت غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ

...جب تک میں ملا سرکار سے مل نہ لوں' اس کا ہونا یا نہ ہونا ...ہے۔ تمہاری لائی ہوئی خبر من گھڑت یا فرضی بھی ہوسکتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم ملا سرکار تک رسائی کے لیے ...اپنی قید میں رکھنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے عقابی نظروں سے ...دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"قید کا لفظ ذرا نامناسب ہے۔" اس نے مکارانہ نرمی سے کہا۔ ...میرے ہاتھ میں پستول ہونے کا غلط مطلب اخذ نہ کرو۔ یہ تو صرف ...ایک رسمی سی کارروائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم میرے مہمان ...ہو۔ تمہاری دیکھ بھال مکمل طور پر میری ذمّے داری ہے۔ اگر ...تمہیں کچھ ہوگیا تو میں کہیں بھی اپنا منہ نہیں دکھا سکوں گا۔"

"اگر میں ابھی اور اسی وقت جانا چاہوں تو تمہارا ردِّ عمل کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ میں تمہارے اس پروگرام کی توثیق نہیں کرسکوں گا۔" اس نے کہا۔

اس وقت تک وہ باتوں میں الجھ کر' اپنی بالادستی کے زعم میں مبتلا ہوچکا تھا اور یہ بات بھول ہی گیا تھا کہ اس کے سازشی منصوبوں سے انحراف کرتے ہوئے' میں کوئی دوسرا فیصلہ بھی کرسکتا تھا۔

اس وقت شری مان سنگھ مجھ پر مشینی پستول تانے ہوئے میرے مقابل ایستادہ تھا جب کہ اس کی منظورِ نظر' للّی میرے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ دونوں ہی یہ فرض کیے ہوئے تھے کہ میں ذہنی طور پر ان کی مکمل اطاعت قبول کرچکا تھا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ان حالات میں ان کی بالادستی کو کسی بھی طرح چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرسکوں گا۔

لیکن میرے تیور اُن کے اندازوں سے کہیں مختلف تھے۔ میں نے پلک جھپکتے میں پوری صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر اچانک ہی للّی پر ہاتھ ڈال دیا۔

خوف اور حیرت میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ کے ساتھ' للّی نے اپنے ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ لیکن اس وقت تک وہ میرے اور شری مان سنگھ کے پستول کے درمیان حائل ہوچکی تھی۔

"اسے چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں شوٹ کردوں گا۔" شری مان سنگھ اضطراری انداز میں غرایا۔

"ضرور شوٹ کرو!" میں نے للّی کے نرم و گداز شانوں پر اپنی جارحانہ گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا "تمہاری کوئی بھی گولی للّی کے بدن سے گزرے بغیر مجھ تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

شری مان سنگھ نے اسی لمحے اپنے ہونٹ سکیڑ کر ایک تیز سیٹی بجائی۔ فوراً ہی باہر سے کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی اور اس کا قوی الجثہ ڈرائیور دوڑتا ہوا وہاں گھس آیا۔ اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ شاید شری مان سنگھ کی سیٹی

سنتے ہی اسے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تھا۔ ان سازشیوں کی بھیڑ میں ایک میں ہی اجنبی یا نووارد تھا اس لیے شری مان سنگھ کے مشتعل ڈرائیور کا ہدف بھی میں ہی تھا۔ اس نے ہٹ کے ڈرائنگ روم میں گھستے ہی میری سیدھ لی تھی لیکن میری گرفت میں للّی کو دیکھتے ہی وہ راستے میں رک گیا پھر اس کی نگاہ شری مان سنگھ پر پڑی جو اپنے ہاتھ میں پستول تھامے کھڑا تھا۔

"للّی کو اس کی گرفت سے آزاد کراؤ!" شری مان سنگھ نے اسے حکم دیا۔

وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ میری طرف بڑھنے لگا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت خطرناک تھی۔ للّی کے علاوہ' میرے سامنے دو حریف تھے جن میں سے ایک جسمانی اعتبار سے کسی گینڈے سے کم نہیں تھا اور دوسرا بھرے ہوئے پستول سے مسلح تھا۔ جب تک میرے پاس بھی کوئی ہتھیار نہ ہوتا' میں ان کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اس وقت کی صورتِ حال تھی جب کہ روی اور پارو باہر گئے تھے اور کسی بھی لمحے واپس آکر میرے خلاف محاذ آرا ہوسکتے تھے۔ ان کے علاوہ اس ہٹ کا چوکیدار بھی ضرورت پیش آنے پر میرے بجائے شری مان سنگھ ہی کا ساتھ دیتا جب کہ میری مدد کے لیے آنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ اس وقت تک ہٹ کے قرب و جوار میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے تو سب سے پہلے باہر والوں کو زیر کرتے اور ایسی صورت میں شری مان سنگھ کی سیٹی کے جواب میں اس کے ڈرائیور کا آنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ اس صورتِ حال کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے باہر سے کسی مدد کی توقع کیے بغیر اپنے بل پر صورتِ حال کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن بدقسمتی سے ایسی کسی بھی کوشش کے نتائج حوصلہ افزا نظر نہیں آرہے تھے۔ البتہ اس وقت میرے لیے کچھ کر گزرنے کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

جوں ہی وہ ڈرائیور میرے قریب آیا' میں نے پوری طاقت سے للّی کو اس کی طرف دھکیل دیا۔ وہ اگر ایک طرف ہو کر بچنے کی کوشش کرتا تو للّی منہ کے بل گر کر زخمی ہوسکتی تھی۔ اس لیے اسے مجبوراً للّی کو اپنی بانہوں میں سنبھالنا پڑا اور میں نے تیزی سے شری مان سنگھ کی طرف چھلانگ لگادی۔

مگر شری مان سنگھ پہلے ہی میرا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ وہ پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ایک صوفے پر چڑھ گیا اور اس نے مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے پے در پے دو فائر کردیے۔ دونوں فائر چھت کے رخ پر کیے گئے تھے تاکہ ان گولیوں سے کوئی زخمی نہ ہوسکے۔

"جہاں ہو' وہیں رک جاؤ ورنہ میں تمہیں چھلنی کردوں گا۔" فائر کرنے کے ساتھ ہی شری مان سنگھ اضطراری انداز میں بولا۔ حقیقی مقابلے نے اسے قدرے نروس کردیا تھا۔

اسی لمحے ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ اس کمرے کی پشت پر کھلنے والی ایک کھڑکی سے کھٹ کی ہلکی سی مگر واضح آواز آئی اور اسی کے ساتھ شری مان کے ہاتھ سے پستول اڑ کر دور جاگرا۔ وہ کسی بے آواز ہتھیار کا فائر تھا۔ جو شاید سائلنسر لگی ہوئی نال کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فائر کرنے والے کا نشانہ قابلِ رشک حد تک بے خطا تھا کیونکہ شری مان سنگھ کے ہاتھ پر خراش تک نہیں آئی تھی مگر وہ اپنے ہتھیار سے محروم ہوگیا تھا۔

اس صورتِ حال نے اسے بری طرح بدحواس کردیا۔ اس نے تیزی کے ساتھ اپنے پستول کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس کا ڈرائیور بھی اسی طرف جھپٹا تھا مگر میں نے ان دونوں سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ٹھوکر مار کر پستول کو بہت دور پہنچادیا۔

"یہ کون تھا؟ احمد کہاں مرا ہوا ہے؟" شری مان کی ہذیانی غراہٹ ابھری اور وہ مجھ سے الجھے بغیر سیدھا بھاگتا چلا گیا۔ اس کا ڈرائیور مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا اور للّی نے دہشت زدہ ہو کر چیخنا شروع کردیا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال ایس ٹی ایف کا آیا۔ اس ویران اور دور اُفتادہ علاقے میں ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور شری مان سنگھ کا دشمن نہیں ہوسکتا تھا اور شاید شری مان سنگھ نے بھی خطرہ بھانپ لیا تھا۔ اسی لیے وہ مقابلے پر جمے رہنے کے بجائے نکاسی کے اس راستے کی طرف بھاگا تھا جو ساحل کی طرف واقع تھا۔

میری نگاہوں میں ڈرائیور کی زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں نے اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرے پر ٹکر رسید کی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

اُس سے گلو خلاصی ہوتے ہی میں نے شری مان سنگھ کے پیچھے دوڑ لگادی۔

اس وقت تک وہ ہٹ کے برآمدے سے نکل کر ریت پر پہنچ چکا تھا اور پوری قوت سے ساحل پر دم توڑتے ہوئے پانی کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس خطرناک موڑ پر اس کی چھٹی حس پورے طور پر اس کی رہنمائی کررہی تھی۔ اپنے پستول پر کیے جانے والے بے آواز فائر سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہٹ کے عقبی حصے کا رخ کرنا اس کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ میری اور اس کی گاڑیاں اسی سمت میں کھڑی ہوئی تھیں اور اگر اس کے کچھ دشمن وہاں آہی پہنچے تھے تو انہوں نے سب سے پہلے گاڑیوں کی ناکہ بندی کی ہوگی تاکہ بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے کوئی فرار نہ ہوسکے۔

میں ریت پر کچھ دور نکلا تو میرے پیچھے بھی کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

"رک جاؤ' ورنہ میں گولی ماردوں گا۔" پیچھے آنے والوں میں سے کسی کی کرخت آواز ابھری۔

"رک جاؤ' شری! اب تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔" میں نے بھی چیخ کر کہا۔ وہ میری ایک اضطراری حرکت تھی اور اس طرح میں

اپنے پیچھے آنے والوں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان کا شکار کون ہے۔

شری نے دونوں دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں لیا تو میرے پیچھے آنے والوں میں سے کسی نے پے در پے تین فائر کیے جو بے سود رہے۔ اوّل تو شری مان سنگھ نے تعاقب کا اندازہ کرتے ہوئے' رخ بدل بدل کر بھاگنا شروع کردیا تھا۔ پھر فائر کرنے والا بھی دوڑ رہا تھا اس لیے کوئی گولی کارگر نہیں ہوسکی۔

"تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گے۔" ایک ہذیانی قہقہے کے ساتھ شری مان سنگھ کی آواز گونجی "تم لوگوں کے ہاتھ آنے کے بجائے میں کھلے سمندر میں کود جانے کو ترجیح دوں گا۔"

اور پھر یہی ہوا۔ وہ مجھ سے کافی آگے تھا۔ وہ دوڑتا ہوا چاندی کی طرح چمکتے ہوئے پانی میں گھس لیا اور ساحل سے لوٹنے والی تیز لہروں کا ریلا اسے اپنے ساتھ سمندر کی بیکراں گہرائیوں کی طرف لیتا چلا گیا۔

میں ساحل پر پہنچ کر تھکے ہوئے انداز میں رک گیا۔ وہ سب اس قدر اچانک اور غیر متوقع انداز میں ہوا کہ میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شری مان سنگھ یوں کھلے سمندر میں کود کر خطرناک موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر بیٹھے گا۔

پھر میرے پیچھے آنے والے بھی میرے قریب آکر رک گئے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ تینوں ہی مسلح تھے۔ میرے لیے ان میں سے صرف اشرف خان کا چہرہ شناسا تھا جسے ظفر نے اس مہم کا نگراں مقرر کیا تھا۔

"وہ سمندر میں کود گیا؟" اشرف خان نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔

"تم دیکھ ہی رہے تھے۔" میں نے بے دلی کے ساتھ کہا "بس چند سیکنڈ کے فرق سے وہ ہمارے ہاتھ آنے سے رہ گیا۔ تم لوگوں کو ایک آدھ آدمی اس طرف بھی چھوڑنا چاہیے تھا۔"

"ہاں' اب تو یہی اندازہ ہورہا ہے۔" اس کا لہجہ متاسفانہ تھا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ کوئی سمندر کی طرف بھاگنے کی ہمت کرے گا۔ رات کے اندھیرے میں تو بڑے بڑے پیراک بھی سمندر میں اترنے سے گھبراتے ہیں۔ پانی تیز ہونے کے ساتھ ہی خطرناک سمندری جانور بھی ساحل کے نزدیک آجاتے ہیں۔ وہ تیرنا جانتا تھا؟"

"پتا نہیں' تیرنا جانتا بھی ہو تو چھوٹے بڑے جانوروں سے کیسے بچ سکے گا۔"

"تو کیا بڑا مجرم یہی تھا؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "باقی سب لوگ ہمارے قابو میں ہیں۔"

"اصل مجرم یہی تھا۔" میں نے واپس لوٹتے ہوئے کہا "باقی تو ہمارے لیے بیکار ہیں۔"

"ہٹ کے چوکیدار کے علاوہ ایک جوڑے کو ہم نے گاڑیوں کے قریب پکڑا تھا۔" اشرف خان مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگا "دونوں نشے کی حالت میں عجیب و غریب حرکتیں کررہے تھے۔ چوکیدار ایک جگہ چھپ کر ان کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ہم نے انہیں باندھ کر وہیں ڈالا ہوا ہے۔"

ہم واپس ہٹ میں پہنچے تو وہاں بھی بازی سمٹ چکی تھی۔ اشرف خان کے ساتھ آنے والوں کی کل تعداد' پانچ نفوس پر مشتمل تھی۔ انہوں نے شری مان سنگھ کے سرکش ڈرائیور کے ساتھ للّی کو بھی بے رحمی کے ساتھ باندھ لیا تھا اور باہر سے روی' پارو اور احمد کو بھی اندر اٹھا لائے تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری وحشیانہ ٹکر نے ڈرائیور کا چہرہ لہولہان کردیا تھا اور وہ بدلی ہوئی صورتِ حال سے بہت زیادہ خوف زدہ نظر آرہا تھا۔

ان سب کے ہاتھ پیر باندھنے کے ساتھ ہی ان کے دہانوں میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ میں نے بہت غور سے باری باری ان کا جائزہ لیا پھر ہٹ کے چوکیدار کا دہانہ آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

مُنہ کھلتے ہی احمد نے مشینی انداز میں' اپنی بے گناہی کے حق میں بولنا شروع کردیا لیکن میں نے پھٹکار کر اسے خاموش کردیا اور اس سے اپنے سوالات کا آغاز کردیا۔

احمد کے اس انکشاف نے مجھے حیران کردیا کہ وہ ہٹ پارو کے باپ کی ملکیت تھا لیکن پارو یا اس کا باپ شاذونادر ہی وہاں آتا تھا۔ ہٹ عام طور پر شری مان سنگھ اور للی کے تصرّف میں رہتا تھا۔ البتہ روی اس کے لیے نیا چہرہ تھا جو پہلی بار وہاں لایا گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ اس علاقے میں ہٹوں کی چوکیداری کے لیے کچھ اور لوگ بھی رہتے ہوں گے جو ہنگامے کی وجوہ جاننے کے لیے کسی بھی وقت وہاں آسکتے تھے لیکن احمد نے خوشامدانہ انداز میں مجھے یہ بتا کر مطمئن کردیا کہ وہاں رہنے والے چوکیدار دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ پولیس کی جارحانہ تفتیش اور گواہیوں کے چکر سے ہر ایک دور بھاگتا ہے۔ ان کی زیادہ سے زیادہ فکرمندی اور دلچسپی اپنے آدمی کے بارے میں ہوتی ہے جو مطلع صاف ہونے کے بعد صحیح سلامت یا زخمی حالت میں خود ہی ان لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

میری نظروں میں للی' پارو اور روی کی کوئی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ للی واضح طور پر ایک پیشہ ور کال گرل تھی اور شاید شری مان سنگھ کی فرمائش پر اس کے دوستوں وغیرہ کا دل بہلانے کا بندوبست کیا کرتی تھی۔ پارو کا کردار اس اعتبار سے قدرے اہم تھا کہ اس کے باپ نے اپنا ہٹ عملاً شری مان سنگھ کی تحویل میں دیا ہوا تھا۔ البتہ شری مان سنگھ کا ڈرائیور' اس کا قابلِ اعتماد ساتھی معلوم ہوتا تھا جس پر تشدد کرکے خاصا کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ اس کے علاوہ بقیہ تینوں افراد کو کڑی سرزنش کرکے وہیں آزاد کردیا جائے لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔ ان سب کو ایک بار ظفر کے سامنے لے جانا ضروری تھا تاکہ وہ ان سب سے

حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں دوسرے ملک دشمن عناصر کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کرا سکے۔

"صاب! شری صاب کہاں ہے؟" احمد کی خوف زدہ لور سہمی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وہ بہت بڑا بدمعاش تھا۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اپنی موت سامنے دیکھ کر اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔" وہ آہستگی سے عرہلا کر رہ گیا مگر میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والی اطمینان بخش تبدیلی پر چونک پڑا۔

"تمہیں اس کے ڈوب مرنے پر حیرت نہیں ہوئی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ نہیں ڈوبے گا۔" احمد نے پُراعتماد لہجے میں کہا "وہ مچھلی کی طرح سمندر کو جانتا ہے۔ جب بھی یہاں آتا ہے' گھنٹوں پانی میں تیرتا رہتا ہے۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا کہیں دور نکل جائے گا اور وہاں پانی سے باہر آجائے گا۔ وہ تمہیں دھوکا دے کر نکل گیا ہے۔"

مجھے اپنے آپ پر غصہ آگیا کہ میں نے اس کے ڈوبنے کے بارے میں اتنی جلدی نتیجہ کیوں اخذ کیا؟ اس کے زندہ ہونے کا امکان روشن ہوتے ہی اشرف خان نے اپنے ایک آدمی کو پوری طرح ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے باہر بھیج دیا۔

میری دانست میں اس کا وہ اقدام بالکل درست تھا۔ اگر شری مان سنگھ سمندر سے زندہ سلامت باہر نکل آنے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ موقع پاکر کوئی گاڑی لے کر فرار ہونے کی کوشش بھی کرسکتا تھا جس کے انسداد کی واحد صورت یہی تھی کہ گاڑیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

وہاں کی بساط لپیٹی جاچکی تھی اور مزید قیام کی صورت میں کوئی نتیجہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی اس لیے میرے ایما پر اشرف خان نے واپسی کی تیاری شروع کردی۔

ان لوگوں نے اپنا ٹرک ہٹ سے خاصی دور چھوڑ دیا تھا۔ اشرف خان نے اپنے دو آدمیوں کو ادھر روانہ کردیا تاکہ وہ ٹرک لے کر وہیں سے شہر کی طرف روانہ ہوجائیں۔ اپنے بقیہ آدمیوں کے ساتھ اس نے چاروں قیدیوں کو میری کالی شیراڈ اور رلّی کی مرسڈیز میں منتقل کرالیا۔

شری مان سنگھ کی گاڑی کے بارے میں تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے وہیں چھوڑ دیا جائے لیکن اس کے چاروں ٹائروں سے ہوا نکال کر والو غائب کردیے جائیں تاکہ اس کار کو آسانی کے ساتھ یا فوری طور پر وہاں سے ہٹایا نہ جاسکے۔

اس فیصلے کی دو وجوہ تھیں۔ اول تو یہ کہ وہ غیر سفارتی نمبروں والی کار تھی جو شری مان کی ملکیت تھی یا پھر اس نے اپنے روابط کی بنا پر کسی سے مستعار لی ہوئی تھی۔ دونوں ہی صورتوں میں' وہاں موجود لاوارث کار جلد یا بدیر علاقہ پولیس کی نظروں میں آجاتی اور وہ لوگ تفتیش کے ذریعے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوسکتے تھے کہ آخری بار وہ کرولا کار کس کے زیرِ استعمال تھی۔

دوسری وجہ کا تعلق بھی براہِ راست شری مان سنگھ کی ذات سے تھا۔ اس نے ہماری نظروں کے سامنے' پورے شہری لباس میں سمندر میں اترنے کی حماقت کی تھی۔ اگر وہ سرکش سمندری لہروں یا خونخوار بحری جانوروں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں پہنچ جاتا تو اگلے چند روز میں اس کے وجود کی باقیات کو واپس ساحل پر آجانا تھا۔ ایسا نہ ہونے کی ایک ہی وجہ تھی کہ کوئی جانور اسے سالم نگل جاتا لیکن آباد ساحلی علاقوں کے اطراف میں عموماً ایسی دیو ہیکر بحری مخلوق نہیں پائی جاتی جو کسی انسان کو سالم نگلنے کی اہل ہو۔ حادثاتی یا اتفاقی طور پر شری مان سنگھ کے سواگت کے لیے ان پانیوں میں ایسا کوئی جانور بھٹک رہا ہو تو اور بات تھی۔

شری مان سنگھ کی لاش کی باقیات دستیاب ہونے کے بعد پولیس کے لیے یہ ثابت کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا کہ شری مان سنگھ لاوارث کرولا کے ذریعے ہاکس بے آیا اور کسی وجہ سے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کی زد میں آکر لقمۂ اجل بن گیا۔ وہ اتفاقی حادثے کی ایک سیدھی سادی کہانی ہوتی جس میں علاقے کے لوگوں کے عدمِ تعاون کی وجہ سے کوئی رنگ آمیزی نہ ہوپاتی اور ابتدائی سنسنی کے بعد آخرکار وہ معاملہ داخلِ دفتر ہوجاتا۔ دوسرا امکان وہ تھا جس کی نشاندہی ہٹ کے چوکیدار' احمد نے کی تھی۔ اگر شری مان سنگھ ایک ناپا تولا خطرہ مول لے کر سمندر میں اترا تھا اور اپنی سخت جانی یا مہارت کی بنا پر خود کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوجاتا تو صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے ہی کہیں بھی پانی سے باہر آسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کسی بڑے سفارتی اسکینڈل سے بچنے کے لئے' سب سے پہلے اپنی کار تک پہنچنے کی کوشش کرتا اور ہر درد سری مول لے کر اسے شہر واپس لے جانے کی کوشش کرتا۔ یوں وہ کار' صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی وہاں سے غائب ہوجاتی اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوپاتی کہ رات کے اندھیرے میں وہاں ایک مشتبہ کار موجود تھی۔ ان واقعات سے علاقے کے دوسرے چوکیداروں کا واقف ہونا ایک لازمی امر تھا لیکن احمد نے ان کی نفسیاتی حالت پر روشنی ڈال کر یہ بتادیا تھا کہ وہ پولیس' تھانے سے متعلقہ پیچیدگیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنے کے لئے' خود کو ہر ہنگامے سے بے خبر ظاہر کرنے میں اپنی عافیت محسوس کرتے ہیں۔ احمد کو ہدایات دے کر وہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

شری مان سنگھ مرجاتا یا زندہ رہتا' ہر دو صورتوں میں اس کی کار کی وہاں موجودگی بھرپور جواز کی حامل تھی۔ اس لئے ہم اسے وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کرکے شہر کے لئے روانہ ہوگئے۔ میں حسبِ دستور اپنی کالی شیراڈ چلا رہا تھا جب کہ مرسڈیز کی ڈرائیونگ سیٹ اشرف خان نے سنبھال لی تھی۔

راستے میں اشرف خان کی گاڑی آگے رہی تاکہ کہیں جانچ پڑتال کے لئے کسی پولیس پارٹی وغیرہ سے سامنا ہو تو وہ اپنے طور پر انہیں مداخلت سے باز رکھ سکے۔ شہر کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے کم از کم دو مقامات پر میں نے پولیس والوں کو سرگرم دیکھا لیکن ان کی توجہ مال بردار گاڑیوں اور رکشا ٹیکسی میں سفر کرنے والے عام لوگوں پر مرکوز تھی جنہیں ڈرا دھمکا کر وہ اپنے لئے جیب خرچ پیدا کرسکتے تھے۔ نسبتاً نئے ماڈل کی چمکتی ہوئی گاڑیاں' عام طور پر ان کی توجہ سے محروم تھیں اس لئے ہمیں بھی نہیں روکا گیا۔

ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پر' ہمارے پہنچتے ہی رونق اور چہل پہل شروع ہوگئی۔ ان چاروں قیدیوں کی آنکھوں پر راستے ہی میں کالی پٹیاں باندھ دی گئی تھیں تاکہ وہ غیر ضروری طور پر ایس ٹی ایف کے اراکین اور ٹھکانے کے بارے میں واقف نہ ہوسکیں۔

وہاں موجود لوگوں نے رلّی اور پارو کو بہت حیرت سے دیکھا۔ گاڑیوں سے اتارے جانے سے قبل ان کے پیر کھول دیے گئے تھے لیکن پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں' بلائنڈ فولڈز اور منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی سنگین جرم میں ملوث تھیں۔ اسی لئے اس حالت میں پکڑ کر لائی گئی تھیں لیکن اس کے باوجود ایس ٹی ایف کے عملے کے کسی رکن نے ان سے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔

اشرف خان انہیں اندر بھجوانے کے انتظامات کررہا تھا کہ میں ظفر کے دفتر کی طرف چل دیا۔

ظفر کے دفتر کا نقشہ قدرے بدلا ہوا تھا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے لئے بستر نما صوفے کا بندوبست کرلیا تھا جس کے ساتھ رکھی ہوئی سینٹر ٹیبل پر کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

"کومشن کیسا رہا؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے بائیں کہنی کے سہارے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس آج شری مان سنگھ کے ستارے ہی یاور تھے کہ وہ بچ نکلا ورنہ آج اس کی بدنیتی کھل کر سامنے آگئی۔ وہ غزالہ کے معاملے میں بھی اپنی کمانی پر اڑا ہوا تھا۔"

ظفر کے استفسار پر میں نے اسے پوری کہانی سناڈالی۔ اس کے لئے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوئی کہ شری مان سنگھ نے مجھے پھانسنے کے لئے پُرتشدد حربوں کے بجائے عیش و نشاط کی راہ اختیار کی۔

"مجھے امید نہیں ہے کہ وہ سمندر سے زندہ لوٹ سکے گا۔" میرے خاموش ہونے پر ظفر نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ مرگیا تو غزالہ کی واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑجائے گا۔"

"آج اس کا اصل روپ دیکھ لینے کے بعد میری ہر خوش فہمی دور ہوگئی ہے۔ وہ زندہ بچ بھی گیا تو غزالہ کو آسانی کے ساتھ واپس نہیں کرے گا۔ اب تو میں یہی دعا کرسکتا ہوں کہ ہانگ کانگ میں موجود لڑکی' شگفتہ کے بجائے غزالہ ہو۔ اسے وہاں سے واپس لانا نسبتاً آسان ہوگا۔"

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ ویرا نے مجھے فون کیا تھا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ظفر نے ہلکی مگر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میرے لئے وہ چونکا دینے والی اطلاع واقعی ناقابلِ یقین تھی۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں' اس نے کوئٹہ سے میری عیادت کے لئے فون کیا تھا۔ وہ واقعی بہت عجیب و غریب عورت ہے۔"

ظفر اس کے ہاتھوں خاصی بری طرح زخمی ہوچکا تھا اس لئے اس کے لب و لہجے میں ویرا کے لئے نرمی محسوس کرکے میں حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا "تو کیا تم نے اسے معاف کردیا؟"

"وہ معافی مانگتی تو شاید میں اسے معاف بھی کردیتا۔" اس نے احمقانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے کیے پر ذرا بھی نادم نہیں تھی لیکن اسی کے ساتھ میرے زخمی ہونے پر پریشان بھی تھی۔ البتہ اس نے یہ ضرور کہا کہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس کے پاس بارودی پھول سے ہلکا کوئی شعبدہ نہیں تھا ورنہ مجھے اتنے زخم نہ آتے۔"

"غضب خدا کا! یعنی وہ فون پر بھی اپنی اس حرکت کا دفاع کررہی تھی؟"

"اب چھوڑو اسے' جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔" ظفر نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا "بعض اوقات بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بہت اہم ثابت ہوتی ہیں۔ اسے آوارہ کہہ کر میں نے اس کی انا کو مجروح کیا تھا۔ بعد میں دوستی ہوجانے کے بعد بھی وہ اپنی اس توہین کو نہیں بھلا سکی اور ایک انتقامی کارروائی کرگزری۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس کی حرکت کو حق بجانب تصور کرتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بڑی حد تک!" ظفر بولا "اس کے شدید ردِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک اچھی اور عزت دار عورت چھپی ہوئی ہے جو اپنی تذلیل برداشت نہیں کرسکتی۔ میرے زخم سطحی ہیں۔ یہ آج نہیں تو کل بھر جائیں گے لیکن اس کے دل پر لگا ہوا زخم مدتوں مندمل نہیں ہوسکے گا۔ آج اس سے بات کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ایلشٹن کے ساتھ اس کے مراسم میں پسند کے بجائے جبر کا دخل تھا۔"

"میں تمہاری رائے پر تنقید نہیں کرتا لیکن میری نئی رائے یہ ہے کہ ویرا اور کچھ ہونے کے ساتھ ہی اتنی بڑی اداکارہ ہے کہ اسے اس سال کا آسکر ایوارڈ ملنا چاہیے۔"

"میں نے اپنی عمر کسی جزیرے میں نہیں، انسانوں کو دیکھتے پرکھتے گزاری ہے۔" اس نے مجھے سمجھانے کی نیت سے متانت کے ساتھ کہا "اس کی روہانسی آواز سن کر مجھے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ میرے ساتھ زیادتی کرکے دل ہی دل میں شرمسار بھی تھی لیکن اس کی انا اُسے معذرت کے دو بول بولنے سے روک رہی تھی۔ ایسے مواقع پر انسان کا قول نہیں، عمل دیکھا جاتا ہے۔"

"میں بحث میں نہیں پڑتا۔ اگر تمہاری اور اس کی صلح صفائی ہوگئی تو یہ بہت اچھا ہے۔ تم دونوں مشترکہ مفادات کے لئے آئندہ بھی مل جل کر کام کرسکو گے۔"

"میں بھی اس کی ذات میں بس اتنی ہی دلچسپی لے رہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا "اسے اپنانے کے بارے میں، میں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا ہے۔ وہ بہرحال ایک ذہین اور خطرناک لڑکی ہے جو اس وقت غلط راہوں پر چل رہی ہے۔ جب تک وہ اس گمراہی سے تائب ہو کر راہِ راست پر نہ آجائے، میں اس کی طرف پیش قدمی نہیں کرسکتا۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہاری فرمائش پر وہ یہ بھی کر گزرے۔" میں نے اس پر ہلکی سی چوٹ کی۔

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میں اس کی کامیابی کا آرزومند ہوں۔"

"وہ ایران کب تک جارہی ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہ اب تک ایرانی سرزمین پر کافی دور تک سفر کرچکی ہوگی۔" اس نے اپنی رِسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "اس کا [illegible]

خبری ہم تک پہنچ گئی۔" میں نے مسرت کے ساتھ کہا "ورنہ نہ جانے کب تک بے یقینی میں مبتلا رہتے۔"

"سمندر سے شری مان سنگھ کی لاش برآمد ہوئی تو یہ بھی تمہاری کامیابی ہوگی۔ میرا خیال ہے آنے والے دو دن ہمارے لئے خوشگوار ہوں گے۔ بس غزالہ کا معاملہ ذرا پھنسا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"میں اب اسی طرف توجہ مرکوز کروں گا۔" میں نے کہا "تم شری مان سنگھ کے ساتھیوں کو دیکھ لینا۔ مجھے ان میں صرف شری مان سنگھ کا ڈرائیور ہی توجہ کا مستحق نظر آرہا ہے۔"

"نہیں، باری باری ان سب ہی کو دیکھنا ہوگا۔" وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا "ان میں پارو شاید مالدار گھرانے کی بگڑی ہوئی لڑکی ہو لیکن رلی کا نام شاید میرے ریکارڈ پر ہے۔ تفریح کی دلدادہ، اعلیٰ حلقوں میں وہ ڈانسنگ بیوٹی کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور اہم سرکاری افسران سے قریبی مراسم رکھتی ہے۔"

"پھر وہ تم لوگوں کی نگاہوں سے کیسے بچی ہوئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خفیہ سرکاری اداروں کا کھیل ہے۔ وہ شاید رلی کو چارا بنا کر بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ ہمیں تو صرف رسمی طور پر اس کے وجود کی اطلاع دی گئی ہے۔ رلی کا باپ ایک انگریز تھا۔ وہ سیاحت کے لئے یہاں آیا اور ایک ہندو عورت کے جال میں پھنس گیا۔ رلی آٹھ برس کی تھی کہ اس کا باپ اپنی بیوی کی تیزی سے ڈھلتی ہوئی جوانی سے اکتا کر کہیں لاپتا ہوگیا اور رلی کی ماں آوارگی کی راہوں پر چل پڑی۔ دیکھا جائے تو اس نے اپنی پاپ کی کمائی سے رلی کو پروان چڑھانے کے ساتھ اعلیٰ تعلیم بھی دلائی لیکن اسے اپنے رنگ میں رنگنے سے نہیں بچا سکی۔ رلی اپنے تعلیمی دور میں ہی پر پرزے نکالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔"

"تمہاری اطلاعات قابلِ رشک ہیں۔ اچھا ہی ہوا کہ میں ان سب کو ہاکس بے پر رہا کرنے کے بجائے اپنے ساتھ لے آیا۔ بس ہٹ کے چوکیدار کو سمجھا بجھا کر وہیں چھوڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پولیس کے جھمیلوں سے اپنی جان بچانے کے لئے خود ہی خاموش رہے گا یا روپوش ہوجائے گا۔" میں نے کہا "اس کے لئے مشکل صورتِ حال اسی وقت پیدا ہوگی جب شری مان سنگھ سمندر میں غرق ہونے کے بجائے زندہ نکل آئے گا۔"

"وہ ایک سفارت کار ہے اس لئے ہمارے ملک میں اس کو ہر طرح کا سفارتی تحفظ حاصل رہے گا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ناپسندیدہ شخص قرار دے کر ملک چھوڑنے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ اس کے سنگین جرائم کے اعتبار سے اسے یہاں کوئی سزا نہیں [illegible]

"لیکن اس کی موت کو یقینی بنانا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔"

ظفر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور بولا "تم جا کر غزالہ کی خیر خبر لو۔ ہوسکتا ہے کہ صبح تک میں تمہیں کوئی اچھی خبر سنا سکوں۔ اگر میں صحیح آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تو تھوڑی ہی دیر میں، طاقتور سرچ لائٹوں سے لیس ہیلی کاپٹر، ہاکس بے کی ساحلی پٹی پر نیچی پروازیں شروع کردیں گے اور اسے کہیں امان نہیں مل سکے گی۔"

"خدا تمہیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے!" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور روانگی کے لئے اٹھ گیا۔

ظفر کو چھوڑ کر میں فلیٹ پر پہنچا تو سلطان شاہ بے تابی کے ساتھ میرا منتظر تھا لیکن اس کا مُنہ بدستور پھولا ہوا تھا۔

میں نے اسے راضی کرنے کے لئے اپنی کتھا سنانی چاہی تو اس نے خشک لہجے میں مجھے روک دیا اور بولا "تم جو کچھ کر آئے ہو، اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر لوٹ آئے ہو۔ اب اگر فرصت ہو تو ذرا مکاؤ فون کرلو۔ ان لوگوں کو تمہاری یا ویرا کی تلاش ہے۔"

"کیا کسی کا فون آیا تھا؟" میں نے حیرت اور تیزی کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں، وہی عورت تھی جس سے پہلے بات ہوتی رہی تھی۔" وہ بےزاری کے ساتھ بولا۔

"تو تم نے اس سے بات کیوں نہیں کی؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میری آواز اس کے ساؤنڈ اسکینر پر ریکارڈ نہیں ہے۔ اس لئے اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کردیا۔ وہ ویرا کو یا تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

وہ ایک اہم اطلاع تھی۔ میں وقت کے فرق کو نظرانداز کرتے ہوئے فوراً ہی ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا جہاں فون موجود تھا۔

مکاؤ میں کوانگ فو کے ٹھکانے پر فون کے ذریعے رابطہ کرنا ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ پہلی ہی کوشش میں فون کا سلسلہ مل گیا پھر وہی، آفت زدہ چوہے کی چوں چوں سنائی دینے لگی۔ میں مکمل طور پر خاموش رہا۔ مقررہ وقت گزرنے کے بعد کوانگ فو کی سیکریٹری لائن پر آگئی۔

"میں کراچی سے ڈینی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں، میں نے انگریزی میں کہا۔

"تم کہاں غائب تھے؟ اور وہ ڈون کی مُنہ بولی بیٹی کہاں ہے؟" اس کا لہجہ بے تکلفانہ تھا۔ شاید اس کے ساؤنڈ اسکینر نے میری [illegible]

ساتھ کہا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کے پاس کوئی بری خبر نہیں تھی۔

"ہانگ کانگ والی مس ترپاٹھی تم کو پہچانتی ہے؟" مکاؤ سے سوال کیا گیا۔

"بالکل، بہت اچھی طرح پہچانتی ہے۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ میں ہی ہے اور اس کی وجہ سے بہت بڑی مشکل کھڑی ہوگئی ہے۔ ڈون کے اثر و رسوخ کی بنا پر سارا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا ہے کیونکہ ڈون نے خود ہی اپنے غدار ساتھیوں کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ دو پہلے ہی ٹھکانے لگائے جاچکے ہیں۔ باقی دو کو ان کی کمیں گاہوں سے نکال کر، پولیس کے قبضے میں دینے کے بعد باقی لوگوں کی گلوخلاصی ہوگئی ہے۔"

"لڑکی کا کیا بنا؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"اس نے ڈون کے ساتھ آنے سے انکار کردیا ہے۔" اس نے خبر دی "دوسری طرف اس کے ساتھ آنے والے مرد کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہوگئی اور وہ مس ترپاٹھی کو اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔"

"تو کیا وہ اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس کی شناخت ترپاٹھی کے پاس موجود کاغذات سے ہوئی ہے۔ اس لیے ہانگ کانگ پولیس مسٹر ترپاٹھی کو ہی لڑکی کا واحد قانونی وارث قرار دے رہی تھی۔ اس کے دست بردار ہوئے بغیر لڑکی ڈون کے قبضے میں نہیں آسکتی۔"

"لیکن وہ کیا کہتی ہے؟ اسے ڈون کے ساتھ جانے میں کیا اعتراض ہے؟"

"اس نے ڈون کو بھی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس کے دونوں دعوے دار جعلی اور اس کی جان کے دشمن ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے وہ پولیس ہی کی تحویل میں رہنا چاہتی ہے۔"

"اوہ!" اس سنگین اور غیر متوقع صورتِ حال نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"اب چکر یہ ہے کہ لڑکی کے بیان کی بِنا پر پولیس نے چھان بین مکمل ہونے تک مسٹر ترپاٹھی کی سفری دستاویزات ضبط کرلیں تاکہ وہ ہانگ کانگ سے فرار نہ ہوسکے۔ اسی کے ساتھ ڈون کو بھی ہانگ کانگ میں رہنے کا پابند کیا جاچکا ہے لیکن ترپاٹھی اچانک ہی [illegible]

جلد از جلد اس جنجال سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی اپنے حالیہ تجربات سے دہشت زدہ ہے اس لیے دوست اور دشمن کی تمیز کھو بیٹھی ہے۔ ڈون اسے پیار و محبت سے راہِ راست پر لا سکتا ہے۔"

"ناممکن!" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا "موجودہ حالات میں پولیس ڈون کو لڑکی کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دے گی۔ وہ ڈون ہے اس لیے اپنے فائیو اسٹار ہوٹل میں محصور ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو لڑکی کے خطرناک بیان کی بنا پر جیل یا حوالات کی ہوا کھا رہا ہوتا۔ تم لوگوں نے ڈون کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"ابھی تک تم صرف مسائل ہی بتا رہی ہو۔ تمہارے پاس اس صورتِ حال کا کیا حل ہے؟"

"ڈون کی بیٹی کو فوراً ہانگ کانگ پہنچ کر ڈون سے ملنا ہوگا تاکہ وہ دونوں مل کر کوئی راہ نکال سکیں۔"

"لیکن میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ کئی روز تک واپس نہ آسکے۔ اسی لیے وہ مجھے تم سے متعارف کرا کے گئی ہے۔"

"اگر تمہیں پورا یقین ہے کہ مس ترپاٹھی تمہیں پہچان لے گی اور تمہارا مشورہ بھی قبول کرلے گی تو تمہیں بلا تاخیر ہانگ کانگ پہنچنا چاہیے۔ تم صبح ہی روانہ ہو جاؤ تو بہت بہتر ہوگا۔"

"ناممکن ہے۔ ابھی تو میرے پاس ہانگ کانگ کا ویزا بھی نہیں ہے۔" میں نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ مجھے فوراً ہی یاد آگیا تھا کہ اگلے دن سیٹھ حبیب جیوانی نے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر میں طلب کیا ہوا تھا جہاں ایک اہم ترین اجلاس متوقع تھا۔ عرصۂ دراز سے التوا میں پڑے ہوئے اس مرحلے کو نظرانداز کرکے، میں اچانک ہی ہانگ کانگ روانہ ہو جاتا تو نہ صرف حبیب جیوانی، بلکہ مافیا کے سارے بڑے میری طرف سے بدظن ہو جاتے۔

"اگر تمہارے پاس اپنے ملک کا پاسپورٹ ہے تو تمہیں ویزا لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیاحت اور خریداری کے نام پر یہاں تین ماہ کا ویزا ہاتھوں ہاتھ مل جاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے آنے میں تاخیر کی تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ مس ترپاٹھی ہاتھ سے نکل جائے گی اور تمہیں بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ لڑکی کہاں چلی جائے گی؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہانگ کانگ میں ہوٹلوں سے لے کر جیلوں تک میں جگہ کی قلت ہے۔ وہاں والے ہر معاملے میں بہت مستعد اور پھرتیلے ہیں اور بلاوجہ کسی کو نہیں پالتے۔ فوری طور پر کوئی حل سامنے نہ آیا تو وہ مس ترپاٹھی کو بھارت واپس بھیج دیں گے کیونکہ اس کے سفری کاغذات بھارتی ہیں اور وہ وہیں سے آئی تھی۔"

اس کا وہ انکشاف سنتے ہی مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ بہت باریک لیکن بالکل سامنے کی بات تھی کہ کسی بھی الجھن کے نتیجے میں غیر ملکیوں کو جبراً بے دخل کرکے ان کے ملک یا آخری منزل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ شاید غزالہ کو نئی دہلی سے ہانگ کانگ لانے والا اس رمز سے پہلے ہی آگاہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم رہا ہوگا کہ اس لڑکی کو مجبوراً ہانگ کانگ بھیجا گیا ہے۔ اسی لیے شکوک و شبہات کی فضا پیدا ہوتے ہی وہ رُوپوش ہو گیا تاکہ ہانگ کانگ کے حکام کوئی سیدھی راہ نہ پاتے ہوئے اسے دوبارہ نئی دہلی بھیج دیں۔

میرے لیے وہ بہت مشکل صورتِ حال تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے یہی یقین نہیں تھا کہ ہانگ کانگ میں بیٹھی ہوئی لڑکی واقعی غزالہ تھی یا اس کے دھوکے میں لکھنؤ کی شکنتلا دیوی کو وہاں بھیج دیا گیا تھا۔ اگر میں مافیا والوں کی برہمی کا خطرہ مول لے کر اس سفر پر روانہ بھی ہو جاتا تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ ہانگ کانگ میں غزالہ میرے سامنے ہوتی۔

میرے وہاں پہنچنے پر اگر وہ شکنتلا ثابت ہوتی تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اپنی الزام تراشی کا رخ میری طرف موڑ کر مجھے کسی ناکردہ جرم کی سزا میں پھنسوا دیتی۔

"ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "یہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر میں تھوڑی دیر میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ ہم تم سے چار گھنٹے آگے ہیں۔ میں تمہاری فون کال کے انتظار میں اپنی رات برباد نہیں کروں گی۔" طنزیہ لہجے میں اپنی بات مکمل کرکے اس نے فون بند کر دیا۔

اس وقت تک سلطان شاہ میرے سر پر مسلط نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد حبیب جیوانی کے گھر پر فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے لیے وہ بہت نازک اور پیچیدہ مرحلہ تھا جس سے نمٹنا آسان نہیں تھا۔

ایک طرف غزالہ ہانگ کانگ میں مخدوش حالات میں گھری ہوئی تھی۔ اسے نئی دہلی سے وہاں پہنچانے والا، بھارتی ایجنٹ رُوپوش ہو چکا تھا اور ڈون کوانگ فو، ویرا کی سفارش کے عین مطابق اسے اپنی تحویل میں لے کر بحفاظت کراچی بھیجنے کے لیے کوشاں تھا لیکن غزالہ اپنے تلخ ترین تجربات سے اس قدر خائف ہو چکی تھی کہ وہ پولیس کی محفوظ تحویل سے نکل کر کسی اجنبی پر بھروسا کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔

اس کے دوسری بار اغوا ہونے کے بعد سے، اس سے میرا رابطہ منقطع تھا اور وہ مسلسل شری مان سنگھ یا اس کے ہم وطن سیکرٹ ایجنٹوں کی قید میں رہی تھی، اسے سرے سے اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ میں پس پردہ رہتے ہوئے اس کی رہائی کے لیے کیا کچھ جتن کر رہا تھا۔ اسی طرح اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے واحد دعوے دار کے طور پر ہانگ کانگ پولیس کے سامنے آنے والا ڈون واقعی اس کا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ سانپ سے ڈسے ہوئے لوگوں کی طرح، وہ رسّی سے بھی خوف زدہ تھی۔ اس ردِعمل میں غزالہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کر رہی تھی، وہ ذاتی تحفظ کے فطری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ غلطی میری تھی کہ میں ویرا کے ساتھ، اس پلان کو آگے بڑھاتے ہوئے اس ناگزیر امکان کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ غزالہ جن پُراسرار بلکہ مشکوک حالات میں، کوانگ فو کی اسپیڈ بوٹ سے ہانگ کانگ کی بحری پولیس کی تحویل میں گئی تھی، وہ کوانگ فو کے حق میں نہیں تھے۔ اس بوٹ سے ایک ایسا خطرناک اور اشتہاری چینی مجرم برآمد ہوا تھا جو چینی پولیس کو ہر قیمت پر مطلوب تھا۔ ان حالات میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کوانگ فو کی اسپیڈ بوٹ ایک مجرم کو محفوظ علاقے میں اسمگل کرنے کے لیے استعمال کی جا رہی تھی۔ اس برطانوی نو آبادی کے سخت ترین انتظامی قوانین کے تحت اسپیڈ بوٹ پر موجود، ہر فرد کو سنگین الزامات میں ملوث کیا جا سکتا تھا لیکن یہ کوانگ فو کے اثر و رسوخ کا کرشمہ تھا کہ اس نے قلیل سی مدت میں اس قصے کو سنبھال لیا تھا۔

وہ نہ صرف خود حوالات سے بچا رہا، بلکہ اس نے گرفتار ہونے والے دیگر افراد کی رہائی کا بھی بندوبست کرالیا لیکن غزالہ کی طرف سے عدم تعاون کے نتیجے میں ڈون کی پوزیشن پھر خراب ہو گئی تھی۔ اس سنگین صورتِ حال کا ازالہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ میں پہلی پرواز سے بہ ذاتِ خود ہانگ کانگ پہنچ کر غزالہ کو اپنے قبضے میں لیتا اور اس سے ڈون کے حق میں بیان دلوا کر اسے بھی نگرانی کے جنجال سے آزاد کرا دیتا۔

لیکن میری فوری روانگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ مجھے مافیا کے مقامی چیف سے کیے گئے، اپنے وعدے کے مطابق اگلے دن ٹریڈ لائن کے دفتر میں موجود رہنا تھا تاکہ مافیا کے ڈان تھری کے تازہ ترین احکام کی فوری تعمیل کو یقینی بنایا جا سکے۔ میں مافیا میں اپنی شمولیت کے بعد سے، اکثر و بیشتر مختلف حیلوں اور بہانوں سے دفتر سے غائب ہی رہتا تھا جسے حبیب جیوانی کسی نہ کسی وجہ سے نظرانداز کرتا چلا آ رہا تھا۔ اگر میں اس اہم موقعے پر اسے مطلع کیے بغیر ملک سے باہر چلا جاتا تو وہ چراغ پا ہو کر میرے لیے ایسی مشکلات کھڑی کر سکتا تھا کہ میرے لیے شہر میں دوبارہ اپنے قدم جمانے مشکل ہو جاتے۔

اور اگر میں مافیا کے چکر میں مزید ایک دو روز شہر ہی میں رکا رہتا تو قوی امکان تھا کہ ہانگ کانگ پولیس، غزالہ کو لاوارث اور بکھیڑے کی بنیاد تصور کرتے ہوئے ملک بدر کر دیتی۔ ان کے ریکارڈ کے مطابق غزالہ بھارتی شہریت کی حامل تھی اسی لیے اُسے کسی بھی پرواز سے نئی دہلی بھیج دیا جاتا اور یوں وہ بھارتی درندوں کے چنگل سے نکلنے کے بعد دوبارہ ان ہی کی قید میں پہنچ جاتی جس کے بعد اس کی بازیابی کے اتنے سازگار حالات دوبارہ پیدا نہیں کیے جا سکتے تھے۔

تحفظ اور بقا کے لیے وہ دونوں ہی کام بہت اہم تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ دونوں کا وقت ایک ہی تھا اور میرے لیے، ان میں سے صرف ایک کام کو سرانجام دینا ممکن تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ میرے لیے دنیا میں غزالہ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ سگی ماں، سگے باپ، پھر سوتیلی ماں اور بھائیوں سے ہاتھ دھو لینے کے بعد، درحقیقت دنیا میں کوئی ایسا فرد زندہ نہیں رہا تھا جسے میں خون کے محترم اور مقدس رشتے سے پہچان سکتا۔ اس زنجیر کی آخری کڑیاں بکھر جانے کے بعد صرف غزالہ ہی میری ذات کو تقویت اور سہارا دیتی چلی آ رہی تھی کیونکہ وہ خود بھی دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔

اس کا گھرانا ہیروئن کی تباہ کاریوں کی ایک عبرت ناک مثال تھا۔ اس کی ماں کا ماضی کسی بھی اعتبار سے قابلِ رشک نہیں تھا۔ کرنل زوّار زیدی سے شادی کرنے سے قبل وہ اس بازار کی ایک بے آبرو جنس تھی جہاں مال و زر کے زور پر زن کو گھنگروؤں کے سُر تال پر ہر شب نچا کر نڈھال کیا جاتا ہے پھر بھوکے بدمست گدھ اپنا خراجِ شب وصول کرنے کے لیے، ان جسموں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ شمع، کرنل زوار زیدی کی بیوی بننے سے پہلے اسی محفل کی شمع تھی لیکن ایک مضبوط سہارا ملنے کے بعد وہ صرف اور صرف ایک گھردار عورت بن کر رہ گئی۔ شمع اپنے کرب ناک ماضی کو یکسر بھول جانا چاہتی تھی لیکن لوگ اسے ہر قدم پر یہ یاد دلاتے رہے کہ وہ سدا کی عزت دار نہیں تھی۔ اس جرّاحی اور پیہم نشترزنی نے شمع کی روح تک کو زخمی کرکے رکھ دیا۔ اس نے اپنے اس درد کو بھلانے کے لیے نشے کی بیساکھی کا سہارا لیا اور خود فراموشی کے عالم میں، مصنوعی سکون کے سہارے جینے لگی۔ غزالہ اس کی اکلوتی بیٹی اور کامران اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ شمع پان میں کوکین کھانے کی عادی تھی۔ ایک دن ننھے کامران نے اپنی ماں کی بے خبری میں، اس کے پاندان سے کوکین کی ڈبیا نکال کر ساری کوکین اپنے معدے میں اتار لی۔ اس کی حالت بگڑی تو کرنل زوار زیدی نے اپنے اکلوتے لختِ جگر کی زندگی بچانے کے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ ان دونوں کی کوششوں اور محنت سے کامران کی جان تو بچ گئی لیکن وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

اپنے ماضی کی آنچ میں سلگتی ہوئی، دل فگار شمع کے ذہن پر ایک نیا اور خوف ناک عذاب مسلط ہو گیا۔ وہ خود کو اپنے بیٹے کے پاگل پن کا ذمے دار سمجھنے لگی۔ جوانی بھی کامران کی دیوانگی کو فرزانگی میں نہ بدل سکی۔ اس کی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ شمع کا کرب بھی روز بروز بڑھتا چلا گیا اور وہ شب و روز نشے میں غرق رہنے لگی۔ ادھر غزالہ اپنی ہمجولیوں کے دبے دبے طعنے سننے کے

باوجود تعلیم حاصل کرتی رہی۔

اس مرحلے پر میری غزالہ سے شناسائی ہوئی تو وہ چار نفری گھرانے کی رونقوں کی امین تھی۔ اس کا پاگل بھائی آہنی جنگلے والے دروازے کے پیچھے ہروقت ایک کمرے میں مقفل رہتا تھا۔ جنون کے عالم میں وہ کبھی اپنے باپ کو لہولہان کردیتا' کبھی اپنی ماں پر ہاتھ اٹھادیتا تھا لیکن غزالہ کے سامنے وہ ہمیشہ کسی پالتو جانور کی طرح صلح جو' فرماں بردار بلکہ سہا سہا بھی نظر آتا تھا۔ کرنل زوّار زیدی کو غزالہ کے روپ میں ایک جوان بیٹا ہی نظر آتا تھا۔

کوکین کا بڑھتا ہوا استعمال آخر کار رنگ لایا اور نحیف ونزار شمع ایک دن اچانک ہی گُل ہوگئی۔ کرنل کے لیے وہ بہترین ساتھی تھی۔ کرنل نے زندگی کے طویل سفر پر اسے اپنا ساتھی منتخب کرکے' اپنے سارے خاندان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی شمعِ محفل کو چراغِ خانہ کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اب جو شمع یوں چپکے سے دنیا سے کوچ کرگئی تو کرنل زوّار زیدی نے زندگی کے تپتے ہوئے اور بے رحم صحرا میں خود کو یکایک تنہا پایا جہاں ہر طرف سراب ہی سراب تھے' منزل کا کسی بھی سمت میں کوئی نشان نہیں تھا۔ شمع کے ساتھ وہ اس صحرا میں صدیوں بھٹک سکتا تھا۔ لیکن تنہائی کا احساس اس کے وجود میں ایسا سرایت ہوا کہ اس نے اپنی بیوی کے سرہانے' اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کرلی اور یوں غزالہ چند ہی لمحوں میں ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئی۔ بعد میں اس کا بھائی کامران بھی اپنے علاج کے آخری مراحل میں' پوری طرح صحت یاب ہونے سے ذرا پہلے شی کے ان سفاک درندوں کا آلۂ کار بن گیا جو اُن دنوں میرے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے اور یوں غزالہ بھی میری ہی طرح' بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی جسے میں کسی بھی صورت میں بے یار ومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

یہ اور بات تھی کہ شری مان سنگھ کی دوغلی پالیسی کی وجہ سے میرے ذہن میں صورتِ حال صاف نہیں تھی۔ شری مان سنگھ اور ویرا کے معاہدے کے مطابق غزالہ ہی کو ہانگ کانگ میں موجود ہونا چاہیے تھا لیکن اس مردود نے مجھ سے جو کچھ کہا' اس کے مطابق' غزالہ بدستور نئی دہلی میں قید تھی اور اس کی جگہ' شکنتلا دیوی نامی ایک لکھنوی لڑکی کو مس تریاٹھی کے روپ میں ہانگ کانگ بھیج دیا گیا تھا۔

اس غیر معمولی بے یقینی کے باوجود' میں غزالہ کی بازیابی کے موہوم ترین امکان کو بھی نظرانداز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ غزالہ ہوتی تو میں معرکہ جیت لیتا۔ اس کی جگہ شکنتلا ہوتی تو میں اس کے ہر تریا چلتّر کا بخوبی مقابلہ کرسکتا تھا۔ اس تمام ذہنی جمناسٹک کے بعد ہی میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے فون کرکے اپنے مافیا چیف سے اگلے دو تین روز کے لیے فوری طور پر رخصت مانگ ہیے۔

دوسری طرف سے تیسری گھنٹی پر ایک مخمور نسوانی آواز سنائی دی جس پر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اپنی بیوی کی موت کے بعد سیٹھ حبیب جیوانی اپنے مکان پر اکیلا ہی رہ رہا تھا۔

میں نے حبیب جیوانی کے بارے میں دریافت کیا تو رانگ نمبر کہہ کر فوراً ہی فون بند کردیا گیا۔

میں نے دوسری بار بہت احتیاط کے ساتھ نمبر ملایا اور اس بار بھی وہی آواز سنائی دی لیکن اس مرتبہ وہ خاصی جھلائی ہوئی تھی۔

"خاتون! یہ رانگ نمبر نہیں ہے۔ میں نے بہت احتیاط سے نمبر ملایا ہے۔ میں حبیب صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔" میں نے بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کردی۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ رانگ نمبر ہے" غصیلے لہجے میں میری بات کاٹ کر کہا گیا "پتا نہیں تم لوگوں کو فون پر لڑکیوں کو ستانے میں کیا مزہ ملتا ہے؟ کیا تمہاری ماں بہنیں نہیں ہیں؟"

"اتفاق سے کوئی بھی نہیں ہے" میں نے چند منٹ پہلے سوچی ہوئی حقیقت بلا تکلف دہرادی "لیکن پھر بھی میں محض فون پر چھیڑ چھاڑ کرکے وقت برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ تم چاہو تو کبھی مل کر دیکھ لینا۔ میں ذہنی آوارگی کے بجائے عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ اب ذرا حبیب صاحب کو بلادو۔"

چند ثانیوں تک لائن پر سکوت طاری رہا پھر کہا گیا "تم اب میری رات برباد کرنے پر تُل گئے ہو..... یہ بتاؤ کہ تم نے کیا نمبر ڈائل کیا ہے؟"

"جسے تم برباد کرنا کہہ رہی ہو' اسے رات آباد کرنا کہتے ہیں۔" اسی کے ساتھ میں نے حبیب کا نمبر دہرادیا۔

"یہ غلط نمبر ہے" سخت لب ولہجے میں جواب دے کر دوبارہ فون بند کردیا گیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میرے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرکے سوال کیا۔ وہ ابتدا ہی سے میری جملہ حرکات وسکنات کو گہری خاموشی کے ساتھ' غور سے دیکھ رہا تھا۔

سچ بات یہ ہے کہ اُس کی آواز نے مجھے چونکا دیا ورنہ مکاؤ والی لڑکی سے فون پر بات ہونے کے بعد میں اپنے خیالات میں کھو کر اُس کی موجودگی کو ایک سرے سے فراموش کر بیٹھا تھا۔

"حبیب جیوانی سے بات کرکے دوچار دن کی چھٹی لینی چاہ رہا ہوں تاکہ میں فوری طور پر ہانگ کانگ کے لئے روانہ ہوسکوں" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے چینی سے ٹہلنا شروع کردیا۔

"چھٹی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟" سلطان شاہ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اپنی مجبوریاں دہرادیں جو میرے ذہن میں ڈنک مار رہی تھیں۔

"پتا نہیں تم پر خود سری اور خود پسندی کا کوئی دورہ پڑا ہے یا تم نے کسی وجہ سے مجھے مکمل طور پر نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟"

اس کے چہرے کے ساتھ ہی اس کی آواز میں بھی اداسی کا عنصر آگیا تھا "تمہیں حبیب جیوانی کو چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے..."

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں پوچھا "تمہارے ذہن میں کوئی تجویز ہو تو بتاؤ' اس وقت میرا ذہن شدید انتشار کے عالم میں ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم نے اب خود کو اکیلا سمجھنا شروع کردیا ہے" اس کی آنکھوں سے تاسف اور ہلکی سی ملامت کا کھلا اظہار ہورہا تھا لیکن اس کا لہجہ سپاٹ تھا "تمہیں مجھ پر اعتماد ہو تو میں ہانگ کانگ جاسکتا ہوں۔ غزالہ بھابی مجھے بھولی نہیں ہوگی۔ وہ میری بات مان لے گی۔ تم آرام سے کل مافیا کے دفتر میں وقت گزار سکتے ہو۔ اس طرح کسی بھی پریشانی کے بغیر دونوں کام بیک وقت کیے جاسکتے ہیں۔"

میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگالیا اور اضطراری' جذباتی ابال کے تحت کہا "میں تمہیں اپنی ذات سے الگ نہیں سمجھتا۔ بس پریشانیوں میں گھرنے کے بعد کبھی کبھی میرا ذہن ماؤف سا ہوجاتا ہے اور سامنے کی کھلی کھلی باتوں کو نظرانداز کرکے' میں دور کی کوڑی لانے کے چکر میں الجھ جاتا ہوں۔"

اس نے جو کچھ کہا' وہ واقعی بہت سہل اور قابلِ عمل تھا۔ وہ غزالہ نہ صرف سلطان شاہ سے اچھی طرح واقف تھی' بلکہ اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں اپنے معاملات میں سلطان شاہ پر کس حد تک اعتماد کرتا ہوں۔ اگر میرے بجائے' وہ ہانگ کانگ روانہ ہوجاتا اور وہاں غزالہ سے مل کر اسے یہ پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوجاتا کہ کوانگ فو اس کا دشمن نہیں' بلکہ خیر خواہ ہے تو غزالہ پہلی فرصت میں پولیس کی محفوظ تحویل کو خیرباد کہہ کر کوانگ فو کے ساتھ چلی جاتی اور ساری الجھنیں رفع ہوجاتیں۔

اسے روانہ کردینے کے بعد میں پوری یکسوئی کے ساتھ مافیا کے معاملات پر توجہ دے سکتا تھا۔

پچھلی بار ہمارے حالات بہت مخدوش تھے اس لیے ہم نے جعلی سفری دستاویزات پر غیر ملکی سفر کیا تھا اور پاکستان واپس پہنچتے ہی ان دستاویزات کو تلف کردیا تھا لیکن اس مرتبہ میں سلطان شاہ کو جعلی پاسپورٹ پر سفر کرنے کا مشورہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ ہانگ کانگ ائرپورٹ پر متعین' امیگریشن حکام بہت تجربہ کار اور اپنے کام میں ماہر تھے۔ وہ اپنی سرزمین پر آنے والوں کی سفری دستاویزات پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ جانچتے تھے اور بالعموم فوراً ہی ہر گڑبڑ کا سراغ لگالیتے تھے۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" اس مسئلے سے واقف ہونے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "تم بس فیصلہ کرو اور باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اپنے پاسپورٹ کا بندوبست خود ہی کرلوں گا۔"

"مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا بندوبست کرو گے۔ میں اپنے مفاد کے لیے تمہیں آنکھیں بند کرکے کسی خطرے میں نہیں جھونک سکتا۔"

"میرے علاقے کے کچھ لوگ کراچی میں ریکروٹنگ ایجنسیاں چلارہے ہیں۔ کچھ پیسے ضرور خرچ ہوں گے لیکن وہ چند گھنٹوں میں ہی میری باضابطہ روانگی کا بندوبست کرادیں گے۔ بات صرف تمہاری اجازت کی ہے۔ تم کہو تو میں اسی وقت سے اپنی کوششوں کا آغاز کرسکتا ہوں۔"

سلطان شاہ کا مشورہ بہت معقول اور وزنی تھا۔ وہ اپنے مراسم اور پیسے کے زور پر کام نکال سکتا تھا تو اس سے اچھی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک تدبیر یہ بھی آئی کہ میں مافیا کے پروردہ' ان سرکاری افسران میں سے کسی سے رجوع کروں جنہیں حبیب جیوانی نے رشوت کے ذریعے یا ان کی گھناؤنی اخلاقی کمزوریوں کی بنا پر بلیک میل کرکے اپنا ہم نوا بنایا ہوا تھا۔ اہم سرکاری اور انتظامی افسران پر اپنی گرفت قائم کرنے کے لیے حبیب جیوانی نے اپنے تجربات کی بنا پر کراچی میں مغربی طرز پر جس مادر پدر آزاد کلب کی بنیاد ڈالی تھی' اس کی شرمناک کارکردگی مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے ساحلِ سمندر سے ذرا دور ایک خوب صورت اور وسیع و عریض عمارت میں حسین و جمیل' مقامی اور غیر ملکی لڑکیوں کی ایک بے حجاب بھیڑ جمع کی ہوئی تھی۔ کلب کی بوجھل اور رومان پرور شامیں ان لڑکیوں کو معزز بیگمات کی طرح نازو ادا کے پردوں میں لپیٹ کر' وہاں آنے والے بااختیار افسران کے سامنے پیش کرتی تھیں۔ بظاہر وہ سب آزاد تتلیوں کی طرح گھومتی پھرتی یا تفریحات میں مصروف نظر آتی تھیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا نشانہ پہلے سے طے ہوتا تھا اور وہ دیدہ و دانستہ اسی کے گرد نازو انداز دکھا کر' اس کی آتشِ شوق کو ہوا دیتی تھیں۔ پھر جن' اسکاچ' رم اور واڈکا کے سرور میں ڈوبے ہوئے شکار' اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے' اس جال میں پھنس کر خلوت میں چلے جاتے تھے جہاں خودکار کیمروں کی نگاہیں ہر منظر کو ویڈیو کے مقناطیسی فیتے پر محفوظ کرلیتی تھیں اور یوں بیوروکریسی کے مضبوط ڈھانچے میں مافیا کے مددگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

مافیا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان مقتدر افسران سے کام نکلوانے کے لیے صرف بلیک میلنگ پر ہی انحصار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس کے ذریعے انہیں صرف راہ پر لایا جاتا تھا۔ مافیا کے مفادات کے تحفظ پر آمادہ ہوجانے کے بعد ان سے جو بھی کام لیا جاتا تھا' اس کا معاوضہ انہیں باقاعدگی سے ادا کیا جاتا تھا۔

میرے پاس ایسے افسران کی فہرست موجود تھی جن سے مخصوص حوالوں کے ذریعے کوئی بھی غیر قانونی کام لیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس مرحلے پر ان لوگوں سے رجوع کرنے کے بجائے' سلطان شاہ کی تجویز کو قبول کرلینا ہی بہتر تھا۔

"تم نے میرے ذہن پر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم اسی وقت سے اپنی روانگی کی تیاریاں شروع کردو۔ بس یہ خیال رکھنا کہ پاسپورٹ پر تمہارا اصل نام ہونا چاہیے۔ ہانگ کانگ کی پولیس تمہاری شناخت کے لیے پاسپورٹ کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول نہیں کرے گی۔ اگر وہاں تمہارا کوئی اور نام غزالہ تک پہنچا تو وہ بھڑک کر تم سے ملنے سے انکار کردے گی اور تم بلاوجہ پولیس کی نظروں میں آجاؤ گے۔"

"تم ان ریکروٹنگ ایجنٹوں کو نہیں جانتے" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہمارا کام سیدھا اور قانونی ہوگا۔ میرے اصل نام اور تصویر سے پاسپورٹ بنے گا۔ وقت گزر چکا ہے ورنہ یہ کام آج ہی ہوجاتا۔ اب صبح دفاتر کھلتے ہی میرا کام ہوگا اور میں پہلی پرواز سے روانہ ہوجاؤں گا۔"

"یہاں سے ہانگ کانگ کے لیے براہِ راست پروازوں کی تعداد شاید بہت کم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بنکاک یا کولمبو میں رکنا پڑے۔ بنکاک کا راستہ لو تو ذرا چاروں کھونٹ چوکس رہنا۔"

"کیا وہاں بھی کوئی خطرہ ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"ایمان کو سخت خطرات لاحق رہتے ہیں۔ سرکاری عمل داری سے باہر آتے ہی' وہاں کی صنعت کار نازنینیں اور ان کے نمائندے سرمایہ کاری کے لیے' مہمان پر یلغار کردیتے ہیں" میں نے ماضی کے تجربات کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی نگاہوں سے الجھن ہویدا تھی۔ شاید میری بات اس کے پلّے ہی نہیں پڑ سکی تھی۔

"ویت نام کی جنگ کے زمانے سے' عصمت فروشی تھائی لینڈ کی سب سے بڑی گھریلو صنعت ہے۔ سیاحت کے پیشے سے وابستہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح اس صنعت سے وابستہ ہے۔ ائرپورٹ کے قلی سے لے کر ہوٹل منیجر تک' سب ہی اس بہتی گنگا میں ہاتھ رنگنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ایڈز کی ہولناک وبا بھی ان کے کاروبار پر بہت زیادہ اثر نہیں ڈال سکی ہے۔ جسے بھی اپنے اوپر زیادہ مہربان پاؤ تو فوراً ہی لاحول پڑھ کر اُس سے ہزار قدم دور بھاگ لینا ورنہ اپنی عزت و عفت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"لاحول ولا قوۃ" وہ جھینپ کر بڑبڑایا "تم تو اس طرح ڈرا رہے ہو جیسے وہ پورا ملک ہی ہیرا منڈی ہے۔ آخر کو شرفا بھی تو وہاں جاتے ہوں گے۔"

"وہاں صرف شرفا ہی جاتے ہیں کیونکہ اپنے ملک میں ایسی تفریحات میں دلچسپی لے کر وہ اپنی شرافت کو داغدار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ پورا تھائی لینڈ تو میں نے بھی نہیں دیکھا لیکن بنکاک کے ساتھ ہی' سیاحت کی زد میں آئے ہوئے دوسرے شہروں اور ساحلی مقامات کا یہی حال ہے۔ ہر سن و سال کی عورتیں اور لڑکیاں' خود ہی شکار ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔ 'سفر ہے شرط' مسافر نواز بہتیرے' والی بات شاید بنکاک ہی کے لیے کہی گئی ہے۔"

"اگر وہاں بے شرمی کا یہی حال ہے تو ان کی قومی حمیت کہاں سو رہی ہے؟ وہاں کے جو آسودہ حال گھرانے اس لعنت سے محفوظ ہیں' وہ خود کو تھائی کہتے ہوئے کس قدر شرمسار ہوتے ہوں گے؟"

"یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں۔ میں یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ جب کسی بھی معاشرے میں بدی کے ہولناک عفریت بیشتر اچھائیوں کو نگل جائیں تو وہاں بسنے والوں کے دل و دماغ میں سے بدی کا احساس مٹ جاتا ہے یا شاید معاشرتی ضمیر تباہ ہوجانے کے بعد بدی کی قوتیں سرِعام اپنا طاغوتی ناچ ناچنا شروع کرتی ہوں۔ یہ پہلے انڈا یا پہلے مرغی والا مسئلہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کاروباری ملاقاتوں تک میں میزبان اپنے ہر مہمان کو انفرادی طور پر جنسِ مخالف کی صحبت فراہم کرنا اپنا کاروباری اور اخلاقی فرض تصور کرتے ہیں۔"

"میں نے تفریح کے لیے تھائی لینڈ کی مقبولیت اور شہرت تو بہت سنی ہے لیکن تمہاری باتیں میرے لیے نئی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہاں تفریح کا مفہوم اس قدر محدود اور مخصوص ہوگا۔"

"ویت نام کی جنگ سے پہلے تھائی لینڈ کے لوگ بہت غریب اور خستہ حال تھے لیکن وہاں ساری معاشرتی اقدار زندہ تھیں۔ سائیگاؤں اور دوسرے ویت نامی محاذوں سے تعطیل پر آنے والے امریکی سپاہیوں کی دلداری کے لیے امریکیوں نے کچھ مقامیوں کے ساتھ ناچ گھروں' شراب خانوں اور قحبہ خانوں کی سرپرستی شروع کی تو وہاں پیسہ برسنے لگا۔ امریکی سپاہی اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک بے مقصد جنگ کا ایندھن بنے ہوئے تھے۔ محاذ پر ان کے چاروں طرف موت کے ڈراؤنے ہیولے ناچتے رہتے تھے۔ ہر سپاہی ہر روز اپنے ہاتھوں سے اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی لاشوں کے بکھرے ہوئے اعضا سمیٹ کر تابوت میں ڈالتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کسی بھی لمحے وہ اچانک موت کی بے نام وادیوں میں دھکیل دیے جائیں گے۔ اس لیے چھٹی پر آیا ہوا ہر سپاہی اسے آخری چھٹی سمجھ کر مناتا اور اپنے الاؤنس لٹاتا تھا۔ موت کی لاشعوری بلکہ شعوری دہشت انہیں زندگی کے ہر لمحے سے مسرتیں نچوڑ لینے پر

اکساتی تھی جس کے نتیجے میں ویت نام کے اردگرد ہزاروں اڈے تیزی سے کھلتے چلے گئے۔ اس طویل جنگ کے خاتمے کے بعد عیاشی کے دیگر ٹھکانے سرعت سے ویران ہو کر اجڑتے چلے گئے لیکن تھائی لینڈ کا شباب نکھرتا رہا کیونکہ اس ملک کی ایک تاریخ ہے' وہاں خوب صورت سواحل اور قابلِ دید تاریخی مقامات ہیں۔ اس لیے اب امریکی ثامیوں کے بجائے بین الاقوامی سیاح ان پُراسرار تفریح گاہوں میں بھرے رہتے ہیں اور امریکیوں کا لگایا ہوا بے شرمی اور بے حیائی کا پودا ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ تھائی جانتے ہیں کہ اس درخت کی زہریلی جڑیں' اندر ہی اندر ان کی زمین کو چاٹ رہی ہیں لیکن وہ خاموش ہیں کیونکہ اس درخت کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں سے انہیں اَن گنت راحتیں ملتی ہیں۔ ترقی اور خوشحالی کے لیے زرِمبادلہ ضروری ہے اور تھائی لڑکیاں اپنے ملک کے لیے سب سے زیادہ زرِمبادلہ کما رہی ہیں۔ لمبے تڑنگے اور سفید فام امریکیوں سے کھلے میل جول کے نتیجے میں ان کے خدوخال بھی دلکش ہو گئے ہیں۔ دوغلی نسل کی بہتیری خوب صورت اور دراز قامت لڑکیاں اپنے گاہکوں کو خلوت میں' ان بے وفا امریکیوں کی کہانیاں سناتی ہیں جنہوں نے عمر بھر کا پیمانِ وفا باندھ کر ان کی مقامی ماؤں سے شادیاں کرکے اپنے گھر سے ہزاروں میل دور ایک نیا گھر آباد کیا اور اپنی مقامی بیویوں کو کئی کئی بچے بچیوں کی ماں بنا دیا لیکن جنگ کا طبل بجنا بند ہوا تو وہ دغاباز اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وطن واپس بھاگ گئے۔ ان کے جوان لڑکے اب سیر گاہوں میں دلّالیاں کرتے پھرتے ہیں اور ان کی نیلی اور سبز آنکھوں والی دلکش بیٹیاں سیاحوں کے دل لبھا کر اتنے پیسے جوڑنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں کہ ایک بار امریکا جا کر ان بھگوڑے باپوں سے یہ پوچھ سکیں کہ جب انہیں بھاگ ہی جانا تھا تو انہوں نے اولاد کی آرزو کیوں کی؟ ان کی ماؤں کی آغوشیں تو امریکی سپاہیوں کے لیے ویسے ہی کھلی رہتی تھیں۔ وہ باپ بنے بغیر بھی اپنے سارے یادگار تجربوں سے گزر سکتے تھے۔"

سلطان شاہ خاموشی اور پوری توجہ کے ساتھ میری وہ تقریر سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا "تم امریکیوں کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حسّاس ہو گئے ہو۔ جنگ کہیں بھی اور کسی بھی دو قوموں کے درمیان ہو' وہ دوسری ہر تباہی لانے سے پہلے اخلاق اور کردار کو تباہ کرتی ہے۔ جنگ زدہ خطوں میں اعلیٰ اخلاقی کردار کا وجود شاید ہی کہیں ملتا ہو۔ فتح یا شکست سے پہلے یہ ایک بنیادی نقصان ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اخلاقی اور انسانی اقدار جنگ کا پہلا ایندھن بنتی ہیں لیکن وہ ایک فطری عمل ہوتا ہے لیکن امریکی ان خرابیوں کو جانے بوجھے انداز میں تیزی سے پھیلانے کے مجرم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنے ملک کا نہیں' دوسرے ممالک کا اخلاق اور کردار تباہ کر رہے ہیں۔ ان کی یہ خود غرضی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ تم شی کی مثال ہی لے لو۔ یہ ہمارا ذاتی تجربہ بھی ہے۔ امریکی معاشرے کو ہیروئن کے تباہ کن اثرات سے بچانے کے لیے ہماری نوجوان نسل کو اسی اندھے غار میں دھکیل دینا کس مذہب' قانون یا ضابطے کی رُو سے جائز ہے؟ لیکن یہ ہو رہا ہے۔ میں نے دانستہ ہیری کیسنجر اور اس کے پیش رُو کی گھناؤنی سرگرمیوں کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ ان سازشوں کو سیاسی اور معاشی مفادات کے تحفظ کی کوششوں کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن ہیروئن تو ایک آفاقی اور انسانی مسئلہ ہے۔ اس کے انسداد کی کوششوں میں ملک' قوم اور علاقے کا امتیاز برتنا ہر اعتبار سے قابلِ نفرت ہی کہلائے گا۔"

"میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتا" وہ ہنستے ہوئے بولا "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو' اس کے حق میں دلائل کا ایک انبار بھی رکھتے ہو۔ تم نے ذرا سی بات پر مجھے تھائی لینڈ کے بارے میں اتنی معلومات بہم پہنچا دی ہیں کہ میں دو ہفتے تک وہاں رہ کر بھی یہ سب نہیں جان سکتا تھا۔"

"تمہیں اکیلے سفر کا تجربہ نہیں ہے اس لیے میرا فرض تھا کہ میں تمہیں نشیب و فراز سے آگاہ کر دیتا۔ بنکاک میں ویسے بھی جرائم کی شرح روز افزوں ہے۔ جرائم پیشہ افراد سے ساز باز رکھنے والی لڑکیاں یا ٹیکسی ڈرائیور' سادہ لوح سیاحوں کو مضافاتی ویرانوں میں لے جا کر لٹوا بھی دیتے ہیں۔ تمہیں وہاں رکنا پڑا تو تمہارا قیام خاصا مختصر ہوگا۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنا وقت ٹرانزٹ لاؤنج میں گزارو۔"

سلطان شاہ کو ہانگ کانگ بھیجنے کا فیصلہ کر لینے کے بعد ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا اور ہم دونوں کے پاس وقت بھی تھا۔ اس لیے میں سلطان شاہ کو اس کے سفر کے بارے میں ان تمام امکانات سے آگاہ کرتا رہا جو میری نظروں میں اہم تھے۔ پھر سلطان شاہ گاڑی کی چابی لے کر فلیٹ سے نکل گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد مجھے اچانک ہی خیال آیا کہ میں نے مکاؤ والی لڑکی سے تھوڑی دیر بعد بات کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن خاصا وقت گزر جانے کے باوجود میں اس وعدے کو بھولا ہوا تھا۔

میں نے فوراً ہی مکاؤ کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ میری پہلی ہی کوشش بار آور ثابت ہوئی اور مکاؤ سے سلسلہ مل گیا مگر مجھے اس وقت بدترین مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب وہاں سے دوسری گھنٹی کی آواز کے بعد چوہے کی مانوس چوں چوں کے بجائے نسوانی آواز میں کوئی پیغام سنائی دینے لگا۔

میں نے اس نسوانی آواز کا سلسلۂ کلام قطع کرکے اپنی بات کرنی چاہی لیکن اس کے لب و لہجے پر اپنے الفاظ کا کوئی اثر محسوس نہ کرتے ہوئے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ریکارڈ کیا ہوا کوئی پیغام تھا جو اس فون سے سلسلہ ملتے ہی کسی خودکار نظام کے تحت چل پڑا تھا۔ پہلے چینی یا اسی سے ملتی جلتی زبان میں چند فقرے ادا کیے گئے پھر شاید وہی پیغام انگریزی میں دہرایا جانے لگا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ رات ہو جانے کی وجہ سے محل کے ملازمین آرام کر رہے ہیں اس لیے صبح ہونے سے پہلے' فون پر کسی سے بات ہونی ممکن نہیں تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

ذہن صاف ہوا تو سیٹھ حبیب جیوانی کا مسئلہ ایک مرتبہ پھر

میرے دماغ میں سر ابھارنے لگا۔

میں نے دو مرتبہ اس کا نمبر ملایا اور دونوں مرتبہ ایک ہی عورت نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ رانگ نمبر کا عذر پیش کرکے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

حبیب جیوانی اپنے گھر پر اکیلا رہتا تھا تو اس کے فون پر کسی عورت کا موجود ہونا حیران کن نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی سے محرومی کے بعد زیادہ عرصے تک تجرّد کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ مجھے بتا ہی چکا تھا کہ ان دنوں وہ دفتر سے غیر حاضر رہ کر اپنے گھر پر آرام کر رہا تھا۔ اس آرام میں کسی گرل فرینڈ کا وجود بدیہی طور پر ناگزیر نظر آتا تھا لیکن پھر کیا وجہ تھی کہ اس عورت یا لڑکی نے رانگ نمبر کا عذر پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی؟

میں کچھ دیر تک اسی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دوران میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے میں نے وال کیبنٹ میں سے بلیو لیبل اسکاچ کی بوتل نکال کر اپنے لیے ایک صحت مند پیگ بنا لیا تھا جو آہستہ آہستہ میرے معدے میں منتقل ہوتا جا رہا تھا۔

سگریٹ اور اسکاچ کے سکون پرور امتزاج نے بھی جب میری مدد نہیں کی تو میں نے تیسری مرتبہ سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا فون نمبر ملانے کا فیصلہ کر لیا۔

رابطہ ہوتے ہی' پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے' دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا تھا۔

اس بار واضح طور پر حبیب جیوانی کی تردّد آمیز آواز سنائی دی تھی۔ پہلے میں خود حبیب جیوانی سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن سلطان شاہ کو ہانگ کانگ روانہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد مجھے حبیب جیوانی سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ تیسری مرتبہ اس کا نمبر ملانے کا سبب صرف میرا تجسّس تھا۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ خود کیوں فون پر آ کر جواب دینے سے گریز کر رہا تھا؟

مگر اس کی آواز سنتے ہی میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر بدلی ہوئی آواز سے پوچھا "وقت کیا ہوا ہے؟"

الگ سے ہوتا' گفتگو کے لیے وہ وقت واقعی نامناسب تھا اس لیے میرا سوال سن کر حبیب جیوانی بجا طور پر بھنّا گیا ہوگا۔ جواب میں اس نے فون پر ایک گندی گالی دی اور میں زور سے ہنس پڑا۔

"میں تم سے صرف اتنا پوچھنا چاہ رہا تھا کہ وہ تمہارے پاس سے کب واپس لوٹے گی؟" میں نے ہنسی کے دوران ہی' بدلی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"وہ تمہاری بیٹی ہے یا ماں؟" اس نے بے تحاشا مغلّظات بکنے کے بعد پوچھا۔

"میرا اس سے وہی رشتہ ہے جو تمہارا اس سے ہے" ہلکے سے سرور کے عالم میں' مجھے اس کو چڑانے میں لطف آنے لگا تھا "اب بتاؤ کہ تم اپنی والدہ کو اپنے فلیٹ سے کب رخصت کر رہے ہو۔ اپنے وعدے کے مطابق اسے بارہ بجے تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن وہ اب تک غائب ہے۔"

شاید اسے اندازہ ہو گیا کہ مشتعل ہو کر وہ میرا کچھ بگاڑ سکتا تھا نہ ہی میرے بارے میں کوئی بات معلوم کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی سنبھالا لیتے ہوئے کہا "تم بلاوجہ مجھے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی تم دو بار فون کر چکے ہو۔"

میرے دماغ پر اس وقت شیطان سوار ہو چکا تھا' اس لیے میں نے پورے سکون کے ساتھ کہا "یہ میرا پہلا فون ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری محبوبہ نے میرے علاوہ دوسروں کو بھی وقت دیا ہوا ہو اور وہ بے چارے بھی میری طرح دل تھامے اس کا انتظار کر رہے ہوں۔ وہ ان ہی میں سے کسی کے فون رہے ہوں گے۔ اگر وہ اب بھی تمہارے پہلو میں موجود ہے تو اس سے میری بات کرا دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا دل پسیج جائے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو' نرے الّو کے پٹھے ہو اور بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"وہ مجھے منع کر دے تو میں اسے بھول کر سو جاؤں گا۔ ابھی تک تو میں...." مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ مجھے دوسری طرف سے اسی عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"یہ وہ آواز نہیں ہے" وہ کہہ رہی تھی۔ شاید حبیب جیوانی نے اپنا آخری فقرہ ادا کرتے ہی ریسیور اسے تھما دیا تھا تاکہ وہ میرا جواب سن کر آواز شناخت کر سکے لیکن میری بدلی ہوئی آواز کی وجہ سے اس نے فوراً ہی اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا تھا "تم ہی دیکھو کہ یہ کیا چاہتا ہے؟ میں اس آواز سے بالکل ناواقف ہوں۔"

"شاید تم نے سن لیا ہوگا کہ وہ تم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے" حبیب جیوانی نے لائن پر آ کر کہا "پچھلے فون بھی تمہارے نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بے وقت فون کالز سے تم لوگ کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"لوگ نہیں' میں ایک فرد ہوں اور تمہاری محبوبہ میں برابر کا ساجھے دار ہوں....."

اس نے میری بات کاٹ کر مجھے ایک شرمناک مقام پر جانے کا مشورہ دیا اور فون بند کر دیا۔

میں چند ثانیوں تک ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

دو بجنے سے ذرا پہلے ایک مرتبہ فون کی گھنٹی بجی۔ میرا خیال فوراً ہی حبیب جیوانی کی طرف گیا۔ کچھ بھی ہو' وہ آخر کار مافیا کے مقامی بیورو کا چیف تھا اور خود کو موصول ہونے والی فون کالز سے تشویش میں مبتلا ہو کر' مجھے ٹٹولنے کا فیصلہ کر سکتا تھا۔ اگر میں اپنی اصل آواز میں بولتا اور دوسری طرف اس کی محبوبہ ہوتی تو وہ میری آواز فوراً پہچان لیتی۔ کوئی نئی آواز اختیار کرنے کی صورت میں وہ

شبے میں پڑجاتا۔ تیسرا امکان یہ بھی تھا کہ حبیب جیوانی مجھ سے بات کرتے کرتے، میری بے خبری میں ریسیور اچانک اپنی داشتہ کو تھمادیتا اور یوں میری حرکت بہت آسانی کے ساتھ بے نقاب ہوجاتی اور وہ مجھ سے بدظن ہوجاتا۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے ریسیور نہیں اٹھانا چاہیے لیکن رات کے سناٹے میں گھنٹی کی تیز آواز پڑوسیوں کی نیند میں خلل ڈال سکتی تھی، اس لیے میں نے اپریٹس صوفے کے نرم کشن پر رکھ کر اس کے اوپر بھی دو دبیز کشن ڈال دیے اور مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز کافی دب گئی۔

ایک ڈیڑھ منٹ بعد تواتر سے بجتی ہوئی گھنٹیوں کا سلسلہ معدوم ہوگیا تو مجھے اچانک ہی سلطان شاہ کا خیال آگیا۔ وہ ایک اہم مشن پر گھر سے نکلا ہوا تھا۔ اور یہ امکان بھی تھا کہ مجھے کوئی اہم پیغام دینے یا کوئی مشورہ لینے کے لیے اس نے فون کیا ہو۔

وہ خیال آتے ہی، میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ دوبارہ فون آیا تو ریسیور اٹھاکر صورتِ حال کا سامنا ضرور کروں گا۔ اپنی اصل آواز کو غنودہ اور خواب ناک بناکر، حبیب جیوانی کی داشتہ کی شناخت کے خطرے کا بھی سدِباب کیا جاسکتا تھا۔

اور ہوا بھی یہی کہ چند منٹ کے سکوت کے بعد میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھاکر، نیند کے خمار سے بوجھل آواز میں ہیلو کہا تو دوسری طرف سے حبیب جیوانی یا سلطان شاہ کے بجائے ظفر کی چاق وچوبند آواز سنائی دی۔

"مبارک ہو، تمہارا شکار زندہ وسلامت پکڑلیا گیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "وہ سمندر کی خونخوار اور بے رحم موجوں سے لڑکر ساحل پر آنے میں تو کامیاب ہوگیا لیکن اپنی ابتر حالت کی وجہ سے فوری طور پر فرار کی راہ اختیار نہیں کرسکا۔ وہ تاریک ساحل کی گیلی ریت پر، کسی لاش کی طرح اوندھا پڑا ہوا تھا کہ کوسٹ گارڈز والوں نے اپنے ہیلی کاپٹر سے اسے دیکھ لیا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟" میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"شری مان سنگھ جیسے بدمعاشوں کو ہر راستہ اسٹیشن فور کی طرف لاتا ہے۔ ابھی تو اس کے گیلے کپڑے اتار کر، اس کے پیٹ سے سمندر کا پانی نکالا گیا ہے اور وہ بدستور نڈھال ہے۔ تم چاہو تو چلے آؤ۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح نمودار ہونے سے پہلے، اس سے اپنی بات چیت مکمل کرلینی چاہیے۔"

میں نے فوری طور پر وہاں پہنچنے کا وعدہ کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سلطان شاہ ابھی کراچی ہی میں تھا۔ شری مان سنگھ کے پکڑے جانے کی صورت میں قدرت نے ہمیں ایک سنہرا موقع دیا تھا کہ ہم اس سے ہانگ کانگ والی لڑکی کی اصلیت اگلوالیں۔ اگر وہ غزالہ ہی تھی تو سلطان شاہ وہاں پہنچ کر اسے کوانگ فو سے تعاون کا مشورہ دے سکتا تھا اور اگر وہ شکنتلا دیوی تھی تو ہمیں ہانگ کانگ کو بھول بھال کر نئی دہلی پر اپنی توجہ مرکوز کرنی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری فوج تھی نہ میں کوئی سرکاری اہل کار۔ اگر غزالہ اس وقت تک نئی دہلی میں ہی پھنسی ہوئی تھی تو میں اپنی ذاتی حیثیت میں انڈین کونسلیٹ کے کسی اہم عہدے دار سے اس کی واپسی کے لیے سودے بازی کرسکتا تھا۔

شری مان سنگھ کی رہائی کے عوض وہ لوگ غزالہ کو میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہوسکتے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے، میز پر ایک رقعہ چھوڑ کر میں فوراً ہی فلیٹ سے روانہ ہوگیا۔

سلطان شاہ، جہانگیر سے مستعار لی ہوئی، کالی شیراڈ لے گیا تھا اس لیے میں نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے ملی ہوئی، ٹریڈ لائن کی گاڑی نکال لی جو درحقیقت حبیب جیوانی بلکہ مافیا کی ملکیت تھی۔

اسٹیشن فور پر اندھیرے اور پُراسرار سناٹے کا راج تھا لیکن اس کے نگہبان، اپنی جگہوں پر پوری طرح مستعد تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں اسٹیرنگ وھیل کے پیچھے مجھے پہچانتے ہی، آہنی پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں ہیڈ لیمپس گل کرچکا تھا لیکن اندھیرے میں پارکنگ لیمپس کی روشنی بھی دور تک پھیل رہی تھی۔ اسی انعکاس میں، میں نے دیکھا کہ احاطے کی دیوار کے ساتھ مسلح محافظوں کی غیر معمولی تعداد پھیلی ہوئی تھی۔

مجھے فوری طور پر اس عمارت میں بنے ہوئے غیر آباد اور سیلن زدہ تہ خانے میں پہنچادیا گیا۔

اس تہ خانے میں سیڑھیاں اترتے ہی، ایک گرد آلود ہال تھا جس میں کچھ متروک فرنیچر اور دیگر کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ وہیں ایک گوشے میں کئی جوانوں کے درمیان، شری مان سنگھ فرش پر بندھا پڑا تھا۔

"صاحب ادھر ہیں" مجھے لانے والے نے تہ خانے کے دور افتادہ حصے میں نظر آنے والے مختصر سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود زینوں کے اختتام پر ہی رک گیا۔

میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ڈسپلن سے بخوبی واقف تھا، اس لیے اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود شری مان سنگھ کی طرف نہیں جاسکا۔ مجھے لانے والے نے کمرے کی طرف اشارہ کرکے مجھے یہ بتادیا تھا کہ اس وسیع وعریض تہ خانے میں مجھے کون سی راہ اختیار کرنی تھی۔ اس متعین راہ سے انحراف کی صورت میں کوئی بھی کارکن، پوری بے لحاظی کے ساتھ مجھے ٹوک سکتا تھا۔

تہ خانے کے اس دور افتادہ کمرے میں نہ جانے کب سے ایک مسہری پڑی ہوئی تھی۔ سیلن اور امتدادِ زمانہ کے باعث اس کی پالش غائب ہوچکی تھی۔ گدّے کی حالت بھی ابتر اور خستہ تھی۔ ظفر اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اسی گدے پر بیٹھا چند کاغذات کے مطالعے میں منہمک تھا۔

"تم نے دیکھ لیا کہ وہ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکا" مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے ظفر نے کہا۔

"اس بار اس کے ستارے گردش میں تھے کہ وہ بچ نکلنے کے باوجود پکڑا گیا۔ اب ہم اسے اپنی تحویل میں رکھ کر اس سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے۔" میں نے جوابی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں!" وہ اضطراری انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "شری مان سنگھ ہمارے لیے خطرناک قیدی ثابت ہوسکتا ہے۔ اسے تو صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے فارغ کرنا ہوگا۔ اسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں نے ایک ہیلی کاپٹر اسٹینڈ بائی کیا ہوا ہے تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کام پورا ہوجائے۔"

اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی اور میں استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بظاہر وہ اپنے ملک کا ایک سینئر سفارت کار مگر دراصل سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ ایسے لوگ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہوتے ہیں۔ وہ مرجائے گا لیکن کسی حساس معاملے پر اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ اس لیے اس پر زیادہ وقت ضائع کرنا بے سود ہے" اس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "ہمارے پاس، وہ سمندر کی امانت ہے اور اسے صبح طلوع ہونے سے پہلے سمندر میں چلا جانا چاہیے ورنہ سنگین دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔"

"تو کیا تم اسے دوبارہ سمندر میں پھینک دوگے؟" میں اس کے انکشاف پر حیران رہ گیا۔

"اسے یہاں سفارتی مراعات حاصل ہیں اس لیے وہ مقامی قوانین کے تحت ملزم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ پھر جب تک اس کی لاش برآمد نہیں ہوگی، اس کا سفارت خانہ واویلا مچاکر ہماری حکومت پر دباؤ ڈالتا رہے گا۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ شری مان سنگھ کا مرجانا بہتر ہے۔ ہم نے اسے دوچار دن زندہ رکھا تو پوسٹ مارٹم کے ذریعے اس کی موت کے وقت کا تعین کرلیا جائے گا۔ پھر روپوشی اور موت کے درمیان حائل، طویل وقفہ بدترین تلخیوں اور پیچیدگیوں کا سبب بن جائے گا اور اس کے قتل کی ذمے داری ہماری حکومت پر ڈال دی جائے گی۔ کھلے سمندر کی طوفانی موجوں سے لڑتے ہوئے، کوئی شہ زور تیراک بھی چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اس کی بات کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم آج ہی اسے دوبارہ سمندر میں دھکیل دینے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" بات سمجھ لینے کے باوجود میرا لہجہ تائید طلب تھا۔

"دھکیلیں گے نہیں، ہیلی کاپٹر سے اسے گہرے سمندر میں پھینک دیا جائے گا تاکہ یہ فی الفور جہنم واصل ہوجائے۔ مقام کے انتخاب میں یہ احتیاط رکھی جائے گی کہ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں اس کی پھولی ہوئی لاش کو کہیں اور لے جانے کے بجائے ایک آدھ روز میں ہمارے ہی کسی ساحل پر اگل دیں۔ اس طرح سب کچھ ہمارے حق میں جائے گا۔ پوسٹ مارٹم کی کہانی یہی بتائے گی کہ سمندر میں کودنے کے چند گھنٹوں بعد ہی شری مان سنگھ مرچکا تھا.... ہمیں اس پر تشدد میں بھی بڑی احتیاط برتنی ہوگی۔ اس کے لیے میں نے کئی ڈنڈوں پر موٹا ریگ مال منڈھوالیا ہے۔"

"ریگ مال؟" میں نے حیرت سے دہرایا "ڈنڈوں پر ریگ مال چڑھانے سے کیا حاصل ہوگا؟"

"ضربات سے، اس کے جسم پر نیل پڑنے کے بجائے خراشیں آئیں گی، جن پر نمک وغیرہ بھی چھڑکا جاسکتا ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے کئی ساحلی علاقوں میں مونگے کی اور دوسری زیرِ آب، دھاردار چٹانیں ہیں جو بدن کو زخمی کردیتی ہیں۔ ریگ مال کی خراشیں، غرقابی کے حادثے سے میل کھاجائیں گی۔"

"تم کم سے کم وقت میں اس کو فارغ کرنا چاہتے ہو اس لیے میں ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ غزالہ اور شکنتلا والی پہیلی کے علاوہ میں اس سے اور کچھ نہیں چاہتا۔ ملکی مفادات اور اپنی ضروریات کو تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ اسی کے مطابق تم اپنے بقیہ فیصلے کرتے رہنا۔"

ظفر نے مجھے جو کچھ بتایا، وہ قابلِ فہم تھا لیکن شری مان سنگھ سے اتنی جلدی نجات پانے کی بات سن کر میرا دل بجھ کر رہ گیا۔ اگر ہانگ کانگ والی لڑکی شکنتلا ثابت ہوتی تو میں نئی دہلی سے غزالہ کو واپس لانے کے لیے شری مان سنگھ کو اپنا یرغمالی نہیں بنا سکتا تھا۔

میں نے ظفر کے تیور دیکھ لیے تھے۔ وہ کسی بھی صورت میں شری مان سنگھ کو اپنے گلے کی چھچھوندر بنانے کے لیے آمادہ نہیں تھا اس لیے میں نے اپنے دل کی بات دل ہی میں رکھی۔ میں شری مان سے غزالہ کے تبادلے کا ذکر کرکے ظفر کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

ہم دونوں اس کمرے سے نکل کر تہ خانے میں پہنچے تو شری مان سنگھ بکری کے کسی نومولود بچے کی طرح، گرد وغبار میں لتھڑا ہوا، فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر گیلے انڈر ویئر کے علاوہ کوئی تار تک نہیں تھا۔ اس کے بدن سے اتارے گئے، گیلے کپڑے ایک گٹھری کی صورت میں ایک طرف رکھے ہوئے تھے اور وہیں ایک خاصا موٹا اور مخروطی ڈنڈا بھی رکھا ہوا تھا۔ بیس بال کے بلے سے مشابہ اس ڈنڈے پر بہت کھردرا اور مضبوط ریگ مال چپکا ہوا تھا، صرف پکڑنے کی جگہ ریگ مال سے خالی نظر آرہی تھی۔

شری مان سنگھ منحنی سے وجود کا مالک تھا لیکن اس کا استخوانی بدن بڑے بڑے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ تیزی کے ساتھ سفید ہوتے ہوئے ان بالوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے مزاج میں حیوانی جبلتوں کا غلبہ پایا جاتا تھا۔ بدن پر بالوں کی کثرت کو تقریباً گنجی کھوپڑی نے متوازن کردیا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، آنکھوں پر سیاہ کپڑا تھا اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ وہ بائیں پہلو پر سکڑا سمٹا پڑا ہوا تھا اور بہت گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

ظفر نے کھردرے ریگ مال والا ڈنڈا اٹھایا اور خاصا جما کر' اچانک ریتی کی طرح' شری مان سنگھ کی داہنی ران پر پھیر دیا۔ حلق ہی حلق میں گھٹنے والی بے معنی غراہٹوں کے ساتھ شری مان سنگھ کا پورا وجود بری طرح تڑپ اٹھا۔ ریگ مال کے کاٹ دار دانوں نے شری مان سنگھ کی جلد کو ادھیڑ کر خراشیں ڈال دی تھیں جن میں سے فوراً تازہ خون رسنے لگا تھا۔

"یہ عمل تمہارے پورے بدن پر دہرایا جائے گا" ظفر نے سفاکانہ لہجے میں کہا "پھر ان خراشوں پر نمک اور مرچوں کا تیز آمیزہ چھڑکا جائے گا۔ جب تک تم یہاں رہو گے' تمہارے ساتھ شب و روز یہی سلوک کیا جائے گا' حتیٰ کہ گلے ہوئے گوشت میں سے تمہاری ہڈیاں جھانکنے لگیں گی۔ یہاں سے گلو خلاصی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم چون و چرا کیے بغیر ہمارے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاؤ۔ اب میں تمہارا دہانہ آزاد کر رہا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ چیخ کر تم اپنے پھیپھڑے تباہ کر لوگے لیکن یہاں سے تمہاری آواز باہر نہیں جاسکے گی۔"

ظفر نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے' ایک جھٹکے سے اس کے دہانے سے ٹیپ نوچ لیا۔

شری مان سنگھ کے حلق سے ایک ہلکی سی اضطراری چیخ آزاد ہوگئی کیونکہ ٹیپ کے ساتھ ہی اس کی جلد سے شاید چند بال بھی اکھڑ گئے تھے۔

"ڈینی کہاں ہے؟ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں" لمحہ بھر کے بعد اس نے بھرّائی ہوئی اور کمزور آواز میں کہا۔

ظفر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا اور میں نے کہا۔ "میں موجود ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ سب میرے ہی ساتھی ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں میری مرضی شامل ہے۔"

"کم از کم میری آنکھیں ہی کھلوا دو تاکہ میں کچھ دیکھ سکوں۔" میری آواز سنتے ہی اس نے ایک احمقانہ فرمائش کر دی جس پر ظفر اپنے سر کو نفی میں ہلا کر رہ گیا۔

"دیکھتی آنکھوں سے بند آنکھیں اچھی ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد میرے علاوہ کسی اور کی نشاندہی نہ کر سکو..."

"اوہ!" وہ میری بات کاٹ کر بول پڑا "تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ آخر کار مجھے زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔ کاش تمہاری یہی نیت ہو لیکن میں تمہیں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تم نے ایک بہت بڑے سیاسی اسکینڈل کی ابتدا کر دی ہے جو تمہاری حکومت کو بہت مہنگا پڑے گا۔"

"بکواس بند کرو اور یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ وہ نئی دہلی میں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اس کے بارے میں تذبذب میں مبتلا ہو۔ یہ تمہارے لیے بہت اچھا موقع ہے کہ تم میرے سفیر سے سودا کر لو۔ میرے بدلے وہ غزالہ کو ہاتھ جوڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ شری مان سنگھ کی اس تجویز پر ظفر کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اس خبیث نے اتنی آسانی کے ساتھ میرے دل کی بات کہہ دی تھی لیکن میں چور نظروں سے ظفر کا ردِعمل دیکھ چکا تھا اس لیے میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "تم غزالہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔ ہمیں تم سے زیادہ بڑے حسابات بے باق کرنے ہیں۔ تمہیں بلاوجہ ہی یہاں نہیں لایا گیا ہے۔"

"تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے.... میری چھٹی حس مجھے بتا رہی ہے کہ تم لوگ کسی اور چکر میں ہو۔ تم جیسے' کسی یتیم غنڈے کے بس کی بات نہیں کہ اپنے کسی دشمن کی تلاش کے لیے ہیلی کاپٹر روانہ کر سکے۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کچھ لوگ تمہیں چارا بنا رہے ہیں۔ اپنا کام نکل جانے کے بعد وہ تمہارا پتا بھی صاف کر دیں گے اور تم اپنی نگاہوں میں حیرت لیے نرگباش ہو جاؤ گے۔"

میں نے ظفر کے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر' شری مان سنگھ کی ننگی گردن پر رگڑ دیا اور وہ بری طرح تلملا اٹھا۔ اس کی گردن پر خون کی لمبی لمبی خراشیں پڑ گئی تھیں۔

"ان وحشیانہ حرکتوں کے ذریعے تم زیادہ سے زیادہ مجھے ہلاک کر دو گے لیکن یقین رکھو کہ تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے رہا کر دو۔ یہ نہیں چاہتے تو مجھے گولی مار کر میری لاش کہیں ڈلوا دو..."

"ہم تمہاری قوتِ برداشت کو پرکھنا چاہتے ہیں" اس بار ظفر آگے آگیا۔ اس کی آواز میں پیشہ ورانہ رقابت کی تپش بہت واضح تھی "ہم تمہیں الٹا لٹکا کر تمہارے سر سے ایک فٹ کے فاصلے پر انگارے دہکا دیں گے جو تھوڑی ہی دیر میں تمہارا بھیجا پگھلا دیں گے' پھر دیکھیں گے کہ تم کیا بولتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ میرا بھیجا ناک کے راستے بہہ کر باہر آجائے گا لیکن میری زبان نہیں کھلے گی۔" اس کی آواز بدستور کمزور لیکن پُرعزم تھی۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا ارادہ اٹل ہے۔

"ہم تمہیں ماریں گے نہیں بلکہ کسی مردے سے زیادہ بدتر حالت میں واپس لوٹا دیں گے اور تم زندگی بھر دیوانگی کے عالم میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرو گے" ظفر کا لہجہ سفاکانہ ہوگیا "اس لیے تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ جو کچھ پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دیتے چلے جاؤ!"

"میں موت یا ذلت سے نہیں ڈرتا۔ تم ضد کرتے ہو تو سوال کرتے جاؤ۔ میرا دل چاہا تو جواب دوں گا ورنہ اپنی زبان بند رکھوں گا۔ تم مجھے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

اس کے جواب پر ظفر غصے سے دانت پیس کر رہ گیا۔ چند ثانیوں تک تہ خانے کی فضا میں بوجھل سا سکوت چھایا رہا پھر ظفر کی سرد آواز گونجی "آپریشن سلور سینڈ کا چیف آفیسر کون ہے؟"

اس سوال پر شری مان سنگھ کے بدن کو ایک جھٹکا لگا' اس کا

چہرہ سفید پڑگیا اور وہ اضطراری انداز میں بولا ”مجھے معلوم ہے کہ افغانستان میں ہونے والی خانہ جنگی سے تم لوگوں نے چھاپا مار جنگ اور سراغرسانی کے شعبوں میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم آپریشن سلور سینڈ سے واقف ہو لیکن اس بار تم نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ تمہارا یہ سوال سننے کے بعد میں قسم کھا سکتا ہوں کہ تم فوجی ہو اور تم لوگوں نے اپنے جنگی مقاصد کے لیے ڈینی کو بھی الّو بنایا ہوا ہے۔“

وہ حالات کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن پھر بھی مجھے بار بار اکسانے اور بھڑکانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اپنی آزادانہ مرضی سے ان لوگوں کا ساتھ دے رہا تھا۔

ظفر نے ایک بار پھر اس کی داہنی ران کی پرانی خراش کو ریگ مال سے اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اس مرتبہ شری مان سنگھ نے بے انتہا ضبط سے کام لیا اور دبی دبی غراہٹوں کے ساتھ تڑپ کر رہ گیا۔

”تم را کے بلیک کیٹس یونٹ سے منسلک ہو اس لیے یہاں کی آرمی انٹیلی جنس اور اس کے انٹروگیشن سیل کے بارے میں بھی جانتے ہوگے لیکن ہم سیدھے سادے لوگ ہیں۔ اپنے شکار سے مطلوبہ معلومات نکلواتے ہیں یا اس کی جان نکال لیتے ہیں....“

شری مان سنگھ نے ظفر کی بات کاٹ دی ”آرمی نہیں تو پھر تم اسپیشل ٹاسک فورس کے بھیڑیے ہوسکتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ غیر قانونی کاموں کے لیے‘ اس نام سے یہاں ایک متوازی تنظیم بنائی گئی ہے جو ہر قاعدے اور قانون سے آزاد ہوکر اپنی من مانی کرتی ہے۔ میں تم لوگوں کی بھی کھوج میں تھا....“

شری مان سنگھ جیسے بے بس قیدی کا وہ پُرسکون انداز ظفر سے برداشت نہ ہوسکا اور اس نے اچانک ہی اپنے وزنی جوتے کی ٹھوکر سے شری مان سنگھ کا چہرہ اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اس بار شری مان سنگھ کی دردناک چیخ بہت تیز تھی۔ میں نے گھبرا کر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ تہ خانے کی دیواروں میں کسی روشندان یا جالی کا وجود نہیں تھا اور شاید اسی لیے شری مان سنگھ کو وہاں لایا گیا تھا۔

میں نرمی سے ظفر کا بازو تھام کر اسے دور افتادہ کمرے کی طرف لیتا چلا گیا۔

”وہ تمہیں غصہ دلا کر کسی سنگین غلطی پر مجبور کردے گا“ میں نے کہا ”ایک طرف تم اتنی احتیاط کررہے ہو کہ اس کی جلد پر... ریگمال سے رگڑے لگا رہے ہو اور اب غصے میں آکر اسے ٹھوکر رسید کربیٹھے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے پروگرام کے اگلے حصے پر عمل شروع کردو۔“

”لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ اسے ساحل سے اٹھانے کے بعد ہی گہرے سمندر میں پھینک دیا جاتا۔ اسے یہاں لانے سے کیا فائدہ ہوا؟“ ظفر اپنی ناکامی پر بری طرح بھنایا ہوا تھا ”میں اتنی آسانی کے ساتھ اس کی جان نہیں چھوڑوں گا۔ ابھی میرے پاس کئی گھنٹے کی مہلت باقی ہے۔“

ظفر سے زیادہ تکرار مناسب نہیں تھی‘ اس لیے میں خاموشی سے اس کے ساتھ واپس ہولیا۔

ظفر کے ایما پر اس کے ایک آدمی نے شری مان سنگھ کے دہانے پر ایک بار پھر ٹیپ چپکا دیا پھر دوسرے آدمی نے اس کے زخموں پر عملاً نمک پاشی شروع کردی۔ یہ اور بات تھی کہ باریک پسے ہوئے نمک میں مرچوں کی سرخی دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔

شری مان سنگھ نے تشدد تو خاصے سکون سے سہہ لیا تھا لیکن نمک پاشی کے عمل نے اسے بری طرح تڑپا کر رکھ دیا۔ اس نے بلبلا کر کئی بار اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہا لیکن ہر بار کسی نہ کسی نے اسے بے رحمی کے ساتھ نیچے گرادیا اور وہ فرش پر ہی ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ اس دوران میں ظفر اس کے بدن پر ریگ مال والے ڈنڈے سے نئی خراشیں ڈالنے کے بجائے‘ پرانے زخموں کو بار بار ادھیڑتا جارہا تھا۔

میری دانست میں وہاں بس انا کی جنگ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے چند جھلکیوں سے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ شری مان سنگھ موت سے خوف زدہ ہوکر ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے جسم سے ایک ایک ریشہ بھی اُدھیڑ دیا جاتا تو وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جلد یا بدیر‘ اسے سمندر کے سفر پر روانہ ہو ہی جانا تھا‘ اس لیے میں نے علیحدگی میں لے جاکر ظفر کو سلطان شاہ کے پروگرام سے آگاہ کیا اور اس سے اجازت لے کر اسٹیشن فور سے اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا‘ راستے میں میرا ذہن شری مان سنگھ ہی میں الجھا رہا۔

وہ بادی النظر میں ایک عام سا سفارتی اہلکار نظر آتا تھا جو دامن بچا کر غیر قانونی ذرائع سے اپنے ملک کے مفادات کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ دونوں پڑوسی ممالک کے سیاسی اور سفارتی تعلقات عرصۂ دراز سے سرد مہری بلکہ کشیدگی میں مبتلا چلے آرہے تھے اس لیے میرا اندازہ تھا کہ دونوں طرف سفارت کاروں کے کام کی نوعیت بھی تبدیل ہوکر رہ گئی تھی۔ شری مان سنگھ کی حد تک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ ہمارے ملک میں ملّا سرکار جیسے تخریب کار کی سرپرستی کرکے ملک کے ایک حساس علاقے میں شورش پھیلانے کی سازش کا مرتکب ہورہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی بیوی‘ رجنی کے ذریعے ایک مقامی ہندو سرمایہ دار کو اس حد تک اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا کہ وہ موسیقی کے شوقیہ پروگراموں میں اپنی مخصوص دھنوں کے ذریعے‘ مقامی تخریب کاروں کو پیغام رسانی کرتا تھا۔ موتن لعل کے جلترنگ پر دیے ہوئے پیغامات پر عمل کرتے ہوئے مقامی تخریب کار طے شدہ مقامات پر بموں کے دھماکے اور دوسری تباہ کن کارروائیاں کیا کرتے تھے۔ موتن لعل کو اپنی حرکات کے ان نتائج کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن وہ خوبرو اور سبک اندام رجنی کے وجود کے سحر میں ڈوب کر اس گھناؤنے کام میں سر سے پیر تک غرق تھا۔

شری مان سنگھ کو علم تھا کہ ہرجائی مزاج رکھنے والی رجنی اس سے کئی ہوئی بے وفائی کرتے ہوئے‘ نسبتاً کم عمر اور تندرست موتن لعل کے ساتھ کام کی آڑ میں پینگیں بڑھا کر رنگ رلیاں مناتی رہتی ہے لیکن وہ اپنے ملک کا سچا خدمت گار تھا اس لیے اپنی ذاتی خوشیاں قربان کرکے بھی اپنے ملکی مقاصد کے لیے کام کرتا رہا۔ یہ اس کی بہت بڑی بدنصیبی تھی کہ رجنی اسٹیشن فور میں قید تھی اور وہ خود تہ خانے میں ظفر کا تشدد سہہ رہا تھا لیکن ان دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

ظفر اور شری مان سنگھ کی براہِ راست گفتگو سے کچھ اور اسرار بھی میرے سامنے آئے تھے۔ شری مان سنگھ نے ایک مرتبہ میرے سامنے اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں موہوم سا شبہ ظاہر کیا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ بات شبے سے خاصی آگے تھی۔ اسی طرح ظفر نے مجھ سے کبھی کسی اور خفیہ آپریشن کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں نے اپنے کانوں سے آپریشن سلور سینڈز کا ذکر سن لیا تھا۔ وہ یقینی طور پر بھارتی خفیہ اداروں کا کوئی اہم اور تباہ کن منصوبہ تھا جس سے ایس ٹی ایف والے بے خبر نہیں تھے۔

ملک کی سلامتی اور مفادات کے خلاف وہ ایک بہت بڑا اور بھیانک چکر چلا ہوا تھا جس کی ابتدا ملّا سرکار کی ذات سے ہوئی تھی۔ اس سازش میں سفارتی اہل کار‘ مقامی جرائم پیشہ لوگ‘ اندرونِ سندھ پھیلے ہوئے ڈاکو‘ ہیروئن کا سرمایہ‘ جدید ترین اور مہلک جنگی ہتھیاروں کی بھاری تعداد کے علاوہ بھی بہت کچھ ملوث تھا۔ جب تک میں انفرادی طور پر ان سب مسائل میں گھرا رہا‘ مجھے کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہوسکی لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے اول خان سے تعارف ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی۔

ایسی بین الاقوامی سازش کا سدِباب کرنا‘ مجھ جیسے فردِ واحد کے بس سے باہر تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کے وسائل ہی ان لوگوں کی سرکوبی کرسکتے تھے۔ مجھے خوشی تھی کہ میری کوششوں کے نتیجے میں صورتِ حال پر ایس ٹی ایف کی گرفت بہت مضبوط ہوگئی تھی۔ ملا سرکار جہنم واصل ہوچکا تھا۔ شری مان سنگھ کسی بھی وقت سمندر کی خونی لہروں کی بھینٹ چڑھنے والا تھا اور اس سازش کے تاروپود پوری طرح سامنے آچکے تھے۔

ان حالات میں میری گلوخلاصی ہوچکی تھی۔ وہ پورا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں جاچکا تھا جو اسے نمٹانے کی اہلیت اور وسائل رکھتے تھے اس طرح میں بڑے مسائل کو بھول کر اپنی ذات کے گرد پھیلے ہوئے جال کو کاٹ کر اپنی خوشحال زندگی کے آغاز کی کوششیں کرسکتا تھا۔

ظفر نے ایک اعتبار سے اچھا ہی کیا تھا کہ آپریشن سلور سینڈز کے بارے میں مجھے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ ایک بار میں ان تمام تفصیلات سے واقف ہوجاتا تو پھر مجھے اخلاقاً ہر مرحلے پر ان کا ساتھ دینا پڑتا اور میں اپنے ذاتی مسائل کے حل پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے سے قاصر رہتا۔

اس ضمن میں صرف ایک کردار ایسا تھا جو ابھی تک ہر گرفت اور بازپرس سے محفوظ تھا اور وہ مغربی کونسلیٹ کا ملازم ہیری کینجر تھا۔ اس کا پیش رو‘ پیٹر آرنیٹ تو اول خان کے آدمیوں کے قہر کا نشانہ بن کر جہنم واصل ہوچکا تھا لیکن ہیری نامعلوم مصلحتوں کی وجہ سے آزاد تھا۔

یہ سامنے کی بات تھی کہ ہیری ایک بہت بڑی طاقت کا نمائندہ تھا۔ ان لوگوں کو دنیا کے ہر خطے میں کام کرنے کی لامحدود مراعات ملی ہوئی تھیں۔ جو قومیں ان کے خصوصی حقوق کو تسلیم نہیں کرتی تھیں‘ انہیں جبراً مراعات دینے پر آمادہ کرلیا جاتا تھا۔ ان حالات میں اگر اسپیشل ٹاسک فورس ہیری کینجر کی خطرناک سرگرمیوں سے چشم پوشی کررہی تھی تو وہ ناقابلِ فہم نہیں تھی۔

میں جانتا تھا کہ وہ لوگ ہیری کینجر پر ہاتھ ڈالیں یا نہ ڈالیں‘ لیکن ایک بار نظروں میں آجانے کے بعد اس کے کسی بھی منصوبے کو کامیابی سے ہم کنار نہیں ہونے دیں گے۔

میری وہ تمام سوچ بچار سطحی یا وقت گزاری کے لیے نہیں تھی بلکہ اس اہم موڑ پر‘ میں اپنے لیے ایک نئے مستقبل کی تصویر دیکھ رہا تھا‘ جس کے لیے میں نہ جانے کب سے ترسا ہوا تھا۔

ابتدا میں میری زندگی پر شی کسی آسیبی سائے کی طرح مسلّط تھی۔ اس سے انحراف کرنے کے بعد مجھے اپنی زندگی بہت مختصر ہوتی نظر آرہی تھی لیکن میں نے نہایت بے خوفی کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہوئے شی کو ایسے ایسے چرکے لگائے کہ میرے دل سے اس طاقتور تنظیم کی دہشت بتدریج مندمل ہوگئی۔ دوسری طرف‘ جمی لائیڈ نے بھی اپنے زخموں کو چاٹتے ہوئے میرے تعاقب کا سلسلہ ترک کردیا اور میں شی کے آسیب سے آزاد ہوگیا۔ میری اس آزادی میں ویرا نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ میرے باغی ہوجانے کے بعد اسی کو پاکستان میں شی کے مفادات کی دیکھ بھال کا کام سونپا گیا اور اس نے اپنی تلوّن مزاجی کے باوجود مجھ سے دوستی برقرار رکھی۔ شی میں وہی ایک ایسی ہستی تھی جسے میری ذات تک رسائی حاصل تھی اور وہ چاہتی تو کسی بھی وقت مجھے بہ آسانی ہلاک کرسکتی تھی لیکن اس نے کبھی بھی بے خبری میں مجھ پر وار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جب بھی میرے خلاف صف آرا ہوئی‘ باقاعدہ للکار کر مقابلے پر آئی۔ کبھی ستاروں نے میری یاوری کی اور کبھی ویرا خود دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہوگئی۔

جن دنوں میں شی کے عتاب میں آیا ہوا تھا‘ مافیا کے ڈان تھری نے مجھے موثر تحفظ فراہم کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن وہ بہت خطرناک پیشکش تھی جسے قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں انکار کرتا تو شاید ڈان تھری اسی لمحے میرے دل میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر میرا قصہ ختم کردیتا۔

میری زندگی کے بدترین اور کڑے دَور میں‘ مافیا والوں نے مجھے بھرپور تحفظ فراہم کیا جس کے جواب میں‘ میں نے کبھی بھی

پورے خلوص کے ساتھ ان کا ساتھ نہیں دیا۔ میں ہیروئن کے کاروبار سے بری طرح متنفر ہو چکا تھا۔ مجبوری کے تحت کیے گئے سمجھوتے کی اور بات تھی لیکن دل کی گہرائیوں سے میں کبھی بھی مافیا کا وفادار نہ بن سکا۔

لیکن شی کی طرح مافیا بھی خطرناک تھی۔ اس میں شمولیت کے مقابلے میں اس سے نکلنا بہت مشکل تھا' مافیا کے منحرفین کو پاتال میں بھی امان نہیں ملتی تھی۔ سسلی میں بیٹھے ہوئے مافیا کے بڑوں نے اپنی قدیم روایات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ ان روایات میں ہر جگہ' ہر حال میں اور ہر قیمت پر جرم کی ترویج اور تحفظ کے ساتھ ہی منحرفین اور باغیوں کو کسی بھی قیمت پر زندہ نہ چھوڑنے کے نعرے شامل تھے۔

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے اسٹیشن فور سے واپسی کے اس سفر میں' میں محسوس کر رہا تھا کہ بین الاقوامی سازشیوں اور شی کے بوجھ سے نجات مل جانے کے بعد میرے سامنے صرف مافیا رہ گئی تھی جو میری پُرسکون گھریلو زندگی کی راہ کی واحد رکاوٹ تھی۔

ایک بار غزالہ واپس آجاتی تو میں اس کے ساتھ سکون سے اپنا گھر آباد کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ باعزت زندگی کی ابتدا کرنے کے لیے مافیا سے چھٹکارا حاصل کرنا ناگزیر تھا۔ جرم سے پوری طرح تائب ہوئے بغیر انسان کبھی بھی سکون کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ میرا مشاہدہ اور ایمان تھا کہ جرم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کی ایک کونپل بھی باقی رہ جائے تو وہ بہت جلد دوبارہ تناور درخت کا روپ دھار لیتی ہے۔

اس اعتبار سے اگلا دن میرے لیے بہت اہم ثابت ہونے والا تھا۔ حبیب جیوانی نے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر میں طلب کیا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ دوپہر میں وہاں ڈان تھری خود آنے والا تھا یا اس کا کوئی پیغام آنے والا تھا مگر میرے لیے ہر دو باتوں کی مساوی اہمیت تھی۔ میں موقع محل کی مناسبت سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں سے کنارہ کش ہونے کے بعد میرے زندہ رہنے کے کیا امکانات ہو سکتے تھے۔

سسلی مافیا کی جنم بھومی کہلاتا تھا۔ روئے زمیں کی تاریخ میں منظم جرائم کی تحریک نے اسی سرزمین پر جنم لیا تھا' غربت' بے روزگاری' قحط' چور بازاری' سرکاری کارندوں کی کھلی ہوئی رشوت خوری اور اقربا پروری جیسے سنگین معاشی اور معاشرتی جرائم کی چکی میں پستے ہوئے عام لوگوں نے مظالم سے نجات حاصل کرنے کی امید میں کھلے دل سے اس تحریک کا ساتھ دیا۔ اس کے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پناہ دی' مفروروں کو چوری چھپے خوراک اور لباس فراہم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مافیا نے اس خطے میں ایک مضبوط متوازی حکومت کا روپ دھار لیا' سرکاری احکام نظرانداز کردیے جاتے تھے لیکن چوپال یا سرائے میں مافیا کے کسی بڑے کے کہے ہوئے الفاظ' فرمانِ امروز بن کر سینہ بہ سینہ ہر طرف پھیل جاتے تھے اور لوگ ان نجات دہندوں کے احکام بجا لانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ وہاں مافیا کو ہمیشہ سے ناقابل شکست طاقت حاصل تھی اس لیے وہ لوگ اپنے ہر فیصلے کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتے تھے لیکن پاکستان کی صورت حال بہت مختلف تھی۔

یہاں مافیا نے کسی تحریک کی کوکھ سے جنم نہیں لیا تھا بلکہ غنڈہ گردی کے عالمی اجارہ داروں نے افیم اور ہیروئن کی اس زرخیز پیداواری منڈی کی شہرت سے متاثر ہو کر یہاں اپنے گرگوں کو مامور کیا تھا اور ان کی سربراہی کے لیے سیٹھ حبیب جیوانی کو جرمنی کی ایک جیل سے فرار کر کے پاکستان پہنچایا تھا۔ حبیب جیوانی کوئی گھاگ مجرم نہیں تھا۔ وہ ہوس کی روندن میں آیا ہوا' ایک بگڑا ہوا سیٹھ تھا۔ تجربے کے اعتبار سے وہ ناپختہ کار تھا۔ اسی وجہ سے ڈان تھری نے اس کی مدد کے لیے میرا تقرر کیا تھا کیونکہ شی سے ٹکر لینے کے بعد شاید میرا نام دنیا بھر کے زیرِ زمین حلقوں میں پھیل گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں ان لوگوں سے ناتا توڑ لیتا تو کم از کم حبیب جیوانی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اصل خطرہ یہ تھا کہ حبیب جیوانی کے ناکام ہونے کے بعد' میری سرکوبی کے لیے باہر سے بھی کسی خرانٹ قاتل کی آمد کے امکانات تھے اور مجھے اگلے روز اسی کے بارے میں صحیح اندازہ قائم کرنا تھا۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا' فلیٹ پر واپس پہنچا تو فلیٹ خالی تھا البتہ میرے چھوڑے ہوئے رقعے کی پشت پر عجلت میں لکھا ہوا' سلطان شاہ کا جوابی پیغام موجود تھا۔

وہ میری غیر حاضری میں فلیٹ پر آیا اور سفری ضروریات کا مختصر سا سامان لے کر فوراً ہی واپس چلا گیا تھا۔ اس کے پاسپورٹ کا حیرت ناک طور پر بندوبست ہو گیا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس محکمے کا وہ کون سا فرض شناس افسر تھا جس نے سلطان شاہ کی ہنگامی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے' رات گئے اس کا پاسپورٹ تیار کر کے اسے تھما دیا تھا۔ اس نے اپنے پیغام میں لکھا تھا کہ وہ صبح پانچ بجے والی پرواز سے بنکاک چلا جائے گا اور وہاں اترنے کے صرف ایک گھنٹے بعد کیتھے پیسیفک ائرلائنز کی اگلی پرواز سے ہانگ کانگ چلا جائے گا۔

اس کا پیغام پڑھنے کے بعد میں دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لیے دعا کیے بغیر نہ رہ سکا۔

سلطان شاہ نے اپنے پیغام میں' فلیٹ سے میری غیر حاضری پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ طیارے میں سوار ہونے تک ائرپورٹ سے وقفے وقفے سے فون کرتا رہے گا تاکہ سفر پر روانگی سے قبل' آخری بار مجھ سے گفتگو کر سکے۔ اس کی روانگی کے انتظامات پر صرف پانچ ہزار روپے کا فاضل خرچ آیا تھا۔

پیغام پڑھ کر میں نے وہ کاغذ تلف کر دیا اور ڈرائنگ روم ہی میں صوفے پر دراز ہو گیا۔ میرا چھوڑا ہوا پینے پلانے کا ساز و سامان میز پر اسی طرح موجود تھا جس طرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ کا فون آیا تو پتا چلا کہ وہ اس کی تیسری کال تھی۔

وہ پہلی مرتبہ کسی بین الاقوامی سفر پر تنہا روانہ ہو رہا تھا اس لیے شاید پرواز کا پہلا اعلان ہوتے ہی ابتدائی مراحل سے گزر کر ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ گیا تھا کیونکہ وہ فون اس نے لاؤنج کے پبلک کال آفس سے کیا تھا۔ میں نے اسے اپنی خیریت سے آگاہ کیا اور اس نے کھل کر بات کرنے کے بجائے اشاروں کنایوں میں یہ بات واضح کردی کہ روانگی کے سلسلے میں ہر کام تسلی بخش طریقے پر انجام پاگیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ نئے آدمی کے لیے کسی بیرونِ ملک ہوائی اڈے پر دوسری پرواز لینے کے لیے ایک گھنٹے کی مدت بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔ ائرلائن کی طرف سے ٹرانزٹ مسافروں کی مناسب رہنمائی کا بندوبست نہ ہو تو امیگریشن والوں کی قائم کی ہوئی رکاوٹوں کی وجہ سے ہوائی اڈے کی عمارت بھول بھلیاں بن کر رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اناڑی مسافر کا بروقت مقررہ لاؤنج میں پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک بار آگے جانے والی کنفرمڈ پرواز نکل جائے تو ٹرانزٹ میں پھنسے ہوئے مسافر کو نئی سیٹ حاصل کرنے میں شدید دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کسی مخصوص ائرلائن کا رعایتی ٹکٹ ہو تو یہ دشواریاں مزید بڑھ جاتی ہیں اور پھنسے ہوئے مسافر کو پردیس میں یتیمی کا احساس ستانے لگتا ہے۔

میں نے ان امکانات کی روشنی میں سلطان شاہ کو چند تیر بہدف تدابیر پر عمل کرنے کا مشورہ دیا اور پورے خلوص کے ساتھ اس کی کامیابی کی دعا کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

○☆○

میں طویل غیر حاضری کے بعد ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچا تو چوکیدار سے شیر شاہ تک، سب ہی نے خوشگوار حیرت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ مجھے اپنے درمیان پاکر وہ سب ہی خوش نظر آنے لگے تھے۔

ٹریڈ لائن کا دفتر شہر کے مصروف ترین کاروباری علاقے میں واقع تھا۔ یوں تو وہ مقامی مافیا کا ہیڈ کوارٹر تھا لیکن اس ادارے کے وجود کا ظاہری جواز اس کی درآمدی سرگرمیوں میں مضمر تھا۔ درآمدی کاروبار کے شعبے میں جو عملہ ملازم تھا اسے سرے سے علم ہی نہیں تھا کہ ٹریڈ لائن کا مافیا یا منشیات کی غیر قانونی تجارت سے بھی کوئی تعلق تھا، دفتری نظام کچھ اس انداز میں استوار کیا گیا تھا کہ درآمدی شعبے کے عملے میں سے کسی کو بھی اس طرف آنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی جہاں میرے اور چیف کے دفاتر واقع تھے۔ سخت ڈسپلن کے نام پر قائم کی گئی، اس تفریق کی وجہ سے کاروباری عملے میں تجسس آمیز سرگوشیاں ضرور جنم لیتی تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ضرورت سے زیادہ متجسس ہونے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اس کی وجہ بہت سیدھی سادی اور قابلِ فہم تھی۔

ان سب کو ان کی تعلیم اور تجربے کے اعتبار سے خاصی بہتر تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ کام کی تقسیم بہت واضح تھی اور ہر شخص اپنی ذمے داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں منیجر کو جواب دہ تھا۔ منیجر کو وقتاً فوقتاً تحریری ہدایات ملتی رہتی تھیں یا کبھی کبھار حبیب جیوانی انٹرکام پر اس سے بات کرلیتا تھا۔

عملے کے اراکین کو ہر پہلی تاریخ پر تنخواہیں ادا کردی جاتی تھیں۔ مقررہ اسکیلز کے مطابق تنخواہوں میں جنوری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

ایسے اچھے بلکہ قابلِ رشک ماحول میں ملازمین کو کیا پڑی تھی کہ وہ ادارے کے سرابرہ کو دیکھنے کی کوشش کرکے اپنی اچھی بھلی نوکریوں کو خطرے میں ڈالتے؟

مجرمانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے والے بیشتر افراد دفتری بلڈنگ کی بالائی منزل کے رہائشی حصے میں رہتے تھے۔ درآمدی عملے کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے دفتر کے کسی حصے میں مجرد افراد کا بسیرا ہے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان نادیدہ حدِ فاصل کھنچی ہوئی تھی جو انہیں ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے بے خبر رکھتی تھی۔

نچلے درجے کے ملازمین میں چوکیدار اور ٹیلی فون آپریٹر کا کام بہت اہم اور دونوں حصوں کے لیے مشترک تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا گیا ہوگا اور ان کے ذریعے ادھر کی بات اُدھر ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رکھا گیا ہوگا۔ تیسرا فرد شیر شاہ تھا جو کسی روک ٹوک کے بغیر ہر جگہ آجا سکتا تھا۔ اسے یہ آزادی سینڈو کی موت کے بعد ملی تھی۔ اس کی زندگی میں شیر شاہ بھی کسی گیدڑ کی طرح سہا سکڑا رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ سارا جائزہ بلاوجہ ہی نمودار نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا بھی ایک سبب تھا۔

دفتری معاملات سے حبیب جیوانی کی لاتعلقی کی وجہ سے میں کبھی کبھار درآمدی شعبے کا راؤنڈ لگالیتا تھا۔ اس روز بھی میں اپنے کمرے میں جانے سے پہلے اس شعبے میں جا نکلا۔ وہاں کے عملے نے خوش دلی سے میرا استقبال کیا اور میں سرسری طور پر ہر ایک کی خیر خیریت معلوم کرتا ہوا ٹائپ رائٹر پر مصروف لڑکی کے قریب پہنچا تو اس کی متورم آنکھیں دیکھتے ہی میں چونک پڑا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر مسکرائی تو اس کی مسکراہٹ میں بھی جبر یا خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

اپنے تجسس پر قابو پاکر، میں نے اس سے آگے بڑھ جانا چاہا لیکن اس نے تقریباً سرگوشیانہ آواز میں مجھے خود ہی روک لیا "سر! میں آپ سے کچھ بات کرنی چاہتی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولو!" میں نے اس کی طرف پلٹ کر ہمدردانہ نرمی کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اس نے میری چبھتی ہوئی نظروں کی تاب نہ لاکر اپنا سر جھکا لیا اور دھیمے سے بولی "یہاں نہیں، میں دفتر یا تخلیئے میں بات کرنی چاہتی ہوں۔" بولتے ہوئے اس کی آواز کسی نامعلوم خوف سے لرز رہی تھی "مجھے معلوم ہے کہ میری اس جسارت کے نتیجے میں مجھے ملازمت سے جواب بھی مل سکتا ہے۔ میں جان بوجھ کر ڈسپلن کی خلاف ورزی کررہی ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سعید صاحب میری بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔"

سعید اس کے منیجر کا نام تھا۔ لڑکی کا انداز اور لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی بدترین الجھن سے دوچار ہے۔

"بیٹھ جاؤ، میں تمہیں بتاؤں گا۔" میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ گفتگو اتنے دھیمے لہجے میں ہوئی کہ عملے کے کسی رکن کو بھی یہاں یہ اندازہ ہی نہیں ہوسکا ہوگا کہ کیا بات ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے درمیان دیکھ کر، ویسے بھی ہر شخص اپنے کام میں انہماک کا مظاہرہ کرنے میں مصروف ہوگیا تھا اس لیے دفتر میں کسی قسم کی چہ مگوئیاں شروع نہیں ہوسکیں لیکن گداز جسم والی اس گوری چٹی لڑکی نے مجھے شدید ذہنی الجھن میں مبتلا کردیا۔

اپنے دفتر میں بیٹھ کر میں نے ٹریڈ لائن کے طریقۂ کار پر تفصیلی غور کیا لیکن میں اپنے ذہن میں ابھرنے والے بڑے سوالیہ نشان کا کوئی جواب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

میرے لیے سب سے سہل طریقہ یہ ہوتا کہ میں بیلا نامی اس لڑکی کو اپنے دفتر میں طلب کرکے فوراً ہی معاملہ صاف کرلیتا لیکن درآمدی شعبے کے کسی ماتحت کو دفتر میں طلب کرنے سے ہر طرف ایک ہلچل سی مچ جاتی اور بیلا کے لیے اپنے تمام ساتھیوں کو جواب دینا محال ہو جاتا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس لڑکی کے رویے میں مجھے رازداری کا بھی پہلو نظر آیا تھا۔ وہ کچھ چھپا بھی رہی تھی اور بات بھی کرنی چاہتی تھی۔ وہ ذہنی طور پر شاید اس قدر پراگندہ تھی کہ یہ بھی نہ سوچ سکی کہ میرے دفتر میں آنے کے بعد وہ اپنے مسئلے کی متوقع رازداری کو کسی صورت میں برقرار نہیں رکھ سکے گی۔ میں نے چائے کی پیالی ختم کرنے تک اس معاملے پر غور کیا لیکن اس کا کوئی حل نہیں تلاش کرسکا۔

بیلا کا مسئلہ اس قدر پُراسرار اور غیر متوقع انداز میں ابھرا تھا کہ انٹرکام پر چیف کی آواز سننے تک میں اس روز کے اہم ترین کام کو بھول کر بیلا کی پہیلی میں کھویا رہا۔

"فارغ ہو تو میرے ہی کمرے میں آجاؤ!" حبیب جیوانی نے کلام دعا کے بعد کہا اور میں رضامندی ظاہر کرتے ہوئے فوراً ہی اٹھا کرسی سے اٹھ گیا۔

دفتر سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سوچا کہ مجھے بیلا کے معاملے میں چیف سے بھی مشورہ کرلینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکے لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔ میری چھٹی حس مجھے اس معاملے کو اپنی ذات تک محدود رکھنے پر مجبور کررہی تھی۔

میں حبیب جیوانی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں اندھیرے اور اجالے کا وہی پُراسرار امتزاج موجود تھا جو خاص خاص مواقع پر دیکھنے میں آتا تھا۔ اپنی بڑی سی سیاہ آبنوسی میز کے پیچھے حبیب جیوانی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور میز کی دوسری جانب رکھی ہوئی کرسیاں پوری طرح روشنی میں تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ مصروف رہنے لگے ہو!" اندھیرے میں سے ابھرنے والی آواز سے سیٹھ حبیب جیوانی کی خوش دلی جھلک رہی تھی "آج میں کافی دنوں کے بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"اور میں تمہارے روبرو موجود ہونے کے باوجود تمہیں دیکھنے سے قاصر ہوں۔"

وہ دھیمے سے ہنسا اور بولا "ہاتھ پیروں کے ساتھ تم زبان کے بھی بہت تیز ہو۔ پہلے روز تم نے سینڈو مرحوم اور اس کے ساتھیوں کی جو درگت بنائی تھی، وہ مجھے اب تک یاد ہے اور تمہاری زبان کے جوہر آہستہ آہستہ کھل رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے مایوسی کے ساتھ شانے اچکا کر کہا "شیر شاہ کے آتے ہی وہ اس طرح مفقود الخبر ہوئی ہے جیسے اپنا وجود ہی کھو بیٹھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ میں نے اس کی تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا ہے لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوگئی ہے۔"

"میرا اندازہ تھا کہ اس بار تم اسے مار لوگے لیکن خیر، کبھی نہ کبھی اسے سامنے آنا ہی پڑے گا۔ اتنا ضرور ہوا ہے کہ تمہاری حرکتوں سے بوکھلا کر ان لوگوں نے میدان کھلا چھوڑ دیا ہے۔ شی کی دلچسپی ختم ہوتے ہی یہاں ہیروئن کے دام گر گئے ہیں اور کھلی منڈی میں مال کی بہتات نظر آنے لگی ہے۔"

"آج دو بجے ڈان کے آنے کا امکان ہے یا اس کا فون آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں تم کو بتا چکا ہوں۔ اس وقت تمہیں یہ بات کیوں یاد آگئی؟"

"میرا خیال ہے کہ کام بڑھانے کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔ اگر ہم روایتی طریقوں سے ہٹ کر نئے طریقے اپنالیں تو ہم روزانہ یہاں سے کئی من ہیروئن ایکسپورٹ کرسکتے ہیں۔ اس بارے میں ڈان ہماری بہترین رہنمائی کرسکتا ہے۔ تم کو اس سے اس بارے میں بات کرنی چاہیے۔"

"تم کن نئے طریقوں کی بات کررہے ہو؟" اس نے گہری دلچسپی کے ساتھ پوچھا "آج کل تو پاکستان سے برآمد کی جانے والی ہر روایتی اور غیر روایتی چیز پر ہیروئن کیریئر کا شبہ کیا جاتا ہے۔"

"آج کل یہاں سے یورپ اور امریکا کے لیے سوتی کپڑوں کے پورے پورے جہاز جارہے ہیں۔ ہر کنٹینر میں لدے ہوئے سیکڑوں ڈبوں میں آٹھ دس ڈبے ہیروئن کے ہوں تو ان کا پکڑا جانا ناممکنات میں سے ہے۔ پورے کنٹینرز کو خالی کیے بغیر، آخر میں رکھے ہوئے ڈبوں کو چیک کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ منزل پر پہنچنے کے بعد کنٹینرز بندرگاہ کے بجائے اپنے گوداموں میں خالی کیے جائیں تو پکڑے جانے کا امکان اور بھی کم ہو جاتا ہے۔"

"اس طرح تو چمڑے کے ملبوسات کی آڑ بھی لی جاسکتی ہے۔ چمڑے کا سامان عام طور پر ہوائی جہاز سے بھیجا جاتا ہے۔ ایک ہفتے میں مال اِدھر سے اُدھر ہوسکتا ہے۔" اس نے فوراً اپنی جوابی تجویز

پیش کردی۔

”اول تو بندرگاہوں کے مقابلے میں ہوائی اڈوں پر کسٹم اور نگرانی کے کڑے انتظامات ہوتے ہیں۔ یورپ کے بعض ہوائی اڈوں پر تو کتے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ چرمی ملبوسات کا ہر ڈبا انفرادی طور پر کھولا اور دیکھا جاسکتا ہے۔ میں چالیس فٹ لمبے کنٹینرز کی بات کررہا ہوں۔ انہیں خالی کرنا اور دوبارہ بھرنا آسان کام نہیں ہوتا ویسے بھی بندرگاہوں پر مخبری کے بغیر بہت کم منشیات پکڑی جاتی ہیں۔“

”تمہاری آخری بات میں وزن ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”میں ڈان سے بات کروں گا۔ میدان خالی ہونے کے بعد ہمیں اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ پچھلے دنوں آئے ہوئے افغانیوں سے بہت اچھا سودا ہوا تھا۔ ان کی طرف سے پانچ کلو یومیہ کی مسلسل سپلائی مل رہی ہے۔“

”مال کیسے آرہا ہے؟“ میں نے اس اطلاع میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”ان کی سپلائی لائن بہت محفوظ اور قابلِ رشک ہے۔“ اندھیرے میں سے جواب آیا ”آزاد قبائلی علاقے میں سرحدی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ایک آدمی افغان علاقے سے مال لے کر پشاور میں کسی کے حوالے کرتا ہے۔ پشاور سے دوسرا آدمی جہاز سے بریف کیس میں مال لے کر کراچی آتا ہے اور فون پر شیرشاہ سے رابطہ کرکے وقت اور مقام کا تعین کرکے اس کے مطابق بریف کیس شیرشاہ سے بدل لیتا ہے۔ اس پورے بندوبست میں ہمیں دو طرفہ ٹکٹ کے علاوہ صرف دس ہزار روپے یومیہ دینے پڑرہے ہیں جو میری نگاہ میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔“

”لیکن کسی بھی آدمی کا روزانہ ہوائی سفر‘ ہوائی اڈوں کی نگرانی پر مامور اہل کاروں کو اس کی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔ پھر پشاور کراچی روٹ پر تو ویسے بھی کڑی نگرانی رہتی ہے۔“ میں نے رائے ظاہر کی۔

وہ میرے اندیشے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا پھر بولا ”وہ لوگ کھانے پینے کے معاملے میں اجڈ اور وحشی نظر آتے ہیں لیکن اپنے کام کے ہر نشیب و فراز پر نظر رکھتے ہیں۔ انہیں ہوائی سفر اور کراچی دیکھنے کے بہت سے شوقین مل جاتے ہیں جو یہاں دو تین دن گزارنے کی خاطر بہ آسانی ان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے پاس پندرہ بیس آدمیوں کی ٹیم ہے‘ وہ باری باری سفر کرتے ہیں اس لیے کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔“

قدرے توقف کے بعد وہ پھر بولنے لگا ”میرا خیال ہے کہ اب تمہیں ہمارے ساتھ آئے ہوئے کافی عرصہ ہوچکا ہے۔ بہتر ہوگا کہ مال کی وصولی اور پھر آگے روانگی کے انتظامات تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ تم اپنی ذہانت سے کام لے کر بزنس کو بہت آگے لے جاسکتے ہو۔“

”میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔“ میں نے مبہم سا جواب دے کر‘ وہ بات وہیں ختم کردی کیونکہ میرے ذہن پر ایک بار پھر بیلا کا مسئلہ سوار ہونے لگا تھا۔

”میں کچھ دیر کے لیے باہر جارہا ہوں لیکن ایک بجے تک واپس لوٹ آؤں گا۔ اس دوران میں تم دفتر ہی میں موجود رہنا۔ ہوسکتا ہے کہ باہر سے کوئی اہم کال آجائے۔“

میں واپس اپنے کمرے میں لوٹ آیا لیکن بیلا کا مسئلہ بدستور میرے سر پر سوار تھا۔

اس بارے میں دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ میں ٹریڈ لائن کی دفتری روایات کو خیرباد کہتے ہوئے‘ بیلا کو اپنے دفتر میں طلب کرلیتا اور اسے اپنے دفتری ساتھیوں کی بے رحمانہ جرح کا نشانہ بننے پر مجبور کردیتا۔ اس امکان سے وہ خود بھی واقف تھی بلکہ ذہنی طور پر اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار بھی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں دفتری اوقات کے بعد اس سے باہر ملاقات کرکے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح دفتر میں کسی کو کانوں کان بھی اس ملاقات کا علم نہ ہوپاتا اور حقائق میرے علم میں آجاتے۔

میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد انٹرکام پر بیلا سے بات کرنے کے بجائے اپنے ڈائریکٹ فون پر ٹریڈ لائن کے بورڈ کا نمبر ملایا کیونکہ انٹرکام پر ہونے والی گفتگو بھی دوسروں کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ میں نے آپریٹر کو اپنا فرضی نام بتاتے ہوئے نبیلہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے دفتر میں بے تکلفی کے ساتھ بیلا کہا جاتا تھا لیکن اس کا اصل نام نبیلہ تھا۔

آپریٹر نے فوری طور پر میری کال نبیلہ کو منتقل کردی۔ مجھے معلوم تھا کہ درآمدی شعبے میں عملے کی نجی ضروریات کے لیے ایک الگ تھلگ گوشے میں فون موجود رہتا تھا جہاں کوئی بھی شخص‘ پوری رازداری کے ساتھ فون پر گفتگو کرسکتا تھا۔

”تم مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہو‘ بیلا؟“ میں نے نرمی سے پوچھا۔

”اوہ‘ آپ؟“ میری آواز سن کر شاید وہ حیران رہ گئی ”میں آپ کی احسان مند ہوں کہ میری وجہ سے آپ نے اتنی احتیاط سے کام لیا‘ لیکن میں جانتی ہوں کہ میں زیادہ دنوں تک اس دفتر میں نہیں رہ سکوں گی‘ آپ مجھے اپنے دفتر میں طلب کرلیں‘ نتائج کی ذمے داری میری اپنی ہوگی۔“

”تم چاہو تو میں دفتر سے چھٹی ہونے کے بعد بھی تمہیں وقت دے سکتا ہوں۔“

”بے سود ہے“ اس کی آواز بھرّا گئی ”دفتر سے نکلنے کے بعد بھی نادیدہ نگاہیں میرا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ بھی کسی کی نظروں میں آجائیں۔ میں آپ سے مل کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ یہ کام دفتر ہی میں مناسب رہے گا۔“

”ٹھیک ہے‘ میں تمہیں بلاتا ہوں۔“ میں نے تھکے ہوئے انداز میں فون بند کردیا۔

میں نئی سگریٹ سلگا کر چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں دھواں اُڑاتا رہا پھر میں نے انٹرکام سے سعید کو ہدایت کی کہ وہ بیلا کو میرے دفتر میں بھیج دے۔

شیرشاہ اپنے بڑوں کے دفاتر کی دیکھ بھال کے لیے کسی شکاری کتے کی طرح ان ہی اطراف میں منڈلاتا رہتا تھا اس لیے اس نے راستے ہی میں بیلا کو روک لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر میرے دفتر میں آگیا۔

”تم جاؤ‘ اسے میں نے ہی بلایا ہے۔“ میں نے شیرشاہ کو گھورتے ہوئے کہا اور وہ الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

”بیٹھ جاؤ!“ میں نے بیلا کو سر سے پیر تک غور سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

بیلا گوری چٹی اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس روز میں نے پہلی بار اندازہ لگایا کہ وہ خاصی پُرکشش بھی تھی لیکن اس وقت اس کی متورم آنکھوں سے زندگی کی حرارت کے بجائے ویرانی مترشح تھی۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں کے گوشے یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ کوشش کرکے رونے سے گریز کررہی ہو۔

”سس.... سر! میں بہت خوف زدہ ہوں۔“ اس نے نظریں اٹھائے بغیر‘ لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”قصہ کیا ہے؟ جب تک تم مجھے تفصیل نہیں بتاؤگی‘ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکوں گا۔“

”آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس دفتر میں بہت پُراسرار ماحول میں کام کرتے ہیں۔“ وہ رک رک کر بولنے لگی ”حد تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے آج تک اپنے چیف کا سایہ بھی نہیں دیکھا۔ سارے خطوط پر سعید صاحب دستخط کرتے ہیں۔ میں نے ریکارڈ میں دیکھا ہے کہ ہمارے چیف کا نام اکبر علی شیرازی ہے۔“ اس مرحلے پر اس نے خاموش ہوکر استفسار طلب نگاہوں سے پہلی بار میری طرف دیکھا اور میں مشینی انداز میں اپنے سر کو خفیف سی اثباتی جنبش دے کر رہ گیا۔

”میں پنجاب میں اپنے شوہر سے خلع لینے کے بعد کراچی آئی ہوئی ہوں۔“ اس نے اپنی کہانی جاری رکھی ”کیونکہ یہاں اچھی تنخواہیں ملتی ہیں۔ میں سکون کے ساتھ گلشن اقبال میں دو کمروں کے ایک فلیٹ میں رہ رہی ہوں اور دفتر سے سیدھی وہیں جاتی ہوں لیکن کچھ عرصہ پہلے ایک آدمی نے قیمتی کار میں میرا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ پہلے ایک دو روز تک میں نے اتفاق سمجھ کر اسے نظرانداز کردیا لیکن جب وہ بس سے آگے پیچھے گاڑی دوڑاتا ہوا‘ باقاعدگی سے وہاں پہنچنے اور اشارے بازی کرنے لگا تو میں پریشان ہوگئی۔ ایک دن وہ دیدہ دلیری کے ساتھ میرے فلیٹ پر پہنچ گیا‘ دستک کے جواب میں اسے اپنے سامنے دیکھ کر میں خوف زدہ ہوگئی۔ میں اسے ڈانٹتی‘ پھٹکارتی تو وہاں ہنگامہ کھڑا ہوجاتا اور میں اکیلی رہنے کی وجہ سے پڑوسیوں میں بدنام ہوجاتی۔ سستے کرائے کا وہ فلیٹ مجھ سے خالی بھی کرایا جاسکتا تھا۔ میری خاموشی اور بدحواسی سے وہ شیر ہوگیا اور اس نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کردیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے دست درازی کرکے گھٹیا حرکتوں کا مظاہرہ کرے گا لیکن وہ بہت شائستگی کے ساتھ میری تعریفیں کرتا ہوا ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کی شکل صورت اچھی تھی۔ وہ باحیثیت بھی نظر آتا تھا اور پھر میں بھی اپنے شوہر سے خلع لینے کے بعد تنہائی کا عذاب سہہ رہی تھی۔ اس لیے میں اس کی لچھے دار باتوں میں آکر بہک گئی۔ اس نے مجھے اپنا نام اکبر علی بتایا تو مجھے شبہ بھی نہیں ہوسکا کہ وہ میرا چیف ہوگا۔ اگلے دن‘ میں اس کی ہدایت کے مطابق اپنے فلیٹ سے پہلے‘ حسن اسکوائر پر بس سے اتر گئی اور وہ مجھے گاڑی میں اپنے شاہانہ فلیٹ پر لے گیا۔ وہ شراب کا رسیا ہے لیکن کبھی بھی آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ اس دوران میں‘ میں نے کئی راتیں اس کے فلیٹ پر بھی گزاریں۔ وہ منہ اندھیرے مجھے گلشن اقبال چھوڑ آتا تھا۔ اس دوران میں مجھے پرانے اخبارات کا ایک بنڈل مل گیا۔ اکبر علی سویا ہوا تھا۔ میں نے باتھ روم میں چھپ کر اخبارات کھولے تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میں جس آدمی کے ساتھ رہ رہی تھی وہ ہیروئن کی اسمگلنگ کا ایک سزا یافتہ مجرم تھا۔ اخباروں میں اس کی تصویروں کے نیچے سیٹھ حبیب جیوانی کا نام لکھا ہوا تھا۔ اسے جرمنی میں قید کی سزا ہوئی تھی اور وہ قید ختم ہونے سے پہلے ہی مرگیا تھا۔ وہ تفصیلات پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ کسی بدروح کے ساتھ راتیں بسر کرنے کے احساس سے میں دہشت زدہ ہوگئی اور میں نے اخبارات لپیٹ کر اسی طرح واپس رکھ دیے۔ اب میں اس شخص سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں لیکن وہ جونک بن کر میرے وجود سے چمٹا ہوا ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ میں اپنی موجودہ رہائش ترک کرکے مستقل اس کے ساتھ رہنا شروع کردوں لیکن یہ میرے بس سے باہر ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانے کی بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ میں نوکری چھوڑ کر ملتان واپس چلی جاؤں۔“

وہ خاموش ہوکر‘ اپنی آنکھوں میں اتری ہوئی نمی کو خشک کرنے میں مصروف ہوگئی۔

میں سمجھ چکا تھا کہ وہ سیٹھ حبیب جیوانی کے ہی چنگل میں پھنسی ہوئی تھی‘ اپنی ویران اور بے رنگ راتوں میں شباب کی رونق سجانے کے لیے اس مردود نے اپنے ہی دفتر کی ایک حسین و جمیل لڑکی پر ڈورے ڈالے ہوئے تھے۔ پھر بھی میں نے انجان بن کر پوچھا ”تم نے یہ نہیں بتایا کہ اس قصے میں چیف کہاں سے آگیا۔“

”وہ اکبر علی کے نام ہی سے رہتا ہے۔ اخبارات دیکھنے کے بعد میں بہت زیادہ متجسس ہوگئی اور موقع پاکر اس کی چیزوں کی تلاشی

لینے لگی۔ اسی دوران میں مجھے ایک خفیہ خانے سے کچھ خطوط اور وزیٹنگ کارڈ ملے۔ ان سب پر اکبر علی شیرازی کا نام تھا۔ اس انکشاف نے مجھے بالکل ہی بے جان کردیا۔ اب میں چیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آپ سے مدد کی بھیک لینے آئی ہوں۔" وہ سسکیوں کے ساتھ چپکے چپکے رونے لگی۔

"اسے معلوم ہے کہ تم اس کے کاغذات وغیرہ دیکھ چکی ہو؟" میں نے اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو زور زور سے نفی میں جنبش دی اور روتے ہوئے بولی "مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔ جو ٹریڈ لائن کی آڑ میں کوئی اور ہی چکر چلا رہا ہے۔ میں اسے خوش رکھنے کی کوششوں کے باوجود اپنے خوف پر قابو نہیں پا سکی۔ جب بھی مجھے یہ یاد آتا کہ سیٹھ حبیب جیوانی مرچکا ہے تو میرا بدن ٹھنڈا پڑ جاتا۔ اس تبدیلی کو اس نے بھی محسوس کرلیا۔ پھر اسے پتا چل گیا کہ میں نے اخبارات سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ شاید میں نے خوف اور گھبراہٹ میں اخبارات کا بنڈل غلط جگہ پر رکھ دیا تھا۔ میرے سامنے اعتراف کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا لیکن میں نے اسے خطوط اور اس کے وزیٹنگ کارڈز کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"اخبارات کے بارے میں اس کے پاس کیا جواب تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس نے میری دہشت کا دل کھول کر مذاق اُڑایا اور کہا کہ وہ حبیب جیوانی ہی ہے۔ اسے غلط فہمی میں سزا ہوئی لیکن وہ جرمنی کی جیل سے بھاگ آیا۔ جیل کے حکام نے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے، کسی لاوارث لاش کو حبیب جیوانی کا نام دے دیا اور وہ اکبر علی کے نام سے پاکستان میں عیش کررہا ہے۔"

"اُس کی یہ وضاحت قابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ مغربی ممالک میں پاکستانیوں کے جرائم کو عموماً بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہوا ہو۔"

"اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ میرے دل سے یہ دہشت بھی نکل چکی ہے کہ میں ایک مُردہ شخص کے بھوت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہوں لیکن پھر بھی میرے دل میں اس کی طرف سے خوف، نفرت اور کراہت جاگزیں ہوچکی ہے۔ میں نے آج تک ٹریڈ لائن کے چیف کی جھلک تک نہیں دیکھی لیکن وہ نہ جانے کب سے مجھ پر نگاہ رکھے بیٹھا تھا۔ اچھی تنخواہوں اور سہولتوں نے سب کی زبانیں بند کی ہوئی ہیں لیکن دفتر میں ہر شخص جانتا ہے کہ ٹریڈ لائن کی آمدنی کے ذرائع خفیہ اور غیر قانونی ہیں۔ میں اب یہاں رکی رہی تو نفسیاتی مریضہ بن کر پاگل خانے پہنچ جاؤں گی۔"

"وہ تمہیں اس قدر پسند کرتا ہے تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟ ایک مضبوط رشتے میں بندھ جانے کے بعد بہت سے رازوں سے خود بخود پردہ اٹھ جاتا ہے۔"

"ابتدا میں میری سوچ یہی تھی کہ دوستی آگے چل کر شاید بڑھ کا سہارا بن جائے لیکن وہ آزاد بھونرے کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں انکشافات ہونے کے بعد میں تو بھی ایک مجرم کی بیوی بننے کا تصور نہیں کرسکتی۔ میں ایک غریب گھرانے کی پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ تعلیم نے مجھے عزت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بہت مدد دی ہے۔"

"اکبر علی یا حبیب جیوانی کے ہوس ناک عزائم کے سامنے سر جھکا کر تم نے کون سا باعزت کام کیا ہے؟"

"وہ میری بہت بڑی بھول تھی۔ اپنے اندر ابلتے ہوئے منہ زور حیوانی جذبات کو لگام دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ راتوں کی سیاہی میں، کھیتوں اور کھلیانوں سے لے کر بڑے گھرانوں تک میں نہ جانے کتنے گناہ کیے جاتے ہیں۔ رازداری برقرار رہے تو کسی بھی شریف کے دامن پر ان گناہوں کا ہلکا سا داغ بھی نظر نہیں آتا۔ بات کھل جاتی ہے تو اپنی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے، سب ہی انگشت نمائی شروع کردیتے ہیں۔ میں کوئی کنواری لڑکی نہیں تھی گندم کے خمار سے آشنا ہونے کے بعد سے بزرگ اور ولی بھی اسی پر پلتے چلے آرہے ہیں۔ میں کوئی جواز نہیں دے رہی، سرا! میں نے بہت برا کیا۔ وہ میرا گناہ تھا لیکن وہ ایک انسانی لغزش تھی اور اب میں اس سے تائب ہونا چاہتی ہوں۔ چھوٹی اور پسماندہ بستیوں والوں کو بڑے شہروں کی چکاچوند راس نہیں آتی۔ ملتان میں اپنی بوڑھی ماں اور شیر خوار بچے کے ساتھ میں زیادہ خوش رہوں گی۔" میرے چبھتے ہوئے سوال پر وہ یک بیک جذباتی ہوگئی۔

"تمہاری آنکھیں متورم ہیں۔ پچھلی رات تم کہاں تھیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"چیف کے فلیٹ پر ہی تھی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر پژمردہ لہجے میں کہا "پچھلی رات چند فون کالز کی وجہ سے وہ پریشان تھا۔ کسی نے اس کے نمبر پر اس کے اصل نام سے فون کیا تھا۔"

"تو کیا اس کے جاننے والوں میں سے کوئی اصلیت سے باخبر نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کم از کم وہ تو یہی کہہ رہا تھا۔ دو مرتبہ میں نے ایک ہی آواز سنی، تیسری مرتبہ کسی نئے آدمی نے اسے چڑانے کی کوشش کی تھی۔ ان واقعات کے بعد اس کا موڈ بہت خراب ہوگیا تھا اور وہ کسی معمولی غنڈے کی طرح اپنے نامعلوم حریفوں کو گندی گندی گالیاں دے کر سب کچھ تباہ کردینے کے دعوے کررہا تھا۔ اس سے بات کرنے والے نے شاید میرے بارے میں بھی زہر اگلا تھا۔ کیونکہ بعد میں اس نے مجھ سے اس بارے میں کافی تلخ کلامی کی تھی۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کراچی منتقل ہونے کے بعد میں نے اس کے علاوہ اور کس سے دوستی کی تھی۔ مجھے قسمت کی اس ستم ظریفی پر شدت سے رونا آیا کہ جو ظالم اور مجرم تھا، وہ ساہوکار بنا ہوا تھا

اور میں اپنی بے گناہی کے باوجود اس کے سامنے مجرم بن گئی تھی۔"

اس کے جواب نے میرے ذہن سے الجھن دور کردی۔ یہ بڑا غنیمت ہوا کہ بیلا مجھ سے دوبدو بات کرتے ہوئے میری اصل آواز اور فون پر سنی ہوئی آواز میں کوئی مماثلت محسوس نہیں کرسکی تھی۔ اسے میری آواز پر ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا تو وہ پل بھر میں مجھے بھی حبیب جیوانی والی صف میں کھڑا کردیتی۔

"چھوٹے موٹے دفتروں میں مالکان اپنی دلبستگی کے لیے اپنی من پسند لڑکیوں کو ملازم رکھ لیتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی "لیکن بڑے اداروں میں سربراہ کو عملے کا سرپرست بلکہ باپ تصور کیا جاتا ہے۔ میں نے یہی سوچ کر ٹریڈ لائن میں ملازمت کی تھی مگر یہاں تو کھلا اندھیر ہے۔ اپنے ماتحتوں کی عزت کا رکھوالا ہی شکاری بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسا شریف اور نفیس آدمی اس کے ساتھ کیسے چل رہا ہے!"

"میں یہاں اکبر علی شیرازی کے ساتھ کام کرتا ہوں۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "مجھے تو تم بتارہی ہو کہ اس کی شخصیت کا کوئی دوسرا روپ بھی ہے۔ مجھ میں اور دوسرے ملازمین میں صرف اتنا فرق ہے کہ میں سب سے سینئر ہوں اور وہ میرے ماتحت ہیں۔ اپنی نجی زندگی میں اکبر صاحب کیا کرتے ہیں' اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو خوب صورت عورت کو دیکھتے ہی اسے گھیرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ تمہارا اپنا کردار مضبوط ہوتا تو تم پہلے ہی مرحلے پر انہیں دھکے دے کر اپنے فلیٹ سے بھگا سکتی تھیں۔"

"کم از کم مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ نے میری کہانی پر یقین کرلیا۔ میں کسی اور کے سامنے زبان کھولتی تو وہ میری باتوں پر سرے سے اعتبار ہی نہ کرتا۔ آپ خود ہی بتائیں کہ ان حالات میں' میں اپنی نوکری کس طرح جاری رکھ سکتی ہوں؟ اگر آپ آج ہی میرا حساب ادا کرادیں تو میں عمر بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔ تم اپنی جگہ پر جاؤ اور اپنے کسی بھی ساتھی سے کسی بات کا ذکر نہ کرنا۔ کوئی حماقت کی تو اس کے سنگین نتائج کی تم خود ذمے دار ہوگی۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ کن سنگین نتائج کا حوالہ دے رہے ہیں؟ اپنے درندہ صفت چیف کا کھلونا بننے کے بعد میرے لیے ایسا کون سا خطرہ باقی رہ گیا ہے' جس کی مجھے پروا ہو۔ یا وہ مجھے ہلاک بھی کروا سکتا ہے؟"

اپنے آخری سوال پر وہ خود بھی دہشت زدہ ہوگئی۔ وہ امکان ہی اس قدر لرزہ خیز تھا کہ میں اس پر کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا لیکن میرے دل میں وہی خوف جاگزیں ہوچکا تھا۔ حبیب جیوانی کو بھنک بھی مل جاتی کہ بیلا اس کی اصلیت سے واقف ہوچکی ہے تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کی موت کا پروانہ جاری کرسکتا تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ کہا "ہر بات کا انحصار اس امر پر ہے کہ جو کچھ تم نے بتایا' اس میں صداقت کتنی ہے۔ میری معلومات محدود ہیں لیکن احتیاط اور عقل مندی کا تقاضا ہے کہ تم سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھو۔ کوئی بھی شخص اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے آخری حدوں تک جاسکتا ہے۔"

"اِن مشوروں کا شکریہ!" وہ بھرّائی ہوئی آواز کے ساتھ کرسی سے اٹھ گئی "آپ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ کل مجھے اس منحوس دفتر میں نہیں آنا پڑے گا جہاں مجازی باپ اپنی بیٹیوں پر دانت لگائے بیٹھا رہتا ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی کے ساتھ اسے واپس جاتے دیکھتا رہا۔

نبیلہ کی کہانی نے مجھے شدید ذہنی جھٹکا پہنچایا تھا۔ اس کی بعض باتوں میں خاصا وزن تھا۔

پھر دوسری طرف حبیب جیوانی کا ناقابلِ فہم رویّہ تھا جس کا کوئی بھی جواز نہیں تھا۔

اپنی بیوی کی ہلاکت کے بعد وہ جبری تجرد کی زندگی گزار رہا تھا اور یہ بات تسلیم کی جاسکتی تھی کہ اپنی ضروریات کے لیے اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ جوان' خوبرو اور صحت مند تھا۔ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی' شہر کے ہوٹلوں اور دیگر تفریح گاہوں میں اسے بیلا سے ہزار درجے بہتر اور خوب صورت لڑکیوں کی رفاقت مل سکتی تھی پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس کی نگاہِ انتخاب بیلا پر ہی کیوں پڑی۔

ہاٹ لائن پر آنے والے پیغام نے میرے ان پریشان کن خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

حبیب جیوانی خفیہ راستے سے باہر جانے کے بعد دوبارہ اپنے دفتر میں آچکا تھا اور مجھے بلا رہا تھا۔

"بیلا تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" میرے بیٹھتے ہی اس نے سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔ شاید اسے شیر شاہ کے ذریعے اس واقعہ کی خبر مل چکی تھی اور وہ اسی پر مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

"وہ تم سے خوف زدہ بلکہ دہشت زدہ ہے اور نوکری چھوڑنا چاہتی ہے۔" میں نے کسی گھماؤ پھراؤ کے بغیر براہِ راست اسے اصل بات سے آگاہ کردیا۔

"کیوں؟" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "وہ مجھے کیسے جانتی ہے؟"

"وہ حبیب جیوانی عرف اکبر علی نامی ایک شخص سے خوف زدہ ہے۔ وہ شخص زبردستی اس کا عاشق بن بیٹھا ہے۔ بیلا کو یہ معلوم نہیں کہ وہی آدمی ٹریڈ لائن کا چیف بھی ہے۔ اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کھیل تمہارا ہی ہوسکتا ہے۔ میں آج اسے نوکری سے فارغ کرادوں گا۔"

"میرا خیال تھا کہ وہ راہِ راست پر آچکی ہے لیکن اس کے دماغ میں ابھی تک زہر بھرا ہوا ہے۔" اندھیرے میں اس کی غصیلی بڑبڑاہٹ ابھری پھر اس نے مجھ سے سوال کیا "اس کا مطلب ہے کہ اس نے تمہیں پوری کہانی سنائی ہوگی۔ پتا نہیں وہ کیا چاہتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں..... وہ بڑے شہر کی بڑی باتوں سے خوف زدہ ہوگئی ہے اور اپنے پرانے ماحول میں واپس لوٹ جانا چاہتی ہے۔ میں آج بھی دفتر نہ آیا ہوتا تو وہ کسی اور کو اپنا رازدار بنالیتی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ بالکل لبریز ہوچکا ہے....."

اس نے میری بات کاٹ دی اور تیز لہجے میں غرّایا "وہ بالکل الّو کی پٹھی ہے۔ میں اس کی زندگی سنوارنی چاہ رہا تھا لیکن وہ خود کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے تو پھر ایسا ہی سہی' تم اس کو فارغ کرادو۔"

اندھیرے کی وجہ سے میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن اس کی گفتگو سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے تیور خراب تھے۔ ایسے ماحول میں اس سے مزید کوئی بات کرنی بے سود تھی۔ اس لیے میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی ورنہ میں اس سے اتنا ضرور پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا اس کے لیے کراچی جیسا وسیع و عریض شہرِ خرابات بالکل ہی بنجر ہوگیا تھا جو اس نے اپنی آتشِ ہوس سرد کرنے کے لیے اپنے ہی گھر پر بری نگاہ ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا؟

"وہ اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ تمہارے گھر پر' پرانے اخبارات کا بنڈل اس کے ہاتھ نہ لگا ہوتا تو اس کے ساتھ تمہاری دوستی برسوں چل سکتی تھی۔" تنقید کرنے کے بجائے میں نے دوسرے انداز سے اسے چھیڑا۔

"معلوم ہونے اور واقعی ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس کی تلخ آواز ابھری "وہ نیک ہوتی تو میری لاعلمی میں درازوں اور الماریوں کی تلاشی نہ لیتی پھرتی۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ وہ زیادہ وقت گزرنے سے پہلے ہی' میرے سامنے بے نقاب ہوگئی ورنہ وہ کسی دن یہ سراغ بھی لگا سکتی تھی کہ میں ہی ٹریڈ لائن کا چیف بھی ہوں۔ دراصل نالی میں پلنے والے کیڑے غلاظت ہی میں خوش رہتے ہیں۔ انہیں خوشبودار پھولوں کی کیاریوں میں پالنے کی کوشش کی جائے تو بہت جلد گھٹ کر مرجاتے ہیں۔"

"اجازت ہو تو میں تمہارے انٹرکام سے ہی سعید کو ہدایت دے دوں۔"

"یہ کام تم اپنے کمرے سے کرو تو بہتر ہوگا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا "نبیلہ کو یہ ضرور بتادینا کہ اس نے دوسروں میں زہر پھیلانے کی کوشش کی تو میں اس کا حشر خراب کردوں گا۔"

"میں اسے ایسی ہدایت دے ہی نہیں سکتا۔" میں نے معصومانہ حیرت سے کہا "اس نے مجھے اپنے کسی شناسا کا قصہ سنایا ہے۔ اسے خود بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ حبیب جیوانی ہی ٹریڈ لائن کا چیف ہے۔ پھر میں ایک اجنبی کے بارے میں اسے کیا کہہ سکتا ہوں؟"

میری تاویل پر وہ قدرے چڑ کر بولا "ایک عمومی ہدایت تو دے ہی سکتے ہو کہ وہ اپنی کہانی اپنے ساتھ ہی لے جائے ورنہ اس کے قصے ہمارے دفتر میں گردش کرتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے!" میں سر جھکا کر اس کے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

میرے باہر جاتے ہی اس کے دروازے پر سرخ بلب روشن ہوگیا جس کا مطلب تھا کہ وہ تخلیہ چاہتا تھا۔

حبیب جیوانی اپنے دفتر میں بیٹھ کر بھی ساری باتوں سے باخبر رہتا تھا اس لیے میں نے ایک بار پھر بیلا کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔ خوف اور پریشانی سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ میرے سامنے زبان تو کھول بیٹھی تھی مگر اسے یقین نہیں تھا کہ اس جسارت کے نتیجے میں اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا جائے گا۔

اس کے اندر آتے ہی میں نے انٹرکام پر سعید کو ہدایت کی کہ وہ فوراً بیلا کا حساب تیار کرادے تاکہ میرے دفتر سے واپسی پر اسے فوراً ملازمت سے فارغ کیا جاسکے۔

میری ہدایت سن کر بیلا کے چہرے پر ممنونیت کے جذبات اُمڈ آئے اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر' دبی دبی آواز میں بے ساختہ رونے لگی۔

"جو تم چاہتی تھیں اس کا بندوبست ہوگیا ہے لیکن دفتر کے کسی آدمی سے اپنے مسئلے پر بات نہ کرنا۔ حساب وصول کرو اور خاموشی کے ساتھ چلی جاؤ۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تمہیں کراچی میں ٹھہرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہاں سے جلد از جلد ملتان روانہ ہوجاؤ۔ تمہارے حق میں یہی بہتر رہے گا۔"

"میں چلی جاؤں گی لیکن مجھے اس طرح خوف زدہ نہ کریں۔" وہ رونے کے دوران میں بولی "میں نوکری چھوڑ کر شاید بالکل ہی اکیلی رہ جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

اسے کچھ دیر تک سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے واپس لوٹا دیا۔

نبیلہ ایک لڑکی تھی۔ اس نے دفتر آتے ہی مجھے اپنے مسئلے میں الجھا لیا تھا لیکن اس کا معاملہ طے ہوتے ہی میرا ذہن غزالہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے حالات بہت مختلف اور باوقار تھے۔ لیکن وہ بھی ایک لڑکی ہی تھی اور پردیس میں غیریقینی صورتِ حال سے دوچار تھی۔ میں صرف امید ہی کرسکتا تھا کہ سلطان شاہ نے وہاں پہنچ کر صورتِ حال کو سنبھال لیا ہو۔

میرے اپنے حساب سے ڈان کے پیغام کا صرف ایک بہانہ تھا ورنہ قدرت نے مجھے بیلا کی مدد کرنے کے لیے کراچی میں روکا تھا۔

اس روز میں ٹریڈ لائن کے دفتر آنے کے بجائے ہانگ کانگ روانہ ہوگیا ہوتا تو بیلا اپنی مدد کے لیے کسی سے بھی رجوع نہیں کرسکتی تھی۔ وہ دفتر میں جس کسی کو یہ بتاتی کہ اس کا چیف ایک مجرم ہے اور روپ بدل کر' نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اسے اپنا کھلونا بنائے رکھنے پر تلا ہوا ہے تو وہ اس کی الزام تراشی پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ قوی امکان یہ تھا کہ شیر شاہ وغیرہ کے ذریعے وہ خبر حبیب جیوانی تک پہنچ جاتی اور بیلا کو اسی عمارت کے کسی گمنام گوشے میں نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کردیا جاتا۔

حبیب جیوانی مافیا کا یورو چیف تھا اور اس پر الزام تراشی کی سزا معمولی نہیں ہوسکتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے ایک نیک کام انجام دیا ہے تو اس کے صلے میں قدرت کو غزالہ پر مہربان ہوجانا چاہیے۔

دو بج گئے لیکن حبیب جیوانی نے مجھے اپنے کمرے میں طلب نہیں کیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ لمحہ بھر کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں اس نے بیلا کو اپنے کمرے میں نہ طلب کرلیا ہو۔ بیلا وہاں جاتی تو اپنے چیف کی آواز سنتے ہی' ہر احتیاط کو فراموش کرکے جذباتی ہوجاتی اور ہذیان کے عالم میں ایسی باتیں بھی اگل سکتی تھی جو اس نے حبیب جیوانی سے چھپائی ہوئی تھیں۔

ایسی باتیں سننے کے بعد وہ بیلا کا تو جو حشر کرتا' سو کرتا لیکن میری طرف سے بھی اس کے دل میں بدگمانیاں پیدا ہوسکتی تھیں کہ میں نے اس کے مقابلے میں دفتر کی ایک معمولی ملازمہ کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو تحفظ دینے کی کوشش کی۔ جب مزید دس منٹ گزر گئے تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ مجھ سے ناراض نہ ہوگیا ہو۔

اندر کی صورتِ حال کا سراغ لگانے کے لیے میں نے شیر شاہ کو طلب کیا تو پتا چلا کہ وہ فوری نوعیت کے کسی اہم کام سے باہر جاچکا تھا۔ وہ کہاں اور کتنی دیر کے لیے گیا تھا؟ اس بارے میں سب لاعلم تھے۔

میرے ذہنی تناؤ میں بہت تیزی کے ساتھ اضافہ ہونے لگا جس کے نتیجے میں میری ایش ٹرے میں ادھ جلی سگریٹوں کی تعداد میں بھی تیزی سے بڑھنے لگی۔

میں نے اضطراری طور پر سعید سے دریافت کیا تو پتا چلا کہ میری ہدایت ملنے کے دس منٹ بعد ہی بیلا کو اس کے واجبات ادا کرکے دفتر سے روانہ کردیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی نے بیلا کے معاملے میں ذاتی طور پر دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس وضاحت سے میرا ذہنی دباؤ خاصا کم ہوگیا لیکن پریشانی کم نہ ہوسکی۔

ڈھائی بجے سے چند ثانئے قبل ہاٹ لائن کا بزر بولا تو میرا دل خوش ہوگیا۔

اچھے لوگوں کی ناراضی سے تشویش کا لاحق ہونا ایک قدرتی امر ہوتا ہے لیکن اس روز مجھے اندازہ ہوا کہ بعض حالات میں ناپسندیدہ لوگوں کی برہمی یا بے نیازی بھی ذہنی سکون کو برباد کرکے رکھ دیتی ہے۔

"ڈان تھری آج رات کراچی پہنچ رہا ہے۔" حبیب جیوانی ہاٹ لائن پر کہہ رہا تھا "تمہیں رات کو آٹھ بجے ڈیفنس کے فیز فائیو میں مکان نمبر تمیں پر پہنچنا ہے۔"

"تو کیا وہاں ڈان سے بھی ملاقات ہونے کا امکان ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بعض اوقات تم بالکل خالی الذہن ہوجاتے ہو!" اس کا لہجہ خشک ہوگیا "رات کے آٹھ بجے میں تمہیں راگ رنگ کی کسی محفل میں تو نہیں بلا رہا۔ تم نے ڈان کے سامنے اسی ذہنی حالت کا مظاہرہ کیا تو وہ خاصی درشتی سے پیش آئے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں پوری احتیاط سے کام لوں گا اور تیاری کے ساتھ وہاں آؤں گا۔"

"اب دفتر میں موجود رہنے کی ضرورت نہیں۔ تم چاہو تو واپس جاسکتے ہو۔" اس نے مجھے خوش خبری سنائی اور اس کے بعد ہاٹ لائن یک بیک بے جان ہوگئی۔

میں نے اُس کی خشک گفتگو سے اُس کے بگڑے ہوئے موڈ کا اندازہ لگالیا تھا۔ بیلا والا معاملہ اس قدر پیچیدہ اور اعصاب شکن تھا کہ حبیب جیوانی کا پریشان ہونا حق بجانب تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ہاتھ پاؤں بچا کر بیلا کے ساتھ رنگ رلیوں کا بازار رچایا تھا لیکن نہایت قلیل سی مدت میں وہ معاملہ میرے علم میں آگیا تھا۔ حبیب جیوانی کے لیے وہ بات ایسی ہی تھی جیسے آسمان کی طرف پھینکا ہوا وزنی جوتا پھینکنے والے کے منہ پر واپس آپڑے۔ ایسی صورتِ حال میں وہ جھلاہٹ اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

میں فوری طور پر دفتر چھوڑ کر اپنے فلیٹ کے لیے روانہ ہوگیا۔ میرے حساب سے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ پہنچے ہوئے کئی گھنٹے ہوچکے تھے۔ اگر حالات سازگار تھے تو اسے اس وقت تک غزالہ سے ملاقات کرنے میں کامیابی ہوجانی چاہیے تھی۔ اسے غزالہ کے بارے میں میری پریشانی کا پورا پورا ادراک تھا اور مجھے قوی امید تھی کہ وہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد مجھے فون کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائے گا۔

گھر پہنچنے کے بعد میرے پاس انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں نہانے دھونے بعد شہناز گل کے کشتۂ ستم' مصطفیٰ زیدی کا رومان انگیز مجموعۂ کلام سنبھال کر بستر پر دراز ہوگیا۔

ایک طرف وہ لطیف اور دل میں اتر جانے والی شاعری تھی جس کے ایک ایک لفظ سے عشق و محبت کا ماورائی قرینہ جھلکتا ہے تو دوسری طرف حبیب جیوانی کی نفسانی چیرہ دستیوں کی کہانی میرے ذہن میں تازہ تھی۔ وہ ایک ہی جذبے کی دو انتہائیں تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ فرشتوں کو شرما دینے والا انسان' انسانیت کا لبادہ اتار پھینکے تو وہ شیطان کو بھی مات کرسکتا ہے۔

میرے خیالات اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے لیکن ایک بات میرے ذہن میں تسلسل کے ساتھ چبھ رہی تھی کہ شیر شاہ دفتر سے اچانک ہی کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اس کے بارے میں دفتر کے سب لوگ لاعلم تھے جس کا مقصد تھا کہ وہ حبیب جیوانی کی براہِ راست اور ہنگامی ہدایات پر کہیں روانہ ہوا تھا۔

ایک امکان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ڈان تھری کی متوقع آمد کے پیشِ نظر' حبیب جیوانی نے شیر شاہ کو مہمان خانے کی صفائی' آرائش اور دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا ہو لیکن میرا ذہن اس امکان کو قبول نہیں کررہا تھا۔ آخر کار پونے پانچ بجے کے قریب میں نے دفتر فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میرا خیال تھا کہ شیر شاہ جہاں بھی گیا ہوگا اس وقت تک اپنی ذمّے داریوں سے فارغ ہوکر واپس دفتر لوٹ چکا ہوگا۔

فون ملنے پر میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ چیف دفتر میں موجود نہیں تھا لیکن شیر شاہ واپس آچکا تھا۔

"خیریت تو ہے؟ آج تم دفتر سے اچانک ہی کہاں غائب ہوگئے تھے؟" میں نے اس کی آواز سن کر پوچھا۔

"آج چیف کا موڈ بہت خراب تھا۔ اسی کے ایک کام سے گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہوں۔"

"کیا کوئی بہت خفیہ کام تھا؟" میں نے کسی تجسّس کا اظہار کیے بغیر' سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں" اس کی آواز سے اداسی مترشح تھی "بیلا کو پہنچانے کے لیے گیا تھا۔"

"بیلا کو پہنچانے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "یقین نہیں آتا کہ ہمارے دفتر سے کسی کو اتنی عزت کے ساتھ رخصت کیا گیا ہو۔"

"اس نے اپنی کسی حرکت سے چیف کو غصہ دلا دیا تھا۔ اس نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے ہوں گے۔ ورنہ چیف اپنے عملے کے بارے میں ایسا سنگدلانہ رویّہ اختیار کرنے کا عادی نہیں ہے۔"

سنگدلانہ رویّے کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔ وہ یقیناً کچھ اور ہی بات تھی جو میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"تم گول مول باتیں کیوں کررہے ہو؟ خود ہی بات چھیڑی ہے تو کھل کر بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟"

"تو کیا تم واقعی بے خبر ہو باس؟" میرے استفسار پر اس کی تحیّر زدہ آواز سنائی دی "میں نے تو سنا ہے کہ وہ دو بار تمہارے دفتر میں گئی تھی اور تم ہی نے اسے نوکری سے نکالنے کا حکم دیا تھا۔"

"یہ درست ہے لیکن اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ دیسے چیف اس سے واقعی برہم تھا۔"

"وہ بس سے اترنے کے بعد' سڑک پار کرتے ہوئے ایک تیز رفتار کار کی زد میں آکر ماری گئی۔ اسے ٹکر مارنے والا کار سمیت جائے واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔"

وہ خبر سن کر لمحہ بھر میں پوری بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ لیکن اسی کے ساتھ میرا ذہن ماؤف ہوکر رہ گیا۔ وہ سفاکی اور درندگی کی نہایت شرمناک مثال تھی۔

حبیب جیوانی کو یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ بیلا اس کے ہر راز سے واقف ہوچکی تھی لیکن اس نے پھر بھی اس لڑکی کو چند گھنٹے بھی زندہ نہیں رہنے دیا۔ شیر شاہ سے بیلا کو کچلنے والی کار کے بارے میں کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ اپنے چیف کی ہدایت پر اس نے بیلا کی بس کا تعاقب کیا اور جب وہ سڑک عبور کرنے لگی تو شیر شاہ نے یک بیک اپنی کار کی رفتار بڑھا کر اسے روندا اور تیزی کے ساتھ فرار ہوگیا۔ یہ بیلا کی بدقسمتی تھی کہ اس دن وہ دفتر سے قبل از وقت ہی چلی گئی تھی۔ وہ ایسا وقت تھا کہ سڑکیں عموماً ویران ہوتی ہیں۔ شام میں ٹریفک کے ازدحام کا وقت ہوتا تو شاید شیر شاہ کو اسے چھونا بھی نصیب نہ ہوتا اور وہ خیریت کے ساتھ اپنے گھر پہنچ جاتی۔

"اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ اچھی لڑکی تھی۔" میں نے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد اپنے جذبات کو چھپاتے ہوئے کہا پھر غیر ضروری طور پر اسے ہدایت کی "اب اسے بھول جاؤ۔ چیف اپنے معاملات کو ہم سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ اب کسی اور سے اس افسوس ناک حادثے کا ذکر نہ کرنا۔"

"بہت بہتر۔ لیکن تم نے اس وقت مجھے کیوں یاد کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"اسکاچ وہسکی کی دو بوتلوں کی ضرورت تھی۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا "لیکن بیلا کے حادثے کی خبر سن کر موڈ غارت ہوگیا۔ اب اسے بھی بھول جاؤ۔ موڈ ہوا تو کل دیکھا جائے گا۔"

شیر شاہ' بیلا جیسی معصوم اور مظلوم لڑکی کا قاتل تھا۔ وہ اس وقت میرے سامنے ہوتا تو میرا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر سمجھ لیتا کہ اس خبر سے مجھے کتنی اذیت پہنچی تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ مجھ سے بہت دور تھا۔ میں نے اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

بیلا کی ناگہانی موت کی خبر نے میرا دل بوجھل کردیا تھا۔ میں نے کتاب ایک طرف پھینکی اور بستر پر اوندھا گرگیا۔

چھ بجے فون کی گھنٹی نے مجھے دوبارہ بستر چھوڑنے پر مجبور کیا تو میری آنکھیں نمناک تھیں اور دل بدستور بہت بھاری ہورہا تھا۔ بیلا سے میری کوئی گہری شناسائی نہیں تھی لیکن وہ جس بے بسی کی موت ماری گئی تھی' اس نے میرے وجود کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ کیا غنڈوں' بدمعاشوں اور مجرموں کے سوا کسی کو اپنی پسند کے مطابق زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے؟

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آنے والی نسوانی آواز پہچان کر میری اداسی اور مایوسی یک بیک کافور ہوگئی کیونکہ وہ کوانگ فو کی سیکریٹری کی رسیلی آواز تھی۔

"میں ڈینی ہی بول رہا ہوں' کہو کیا خبر ہے؟" میں نے اس کے

براہِ راست سوال کے جواب میں کہا۔
"تم نے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ بھیجا ہے؟" اس نے پوچھا اور میں چینی لب و لہجے میں سلطان شاہ کے نام کی درگت سن کر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔
"ہاں' ہاں!" میں نے جلدی سے کہا "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہاں ہے؟"
"اوہ! پھر تو واقعی غلطی ہوگئی۔" اس کی متاسفانہ آواز ابھری۔ "ڈان کے آدمی اسے پکڑ کر مکاؤ لے آئے ہیں۔ لو' تم اس سے بات کرلو۔ وہ ہمارے پاس ہی موجود ہے۔"
"میں اب تک غزالہ سے مل چکا ہوتا لیکن ان چپٹوں نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ میں تھوڑی دیر پہلے بوٹ سے مکاؤ لایا گیا ہوں۔" سلطان شاہ کی غصیلی آواز سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔
"لیکن یہ ہوا کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "ان لوگوں کو تو تمہاری مدد کرنی چاہیے تھی۔"
"انہوں نے اپنی دانست میں غزالہ کی مدد ہی کی ہے۔" سلطان شاہ کی آواز زہریلی ہوگئی "مجھے یہاں آنے کے بعد پتا چلا ہے کہ یہ کوانگ فو کے آدمی ہیں ورنہ میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ ہانگ کانگ میں میرے کون سے دشمن پیدا ہوگئے جو میرے پہنچتے ہی میری آزادی کے دشمن ہوگئے۔"
"ان سے تمہارا ٹکراؤ کہاں اور کیسے ہوگیا؟" میں اس صورتِ حال سے محظوظ ہورہا تھا۔ میرے لیے یہ امر اطمینان کا باعث تھا کہ سلطان شاہ وقت ضائع کیے بغیر' خیروعافیت کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ چکا تھا۔
"نئے آدمی کے لیے ہانگ کانگ اور لولون کا چکر بہت الجھا دینے والا ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد میں کولون پولیس اسٹیشن میں اپنا نام ریکارڈ کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ان لوگوں نے غزالہ سے ملاقات کرانے کے لیے مجھے کل صبح دس بجے کا وقت دے کر فارغ کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوانگ فو کے آدمی اس پولیس اسٹیشن کے اندر اور چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور دن رات کڑی نگرانی کررہے ہیں۔ میں پولیس اسٹیشن سے نکل کر ٹہلتا ہوا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک گلی میں اچانک دو کمسن چینی لڑکوں نے دونوں طرف سے مجھے گھیر کر' اپنی جیبوں میں چھپے ہوئے پستولوں کی نالیں میرے پہلوؤں سے لگادیں اور دھمکی دی کہ میں نے ذرا بھی مزاحمت کی تو وہ مجھے کتّے کی موت مار دیں گے۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ایک کار آئی اور انہوں نے مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھا کر سفر شروع کردیا۔ بارونق بازاروں اور سڑکوں سے گزرنے کے بعد اس سفر کا اختتام ایک نیم ویران سمندری گھاٹ پر ہوا جہاں کئی بڑی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔ ان لوگوں نے مجھے ایک کشتی کے انجن روم کی تنگ اور گرم جگہ میں بند کردیا۔ پستول سے مسلح ایک آدمی وہاں بھی میرے سر پر مسلط تھا جو راستے بھر پلک جھپکائے بغیر' کسی سانپ کی طرح مجھے گھورتا رہا۔ دو ڈھائی گھنٹے کے بحری سفر کے بعد مجھے یہاں اتارا گیا تو پتا چلا کہ میں مکاؤ میں ہوں اور مجھے لانے والے کوانگ فو کے آدمی ہیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے یہ خبیث پہلے سے میری گھات میں لگے ہوئے تھے۔"
"پہلی بات تو یہ یاد رکھنا کہ چہروں سے کم سن نظر آنے والے چینی دراصل کم سن نہیں ہوتے۔" میں نے اس کی چتا سن کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "مجھے خوشی ہے کہ یہ لوگ غزالہ کی اتنی حفاظت کررہے ہیں۔ تم نے پولیس اسٹیشن میں غزالہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور تم اُن کی نظروں میں آگئے۔ انہیں اندازہ نہیں ہوسکا کہ تم غزالہ کے دوست ہو یا دشمن۔ اس لیے یہ تمہیں پکڑ کر مکاؤ لے آئے۔ اب فون ڈون کی سیکریٹری کو دے دو۔ غلط فہمی دور ہوجانے کے بعد یہ لوگ شاید راتوں رات تمہیں دوبارہ کولون پہنچا دیں گے۔"
"یہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ تم اسے سمجھا دینا کہ میں اپنا زیادہ وقت ہانگ کانگ میں نہیں گزارنا چاہتا۔ غزالہ سے ملاقات ہوتے ہی میری واپسی کا بندوبست ہوجانا چاہیے۔"
"شاید تمہارا ساتھی غصے میں ہے۔" قدرے توقف کے بعد وہی نسوانی آواز آئی۔ اردو نہ جاننے کے باوجود' اس نے سلطان شاہ کے لب و لہجے اور چہرے کے تاثرات سے اس کے موڈ کا اندازہ لگالیا تھا۔
"غصے میں ہونا ہی چاہیے۔ تمہارے آدمیوں کو اسے مکاؤ لانے سے پہلے یہ تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن کا کوئی کارندہ۔ اسے صبح دس بجے لڑکی سے ملنا ہے۔ اب تمہارے آدمیوں کو دوبارہ ہانگ کانگ کی طرف دوڑ لگانی پڑے گی۔ تھوڑی سی عقل خرچ کرکے اس بھاگ دوڑ سے بچا جاسکتا تھا۔"
"تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے جذباتی ساتھی نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور زندہ سلامت یہاں پہنچ گیا۔ اس نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی ہوتی تو ڈون کے آدمی اسے مار کر ہاربر ہی کے پانیوں میں پھینک چکے ہوتے۔ ڈون کی سخت ہدایت ہے کہ جو بھی اس لڑکی کے حوالے سے سامنے آئے' اسے اٹھا کر مکاؤ پہنچا دیا جائے۔ آج کل اس نے ہانگ کانگ میں اپنی تمام سرگرمیاں بند کی ہوئی ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ اپنی توہین پر کتنا برہم ہے۔"
"پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے ڈون کی برہمی پر کوئی تبصرہ کیے بغیر پوچھا۔
"تم سے بات ہوجانے کے بعد سلطان شاہ کو کولون بھیج دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اس لڑکی کو خود نکالنے کے بجائے ڈون کی پناہ میں جانے کا مشورہ دے گا کیونکہ پولیس کی نظروں میں ڈون کی پوزیشن اسی طرح صاف ہوسکتی ہے۔ اس طرح ڈون کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوجائے گا۔"
"تم فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہوگا۔ لڑکی کو پولیس کی تحویل سے نکال کر' کراچی پہنچانے کا کام ڈون کے علاوہ اور کسی کے بس کا نہیں ہے۔ سلطان شاہ تو اس لڑکی کی رہائی کے بعد اگلی پرواز سے واپس آجائے گا۔"
"یہ فیصلہ ڈون ہی کرے گا۔" اُس کا لہجہ فیصلہ کن تھا "فی الحال تو ہم لوگ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ لڑکی اپنی آزادانہ مرضی سے ڈون کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کرے تاکہ ڈون کو ہوٹل کی نظربندی سے نجات ملے۔ پچھلے دس برسوں میں ڈون پہلی بار اس قسم کے کسی چکر میں ملوث ہوا ہے۔"
"اب یہ معاملہ ڈون کے ماہر ہاتھوں میں ہے اس لیے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔" میں نے سکون کے ساتھ کہا "اب تم سے صبح بات ہوگی۔ ہوسکے تو کام بننے کے بعد تم خود ہی مجھے باخبر کردینا۔"
"ڈون کی منہ بولی بیٹی کہاں ہے اور کب تک واپس آرہی ہے؟"
"پتا نہیں" میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی پھر سوال کیا "تم بار بار اس کے بارے میں کیوں پوچھتی ہو؟"
"وقت آنے پر تمہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال ڈون کی واپسی کی دُعا کرو۔" اس الوداعی فقرے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے فون بند کردیا گیا۔
میرے لیے مکاؤ سے آنے والی وہ فون کال بہت اہم تھی۔ سلطان شاہ کے لیے شاید وہ معاملہ سیدھا سادا رہا ہو لیکن میں اس کی خوف ناک پیچیدگیوں سے بُری طرح خائف تھا۔
سب سے پہلی اور اہم ترین خبر یہ تھی کہ غزالہ کی دُہری چال چلی جارہی تھی۔ ایک طرف وہ پولیس کی کڑی نگرانی میں تھی اور دوسری طرف ڈون کوانگ فو کے گھاگ آدمی اس سرکاری عمارت کے گرد پھیلے ہوئے تھے جس میں غزالہ کو محبوس رکھا گیا تھا۔ اتنے سخت انتظامات کی موجودگی میں' ترپاٹھی کے نام سے اس کے ساتھ سفر کرنے والا بھارتی اہل کار یا اس کا کوئی ساتھی اس کو کوئی نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔
دوسری اہم بات کو سلطان شاہ شاید بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔ شری مان سنگھ کے دوغلے پن کی وجہ سے مجھے ابتدا سے ہی یہ شبہ تھا کہ ہانگ کانگ پہنچنے والی لڑکی واقعی غزالہ تھی یا نئی دہلی والوں نے' شری مان سنگھ کے کہنے کے مطابق' اس کی جگہ شکنتلا کو بھیج دیا تھا۔
جہاں تک ویرا اور کوانگ فو کے درمیان ہونے والے سودے کا تعلق تھا تو کوانگ فو کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ لڑکی غزالہ ہی تھی یا اس کی جگہ شکنتلا کو بھیج دیا گیا تھا۔ وہ مس ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ پہنچنے والی کسی بھی لڑکی کو کراچی پہنچانے کا پابند تھا۔
اگر وہ لڑکی شکنتلا تھی اور ڈون سے ملنے سے انکار کررہی تھی تو اسے سلطان شاہ سے بھی ملنے سے انکار کردینا چاہیے تھا کیونکہ وہ اس کے کیمپ کا آدمی نہیں تھا۔ پھر سلطان شاہ کا نام بھی اس کے لیے اجنبی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن پولیس والوں نے سلطان شاہ کو اگلی صبح کا وقت دے کر یہ عندیہ دے دیا تھا کہ ان کی قید میں پھنسی ہوئی لڑکی اس سے ملنے پر آمادہ تھی۔ جس کا واضح ترین مطلب یہی تھا کہ وہ غزالہ تھی۔ ڈون کوانگ فو کا نام اس کے لیے نیا تھا اس لیے غزالہ نے اس پر بھروسا کرنے سے انکار کردیا لیکن جب پولیس والوں نے سلطان شاہ کا نام اس کے سامنے پیش کیا تو وہ فی الفور اس سے ملنے پر آمادہ ہوگئی۔
پچھلی رات اچھا ہی ہوا کہ میں نے ظفر کے ساتھ شری مان سنگھ کو یرغمال بناکر غزالہ کی واپسی کے لیے کوشش کرنے کے معاملے پر بات نہیں کی۔ ظفر اس پورے معاملے کو ذاتی سطح سے بہت بلند ہوکر' قومی مفاد کے مطابق طے کرنا چاہ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت زبان کھول ہی بیٹھتا تو بعد میں مجھے شرمندگی اور سبکی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوتا۔
شری مان سنگھ ایک سازشی تھا۔ اس کا بہترین انجام یہی تھا کہ اسے مہیب بلندی سے سمندر کی جھاگ اڑاتی ہوئی خونی موجوں میں پھینک دیا جائے۔ اگر پچھلی رات ظفر کے منصوبے میں کوئی نمایاں تبدیلی رُونما نہیں ہوئی تھی تو شری مان سنگھ اس وقت تک زندگی کے جھمیلوں سے آزاد ہوچکا تھا۔
اس نے مرنے سے پہلے بھی مجھے غزالہ کے معاملے میں فریب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس روز میرے ستارے یاور تھے کہ مجھے مکاؤ سے اچھی خبریں ملنی شروع ہوگئی تھیں۔
میں نے اپنی اس خوشی کا جشن منانے کے لیے ایک گلاس تیار کیا اور گلاس کے ساتھ ہی تولیا لے کر غسل خانے میں گھس گیا۔
ڈان تھری سے ملاقات سے قبل دوبارہ غسل کرکے میں زیادہ تروتازہ ہوسکتا تھا۔
ڈان تھری سے ملاقات کے لیے تیاری کرتے ہوئے' میں نے ایک بار بیم گن بھی نکالی جو اہم مواقع پر میرا خصوصی ہتھیار ہوا کرتی تھی لیکن پھر میں نے اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس میٹنگ میں مذاکرات سے ہٹ کر کسی قسم کی مار دھاڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر اگر ان دونوں میں سے کسی کو شبہ بھی ہوجاتا کہ میں اس موقع پر مسلح ہوکر وہاں پہنچا تھا تو میں بیم گن استعمال کرتا یا نہ کرتا' ان دونوں کی نگاہوں میں سزا کا حق دار ٹھہر سکتا تھا۔
ٹھیک ساڑھے سات بجے میں مافیا والی گاڑی میں فلیٹ سے روانہ ہوگیا۔
کچھ عرصے قبل مجھے یہ خبریں مل چکی تھیں کہ میرے معاملے پر ٹی اور مافیا کے بڑوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہونے والا ہے۔ جس میں میری وجہ سے رُونما ہونے والے باہمی اختلافات کو ختم کرنا مقصود تھا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس مشترکہ اجلاس کے انعقاد کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ اس لیے میں نے ذہنی طور پر خود کو ایسی کسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔
سیاست کی طرح منظم جرائم کی دنیا میں بھی مدتوں سے یہ

دستور چلا آرہا ہے کہ حریف تنظیموں کے اراکین ہر سطح پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے رہتے ہیں۔ اوپر والوں کی جانب سے ایسی کشیدگی کو خوب ہوا دی جاتی ہے لیکن جب بڑے ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان کے مزاج اور لب و لہجے میں اس کشیدگی کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسی خطرناک صورتِ حال میں کسی ماتحت رکن کو اپنے کسی اقدام کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی حالت قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے سربراہ کی جانب سے ذرا سی بھی حمایت کا سہارا نہیں ملتا جب کہ فریقِ ثانی اپنے دل میں چھپی ہوئی ساری تلخیاں اسی پر انڈیل دیتا ہے۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں ڈوبا ہوا' دس منٹ میں مطلوبہ مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ ایک ویران سی سڑک پر بہت وسیع و عریض مکان تھا جو غالباً چار ہزار گز کے دہرے پلاٹ پر بنا ہوا تھا۔ وہ علاقہ غیر آباد نہیں تھا لیکن وہاں رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہی ان کے ملازمین بھی غالباً اپنی اپنی چار دیواریوں میں مگن رہنے کے عادی تھے۔ جس کی وجہ سے پتلی سی ذیلی سڑک بالکل ہی ویران نظر آرہی تھی۔

میرے مطلوبہ مکان میں جلنے والی روشنیوں سے اندازہ ہوا کہ اس پلاٹ کے رقبے کے لحاظ سے وہاں کا تعمیری رقبہ بہت کم تھا۔ پھاٹک سے کافی اندر واقع عمارت کے گرد' بقیہ زمین پر غالباً باغ یا لان وغیرہ پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے دوسرے محل نما مکانات کے مقابلے میں وہ عمارت خاصی حقیر نظر آرہی تھی۔

حبیب جیوانی نے مجھے وہاں پہنچنے کے لیے آٹھ بجے کا وقت دیا تھا اس لیے میں بیس منٹ پہلے وہاں گھنٹی بجانے کے بجائے' وقت گزاری کے لیے آگے نکلتا چلا گیا۔

ساحل کے ساتھ بنی ہوئی میرین ڈرائیو کا ایک طویل چکر لگانے کے بعد میں نے دوبارہ اپنی منزل کا رخ کیا تو وقت پورا ہو چکا تھا۔

اس علاقے کے رواج کے مطابق مجھے عمارت کے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجانا چاہیے تھا مگر میں حبیب جیوانی یا ڈان سے مساویانہ سطح پر ملنے نہیں آیا تھا بلکہ ان کا ماتحت تھا اس لیے میں نے کار ایک کنارے سے لگا کر بیل کا بٹن دبا دیا۔

جواب میں پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک مسلح چوکیدار نے باہر آکر میرا نام دریافت کیا۔ اسے شاید میرے بارے میں ہدایت ملی ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے مجھے گاڑی سمیت اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے پورا پھاٹک کھول دیا اور میں انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو طویل ڈرائیو وے پر لیتا چلا گیا۔

اندر مختصر سی عمارت چاروں طرف سے باغ اور درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ میرے پورچ میں رکتے ہی برآمدے سے ایک دراز قامت شخص برآمد ہوا اور اس نے پارکنگ کے لیے مجھ سے

میری کار کی چابی لیتے ہوئے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں برآمدے سے گزر کر لاؤنج میں پہنچا تو سامنے ہی ڈرائنگ روم میں حبیب جیوانی کی جھلک نظر آئی اور میرے قدم اسی طرف ہو لیے۔

حبیب جیوانی اس وقت اکیلا ہی تھا۔ اس نے رسمی انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور میں احمقانہ انداز میں ایک صوفے پر سکڑ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں اس کمرے میں موجود بیش قیمت آرائشی اشیاء اور فرنیچر وغیرہ کے جائزے میں مصروف ہو گئیں۔

آٹھ بج کر پانچ منٹ پر اندرونی کمرے سے بھاری جسم والا ایک پستہ قامت سفید فام نمودار ہوا تو ہم دونوں ہی مشینی انداز میں اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

وہ ایک غیر رسمی ملاقات تھی لیکن آنے والے کے بدن پر قیمتی قیمت سیاہ سوٹ اور سفید قمیص کے ساتھ ہی ٹائی بھی موجود تھی۔ اس کی رنگت سرخ و سفید تھی لیکن اس کے متوّرم پپوٹوں کے درمیان سکڑی ہوئی آنکھیں اس کے چینی نژاد ہونے کا اعلان کررہی تھیں۔

وہ ہم دونوں سے ہاتھ ملائے بغیر بے پروایانہ انداز میں ایک صوفے میں دھنس گیا۔ اس کی تقلید میں ہم دونوں بھی اپنی جگہوں پر براجمان ہو گئے۔

"تو تم ڈینی ہو!" ڈان نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے نہایت شائستہ اور نکھری ہوئی انگریزی میں کہا۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میرے نام سے واقف ہو!" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "میرے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ تم نے چیف کے ساتھ مجھے بھی ملاقات کا موقع دیا ہے۔"

وہ اپنی انگلیوں میں دبا ہوا سگار سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے سگار کا پہلا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بکھیرے تو ڈرائنگ روم نفیس تمباکو کی خوشبو سے بھر گیا۔

"ابھی تک یہاں کے معاملات تسلی بخش نہیں ہیں۔" ڈان نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد فکر انگیز لہجے میں بولنا شروع کیا "پچھلے برسوں میں افغانستان کے حالات کی وجہ سے سرحدی علاقوں میں افیم کی کاشت اور ہیروئن کی تیاری میں اچانک ہی قابلِ رشک اضافہ ہوا ہے اور یہ علاقہ دیکھتے ہی دیکھتے' ہیروئن کی سب سے بڑی پیداواری منڈی میں تبدیل ہو گیا ہے لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ہم آج تک اس تجارت میں اپنا جائز حصہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو حبیب جیوانی فوراً ہی بول پڑا "میں تمہارے اس تجزیے سے پوری طرح متفق ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اس ناکامی میں ہماری کوتاہی سے بڑھ کر ان عناصر کا دخل ہے جن پر ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ ہمارے کام شروع کرنے سے پہلے یہاں موجود تھے۔"

ڈان کے ہونٹوں پر سرد اور استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور ...نے ہاتھ سے حبیب جیوانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "...ہم یہاں بے لاگ جائزہ لینے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں ...ضروری تنقید اور مدافعت سے گریز کرنا چاہیے۔"

ڈان کے ان الفاظ پر حبیب جیوانی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ...سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے ڈان! اب میں ...رہوں گا۔"

"میں نے ان ہی عناصر کو ناگزیر وجوہ میں شامل کیا تھا جو ...رے ذہن میں ہیں۔ شی ہم سے پہلے یہاں موجود اور منظم تھی۔ ...پہلے شی کو اپنا حریف سمجھ کر اُس کے مقابلے کی کوششیں کرتے ...ہیں لیکن پچھلے دنوں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمارے اور شی ...درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ یہاں ان لوگوں کے کچھ محدود ...مد تھے جو پورے ہو چکے ہیں اب وہ ہیروئن کی منڈی ہمارے ...لے کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی پسپائی سے پیدا ہونے والے خلا ...بھرپور کاروباری فائدہ اٹھانے کے لیے ہمیں پیشہ ورانہ انداز ...منظم ہو کر آگے بڑھنا ہوگا۔ ایسا نہ کیا گیا تو اس علاقے میں ...ی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا جسے بُدر مافیا کسی قیمت پر ...ت نہیں کرے گی۔"

...اس نے ایک مرتبہ پھر خاموش ہو کر استفسار طلب نگاہوں ...باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور ڈان سے ہم کلامی کے ...ئیں' اس مرتبہ پھر حبیب جیوانی نے ہی جواب دیا "اگر شی ...ے راستے سے ہٹ جاتی ہے تو ہم تیزی کے ساتھ پیش قدمی ...سکتے ہیں۔ اس علاقے میں ہم ہر کاروباری چیلنج کا مقابلہ کرنے ...لیے تیار ہیں۔"

"لیکن شی کی کچھ شرائط ہیں۔" ڈان نے اپنی تیز نظریں ...ے چہرے پر مرکوز کر دیں "وہ چاہتے تھے کہ ڈینی کو غیر مشروط ...یقے پر ان کے حوالے کر دیا جائے۔" ڈان کی زبان سے وہ ...شاف سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ڈینی ...پاکستان میں ہی نہیں' بلکہ مغربی ممالک میں بھی ان کے ...ذات کو بھاری نقصان پہنچایا ہے۔ جمی لائیڈ ہر قیمت پر اسے اپنا ...ئی دیکھنا چاہتا ہے لیکن مافیا کی کچھ اپنی روایات ہیں۔ ہم اپنی پناہ ...مائے ہوئے ہر شخص کو اس وقت تک بھرپور تحفظ فراہم کرتے ...ہ جب تک وہ ہم سے وفادار رہتا ہے۔ ہم ڈینی کو بے دست و پا ...کے ان کو نہیں سونپ سکتے تھے۔ ایسا کوئی بھی اقدام مافیا کی روح ...منافی ہوتا اس لیے ہم نے ان سے طویل مذاکرات کیے اور اب ...باتوں پر سمجھوتا ہونے کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ ان کی چند ...ئز کا تعلق آج بھی ڈینی کی ذات ہی سے ہے۔ اسی لیے میں آج ...نظر آرہا ہوں۔"

"مافیا کے لیے میں ہر وہ قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں جو میرے بس میں ہوگا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"سب سے پہلے وہ تین سلور آٹیز کی واپسی چاہتے ہیں' جو تمہارے قبضے میں ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے محروم ہو چکا ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تینوں سلور آٹیز ویرا کی تحویل میں ہیں۔"

"اور بیم گن کہاں ہوتی ہے؟" ڈان نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"اس کا چارج ختم ہو چکا تھا اس لیے میں نے اسے پھینک دیا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"یعنی ان کے دونوں مطالبے متنازعہ ہیں۔" ڈان نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "اس بارے میں میرے بجائے جمی لائیڈ کا اطمینان ضروری ہے اور میرا خیال ہے کہ......"

ڈان کا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اچانک ہی ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ اسی کے ساتھ باہر کھلنے والی ایک کھڑکی کی طرف سے بے آواز فائر ہوا اور گولی میرے سر کے اوپر سے گزر کر دیوار میں پیوست ہو گئی۔

ڈرائنگ روم میں اچانک ہی ہڑبونگ اور افراتفری پھیل گئی۔ میری طرح وہ دونوں بھی صوفوں وغیرہ کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش کررہے تھے۔

اس وسیع و عریض مکان میں یکایک پھیل جانے والے گھور اندھیرے میں آتشیں ہتھیار سے کیا ہوا بے آواز فائر بہت ہولناک اور لرزہ خیز تھا۔ اس وقت میرے ستارے یاور تھے جو اندھیرے میں چلائی گئی گولی میری کھوپڑی سے ذرا اوپر سے گزر کر دیوار میں پیوست ہو گئی تھی۔ ورنہ وہی بے آواز گولی میری کھوپڑی کے چیتھڑے بھی اڑا سکتی تھی۔ موت کو اتنے قریب سے دیکھ لینے کے بعد میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا اور پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئی تھیں۔

پہلا وار خطا ہو گیا تھا لیکن مسلح حملہ آور کسی بھی لمحے دوسرا فائر کر سکتا تھا اس لیے خفیف سی دہشت اور سنسنی کے باوجود میں اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے ایک صوفے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ تاریک کمرے میں پیدا ہونے والی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان تھری اور سیٹھ حبیب جیوانی نے بھی اپنی جگہوں پر جمے رہنے کی حماقت نہیں کی تھی اور فائر ہوتے ہی پھرتی سے پوزیشن لے لی تھی۔

وہ فائر اس امر کا کھلا ثبوت تھا کہ حملہ آور جو کوئی بھی تھا'

میرے خون کا پیاسا تھا اور یقینی طور پر اکیلا نہیں تھا۔ اس کے کسی مددگار نے اسی مکان میں اندھیرا پھیلا کر اسے حملہ کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ اندھیرے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مجھ پر گولی چلانے والا کسی جوابی کارروائی کا نشانہ بننے سے محفوظ رہے لیکن وہی اندھیرا شاید میرے لیے زندگی کی نوید بن گیا تھا۔

میں اس وقت ڈان تھری کا ایک ملاقاتی تھا۔ وہ شی کے بڑوں کے ساتھ مصالحانہ مذاکرات کو آگے بڑھانے کی نیت سے میرے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا تاکہ جی لائیڈ کی شرائط پوری کر کے' اس کے ساتھ جاری تصادم کو ختم کر سکے۔ جس مکان میں ہم موجود تھے' وہ بھی ڈان تھری یا مافیا کی ملکیت معلوم ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ واردات ڈان تھری کے اختیار اور اقتدار میں براہِ راست مداخلت کے مترادف تھی۔ مجھ پر فائر کر کے ڈان تھری کی بالادستی کو توہین آمیز انداز میں للکارا گیا تھا اور وہی اس مداخلتِ بے جا کا مناسب جواب دینے کا حق رکھتا تھا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو میں سنبھالا لیتے ہی' اپنی جان کے دشمن پر کسی خونی عقاب کی طرح جوابی حملہ کرنے کی تیاری کرتا لیکن اس وقت صورتِ حال مختلف تھی۔ میں ڈان تھری کے وسیع و عریض مکان میں اس کا اہم مہمان یا ملاقاتی تھا اس لیے میں نے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

"ہو از دیئر؟" تاریکی میں ڈان تھری کی غراتی ہوئی اور قہربار آواز ابھری۔

جواب میں کوئی کچھ نہ بولا لیکن باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ شاید حملہ آوروں میں سے کسی نے اس مکان کے محافظوں پر گولی چلائی تھی۔ پہلا فائر بے آواز تھا جب کہ دوسری گولی سے فضا لرز کر رہ گئی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ حملہ آوروں کی تعداد کے بارے میں میرا قیاس غلط نہیں تھا۔

"چیف!" اندھیرے میں ڈان تھری کی غضبناک آواز ابھری۔ "یہ کیا تماشا ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں خود حیران ہوں' ڈان!" حبیب جیوانی کی لرزتی ہوئی' مدافعانہ آواز سنائی دی۔ "احاطے کی حفاظت اور نگرانی کے لیے چھ آدمی مامور ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ سب کہاں مرے ہوئے ہیں۔"

"انہیں الزام نہ دو!" اندھیرے ڈرائنگ روم میں اچانک ایک بھاری سی اجنبی آواز گونجی۔ "یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہارے آدمیوں کی نااہلی سے زیادہ میرے آدمیوں کی اعلیٰ کارکردگی کا دخل ہے۔ میرا پہلا بے آواز فائر ضائع ہوا ہے لیکن میں اپنے شکار کو تلاش کر لوں گا۔ اندھیرا ہونے سے پہلے' میں دیکھ چکا ہوں کہ تم تینوں غیر مسلح ہو' اس لیے جو جہاں اور جس حال میں ہے' وہیں اور اسی طرح پڑا رہے۔ کسی نے ذرا بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں اندھیرے میں آواز پر نشانہ لینے کا عادی ہوں اس بار میری گولی رائیگاں نہیں جائے گی۔" ڈان تھری سمیت اس وقت سب لوگ ہی انگریزی بول رہے تھے اور خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں گھس آنے والے اجنبی نے بھی اپنے عزائم کے اظہار کے لیے اسی زبان کا سہارا لیا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی مقامی نہیں بلکہ غیر ملکی تھا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" ڈان تھری کی سرد' استفہامیہ آواز ابھری۔

"ہمیں معلوم تھا کہ تم پتھر میں سے تیل نکالنے کا عزم لے کر یہاں پہنچے ہو اس لیے ناکام رہو گے۔" اجنبی کی گمبھیر آواز ابھری۔ "ڈینی بہت حرام الدہر آدمی ہے۔ سپر آئی مین جانتا تھا کہ ڈینی کسی بھی صورت میں اس کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔"

"تو تم جی لائیڈ کے ہرکارے ہو؟" ڈان تھری کا لہجہ بالکل سرد اور سپاٹ ہو گیا۔

اندھیرے میں ہنسی کی خفیف سی آواز ابھری پھر جواب ملا۔ "اس کے علاوہ کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ مدر مافیا کے ایک اہم ڈان کی قیام گاہ میں قدم رکھ سکے؟ ہمارے لیے مافیا ہی نہیں بلکہ اس کا ہر عہدے دار معزز اور محترم ہے لیکن ہم ڈینی کو معاف نہیں کر سکتے۔ تم سے ساز باز کر لینے کے باوجود وہ تم میں سے نہیں ہے۔ ہم ہر حال میں اسے اپنا غدار اور باغی تصور کرتے رہیں گے۔"

"لیکن تمہارا یہ رویہ ہمارے مذاکرات کی روح کے منافی ہے۔" ڈان تھری نے احتجاج کیا۔

"ہرگز نہیں!" سخت لہجے میں جواب دیا گیا۔ "مذاکرات سلور آئیز اور بیم گن کی واپسی سے مشروط تھے۔ ان دونوں نکات پر ڈینی کا جواب تم سن ہی چکے ہو۔ اس کے بعد ہم اسے مزید ڈھیل نہیں دے سکتے۔ اس نے تمہارے مصالحانہ جذبات کا احترام نہیں کیا۔ اب ہم اسے سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔"

"تمہیں یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" ڈان تھری نے بلا تامل جواب دیا۔ "ڈینی جو بھی اور جیسا بھی ہے' ہمارا آدمی ہے اور ہم اپنے آدمیوں پر کسی کی بالادستی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"یہ نظریاتی باتیں ہیں۔" اجنبی کہہ رہا تھا۔ "بہت سی باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس وقت تم تینوں غیر مسلح ہو اور میں اعشاریہ تین دو کا' سائیلنسر لگا ہوا' اعشاریہ براؤنی لیے ہوئے' اس کمرے کے دروازے پر موجود ہوں۔ ڈینی اس دروازے سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

"تو کیا تم ڈینی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو؟" ڈان تھری کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"مجھے ڈینی کا سراغ بھی مل جاتا تو میں اسے وہیں ڈھیر کر دیتا۔" اجنبی کی آواز تلخ ہو گئی۔ "مجھے اس کا پیچھا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سلور آئیز اور بیم گن کی واپسی پر آمادہ نہیں ہو گا۔ تم اس کا جواب سن ہی چکے ہو۔ ایسے ہٹ دھرم اور موذی شخص کا پیچھا کرنا اپنے وقت کو برباد کرنے کے مترادف ہوتا۔ مجھے تو اس کا سایہ بھی نظر آ جاتا تو میں اسے خاک و خوں میں نہلا کر رکھ دیتا۔"

"پھر تم یہاں کیسے پہنچے؟" ڈان تھری نے سوال کیا۔ "کیا میرا تعاقب کیا گیا ہے؟"

"تمہارا قیاس درست ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ڈینی سے ملاقات کا مشن لے کر بنکاک سے نکلے ہو اس لیے میں ابتدا ہی سے سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ڈینی میرے سامنے یہاں آیا تھا۔ مجھے صرف اتنا انتظار تھا کہ تم اس پر اپنی جرح ختم کر لو۔ جب ڈینی نے تمہیں مایوس کر دیا تو میرا کام شروع ہو گیا۔"

"یہ جی لائیڈ کی طرف سے کھلی بدعہدی ہے۔ ہم شی کے بڑوں کو ہمیشہ مکمل احترام دیتے چلے آئے ہیں۔ میرا تعاقب کر کے میری توہین اور تذلیل کی گئی ہے۔ میں جی لائیڈ سے اس پر احتجاج کروں گا۔"

"ضرور کرنا!" اجنبی نے کہا۔ "لیکن تمہارا احتجاج حقائق کو نہیں بدل سکتا۔ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے اور تم تینوں غیر مسلح ہو۔ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں لیکن آج میں ڈینی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ اس کی ہلاکت کے بعد' جی لائیڈ تمہارے احتجاج پر فراخ دلی کے ساتھ معذرت طلب کر لے گا اور تمہارے پاس اسے معاف کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ اہم بات یہی ہے کہ اصل اہمیت تنظیم کی ہوتی ہے۔ افراد کے آنے جانے سے ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم کتے کے پلے اور سؤر کے بچے ہو۔" ڈان تھری اشتعال کے عالم میں کلکلایا۔

اجنبی کی بے ساختہ ہنسی ابھری اور وہ بولا۔ "ڈان! میں تمہاری عزت کرتا ہوں لیکن غصے میں آ کر اب تم غیر منطقی باتیں کر رہے ہو۔ میں بیک وقت کتے کا پلا اور سؤر کا بچہ نہیں ہو سکتا۔ ایک وقت میں تم مجھے ایک ہی گالی دے سکتے ہو لیکن موجودہ صورتِ حال میں گالی بھی رائیگاں جائے گی کیوں کہ میں اس وقت جو کچھ کر رہا ہوں اس کے بارے میں مجھے اپنے سپر آئی مین کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔"

"جی لائیڈ کو تمہاری یہ جسارت بہت مہنگی پڑے گی۔" ڈان تھری کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"میں نے اس وقت سوچ سمجھ کر سامنے آنے کا خطرہ مول لیا ہے۔ ڈینی کے فتنے کا خاتمہ کرنے کے بعد میں سپر آئی مین کی آنکھوں کا تارا بن جاؤں گا۔ ڈینی کی موت کا سودا اسے کسی بھی طرح مہنگا نہیں پڑے گا۔"

وہ دونوں اپنے تیز و تند مذاکرات میں الجھے ہوئے تھے۔ مجھے حبیب جیوانی کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن میں ذاتی طور پر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس گفتگو میں میری شرکت کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے میں نے اپنے حواسِ خمسہ کو صورتِ حال کے تجزیے پر مرکوز کیا ہوا تھا۔

اندر وہ مذاکرات جاری تھے اور مجھے اتنا وقت مل گیا تھا کہ میری آنکھیں وہاں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کسی نہ کسی حد تک دیکھ لینے کی عادی ہو گئی تھیں۔ میں جس وزنی صوفے کے عقب میں دبکا ہوا تھا۔ اس سے دس' بارہ فٹ کے فاصلے پر وہ اجنبی کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف باہر بھی دھما چوکڑی جاری تھی۔ وقفے وقفے سے اِکّا دُکّا افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھرتیں اور پھر لامتناہی سکوت چھا جاتا۔ اس سکوت میں صرف تین فائر ہوئے تھے جو بے آواز نہیں تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی فائر کارگر ثابت نہیں ہو سکا تھا۔ کسی مرنے والے کی چیخ تو درکنار' مجھے کسی زخمی کی کراہ تک نہیں سنائی دی تھی۔

باہر سے آنے والی ان آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان تھری کے آدمی بالکل ہی غافل نہیں تھے۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اجنبی اور اس کے ساتھیوں کو اس عمارت میں داخل ہونے کا موقع ضرور مل گیا تھا لیکن ان کی طرف سے کارروائی کا آغاز ہوتے ہی مزاحمت کا عمل بھی شروع ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں کسی بھی لمحے بازی ان کے خلاف الٹ سکتی تھی۔

مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ باہر والے اپنے مصائب میں الجھے ہوئے تھے اور ان کی طرف سے اندر کے معاملات میں کسی بھی قسم کی مؤثر مداخلت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر کسی طرح اجنبی کو غیر مسلح کر دیا جاتا تو اندر چھڑنے والے مقابلے میں اسے بہ آسانی زیر کیا جا سکتا تھا۔

اس قضیے میں ڈان تھری یا حبیب جیوانی کی ذات کے لیے کوئی مہلک خطرہ پنہاں نہیں تھا۔ اجنبی ڈان تھری کے لیے مسلسل مفاہمانہ جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ حبیب جیوانی' ہاتھیوں کی لڑائی کی زد میں آئے ہوئے کسی مینڈک کی طرح کسی گوشے میں چھپا ہوا تھا اور سارا خطرہ صرف میری سلامتی کو لاحق تھا۔

اجنبی کے لب و لہجے سے خون کی بو آ رہی تھی۔ اس نے اپنی دانست میں فیصلہ کن بالادستی حاصل کر لی تھی اور وہ مجھے ہلاک کیے بغیر وہاں سے واپس جانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے میرے پاس مارنے یا مرجانے کے علاوہ کوئی تیسری راہ باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے کوئی قدم اٹھانے سے قبل صورتِ حال کا آخری جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ حالات میرے حق میں نہیں تھے۔ کمرے بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ضرور پھیلا ہوا تھا لیکن جس طرح میری آنکھیں اس اندھیرے میں کسی حد تک کام کرنے کی عادی ہو گئی تھیں' اسی طرح وہ غیر ملکی اجنبی بھی اپنے قرب و جوار میں رونما ہونے والی نقل و حرکت کو دیکھ لینے پر قادر ہو سکتا تھا جب کہ میرے' اور اس کے درمیان کم از کم دس فٹ کا ایسا غیر محفوظ

فاصلہ حائل تھا جہاں مجھے کوئی آڑ یا رکاوٹ میسّر نہیں آسکتی تھی۔

اضطرار اور عدم تحفّظ کے ان جان لیوا لمحات میں مجھے اچانک ہی خیال آیا کہ میں جس صوفے کے عقب میں چھپا ہوا تھا' اس سے ملحق میز پر سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک آرائشی ایش ٹرے موجود تھی۔

وہ خیال کوندتے ہی' میں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر داہنی طرف حرکت کی اور چند ثانیوں بعد ہی میرا لرزتا ہوا ہاتھ ایش ٹرے کا سرد اور بے جان لمس محسوس کر رہا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے کے پیش منظر میں اجنبی کا ہیولا پوری طرح میری نظروں میں تھا۔ وزنی ایش ٹرے سے اس کے سر کا نشانہ لے کر میں بہ آسانی اسے ڈھیر کر سکتا تھا لیکن پورے بدن کے مقابلے میں' کھوپڑی کا نشانہ خطا ہونے کا امکان زیادہ تھا اس لیے میں نے پوری احتیاط کے ساتھ بائیں گھٹنے اور داہنے پنجے پر اپنے بدن کا توازن درست کر کے اچانک ہی وہ وزنی ایش ٹرے' پوری قوت کے ساتھ غیر ملکی اجنبی کے سینے پر پھینک ماری۔

میں نے اپنی وہ کارروائی اتنی سرعت اور خاموشی کے ساتھ مکمل کی کہ میرے شکار کو کچھ سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور فضا میں اڑتی ہوئی ایش ٹرے کی بھرپور ضرب پڑتے ہی فضا اس کی دردناک چیخ سے لرز اٹھی۔

میرے لیے وہ موقع غنیمت تھا۔ تاریک ہیولا جوں ہی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گرا' میں نے کسی خوف یا خطرے کی پروا کیے بغیر اپنی جگہ چھوڑ کر اس پر چھلانگ لگا دی۔

مجھے اس کو فی الفور زیر کر لینے سے زیادہ فکر اس کے بے آواز پستول کی تھی۔ میں نے اس پر حملہ آور ہوتے ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ شاید ایش ٹرے کی غیر متوقع اور شدید چوٹ کھاتے ہی پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دبیز قالین پر گر گیا۔ تھا اس کی برتری کا احساس ختم ہوتے ہی میں نے وحشیانہ انداز میں اسے نیچے گرا کر اس کے چہرے پر گھونسوں اور ٹکروں کی بھرمار کر دی۔

وہ اس افتاد سے قبل اپنی مکمل برتری اور فتح کے گھمنڈ میں مبتلا تھا' اس لئے میرے اچانک اور تیز حملوں کے خلاف مؤثر مدافعت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور چند ہی ثانیوں میں اس کا چہرہ خون ہی خون میں نہا گیا۔ اس کے زندہ اور گرم گرم لہو کی چپچپاہٹ مجھے اپنے ہاتھوں اور چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

میری جارحانہ کارروائی اتنی غیر متوقع اور تیز تھی کہ حبیب جیوانی کے علاوہ ڈان تھری بھی فوری طور پر میرا ساتھ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ دونوں سمجھ ہی نہیں سکے تھے کہ اندھیرے میں اچانک کیا کھیل شروع ہو گیا تھا لیکن وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ پٹنے والے کی چیخوں اور میری بلند آہنگ' مادرزاد گالیوں نے انہیں سب کچھ سمجھا دیا اور وہ بھی اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے۔

میں نے اس وقت اپنے حریف کو زیر کر کے اپنی زندگی کی ہاری ہوئی بازی جیتی تھی۔ اس لیے میں سخت مشتعل تھا لیکن اس عالم میں بھی میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے حریف کی مرمت کرتے ہوئے' اسے انگریزی' اردو اور پنجابی میں گالیاں دے رہا تھا۔

زبانوں کا وہ انتخاب قطعی غیر ارادی تھا لیکن پٹتے ہوئے حریف کے دم توڑتے ہوئے' مدافعانہ انداز کی وجہ سے جوں ہی میرا ذہنی دباؤ کم ہوا تو گالیوں کے معاملے میں بیک وقت تین زبانوں کے استعمال کا جواز بھی میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔

میری گرفت میں آیا ہوا دشمن' غیر ملکی تھا۔ اس نے اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لیے ابتدا ہی سے شستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔ اس وجہ سے یہ لازمی ہو گیا تھا کہ میں اپنے دلی جذبات اس تک پہنچانے کے لیے وہی زبان استعمال کرتا جو اس کے لیے قابلِ فہم تھی لیکن انگریزی زبان میں روانی سے دی جانے والی گالیوں کی تعداد بہت کم ہونے کی وجہ سے دل کی کدورت' عادتاً اردو کا روپ دھار رہی تھی۔ بات وہیں ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ روز مرّہ گالیوں کے معاملے میں اردو کا ذخیرہ بڑا ہونے کے باوجود' صوتی اعتبار سے ان مفاہیم کا آئینہ دار نہیں تھا جو بولنے والے کے دل و دماغ میں قہر و نفرت کی آگ بھڑکائے رکھتے ہیں۔ ان جذبات کی تشفّی کے لیے پنجابی زبان کا استعمال ناگزیر تھا۔ پنجابی زبان میں گالیاں دے کر میں اطمینان بخش طور پر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا تھا اور اگر فریق ثانی اس زبان سے آشنا ہوتا تو محض بھاری بھرکم گالیاں سن کر ہی جہنم واصل ہو سکتا تھا۔

پھر اچانک ہی بجھی ہوئی روشنیاں جل اٹھیں۔

شاید اس مکان کے محافظوں نے مداخلت کاروں کو زیر کر کے بجلی کا مین سوئچ آن کر دیا تھا۔

روشنی ہوتے ہی سیٹھ حبیب جیوانی نے نہایت چھچھورے انداز میں' میرے نیچے دبے ہوئے سفید فام کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کی اور غراتے ہوئے بولا۔ "اس کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دو۔ اس کتے کی یہ مجال کہ اس نے ڈان تھری کی رہائش گاہ میں گھسنے کی جسارت کی ہے۔"

"نو!" ڈان تھری نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر کے سرد اور پُرسکون آواز میں کہا۔ "یہ نہتا ہونے کے ساتھ ہی' معقول حد تک زخمی بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے چھوڑ دو۔ میں اس سے کچھ باز پُرس کرنی چاہتا ہوں۔"

میں نے اپنے قیدی کی ناک پر ایک وحشیانہ ٹکر رسید کی اور وہ تڑپ کر پوری قوت سے چیخ پڑا۔

میں اسے چھوڑ کر الگ ہوا تو اس کا خون میں لتھڑا ہوا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔

وہ تقریباً جھومتا' اپنے قدموں پر اٹھا لیکن پھر لڑکھڑا کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ زخموں سے بھاری مقدار میں خون بہہ جانے کی وجہ سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا گریبان جکڑ کر اسے زبردستی اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ وہ میری گرفت میں ہونے کے باوجود اِدھر اُدھر جھوم رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈان تھری کی سرد اور جذبات سے عاری رہنے والی نگاہوں میں بھی میرے لیے پسندیدگی کے آثار عود کر آئے تھے۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی اثباتی جنبش سے میری تائید کی اور میں نے اپنے حریف کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے ایک صوفے میں ڈال دیا۔ اس کا مہیب پستول ڈان نے اٹھا لیا تھا۔

اس اثنا میں ڈان تھری کی انگلیوں میں دبا ہوا سگار بجھ گیا تھا لیکن اعصاب شکن صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود اس نے بجھا ہوا سگار نہیں پھینکا تھا۔ اس نے خون میں نہائے ہوئے قیدی کے سامنے پہنچ کر اطمینان سے اپنا بجھا ہوا سگار سلگایا پھر سرد نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

قیدی نے نہایت بے رحمانہ انداز میں اپنے زخموں سے بہتے ہوئے خون کو اپنی دونوں آستینوں سے صاف کیا اور مجھے گھورتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج کی ناکامی کا صدمہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔ ڈیپی جیسے چالاک درندے کو جہنم واصل کر کے میں اپنے سپر آئی مین کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکتا تھا۔"

"سرخرو تو تم ہو ہی گئے ہو۔" میں اس کی ہرزہ سرائی پر خاموش نہیں رہ سکا۔ "یہ اور بات ہے کہ تمہارے چہرے کی سرخی' خود تمہارے ہی لہو کی احسان مند ہے۔ اس اعتبار سے تم نے اپنا آج کا ہدف حاصل کر لیا ہے۔ میرے ڈان نے مجھے اجازت دی ہوتی تو میں تمہارے پورے بدن سے خون کی لکیریں بہا سکتا تھا۔"

"غیر ضروری باتوں کی ضرورت نہیں!" ڈان نے اپنے خوشبودار سگار کا ایک گہرا کش لے کر' کسی سے خصوصی طور پر مخاطب ہوئے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا پھر اس نے اپنی بے رحمانہ نگاہیں زخمی قیدی کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"میرا نام لی گینگ ہے۔" اس نے بدستور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "شاید تم سے معاہدہ ہونے کے بعد سپر آئی مین نے مجھے اس کام پر مامور کیا تھا اور میں فوراً ہی نیویارک سے شکاگو چلا آیا جہاں تمہارا مسکن تھا۔ چینی نژاد امریکیوں کی آبادی میں تم تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ تم اولین فرصت میں امریکا سے پاکستان پہنچ کر' ڈیپی سے ملنے کی کوشش کرو گے اسی لیے میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگ گیا لیکن میری بدقسمتی نے آخری مرحلے پر مجھے تمہارا اسیر بنا دیا ہے۔"

"ہوں!" ڈان تھری کے حلق سے ایک دبی دبی غراہٹ ابھری اور اس نے تقریباً خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم شکاگو سے میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے لیکن مجھے شبہ نہ ہو سکا کہ جمی لائیڈ نے مجھ سے وعدہ خلافی کرتے ہوئے' اپنے کسی گرگے کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تمہارا نشانہ صرف ڈیپی تھا۔ تم ڈان تھری کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے؟" سکوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حبیب جیوانی نے سوال کیا۔

"تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ شکاگو سے نیویارک' لندن اور دُبئی کے راستے کراچی پہنچنے تک میرے پاس کئی مواقع تھے جب میں تمہارے مسٹر نیشی کاؤ کو نقصان پہنچا سکتا تھا لیکن مجھے ان کا مرتبہ معلوم تھا اس لیے میں نے کہیں بھی ان کا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم خود کو مسٹر نیشی کاؤ سے زیادہ ہوشیار سمجھ رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اس پورے معاملے پر اس انداز میں سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ میری یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری کے ساتھ سر انجام دی ہے۔ اس مہم میں اصل اہمیت رازداری کی تھی۔ اگر مسٹر نیشی کاؤ کو یہ علم ہو جاتا کہ میں ان کا پیچھا کر رہا ہوں تو راستے ہی میں میرا کام تمام ہو سکتا تھا۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد میرا خیال تھا کہ میں اپنے مشن میں ننانوے فیصد کامیابی حاصل کر چکا ہوں لیکن آج اندازہ ہوا کہ مجھے ایک فیصد بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے' تم نیشی کاؤ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہو۔"

لی گینگ کے ذریعے ڈان تھری کا اصل نام میرے علم میں آ گیا تھا اور یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ چینی نژاد ہونے کے باوجود امریکی شہری تھا اور مجھے زیر کرنے کے مشن پر شکاگو سے کراچی پہنچا تھا۔ البتہ لی گینگ نے جس انداز میں میری تعریف کی تھی' اس سے مجھے کوئی خوشی حاصل نہیں ہو سکی۔ ڈان تھری اول و آخر میرا باس تھا اور اچھے ماتحت اپنے باس سے کسی بھی صورت میں اپنا موازنہ کیا جانا پسند نہیں کرتے۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے لی گینگ کے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں جو کچھ بھی ہوں' اپنے ہیوں کی ذات کا پرتو ہوں۔ تم ڈان تھری کے مقابلے میں مجھے چڑھا کر ہمارے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو کہ تمہاری یہ کوششیں ناکام ہوں گی۔"

میرے بھرپور تھپڑ سے اس کا دہانہ اندر سے زخمی ہو گیا۔ اس نے بے پروایانہ انداز میں خون آلود تھوک کی پچکاری قالین پر اگلتے ہوئے' تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ میں بازی ہار چکا ہوں۔ میں نے کسی لگی لپٹی رکھے بغیر وہ بات کہی ہے جو میرے دل میں ہے۔ تم میرے بدترین دشمن ہو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم نے آخری لمحات پر میری بازی الٹ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ شی کا سپر آئی مین تم سے بلاوجہ ہی خائف نہیں ہے۔ وہ تمہاری بُو پر لگا ہوا ہے اور جلد ہی تمہیں ٹھکانے لگوا دے گا۔"

"ڈیی کی باری بعد میں آئے گی۔ فی الحال تم اپنی فکر کرو۔" ڈان تھری کی سرد آواز گونجی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔" بلی گینگ نے حیرت ناک بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ مشن اپنے ذمے لیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں کامیاب رہا تو مجھ پر سپر آئی مین کی نوازشات کی اندھادھند بارش شروع ہو جائے گی اور ناکام رہا تو شاید میری لاش کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"جمی لائیڈ نے تمہیں ہر حال میں مجھے مار ڈالنے کی ہدایت کی تھی؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' میں نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو خاصی دیر سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور پوچھو گے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دل تو یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی زبان نہ کھولوں تاکہ یہ سوال ہمیشہ تمہارے ذہن کو ڈستا رہے لیکن میں تمہاری ہمدردی میں نہیں' بلکہ سپر آئی مین اور نیشی کاؤ کے درمیان پیدا ہونے والی متوقع غلط فہمی کو دور کرنے کی نیت سے بتائے دیتا ہوں کہ میرا مشن مشروط تھا۔ مجھے تمہارے اور نیشی کاؤ کے مذاکرات کے موقع پر موجود رہنا تھا۔ تم سلور آئیز اور بیم گن کی واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو میں یہ خبر لے کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا لیکن تم نے اپنے ڈان کا مطالبہ ٹال دیا اس لیے مجھے اپنا کام شروع کرنا پڑا۔ سپر آئی مین کو پہلے سے شبہ تھا کہ تم آسانی کے ساتھ راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہو۔ وہ تمہاری فطرت اور رگ رگ سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"یہ سب ثانوی باتیں ہیں۔" ڈان تھری نے دوہرے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے' فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ "نتائج سے قطع نظر' بنیادی بات یہ ہے کہ جمی لائیڈ نے مافیا سے کیے ہوئے معاہدے کا پاس نہیں کیا۔ ہمارے درمیان ایک بات طے ہو گئی تھی تو اسے ہمارے آخری جواب کا انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے ہمارے اعتماد کو دھوکا دیتے ہوئے' تم کو میرے تعاقب اور ڈیی کے قتل پر مامور کر دیا....."

"سب کچھ اسی طرح ہوا ہے۔" بلی گینگ نے اس کی بات کاٹ کر' اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتے تو شکاگو سے کراچی تک دوڑ نہ لگاتے۔ تمہارا جواب وہی ہونا تھا جو تمہیں ڈیی کی طرف سے ملا تھا۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ تمہیں اپنا جواب سپر آئی مین تک پہنچانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نے اس کے خود مختار نمائندے کی حیثیت سے' جواب سن لینے کے بعد اگلی کارروائی شروع کر دی۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں بری طرح ناکام ہوا ہوں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم میں موجود انٹر کام کی گھنٹی بجی اور حبیب جیوانی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند ثانیوں تک بات کرنے کے بعد حبیب جیوانی فارغ ہوا تو ڈان تھری اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اس کے ساتھیوں کے بارے میں اطلاع تھی۔" حبیب جیوانی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے' خبر کا انکشاف کیے بغیر ڈان تھری کو آگاہ کیا۔

"ان دونوں کا کیا بنا؟" بلی گینگ حوصلہ شکن صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے باوجود اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"دونوں مار لیے گئے۔" حبیب جیوانی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ تو مقامی ہی رہے ہوں گے۔"

"ظاہر ہے' امریکا سے پورا جلوس تو نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اب تم لوگوں کو تین لاشیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا ہو گا۔ ان دونوں کے دلی وارث اب تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔"

حبیب جیوانی نے بلی گینگ کے دونوں ساتھیوں کے مارے جانے کی خبر سنائی تھی لیکن اس کے لب و لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ شاید اس نے بلی گینگ کا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ خبر سنائی تھی جب کہ انٹر کام پر کچھ اور ہی بتایا گیا تھا۔

"ان دونوں کی لاوارث لاشیں کہیں بھی پھینک دی جائیں گی۔" ڈان تھری نے اپنے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔ "اور تمہارے لمبے چوڑے وجود کو ایک چھوٹے سے وزنی پیکٹ میں جمی لائیڈ کو بھیج دیا جائے گا۔"

ڈان تھری کے ان الفاظ پر میرے بدن میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی۔

بلی گینگ نے بھی اپنی جگہ پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلا اور اضطراری لہجے میں بولا۔ "اب یہ بتانا شروع نہ کر دینا کہ وہ پیکٹ کیسے بنایا جائے گا۔ میرے مرجانے کے بعد تم میری لاش کے ساتھ جو بھی سلوک کرو گے' اس سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مرنے کے بعد آدمی اور موم کے پتلے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔"

"مافیا ڈسپلن کا دوسرا نام ہے۔" ڈان تھری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے کہا۔ "تم نے مافیا کے معززین میں سے ایک کا پیچھا کر کے ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دی جائے گی کہ آئندہ شی کے دوسرے کارکن ایسی حماقت کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔"

"لیکن یہ میرا فیصلہ نہیں تھا' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شی کا ڈسپلن بھی اتنا ہی سخت ہے۔ ہم لوگ سپر آئی مین کے حکم پر تنقید کا کوئی حق نہیں رکھتے۔" بلی نے مدافعت کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم اس کی سزا بھگتو گے۔ شاید تم نے ایکس پے لر نامی مشین کا نام سنا ہو گا؟"

ایکس پے لر کا ذکر سنتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ قیمہ نکالنے والی روایتی مشین کی طرح' بہت بڑے اسکرو والی اس مشین میں ایک طرف سے بنولہ یا دوسرا بیج ڈالا جاتا ہے' [illegible]

ے چلنے والی وہ مشین آناً فاناً میں بیجوں سے تیل کی ہر بوند نچوڑ کر دوسری طرف سے خشک کھلی کی پپڑیاں باہر پھینک دیتی ہے۔

ڈان تھری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ایکس پے لر کا اسکرو بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ ایک بار تمہاری انگلیاں اس میں پھنسا دی جائیں تو وہ رفتہ رفتہ تمہارے پورے جسم کو اندر کھینچ کر ہڈیوں پسلیوں کا سرمہ بنا دے گا' خون' پانی اور چربی کشید ہونے کے بعد دوسری طرف سے تمہاری خشک کھلی برآمد ہو گی جسے ایک چھوٹے سے ڈبے میں بھر کر' وہ پارسل جمی لائیڈ کو روانہ کر دیا جائے گا۔"

ڈان تھری نے اس مشین کی کارکردگی کے بارے میں غالباً مبالغے سے کام لیا تھا لیکن پھر بھی وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ ناممکن نہیں تھا۔ لمبی چوڑی انسانی لاش کو ٹھکانے لگانے کے مقابلے میں اس کی کھلی کو بہ سانی خورد برد کیا جا سکتا تھا۔

بلی کے خون میں لتھڑے ہوئے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگانا دشوار تھا لیکن اس کی مضطربانہ حرکات سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ خود کو اپنے انجام کی طرف سے بے پروا ظاہر کرنے کے باوجود فکرمند تھا۔

اسے صوفے پر بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنے اوسان بحال کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے اچانک ہی پہلو بدلا اور بجلی کی سرعت کے ساتھ اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی سیاہ گیند نکال کر ہم لوگوں کے درمیان قالین پر دے ماری۔

فضا میں ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر وہاں تیزی کے ساتھ سیاہ دھواں بھرتا چلا گیا۔

بلی اس دھماکے اور دھوئیں کی آڑ لے کر وہاں سے فرار ہونے کے چکر میں تھا۔ مجھے سیاہ دھوئیں میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میں نے اندازے سے اس طرف چھلانگ لگا دی جہاں سے گزرے بغیر بلی کا سرعت کے ساتھ دروازہ تک پہنچنا ناممکن تھا اور یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ بھاگتے ہوئے میری زد میں آ گیا۔

وہ اس وقت اپنی زندگی اور موت کے سنگین مسئلے سے دوچار تھا' اس لیے اس کے بدن میں سوئی ہوئی تمام حیوانی جبلتیں یکایک بیدار ہو چکی تھیں۔ اپنے بدن پر میری گرفت محسوس کرتے ہی وہ بری طرح پھڑکا اور اس نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دے کر مجھے آگے اچھال دیا۔

میں منہ کے بل قالین پر گرا۔ میرا داہنا ہاتھ میز کے پائے میں الجھ گیا تھا۔ میں جھلا کر اٹھا تو ہر طرف اس قدر سیاہ دھواں پھیلا ہوا تھا کہ کمرے میں جلتے ہوئے بلب بھی صرف روشن نقطوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔

اس تاریک دھوئیں میں بصارت بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اس لیے میں اٹھتے ہی اندازہ کر کے ایک طرف دوڑا لیکن فوراً ہی ایک میز سے الجھ کر دوبارہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اچانک فضا میں شیشہ ٹوٹنے کا تیز چھناکا ہوا پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی تیز دھمک سنائی دی۔

"رک جاؤ' ورنہ جان سے مار دوں گا۔" میرے قریب ہی سے حبیب جیوانی کی گھٹی گھٹی غراہٹ سنائی دی۔ وہ اس نئی ہڑبونگ سے بہت زیادہ بوکھلایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

پھر یک بیک کوئی بھاری بھرکم وجود میرے اوپر آ پڑا۔ اپنے نیچے کسی زندہ انسانی وجود کا ادراک ہوتے ہی حملہ آور نے میرا گلا دبوچنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

زبردست جدوجہد کے دوران میں اس کے دہانے سے جوں ہی پہلی گالی برآمد ہوئی تو میں بری طرح جھلا گیا کیوں کہ وہ حبیب جیوانی تھا جو سیاہ دھوئیں میں گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے مغالطے میں مجھ ہی سے لپٹ پڑا تھا۔

"الگ ہٹو' چیف! یہ کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کی انگلیوں سے اپنی گردن بچاتے ہوئے بھنا کر کہا۔

"اوہ' ڈیی؟" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی اس کے تنے ہوئے اعصاب یک بیک ڈھیلے پڑ گئے۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس کی احمقانہ آواز ابھری۔ "یہ تم ہو تو وہ کہاں گیا؟"

"میرے اوپر سے تو ہٹو' میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے بے رحمی کے ساتھ اسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

میں قالین سے اٹھ ہی رہا تھا کہ باہر سے کھٹ کی ایک مخصوص گونج سنائی دی۔ وہ یقینی طور پر کسی بے آواز پستول کا فائر تھا۔

ساتھ ہی فضا میں موت کی دہشت میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ بلند ہوئی اور فوراً ہی دم توڑ گئی۔ باہر کسی وزنی شے کے پختہ فرش پر گرنے کا دھماکا ہوا پھر متعدد دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

کثیف دھوئیں کا بم بلی گینگ کا کوئی شعبدہ تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شی والے جدید سے جدید تر سائنسی کمالات سے مجرمانہ سہارے پیدا کرنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ ہمارے گرد و پیش میں پھیلا ہوا تاریک دھواں رفتہ رفتہ اوپر اٹھ کر ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

پھر میری نگاہ سرکنے والی بڑی سی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے پر پڑی جس میں سے ڈان تھری اتنے اطمینان کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہا تھا جیسے اس کے نزدیک وہی آمد و رفت کا راستہ ہو۔

"تمہارے سب آدمی گدھے ہیں!" اندر آنے کے بعد ڈان تھری ہانپتے ہوئے غرایا۔ "میں بروقت اس کا راستہ نہ روک لیتا تو وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہوتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" حبیب جیوانی ڈان تھری کے غصے سے خوف زدہ ہو گیا "ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد وہ سب مطمئن ہو گئے تھے۔ انہیں اندر کی صورتِ حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔"

"کون دونوں فرار ہو گئے؟" ڈان تھری اس پر برس پڑا۔ "انٹر کام پر بات کرنے کے بعد تو تم بتا رہے تھے کہ للی کے دونوں ساتھیوں کو مار دیا گیا ہے؟"

"میں نے للی کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔" حبیب جیوانی نے سر جھکا کر مردہ آواز میں کہا۔

"میں نے آج تک اپنے کسی یونٹ میں اتنی ابتری اور بدانتظامی نہیں دیکھی۔ تم نے اس کاروبار کو چور اُچکوں کا کھیل بنایا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ للی تمہارے چھ آدمیوں کے سروں پر پیشاب کرتا ہوا میرے مدِمقابل آگیا اور ان میں سے کسی کو اس معاملے کی سنگینی کا احساس نہیں ہو سکا۔ کیا ان ہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ہم یہاں اپنے کاروبار کی بنیادیں وسیع کرنے کی آرزو کر رہے ہیں؟"

"میں شرمندہ ہوں' ڈان!" حبیب جیوانی رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا۔ "جب سے میرا ایک آدمی مارا گیا ہے میرے نظام میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ سینڈو کی جگہ لینے والا رفتہ رفتہ اس کی سطح پر آجائے گا تو ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوں گی۔ وہ بہت محنت کر رہا ہے۔"

"اور اس وقت تک ہم سب جہنم واصل ہو چکے ہوں گے۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرّایا۔ بھاگ دوڑ میں اس کے ہاتھ سے سگار کہیں گر گیا تھا اس لیے وہ اپنی جیب سے نیا سگار نکالنے میں مصروف ہو گیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی توجہ سگار کی طرف مبذول کی تھی۔

وہ کمرے میں ٹہل ٹہل اور رک رک کر سگار سلگانے کے مختلف مراحل طے کرتا رہا اور میں اپنی جگہ کھڑا دلچسپی کے ساتھ حبیب جیوانی کی ابتر حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ کسی پیدائشی مجرم کی طرح اپنا سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔

سگار کے چند گہرے کش لینے کے بعد ڈان تھری کا غصہ فرو ہوا تو اس نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ دروازے سے بھاگا تھا۔ اگر میں کھڑکی سے نکل کر اس سے پہلے باہر نہ پہنچتا تو وہ بھاگ جاتا۔ اب تم جاؤ اور اس کی بگڑی ہوئی لاش ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر کے واپس آؤ۔"

ڈان تھری نے کھڑکی کی راہ اختیار کر کے واقعی عقل مندی کی تھی۔ فرق صرف اتنا ہوا تھا کہ کھڑکی کے دو میں سے ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور للی گینگ نے اسی خلا میں سے مجھ پر فائر کیا تھا۔ اگر کمرے میں سیاہ دھواں نہ پھیلا ہوتا تو ڈان تھری کھلے ہوئے پٹ میں سے بہ آسانی باہر نہیں نکل سکتا تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے' اس سے اندازہ کی غلطی ہوئی اور وہ بند شیشہ توڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کی ہدایت پر حبیب جیوانی ڈرائنگ روم سے چلا گیا تو ڈان تھری پوری سنجیدگی سے میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"نظم و ضبط کی اس شرمناک صورتِ حال پر تمہارے کیا احساسات ہیں؟"

"اس بندوبست سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی میں ندامت اور شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے سر جھکا کر اپنے صدمے کا اظہار کیا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہارے عمل دخل سے اس صورت حال میں فرق پڑ سکتا تھا؟"

اس کے اس سوال پر میں چونک پڑا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آدمیوں کا انتخاب احتیاط سے کیا جاتا تو شاید ان ناخوشگوار واقعات سے بچا جا سکتا تھا۔ ماتحت ناکارہ ہوں تو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ حبیب جیوانی کو کچھ دن کے لیے رخصت پر بھیج کر' تمہیں اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع دیا جائے آنے والے دنوں میں یہ علاقہ ہماری سرگرمیوں میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔"

اس کی وہ تجویز میرے لیے نہایت خطرناک تھی۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کسی بھی طرح مافیا کا وفادار نہیں تھا۔ جب تک میں ذمے داریوں سے بچا ہوا تھا' بالا ہی بالا مافیا کے مفادات کو نقصان پہنچا کر' ایسی تمام کارروائیوں کی ذمے داری کا طوق حبیب جیوانی کے گلے میں ڈال سکتا تھا۔ اگر ڈان تھری چوہدری کو کوتوال مقرر کردینے پر تل جاتا تو میرے لیے بدترین دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں اور ان کے نتیجے میں مجھے پوری طرح مافیا کا حق نمک ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑتا۔

"میری ناقص رائے میں' یہ وقت ایسی کسی تبدیلی کے لیے سازگار نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس کی وجہ جاننی چاہوں گا۔" ڈان تھری نے اپنی سانپ جیسی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"تنظیم کے اندرونی معاملات پر میری گرفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ گنے چنے لوگوں کے علاوہ بقیہ افرادی وسائل ابھی تک میری نظروں میں نہیں آسکے ہیں۔ مجھے عام آپریشن کو چلانے میں دقتیں پیش آئیں گی۔"

"لیکن کیوں؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا تمہیں دیدہ و دانستہ الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں؟" اس کی تیوریوں پر برہمی کی علامات ابھر آئیں۔

"دانستہ نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "شاید ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا۔ کام میں تیزی پیدا ہو گی تو بہت سی باتیں خود بخود میرے سامنے آتی چلی جائیں گی۔"

"تم اپنے چیف سے بہت زیادہ مرعوب ہو یا پھر اول درجے کے فریبی اور مکار ہو۔" چند ثانیوں کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ذمے داری قبول کرنے سے گریز کیوں کر رہے ہو؟"

"میں نے جو کچھ کہا' اس میں میری ذرا سی بھی بدنیتی کا دخل نہیں ہے۔ چیف بہرحال میرا بڑا ہے اور میں اس کا مناسب احترام کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری پرانی شہرت مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ مکاریوں اور چال بازیوں کے سلسلے میں' میں بہت بدنام رہا ہوں لیکن مافیا میرا گھر اور میرا مسکن ہے۔ اس میں' میں بالکل سیدھا چلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں کیسے مان لوں کہ تم نے سلور آئیز لوٹا دی ہوں گی۔ تم ان کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے پھر تم نے ویرا جیسی دشمن سے سمجھوتا کیسے کر لیا؟ تم ایک طرف خود کو ناقابلِ شکست ثابت کرتے چلے آئے ہو اور اب خود کو اول درجے کا بے وقوف ظاہر کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔"

"شاید میری کم گوئی کی وجہ سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے میں سلور آئیز کے بوجھ سے ان ہی دنوں میں بری الذمہ ہو چکا تھا جب ویرا کے ساتھ میری گاڑھی چھن رہی تھی۔"

"وہ بہت پرانی بات ہے۔ اگر ویرا اس وقت سلور آئیز لے چکی تھی تو اس نے اپنے بڑوں کو اندھیرے میں کیوں رکھا؟"

"اس بات پر وہی روشنی ڈال سکے گی لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ اپنے مفادات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتی۔ جی لائیڈ کے بارے میں' وہ اکثر جھلاہٹ کا شکار ہوتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی ہی کسی رو میں آکر' اس نے سلور آئیز پر قابض ہونے کا راز اپنی ذات تک محدود رکھا ہو۔"

"لیکن وہ خود آئی وو من ہے۔ شی میں ہر ایک جانتا ہے کہ اس کا پرآئی مین ایک مرد ہے۔ ایسی صورت میں ویرا فاضل سلور آئیز سے کیا فائدہ حاصل کر سکتی ہے؟"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟" میں بے بسی کے ساتھ اپنے شانے اُچکا کر رہ گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس اہم کارنامے کی اطلاع کسی مناسب وقت پر دینا چاہتی ہو۔ ان لوگوں نے اس معاملے میں تم سے رجوع کیا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ سلور آئیز کی طرف سے کتنے فکر مند ہیں۔"

"اور اب ویرا کہاں ہے؟" وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"دو روز پہلے تک میں اس کی راہ پر تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں کسی بھی وقت اسے گھیر کر مار لوں گا لیکن پھر اچانک ہی وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ شہر ہی میں کہیں چھپی ہوئی ہو۔"

"دیکھو' ڈینی! یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ پروفیشنل ہیں۔ ہم نے کسی مجبوری یا حادثے کے تحت اپنی راہ کا انتخاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور اختیار حاصل کرنے کے لیے' بہت سوچ سمجھ کر یہ کاروبار اپنایا ہے۔ ہمیں اپنی ساکھ بہت عزیز ہے۔ دشمنی میں ہر دھوکے اور فریب روا ہوتا ہے لیکن جب ہمارے حریف مذاکرات کی میز پر آجاتے ہیں تو ہم جھوٹ بولتے ہیں' نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اسی ساکھ کے سہارے ہم تیزی کے ساتھ ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ اگر سلور آئیز کے بارے میں تم کچھ چھپا رہے ہو تو' اب بھی اپنے بیان پر نظرثانی کر سکتے ہو۔ میں نے ایک بار جی لائیڈ کے سامنے زبان کھول دی تو کچھ نہیں ہو سکے گا۔ بعد میں تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو میں خود' مافیا کے سارے مفادات کو نظرانداز کر کے' اپنے ہاتھوں سے تمہیں ذبح کر دوں گا۔"

اس کی دھمکی کے سرد الفاظ پر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ میرا بیان جزوی طور پر درست تھا۔ میں نے ویرا کی ایران روانگی سے پہلے دو سلور آئیز اس کے حوالے کردی تھیں لیکن تیسری سلور آئی بدستور میری تحویل میں تھی' جس سے میں کسی بھی قیمت پر دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"مجھے اچھی طرح اندازہ ہے ڈان! کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں۔ جی لائیڈ کو اس لڑکی پر دباؤ ڈالنا چاہیے جو اسے زبردستی اپنا باپ بنانے پر اصرار کرتی رہتی ہے۔ اس معاملے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

"اور بیم گن؟" ڈان تھری کے نُکیلے سوالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے ابتدائی جوابات کو من و عن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"وہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے اس سے نظریں چار کر کے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے!" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ لیزر سے چلنے والی اس گن کے نوزل سے خارج ہونے والی' مہلک' نیلگوں شعاعیں پتھر تک کو آناً فاناً میں جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اب اگر اس خطے میں ایسی کوئی بھی واردات ہوئی تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

"یہ زیادتی ہے ڈان!" میں نے پہلی بار احتجاج کیا۔ "للی گینگ کی موت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شی والے ابھی تک یہاں کام کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا ابھی ابھی اسی شہر میں موجود ہو۔ اگر ان میں سے کسی نے بیم گن سے کوئی شکار کھیلا تو مجھ پر اس کی ذمے داری کیسے ڈالی جا سکے گی؟"

"اسی کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ وہ یہاں سے پسپائی اختیار کر لیں گے اور پھر تم یہ بھی بھول رہے ہو کہ جی لائیڈ ہماری ہی طرح پیشہ ور ہے۔ پروفیشنل لوگ جھوٹ نہیں بولا کرتے۔"

"مجھے ان کی پروا نہیں لیکن مجھے تمہارا تحفظ ضرور درکار ہے۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ میرا ڈان مجھے جھوٹا نہیں سمجھتا۔ تم کو اندازہ نہیں کہ جی لائیڈ میری طرف سے اپنے دل میں کتنے زخم لیے بیٹھا ہے۔ ویرا دنیا کے ہر خطے میں رنگ رلیاں مناتی پھرتی ہے لیکن جی لائیڈ کو اس بات کی خلش ہے کہ میں ایک طرف اسے زک پر زک پہنچا رہا تھا اور دوسری طرف ویرا میرے لیے

ایک کھلونا بنی ہوئی تھی۔ مجھے تہس نہس کرنے کے لیے وہ اپنے اصولوں اور پیشے کے وقار تک کو داؤ پر لگا دے گا۔"

"ہم اپنے حریفوں کی شکایت پر اپنے آدمیوں کو طشتری میں سجا کر' ان کے سامنے نہیں ڈال دیتے۔ میں تمہیں صرف امکانات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ وقت آیا تو تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں' ڈان!" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "تمہارے ان الفاظ کے سہارے اب میں سکون کے ساتھ اپنا کام جاری رکھ سکوں گا۔"

"دیکھو' تمہارا چیف کہاں رہ گیا؟ باقی باتیں اس کی موجودگی میں ہونی ضروری ہیں۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف لپکا تو حبیب جیوانی کسی اداس بکرے کی طرح منہ لٹکائے' برآمدے میں کھڑا تھا۔

"ارے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے کہا۔ "اندر کیوں نہیں آتے؟"

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور اداسی کے ساتھ بولا۔ "میں سمجھ گیا تھا کہ ڈان مجھے باہر بھیجنا چاہ رہا تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر میں نے دوبارہ اندر آنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تم غلط سمجھے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جلدی آؤ' وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

میرے اس فقرے پر حبیب جیوانی کے چہرے سے مایوسی دور ہو گئی اور وہ فوراً ہی میرے ساتھ ہو لیا۔

"تم نے غلام رسول نامی ایک مقامی سیاستداں کو پولیس کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔" قدرے توقف کے بعد ڈان نے بولنا شروع کیا۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ بھارتیوں کی تحویل میں جانے سے پہلے' مردہ حالت میں دوبارہ پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اگر وہ کام ہو جاتا تو اس کے بدلے میں بھارت میں ہمیں کام کرنے کی بہت زیادہ آزادی مل سکتی تھی۔ غلام رسول یہاں ایک نیک نام سیاستداں تھا لیکن تم نے سن لیا ہو گا کہ وہ ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کی سرپرستی کی پشت پناہی کر کے اس مقام تک پہنچا تھا۔ اندر کی خبریں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ بھارتیوں کے ساتھ مل کر سندھ میں مسلح بغاوت پھیلانے کے ایک ایسے منصوبے پر کام کر رہا تھا جس میں چند اہم سفارت خانوں کے ساتھ ہی' شی کا بھی اہم کردار تھا۔ ایک ایسے ملک میں' جہاں ممتاز سیاست دانوں کا یہ حال ہو' ہمارے لیے کام کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔"

اس کی وہ تمہید ہم دونوں ہی کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس لیے ہم خاموشی کے ساتھ اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتے رہے۔

"تم جانتے ہو کہ اقتدار کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے؟" وہ ڈان کی طرف سے ایک واضح سوال تھا۔

"عوام!" حبیب جیوانی نے گھسا پٹا جواب دیا۔ "ان کی حمایت سے قیادت اوپر آتی ہے۔"

"بکواس!" ڈان نے حقارت سے کہا۔ "یہ سب ترقی یافتہ ملکوں کی باتیں ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں غلام رسول جیسے لوگ ابھر کر آتے ہیں جنہیں سازشوں' کالے دھن اور خفیہ ہتھیاروں کے ذریعے آگے لایا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں اقتدار صرف جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے کا ہوتا ہے۔ عوام سے صرف نمائش کا کام لیا جاتا ہے۔ وہ دھوپ میں گھنٹوں دھکے کھا کر ووٹ دے آتے ہیں۔ نتیجہ آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے ووٹ اسی کو ملے ہیں جسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ ووٹر' جیتنے والے کی بدمعاشیوں کے امکانات پر غور کیے بغیر' ایک دوسرے پر شبہ کرنے لگتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو ایک مخصوص طبقے کی مرضی ہوتا ہے۔ ہمیں قوت اور اختیار کے ان سرچشموں تک رسائی حاصل کرنی ہے تاکہ ہم بے خوف و خطر ہو کر' اپنا کام آگے بڑھا سکیں۔"

"کی کلب کے مقاصد بھی یہی تھے..." حبیب جیوانی نے یاد دلانا چاہا لیکن ڈان نے فوراً ہی اُس کی بات کاٹ کر' اپنی تقریر شروع کر دی۔

"وہ نظریہ یہاں نہیں پنپ سکتا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "بلیک میلنگ کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا جا سکتا ہے' ان سے دوستانہ مراسم استوار نہیں کیے جا سکتے۔ کی کلب ایک بہت کھلا ہوا راز تھا۔ وہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوتے تھے۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ وہاں دوسرے کس صورتِ حال سے دوچار ہوتے ہیں۔ اب ہمیں منظم ہو کر اوپری سطح پر کام کرنا ہو گا۔"

"پالیسی دے دی جائے تو ہم ہر کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اس بار بھی حبیب جیوانی نے ہی یقین دہانی کرائی۔

"اس بار کرپٹ سیاستداں وغیرہ ہمارا ٹارگٹ ہوں گے۔ ہم ان میں سرمایہ کاری کریں گے اور وہ ہمارے کاروبار کو تحفظ فراہم کرنے کے ذمے دار ہوں گے۔" ڈان تھری بولا۔ "پچھلے دنوں امیر جان نامی ایک سیاستدان کے بیٹے نے نیویارک میں دو کلو ہیروئن ہمارے ایجنٹ کو فروخت کی ہے۔ اس کی لاعلمی میں' پورے لین دین کی ویڈیو فلم بنائی گئی ہے۔ آنے والے دنوں میں باپ بیٹے کو سیاسی کامیابیوں کے لیے خطیر سرمائے کی ضرورت ہے جو ان کی زرعی جاگیر سے نہیں مل سکتا۔ امیر جان بہت آسانی کے ساتھ ہمارے پھندے میں آ سکتا ہے۔ وہ پارسائی جتا کر بچ نکلنے کی کوشش کرے تو اس کے بیٹے کی فلم کا حوالہ اسے راہِ راست پر لے آئے گا۔ اس فلم کا انکشاف ان دونوں کی سیاسی زندگی تباہ کر سکتا ہے۔ امریکی ایف بی آئی وہ فلم منہ مانگے داموں پر خرید لے گی۔ اس کی مدد سے وہ یہاں والوں کو بے نقاب کر سکتی ہے..."

وہ بولتا رہا لیکن میرے لیے وہ باتیں نئی نہیں تھیں۔ غلام رسول کے معاملے میں میں وہ حربہ آزما چکا تھا۔ ہمارے پاس اس کی کوئی فلم نہیں تھی لیکن فرضی فلموں کا حوالہ دیتے ہی اس نے

اپنے بھارتی آقاؤں کو گالیاں دیتے ہوئے' اعترافات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس کے لیے وہ تصور ہی لرزہ خیز تھا کہ اس کے ملک دشمن جرائم کے تصویری ثبوت اسپیشل ٹاسک فورس کے قبضہ میں تھے۔

اس کے برعکس' امیر جان کے بیٹے کی فلم واقعی موجود تھی۔ اس فلم کے سہارے' ان دونوں باپ بیٹے کو بہ آسانی نکیل ڈالی جا سکتی تھی۔

"اس کے علاوہ سردار پائندہ گل ایک چھوٹا ریکٹ چلا رہا ہے۔ ہیروئن سے کمائی کی دولت لٹا کر اُس نے اپنی سخاوت کی سحر انگیز دھاک بٹھائی ہوئی ہے۔ کراچی کا نوجوان صنعت کار' مختار نقی ہیروئن کے سہارے راتوں رات کروڑپتی بنا ہے۔ پاکستان میں بہترین ہیروئن تھوڑی سی محنت کے بعد ہر ایک خرید سکتا ہے۔ عالمی بازار کے بھاؤ آئے دن ہر اخبار میں چھپتے رہتے ہیں۔ قیمتِ خرید' رشوتیں اور دوسرے تمام اخراجات پندرہ' بیس لاکھ روپے فی کلو سے زیادہ نہیں آتے۔ پیرس' ایمسٹرڈم' فرینکفرٹ' برلن' لندن اور نیویارک پہنچتے ہی اس کے دام ایک کروڑ سے اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کسی جنس پر داموں اور منافع کی شرح اتنی ہوش ربا نہیں رہی لیکن رکاوٹ صرف اتنی سی ہے کہ مال لے جانے والوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان پُرہجوم شہروں میں ہیروئن کے تھوک خریداروں کے ٹھکانے کہاں ہیں۔" ڈان تھری سگار کے گہرے کشوں کے درمیان میں بولے جا رہا تھا۔ "ان شہروں میں پہنچنے والے ہر پاکستانی کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ سیکرٹ ایجنٹ اور پولیس ٹاؤٹ معنی خیز اشاروں کنایوں میں مال کی خریداری کا عندیہ دیتے ہیں تو اناڑی لوگ انہیں کام کا آدمی سمجھ کر ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ہمیں ان تماشوں کو ختم کر کے اس تجارتی منڈی کو پوری طرح اپنی مٹھی میں لینا ہے۔"

"امیر جان' سردار پائندہ گل اور مختار نقی کے نام میں نے یاد کر لیے ہیں۔ ان پر ہم فی الفور کام شروع کر دیں گے۔ اسی سے آگے راہ بنتی چلی جائے گی۔" حبیب جیوانی نے کہا۔

"صرف امیر جان اور مختار نقی!" ڈان تھری نے زور دے کر کہا۔ "فی الحال سردار پائندہ گل کے قریب بھی نہ جانا۔ وہ اپنے حریفوں سے بڑی بے دردی سے پیش آتا ہے۔ پہاڑی دّروں میں قائم اس کے نجی قید خانے سے آج تک کوئی زندہ سلامت واپس نہیں لوٹ سکا۔ اس پر اوچھا ہاتھ ڈالا تو تم بھی وہیں پہنچا دیے جاؤ گے۔ وہاں قانون چلتا ہے نہ لاقانونیت کام آتی ہے۔ وہاں سردار پائندہ گل کی مرضی چلتی ہے۔"

"یہ سردار پائندہ گل وہی تو نہیں ہے جو سرحد کے اُس پار' افیم کی فصلوں کو تباہ کرنے والے' دس گاڑیوں اور بانوے افراد پر مشتمل ایک پورے روسی فوجی قافلے کو اغوا کر کے پہاڑوں میں لے گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

ڈان تھری کی سرد اور سپاٹ آنکھوں میں پہلی بار حیرت کی خفیف سی رمق نمودار ہوئی اور اس نے تحیّر زدہ لہجے میں پوچھا۔ "تم اس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟ یہ خبر تو کبھی منظرِ عام پر ہی نہیں آئی تھی۔"

"میں مافیا کے ساتھ ملنے سے پہلے شی کے ساتھ تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "مومن خان آفریدی کے ساتھ ہی' سردار پائندہ گل کی کہانیاں بھی سینہ بہ سینہ پھیلتی رہی ہیں۔ سنا ہے کہ اس نے تمام روسیوں پر اپنے دہشتناک فائرنگ اسکواڈ کے بھرے ہوئے میگزین خالی کرا دیے تھے۔"

"وہ روسی' افغان گوریلوں کی افیم کی فصلیں تباہ کرنے آئے تھے۔" ڈان تھری نے حبیب جیوانی سے مخاطب ہو کر اسے پُرخیال انداز میں بتایا۔ "لیکن سردار پائندہ گل نے ان کی لاشیں' سنگلاخ زمین میں دفن کر کے اس پر پوست کی فصل لگوا دی تھی۔ سنا ہے کہ روسی فوجیوں کی لاشوں پر قائم وہ کھیت آج بھی سب سے زیادہ زرخیز سمجھا جاتا ہے۔"

"ایسے جنونی شخص سے ہمیں دور ہی رہنا ہو گا۔ انسانی کھاد سے افیم کی فصل کی آبیاری کا تصور ہی وحشت انگیز ہے۔ یقین نہیں آتا کہ بیسویں صدی میں بھی ایسے لوگ بستے ہیں۔"

"وہ کٹر قوم پرست ہے۔" میں نے حبیب جیوانی کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "روسیوں کو وہ اپنی قوم اور ملک کا قاتل قرار دیتا ہے اور اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والے ہر عمل کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب گورے ان ملکوں میں سگریٹ اور شراب کی بھرمار کرنے کا حق رکھتے ہیں تو اسے بھی گوروں کے ممالک میں ہیروئن کی وبا پھیلانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس نے اپنے تین ایسے کارکنوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جنہوں نے تجسس سے مجبور ہو کر' چوری چھپے پہلی بار ہیروئن پی تھی۔"

"پھر تو وہ کوئی نظریاتی جنونی معلوم ہوتا ہے۔" حبیب جیوانی نے برا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

"بہرحال' فی الحال ہمیں اس سے دور رہنا ہے۔" ڈان تھری نے ہاتھ اٹھا کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

پھر اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد ڈان سے پوچھا۔

"تم جا سکتے ہو۔ میں بھی اب آرام کروں گا۔ للی گینگ کے واقعے نے میری طبیعت مکدر کر دی ہے۔ اگر جمی لائیڈ کی نیت میں شروع ہی سے کھوٹ تھا تو میں نے شکاگو سے یہاں تک دوڑ لگا کر اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ میں تم سے فون پر بھی سوال و جواب کر سکتا تھا۔ میرے آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں تم سے دُوبدُو بات کر کے معاملے کی تہ تک پہنچ سکوں مگر جمی لائیڈ نے اپنے طرزِ عمل سے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"میں اپنے بارے میں' اس کی ایسی ہی کسی غیر پیشہ ورانہ حرکت کی طرف سے متردد ہوں۔" ڈان کے آخری فقروں پر مجھے

ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرانے کا موقع مل گیا۔

"اب مجھے اپنی واپسی کے پروگرام پر نظرِ ثانی کرنی پڑے گی۔ میں یورپ کے بجائے مشرقِ بعید سے ہوتا ہوا' لاس اینجلز کے راستے شکاگو جاؤں گا۔ مکاؤ میں جمی لائیڈ کا ایک بہت پرانا آئی مین رہتا ہے۔ اس سے میری بچپن کی دوستی ہے۔ میں اُس سے بات کروں گا کہ وہ تمہارے معاملے میں جمی لائیڈ کو سمجھانے کی کوشش کرے۔"

ڈان تھری کی زبان سے مکاؤ اور پھر وہاں مقیم آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس وقت تک میں ڈان تھری سے جلد از جلد فارغ ہو کر' وہاں سے نکل بھاگنے کی فکر میں تھا تاکہ فلیٹ سے مکاؤ فون کر کے غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں ہونے والی پیش رفت سے واقفیت حاصل کر سکوں لیکن ڈان کی زبان سے مکاؤ اور پھر شی کے آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرا ذہن ڈون کوانگ فو کی طرف گیا تھا۔

اس لمحہ بھر میں شکاگو' کراچی اور مکاؤ کے سارے فاصلے فنا ہو کر رہ گئے تھے۔ سات سمندر پار' ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہنے بسنے والے یوں ایک دوسرے کے شناسا نکلے آ رہے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہ رہے ہوں اور دنیا ایک مرتبہ پھر اپنے اختصار کا ثبوت دے رہی تھی۔

میرے ذہن میں ویرا' غزالہ' سلطان شاہ' کوانگ فو اور ڈان وغیرہ' سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ڈان کو کس طرح بات آگے بڑھانے پر آمادہ کروں۔

"ہو سکتا ہے کہ جمی لائیڈ مکاؤ والے آئی مین کے کانوں میں' میری طرف سے پہلے ہی زہر انڈیل چکا ہو۔ ایسی صورت میں بات الٹی بھی پڑ سکتی ہے۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" وہ اعتماد کے ساتھ بولا۔ "کوانگ فو میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ ہماری دوستی تمام پیشہ ورانہ مصلحتوں سے بالاتر ہے۔ چین سے رضا کارانہ جلاوطنی اختیار کرنے سے پہلے ہم دونوں کے خاندان صدیوں سے' شنگھائی کے مضافات میں اکٹھے رہتے چلے آئے تھے۔ ہمارے درمیان پرانی وضع داری اب بھی برقرار ہے۔"

کوانگ فو کا نام لے کر ڈان تھری نے میری رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔

غزالہ کی بازیابی کے سلسلے میں' ویرا کے ذریعے میرا نام کوانگ فو تک پہنچ چکا تھا۔ میں خود اس کی سیکریٹری سے کئی مرتبہ بات کر چکا تھا۔ اس وقت نہ صرف غزالہ ہانگ کانگ یا مکاؤ میں پھنسی ہوئی تھی بلکہ سلطان شاہ بھی وہیں جا پھنسا تھا۔ ان حالات میں ڈان تھری مکاؤ پہنچ کر کوانگ فو سے میرا ذکر چھیڑتا تو اسے بھی معلوم ہو جاتا کہ میں اس کے آقا' جمی لائیڈ کے بدترین دشمنوں میں سرِفہرست تھا۔ وہ لاکھ ڈان تھری کا جگری دوست سہی لیکن شی کا نمک خوار بھی تھا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے وعدے وعید کر کے نیشی کاؤ کو ٹال دیتا اور غزالہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جاتی۔ وہ اس قدر غیر متوقع اور خطرناک صورتِ حال تھی کہ میرے ذہن میں فوری طور پر اس کا کوئی حل نہیں آسکا۔

"وہ میرا کام ہے۔ تم میں سے کسی کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" نیشی کاؤ نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر ہم سے مزید کوئی رسمی بات کیے بغیر اسی دروازے کی طرف بڑھ گیا جس سے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

ہم دونوں اس کے احترام میں اپنی جگہوں پر کھڑے رہ گئے۔

ڈان تھری کے اوجھل ہوتے ہی یک بیک میرے دماغ نے تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

آگے جو کچھ ہونا تھا' سو ہونا تھا۔ میری سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ میں ٹریڈ لائن یا مافیا سے فوری غیر حاضری کا کوئی غیر مشکوک عذر تراش کر حبیب جیوانی کو ذہنی طور پر اپنی رُوپوشی کے لیے آمادہ کر لوں۔ بعد میں مجھے روپوشی کی ضرورت پیش نہ آتی تو میں کسی بھی وقت ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ سکتا تھا۔

"ڈان نے امیر جان کے معاملے پر خاص طور سے زور دیا ہے۔" میں نے فوری طور پر تشویش آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے چیف کو اپنی راہ پر ڈالنے کی پہلی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں' یہ بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے۔" اس نے احمقانہ انداز میں اعتراف کیا۔ "لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ذمے داری' ہم دونوں میں سے کون قبول کرے گا۔"

"تم چیف ہو۔" میں نے سوچے سمجھے انداز میں اسے اکسایا۔ "حکم دو تو ابھی اسلام آباد جانے کی تیاری شروع کر دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ دو چار روز میں اس تک رسائی کی کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔"

"لیکن ابھی تو ڈان نے اس کے لڑکے کی فلم بھی نہیں دی ہے۔ اس کے بغیر تم کیا کرو گے؟"

"ضروری نہیں ہے کہ فلم میرے پاس ہی ہو۔ ابتدا میں تو اس کا حوالہ ہی کافی ہو گا۔ ضرورت پیش آئی تو بعد میں فلم کی ایک نقل امیر جان کی خدمت میں بھی پیش کر دی جائے گی۔ ایسے معاملات عموماً ایک ہی جست میں طے نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جیسا چاہو' کر سکتے ہو۔ جب تک ڈان کراچی سے روانہ نہیں ہو جاتا' میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ پتا نہیں وہ کب مجھے طلب کر بیٹھے۔ پھر مجھے اس سے فلم بھی لینی ہے۔ یہ ایک آدھ دن تو میں اسی مکان میں گزاروں گا۔"

"میں اسلام آباد نکل جاؤں تو میری طرف سے فکرمند نہ ہونا۔ مناسب موقع پر میں خود تم سے فون پر رابطہ کر لوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں فلم سامنے لائے بغیر امیر جان کو شیشے میں اتار لوں گا۔"

حبیب جیوانی کاٹھ کے الو کی طرح سر ہلا کر رہ گیا اور میری نہایت آسانی کے ساتھ گلو خلاصی کی راہ نکل آئی۔

میری تجویز سے اس کے فوری اتفاق کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ میری موجودگی میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر' دبا دبا سا رہتا تھا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ میرے دفع ہو جانے کے بعد اسے ڈان تھری کا خصوصی قرب حاصل رہے گا۔ اس کی بھرپور توجہ سے حبیب جیوانی کی اَنا کو خاصی تسکین مل سکتی تھی۔

وہ مرحلہ طے ہوتے ہی' میں نے وہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ڈان اندر سے دوبارہ باہر آ نکلا تو میرے پروگرام سے آگاہ ہوتے ہی' اسے منسوخ کرنے کا حکم صادر کر سکتا تھا۔

میں اپنی گاڑی میں ڈان کی قیامگاہ سے روانہ ہوا تو میرے ذہن میں خیالات کا ایک طوفان برپا تھا۔ موہوم اور بہت سے دور از کار اندیشے ہولناک صورتوں میں ابھر ابھر کر مجھے خوف زدہ کر رہے تھے۔ میں اپنے خیالات میں اس قدر منہمک تھا کہ اس گاڑی کو بھی نوٹ نہیں کر سکا جو میرے روانہ ہونے کے بعد' ڈان کی قیامگاہ کے قریب ہی ایک ویران گلی سے نکل کر میرے پیچھے روانہ ہوئی تھی۔ قدرے آگے نکلنے کے بعد اس کار سے دو تین مرتبہ میرے اوپر ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پھینکی گئی تو مجھے خیال ہوا کہ وہ گاڑی مجھ سے راستہ مانگ رہی تھی اس لیے میں نے اپنی کار بائیں طرف دبا کر ویران سڑک بالکل خالی چھوڑ دی لیکن وہ گاڑی آگے نکلنے کے بجائے بدستور میرے پیچھے ہی لگی رہی اور تیز روشنی پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا تو مجھے تشویش ہونے لگی لیکن میں اس وقت بھی اصل خطرے کا ادراک نہیں کر سکا۔ میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ وہ کوئی اوباش لڑکا تھا جو بلاوجہ دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہونے کا عادی تھا۔

لیکن جب میں ایک ڈھلان عبور کر کے داہنی طرف گھوم رہا تھا تو وہ کار سرعت کے ساتھ میرے پہلو میں آگئی۔ میں اس کار کی اگلی نشستوں پر بس دو ہیولے ہی دیکھ سکا کیوں کہ برابر میں آتے ہی کار سے پے در پے تین فائر ہوئے جو میری کار کی دوسری طرف کی کھڑکی کے شیشے توڑتے ہوئے گزر گئے۔

اگر میں نے اضطراری طور پر پوری قوت سے بریک لگا کر اپنا سر اسٹیئرنگ پر نہ نکا لیا ہوتا تو تیز رفتار کار سے چلائی جانے والی کوئی نہ کوئی گولی میری کھوپڑی میں پیوست ہو گئی ہوتی۔

میری گاڑی رک چکی تھی اور حملہ آور کار تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ شاید ڈان نے اپنے پروردہ غنڈوں کی مدد سے مجھے خوفزدہ کرنے یا ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔

مگر میرا وہ بے بنیاد خیال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ اگلے ہی لمحے' نئے ماڈل کی سیاہ مرسڈیز غراتی ہوئی میری کار سے آگے نکل کر ہوا ہو گئی۔ وہ حبیب جیوانی کی کار تھی جسے وہ خود چلا رہا تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر مجھے ڈان کی جھلک نظر آئی تھی۔

میں نے گیئر تبدیل کر کے اپنی کار بھی آگے دوڑا دی۔ مرسڈیز کی موجودگی نے صورتِ حال کو یک بیک بہت زیادہ سنسنی خیز اور اہم بنا دیا تھا۔

حملہ آوروں کی کار بہت تیزی کے ساتھ فرار ہوئی تھی لیکن ویران سڑک پر اس کا نئی مرسڈیز سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔ آناً فاناً میں مرسڈیز نے اس کار کو جا لیا پھر وہ دونوں کاریں خالی سڑک پر برابر برابر دوڑنے لگیں۔ میں نے اپنی کار کی رفتار غیر ارادی طور پر تیز کر دی۔

پھر اچانک ایک ہولناک دھماکا ہوا' حملہ آوروں کی کار فضا میں کئی فٹ اچھل کر آگ اور دھوئیں کے گولے میں تبدیل ہوئی اور دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ مرسڈیز سبک رفتاری کے ساتھ بہت آگے نکل چکی تھی حتیٰ کہ اس کی عقبی روشنیاں' جلتی ہوئی کار کے دھوئیں میں معدوم ہو گئیں۔

میں نے بوکھلا کر اپنی کار قریب ترین گلی میں گھما لی۔ وہ سب جس طرح ظہور پذیر ہوا اس کی بنا پر تباہ ہونے والی کار کے دونوں سواروں میں سے کسی کا زندہ بچنا محال نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ڈان نے کوئی طاقتور دستی بم پھینک کر اس کار کو تباہ کیا تھا۔

خالی الذہنی کے عالم میں کئی پُرپیچ گلیوں میں گھومنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ڈان نے وہ سب میرے ہی لیے کیا تھا مگر مجھے حیرت تھی کہ وہ خاموشی سے میرے پیچھے کیوں آیا تھا؟

مجھے امید تھی کہ حملہ آوروں کی کار کو تباہ کرنے کے بعد' ڈان کہیں اور جانے کے بجائے واپس اپنی قیام گاہ کا ہی رخ کرے گا اس لیے میں نے بھی اپنی گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی۔

میں نے سوچے سمجھے بغیر گلیوں میں فرار کی راہ اختیار کی تھی اس لیے مجھے دوبارہ راستہ تلاش کرنے میں قدرے دشواری کا سامنا کرنا پڑا اور جب میں واپس ڈان کی قیامگاہ پر پہنچا تو پورچ سے ذرا آگے مرسڈیز نیم تاریکی میں پارک کی ہوئی تھی جیسے اسے کئی دنوں سے وہاں سے نہ ہٹایا گیا ہو۔

میری آمد کی اطلاع پاتے ہی حبیب جیوانی بوکھلائے ہوئے انداز میں برآمدہ میں نکل آیا۔

"تت... تم واپس کیوں آئے ہو؟" اس نے آتے ہی خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب کیا ہوا تھا؟ میرے اعصاب ہل کر رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ کون تھے؟"

"وہ بلی گینگ کے آدمی تھے جو موقع کی تلاش میں کسی تاریک گلی میں چھپے ہوئے تھے۔ میرے دو آدمی ان کی تلاش میں باہر بھٹک رہے تھے۔ انہوں نے جوں ہی ایک کار کو تمہارے پیچھے روانہ ہوتے دیکھا' وائرلیس پر مجھے خبر دی اور ڈان نے فوراً روانہ ہونے کا

فیصلہ کرلیا۔ تمہارا مقدر اچھا تھا کہ تم ان کی اندھا دھند فائرنگ سے بچ گئے لیکن وہ ڈان کے آہنی چنگل سے نہیں بچ سکے۔ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں وہ تینوں ہی جہنم واصل ہوگئے۔ یہ دو بھگوڑے نہ مارے جاتے تو شکست کا احساس میرے ذہن پر کچوکے لگاتا رہتا۔"

"میں اپنی اس خبرگیری پر ڈان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔

"تم جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جاؤ۔ یہ شکریہ وُکریہ میں پہنچا دوں گا۔ تم بچ گئے ہو لیکن تمہاری کار پر گولیوں کے نشانات ضرور آئے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں ہر طرف پولیس پھیل جائے گی اور تم دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔ اب جاؤ اور ڈان کو لباس تبدیل کرکے آرام کرنے دو۔"

"میں ڈان کے ساتھ تمہارا بھی ممنون ہوں کہ مجھ پر حملہ آور ہونے والوں کو سختی سے کچل دیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ آگے نکلنے کے بعد دوبارہ میری طرف پلٹ پڑتے۔" میں نے صدقِ دل سے کہا۔

"اب جاؤ!" اس نے میرے بازو تھام کر مجھے گھما دیا "دیر کرو گے تو پھنس جاؤ گے اور پولیس والوں سے میں تو کیا' ڈان بھی نہیں بچا سکے گا۔"

میں خاموشی سے اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

میں فلیٹ کے دروازہ پر پہنچا تو اندر فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ہنضمی قفل کھولنے میں خاصی پھرتی سے کام لیا لیکن جب تک میں اندر پہنچا' فون کی گھنٹی تھک کر خاموش ہو چکی تھی۔

نہ جانے وہ کس کا فون تھا اور کب سے گھنٹی بج رہی تھی؟ اس بھاگ دوڑ میں میری بھوک خاصی چمک اٹھی تھی۔ اس لیے میں نے ریفریجریٹر میں سے خورونوش کی کچھ اشیا نکالیں اور فون کے قریب ہی بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا۔

گیارہ بجے کے قریب دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تو میں کھانے سے فارغ ہوکر صوفے پر ستا رہا تھا۔ میں نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ظفر کی آواز سنائی دی۔

"تم کہاں غائب تھے؟ شام سے یہ میری پانچویں فون کال ہے۔" اس نے تیزی سے پوچھا تھا۔

"اکیلا آدمی کوچہ نوردی کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے؟ بس شہر کی سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا۔"

ریسیور پر اس کے جاندار قہقہے کی آواز ابھری' پھر وہ بولا "آج کل تو تم واقعی اکیلے رہ گئے ہو' غزالہ کے بعد ویرا اور پھر سلطان شاہ بھی تمہیں داغِ مفارقت دے گیا۔ اس کی کیا خیر خبر ہے؟؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی تک انتظار ہو رہا ہے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے پاس کچھ خوش خبریاں ہیں جن میں تمہاری شرکت کے بغیر لطف ادھورا ہے۔"

"میں وہی سننا چاہ رہا ہوں۔ تم نے بلاوجہ تو پانچویں بار فون نہیں کیا ہوگا۔"

"پہلی اطلاع تو یہ ہے کہ آپریشن سلور سینڈ کے خالق' شری مان سنگھ کو کھلے سمندر میں پھینک کر جہنم واصل کردیا گیا تھا۔ سمندر بھی زیادہ دیر تک اس پاپی کی لاش کا بوجھ نہیں سہار سکا۔ آج دوپہر پیراڈائز پوائنٹ کی بے رحم چٹانوں میں اس کی مسخ شدہ لاش دریافت کی گئی ہے۔"

"میرے حساب سے تو وہ اسی وقت مر چکا تھا جب میں اسے تمہارے پاس چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپریشن سلور سینڈ کیا بلا ہے۔ اس سے پہلے ملا سرکار بھی ان لوگوں کے ایک منصوبے کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔"

"یہ منصوبہ بہت خطرناک تھا۔ یہ کامیاب ہوجاتا تو ہماری حکومت سیاسی اعتبار سے بدترین دفاعی پوزیشن میں آجاتی۔ اس کے مطابق جرائم پیشہ لوگوں کا ایک بڑا لشکر' ہماری جانب سے بھارتی علاقے پر حملہ کرتا اور وہ جوابی کارروائی کے نام پر ان کو روندتے ہوئے ہمارے علاقے میں گھس آتے۔ اس لشکر میں سے پکڑے جانے والوں کو عالمی ذرائع ابلاغ کے سامنے پیش کرکے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا کہ داخلی امن و امان کے لیے ہماری حکومت نے جرائم پیشہ افراد کو بھارتی علاقے پر لشکر کشی اور لوٹ مار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس بارے میں ان کے سرغنوں سے حسبِ مرضی اقبالی بیانات دلوائے جاسکتے تھے۔"

"آج کے ترقی یافتہ دَور میں کون اس بھونڈے الزام کو مانتا۔ آج کل تو پیشہ ور فوجوں میں بھی مہارت اور فنی برتری کا ہی مقابلہ ہوتا ہے۔ قبائلی دَور کی لشکر کشی سے ملک فتح کرنے کے زمانے لد چکے ہیں۔ ایسی کوشش کو کھلی خودکشی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جائے گا۔"

"امن و امان کی اندرونی صورتِ حال خراب ہو تو ایسے مضحکہ خیز الزامات بھی قرینِ قیاس بن جاتے ہیں۔ شری مان سنگھ کی موت کے بعد یہ باب خود بخود بند ہو جائے گا۔"

"تم نے ابھی تک اگلی خوش خبری کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ویرا کے بارے میں اس سال کی سب سے بڑی خوش خبری ملی ہے۔" آخرکار وہ وفورِ جوش سے پھٹ ہی پڑا "اس مرد کی بچی نے جو کہا تھا' وہ پورا کر دکھایا ہے۔"

"مرد کی نہیں' وہ خود کو جمی لائیڈ کی بچی کہتی ہے۔۔۔ اب چپ کیوں ہوگئے؟ جلدی بات پوری کرو!"

"اہم ایٹمی آلات اور سازوسامان لانے والا' ایرانی قافلہ ہماری سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے۔ راستے میں صرف ایک ٹرک ہولناک دھماکے میں تباہ ہوا ہے۔ اس پر وہی ہیٹ ایکس چینجر لدا ہوا تھا۔ جس کا ذکر ویرا نے کیا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جدید ترین' خلائی ٹکنالوجی کے سہارے لائی جانے والی اس تباہی میں کسی آدمی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی' یہ ویرا کا ایک لازوال کارنامہ ہے۔"

"یہ خبر کب اور کیسے ملی؟ کیا ویرا لوٹ آئی ہے؟" میں نے بے تابی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ ٹرک دشت لوت میں نصرت آباد کے قریب چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس پر ہونے والا دھماکا اس قدر شدید تھا کہ ڈیڑھ انچ موٹی آہنی چادر ریزہ ریزہ ہوکر سیکڑوں میٹر دور تک پھیل گئی۔ ٹرک اور ٹریلر کسی نازک کھلونے کی طرح تباہ ہوگئے۔ دھماکے کے وقت وہ ٹریلر کارواں کے ساتھ ہوتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کھیپ کو مکمل تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ دھماکے کی آواز میلوں دور تک سنی گئی تھی۔ یہ کہانی ہماری سرحد میں پہنچنے والے کارواں کے عملے نے سنائی ہے اور ایرانی فضائیہ نے اس تباہی کی تصدیق کی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو بھی ادھوری تباہی کا علم ہوگیا ہوگا۔ وہ جھلا کر باقی کھیپ پر کوئی بہت بڑا فضائی حملہ بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اب شاید کچھ نہیں ہو سکتا۔ زمین پر وہ کارواں کمانڈوز اور انٹر سروسز انٹیلی جنس کے محاصرے میں ہے۔ فضا میں لڑاکا طیاروں کی مسلسل پروازیں جاری ہیں۔ کارواں کی نقل و حرکت خفیہ رکھی جارہی ہے۔ جب ہماری طرف سے تخریب کاری کا امکان ظاہر کیا گیا تو ایرانی حکام کو ہمارے اندیشوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شہنشاہ کے دوستانہ دَور میں دی جانے والی امداد میں کوئی ہولناک گھپلا کیا گیا ہوگا۔ اب ان کی بھی آنکھیں کھل گئی ہیں۔"

"لیکن ابھی بھی بلوچستان کی سرحد سے پنڈی یا کہوٹہ تک کا طویل سفر باقی ہے۔" ویرا کی سنائی ہوئی لرزہ خیز کہانی کے درست ہونے کی اطلاع ملتے ہی میرا دل انجانے اندیشوں سے لرزنے لگا تھا۔

"ہنگامی طور پر یہ سفر مختصر کردیا گیا ہے۔" شاید غیر ارادی طور پر ظفر کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی "اس معاملے میں شروع سے اب تک' تمہارا کردار ناقابلِ فراموش رہا ہے اس لیے میں تمہاری جذباتی کشمکش کو سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے زبان کھول رہا ہوں کہ تم اب فکر نہ کرو۔ ماہرین ہنگامی بنیادوں پر صورتِ حال کو سنبھال رہے ہیں۔"

"مگر کیسے؟ ٹریلروں کا وہ لشکر جہاں بھی رکے گا' تماشا بن جائے گا۔" میں نے کہا۔

"کوئٹہ کے قرب و جوار میں کنکریٹ کے بنے ہوئے' زیرِ زمین ایمیونیشن ڈمپ خالی کرائے جارہے ہیں' جدید ترین کرینیں اور فورک لفٹ ٹرک تیزی سے وہاں پہنچائے جارہے ہیں۔ صبح کا اُجالا ہونے سے پہلے' زمین یہ سب نگل چکی ہوگی۔ ٹریلروں پر سے دیوہیکل مشینیں اور آلات ان ہی زیرِ زمین گوداموں میں اتارے جائیں گے اور ایرانی ٹریلر خالی ہونے کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے واپس لوٹتے چلے جائیں گے۔ کچھ دن گزر جانے کے بعد اس تمام سازوسامان کو اِکّادُکّا ٹریلروں کے ذریعے خاموشی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچا دیا جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی علم نہیں ہوسکے گا کہ پاکستان میں داخل ہونے کے بعد یہ زبردست کھیپ کہاں غائب ہوگئی۔"

"یہ واقعی مناسب بندوبست معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "لیکن بلیو کراس ڈیل کے لیے تو یہ ساری تیاریاں پہلے سے مکمل ہوجانی چاہیے تھیں۔ اب بھاگ دوڑ کیوں ہو رہی ہے؟"

"سچ بات یہ ہے کہ ایرانیوں کی طرح ہمارے بعض اعلیٰ حکام بھی بلیو کراس ڈیل کی تباہی کے خطرے کو تخیل طرازی یا افواہ سے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ سب دشتِ لوت میں ٹرک اور ٹریلر کی تباہی کے بعد ہوا ہے۔ اس واقعے نے ہر طرف کھلبلی مچادی ہے۔"

"سب کچھ اسی طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' جس طرح تم سوچ رہے ہو تو بہت بڑا کام ہوگا۔ جو لوگ خلائی اشاروں سے پھٹنے والے حساس ہتھیاروں سے کام لینے کے اہل ہیں' وہ بڑے پیمانے پر ہونے والی زمینی نقل و حرکت کا بھی سراغ لگا سکتے ہیں۔ ان سے تو کچھ بھی نہیں چھپایا جاسکے گا۔"

"اپنی سائنسی برتری کے سہارے وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی سب کچھ کر گزرنا ان کے بس سے بھی باہر ہے۔ جب تک اس علاقے پر مستقل طور پر ایک مصنوعی سیارہ معلق نہ ہو' وہ چوبیس گھنٹے' ہر چیز کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ ہمارے ذمّے دار اپنی بساط کے مطابق سب کچھ کر رہے ہیں۔ اللہ کی مرضی ہے۔ ہمیں بہترین نتائج کی توقع رکھنی چاہیے۔ صبح ہونے تک پوری صورتِ حال واضح ہو چکی ہوگی۔"

اس وقت میرے ذہن میں بہت تیزی کے ساتھ' چوکنڈی کے قدیم اور تاریخی قبرستان کے کھنڈرات کے قریب ڈی ڈی یا دلدار آغا کے ساتھ ہونے والی جاں گسل جدوجہد ابھر آئی۔ ڈی ڈی' اپنے دوست اور شریکِ کار اسرار رضوی کی مدد سے مجھے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چوکنڈی کے علاقہ میں لے گیا تھا کیونکہ ان دنوں چوکنڈی کے اطراف میں پھیلا ہوا وسیع و عریض علاقہ خلا میں موجود سیارچے کی زد میں تھا۔ وہاں جو کچھ بھی کھیل کھیلا گیا وہ اس سیارچے کی حساس آنکھوں کے ذریعے' ہزاروں میل دور من و عن دیکھا گیا اور پھر جمی لائیڈ نے ان چشم دید واقعات کی بنیاد پر آناً فاناً میں اپنے اگلے فیصلے صادر کر دیے جن میں ویرا کا کراچی بھیجا جانا سرِفہرست تھا۔

لیکن اس نازک موقع پر' میں نے ماضی کے ان تجربات کو بدشگونی سمجھتے ہوئے' ان کا ذکر ہی گول کردیا۔ وہ لمحات ایسے تھے کہ آدمی ہر طرف سے بے بس ہوکر بس دعاؤں اور معجزوں پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ اس وقت میرا رُواں رُواں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ کاش ایرانی کارواں کی باقی ماندہ گزرگاہ کسی جاسوس' خلائی سیارہ کی زد میں نہ آئی ہوئی ہو' کیونکہ اسی ایک نکتے پر ہر چیز کی سلامتی کا دارومدار تھا۔

"میں دست بہ دعا رہوں گا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"میرا خیال کہ اس معاملے میں' میری اور تمہاری فکرمندی سب سے زیادہ ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ ہم کن لوگوں سے مقابلہ کررہے ہیں۔ دوسروں کے لیے متوقع خطرات کا ادراک کرنا ہی ناممکن ہے۔ بلیو کراس ڈیل کے بعض ذمّے داروں نے کارواں اپنی سرحد میں پہنچنے پر باقاعدہ جشن منایا ہے۔ ان کے خیالات میں سب کچھ نمٹ چکا ہے اور اب ٹرکوں کو ایک مقررہ مقام پر لے جاکر خالی کرنا باقی رہ گیا تھا۔ اگر دشتِ لوت کے دھماکے نے سنسنی اور افراتفری نہ پھیلائی ہوتی تو بہت پیچیدہ صورتِ حال سامنے آسکتی تھی۔"

"اب اس معاملے پر مزید مغززنی بے سود ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ بتاؤ کہ ویرا کی کیا خیر خبر ہے؟"

"میرے دل میں اس کی قدر و منزلت یک بیک بڑھ گئی ہے' میں تم سے شروع سے کہہ رہا ہوں کہ بظاہر وہ بہت گندی اور بگڑی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی موجود ہے۔ ابھی تک اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دشتِ لوت میں روکے جانے والے ٹریلر کا قصہ اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے پیچھے رہ گئی ہوگی اور کل پرسوں تک واپس لوٹ آئے گی۔"

"اس کے بارے میں' تمہارے ارادے مجھے اب بھی ڈانواں ڈول نظر آتے ہیں۔" میں نے گفتگو میں ہلکا پھلکا پن پیدا کرنے کی نیت سے قہقہہ مار کر کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ بھی تمہیں رجھانے کے لیے اتنی تن دہی سے کام کررہی ہو۔ اس کی کوئٹہ سے آنے والی فون کال خاصی معنی خیز تھی۔"

"میں کھلے ذہن کا آدمی ہوں۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "ایسا ہو بھی تو کون سا بُرا ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ بری عورتوں کی بھرمار ہے۔ وہ سب پوری عمر کسی کٹی ہوئی پتنگ ہی کی طرح نہیں چکراتی رہتیں۔ درمیانی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہر عورت' شدت کے ساتھ اپنا گھر بسانے کی آرزو کرنے لگتی ہے اور عموماً یہ آرزو پوری ہوجاتی ہے۔ اگر ویرا ابھی سنجیدہ ہوجاتی ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ میرے لیے تو اب وہ ایک ہیرو کا درجہ حاصل کرچکی ہے۔ ہم لوگ اپنے محسنوں کے بارے میں حد درجہ جذباتی ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔ سارے پاکستانی تو ایسے نہیں ہوتے۔ آج کل تو اپنے محسن کی ٹانگ کھینچنے والے کو کامیاب آدمی قرار دینے کا رواج چل پڑا ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"ایسی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی موت کو بھولے رہتے ہیں۔ میں حاضر اور ریٹائرڈ فوجیوں کی بات کررہا تھا۔ یہ لوگ اپنے عمل اور ردِ عمل میں دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں' جس کسی نے بھی ایک بار موت کو اپنے روبرو دیکھ لیا ہو' اس کی کائنات ہی بدل کر رہ جاتی ہے۔ پھر ایک سچا فوجی تو ہر وقت موت کے منہ زور گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔"

"خدا کے لیے' ویرا کے سامنے تعریفوں کے پٹارے نہ کھول بیٹھنا۔ وہ رہے سہے کام سے بھی جاتی رہے گی۔" میں نے بوکھلا کر کہا "تعریفوں کے بغیر ہی اس کا دماغ ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔"

"تمہارا موڈ ہو تو اِدھر چلے آؤ۔" اس نے جوابی ہنسی کے ساتھ کہا "آج تمہارے ساتھ باتیں کرنے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔"

"ضرور چلا آتا' لیکن طویل آوارہ گردی نے تھکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ میں شغل میں بھی لگا ہوا ہوں۔ راستے میں کسی پولیس والے نے روک کر منہ سونگھ لیا تو مشکل کھڑی ہوجائے گی۔"

"میں آج تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ لوگ شراب کیوں پیتے ہیں۔ امتناع سے پہلے ہر میس میں بھی یہی سب ہوتا رہتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عقل و خرد سے بیگانہ ہوکر' تمہیں کیا ملتا ہوگا؟"

"اوّل تو میں اتنی نہیں پیتا کہ عقل و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دوم یہ کہ میں اپنی اس بری عادت کی کوئی بھی تاویل دینی چاہتا ہوں' نہ اس کا دفاع کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ ایک بری عادت ہے اور میں اس میں گرفتار ہوں۔ تم دعا کرو کہ مجھے اس سے چھٹکارہ مل جائے۔"

"میں دعا کروں؟" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "تم کوشش نہیں کروگے؟"

"سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی میری مزاحمانہ کوششیں دم توڑ جاتی ہیں۔" میں نے بے بسی کا اعتراف کیا "اسی لیے تم سے دعا کا مطالبہ کررہا ہوں۔"

"دراصل میں رجنی کے بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا۔" قدرے توقف کے بعد اس نے اچانک ہی موضوع بدل دیا "شری مان سنگھ کے جہنم واصل ہونے کے بعد ہمارے لیے اس کا کیا مصرف رہ گیا ہے؟"

"فی الحال اسے رہا کرنے کی غلطی بھی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر کہا "شری مان کی موت کا واقعہ تازہ ہے۔ رجنی کی رہائی سے اس معاملے میں نت نئے پہلو نکل آئیں گے۔ اس کے بیانات صورتِ حال کو بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ جب شری مان سنگھ کا معاملہ ٹھنڈا پڑجائے تو اسے ملک سے باہر بھجوا کر آزاد کردینا۔ وہ لاکھ شور مچاتی رہے لیکن یہ ثابت نہیں کرسکے گی کہ اسے پاکستان میں قید رکھا گیا تھا۔"

"بعض اوقات تم واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو!" وہ بے اختیار کہہ اٹھا۔

اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے' میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن مجھے یاد تھا کہ ویرا نے روانگی سے پہلے یہ امکان ظاہر کیا تھا کہ اسے ہدایت ملی تو وہ ایران میں اپنا مشن سرانجام دینے کے بعد' وہیں سے امریکا یا کسی اور منزل کی طرف نکل جائے گی۔ ایران سے اس کی پاکستان واپسی کا امکان خاصا موہوم تھا۔

دوسری طرف' مافیا کے ڈان تھری نے اپنے اگلے پروگرام کا ذکر کرکے مجھے پریشان کردیا تھا۔ مجھے اپنی بہت زیادہ فکر نہیں تھی۔ میں نیشی کاؤ اور کوانگ فو کی ملاقات سے پیدا ہونے والے اثرات کا بخوبی مقابلہ کرسکتا تھا۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ تھی کہ نیشی کاؤ کے مکاؤ پہنچنے سے پہلے غزالہ وہاں سے نکل آئے۔ اگر وہ نیشی کاؤ کے پہنچنے تک مکاؤ ہی میں پھنسی رہتی تو اس کے لیے خاصی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

اس معاملے میں ویرا کی ذات بہت اہم ثابت ہوسکتی تھی۔ وہ کوانگ فو کی منہ بولی بیٹی تھی اور ضد کرکے بھی اس سے اپنی بات منوانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اگر سلطان شاہ کی کوششوں کے نتیجے میں' غزالہ کوانگ فو پر اپنے اعتماد کا اظہار کرچکی تھی تو ویرا کی محض ایک فون کال پر اسے مکاؤ سے روانہ کیا جاسکتا تھا۔

ویرا ایران میں اپنا کام بحسن و خوبی مکمل کرچکی تھی۔ شی والوں نے اسے ہتھیاروں کی کھیپ میں نصب' تباہ کن ڈیوائس کو متحرک کرنے کا کام سونپا تھا جو اس نے پورا کردیا تھا۔ ہم نے اس سے ایک ٹرک کے علاوہ باقی آلات اور سازوسامان کو بچانے کا مطالبہ کیا تھا۔ ویرا نے ہماری خواہش بھی پوری کردی تھی۔ اس مرحلے پر میں اپنی اس خواہش پر قابو نہیں رکھ سکا تھا کہ ویرا ایران سے فارغ ہوکر کراچی چلی آئے۔

وہ کراچی آجاتی تو اس کے ذریعے نیشی کاؤ' کوانگ فو اور غزالہ کی الجھی ہوئی گتھی بہت آسانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھ سکتی تھی لیکن انسان صرف خواہشیں ہی کرسکتا ہے۔ ان کا پورا ہونا یا نہ ہونا کاتبِ تقدیر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ انسان کی خواہش اور کاتبِ تقدیر کی رضا کے درمیان پائے جانے والے فرق ہی کو حسرت کہا جاتا ہے اور ان حسرتوں سے صدمے اور غم جنم لیتے ہیں۔ زندگی کے غموں سے بس وہی لوگ بے نیاز رہتے ہیں جو اپنی خواہشات کو بالکل فنا کرکے' اپنی زندگی کاتبِ تقدیر کے لکھے کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اس کی رضا کے آگے سر جھکا کر اپنے نفس فراموش کرنے والے ولی' قطب اور ابدال تو ہوسکتے ہیں لیکن ایک عام آدمی نہیں' جب کہ میں ایک معمولی سا انسان تھا۔ میں اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات اور آرزوؤں کے حصول میں شب و روز سرگرداں رہنے کا عادی ہوگیا تھا۔ اور اسی وجہ سے ہر وقت فکر' تشویش' غم اور اضطراب میں گھرا رہتا تھا۔

اس وقت ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا' غزالہ ہانگ کانگ یا غالباً مکاؤ میں پھنسی ہوئی تھی' میرا دل اس کا طلب گار تھا اور میں اس کی طرف سے بہت زیادہ فکرمند تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ چند منٹ بعد رات کے بارہ بجانے والی تھی۔ اس اعتبار سے ہانگ کانگ اور مکاؤ میں صبح کے چار بجے کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسا وقت تھا جب نیند کا خمار گہرا ہوتے ہوئے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہوتا ہے اور بے خوابی کے دائمی مریض بھی چند گھڑی کو سو لیتے ہیں۔ میں نے ایسے نامناسب وقت پر فون کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

ڈون کوانگ فو کی غیر حاضری میں اس کا عملہ شاید رات کے مخصوص اوقات میں آرام کرنے کے لیے فون بورڈ بند کردیتا تھا۔ ڈون کی موجودگی میں ایسا ہونے کا امکان نہیں تھا لیکن پھر بھی اونگھتے ہوئے کسی فرد سے خوش دلی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی جب کہ غزالہ کا کھوج لگانے کے لیے مجھے دوسری جانب والوں کے بھرپور تعاون کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر مجھے غزالہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے بستر پر دراز ہوکر دو تین گھنٹے تک سونے کی بہت کوششیں کیں لیکن پلک تک جھپکانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اعلیٰ قسم کی اسکاچ کا خمار بھی نیند کی حسین دیوی کو رام کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ میں اپنے اِردگرد کے حالات کے بارے میں سوچتا ہوا مسلسل سگریٹیں پھونکتا رہا۔ اسی بے آرامی میں دو بج گئے اور میں نے اکتا کر بستر چھوڑ دیا۔

نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں غسل کرنے اور پھر تیز کافی کا ایک کپ معدے میں منتقل کرنے کے بعد میں فون پر آگیا۔ اس وقت پونے تین بج رہے تھے۔ باہر گہرے سناٹے کا راج تھا لیکن مکاؤ میں یقیناً رات کا سحر ٹوٹ چکا تھا۔

نمبر ملنے کے بعد ڈون کوانگ فو کے محل کے احمقانہ احتیاطی نظام سے گزرنے کے بعد جب ریسیور پر ڈون کی سیکریٹری کی تر و تازہ اور شناسا سا آواز سنائی دی تو میں نے سکون کا سانس لیا۔

"تم ڈینی ہی بول رہے ہو نا؟" اس نے اپنے ساؤنڈ اسکینر پر میری آواز پہچان لی تھی۔

"ہاں! میں نے پچھلے تین چار گھنٹے کربناک انتظار میں گزارے ہیں۔ مجھے اپنی تشویش سے کہیں زیادہ' تمہاری نیند عزیز تھی۔" میں نے اس کا موڈ خوشگوار رکھنے کی نیت سے کہا۔

"میں ساری رات فون پر موجود تھی۔" اس کے بے پروایانہ

جواب نے مجھے حیران کردیا "ڈون کی غیر حاضری میں' میں نے ایک دو مرتبہ رات کو فون بند کردیا تھا۔ اس کی موجودگی میں تو ایک لمحے کے لیے بھی فون بند کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اپنے محل سے شاذونادر ہی باہر نکلتا ہے اور سارے کام فون پر سرانجام دیتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ڈون واپس مکاؤ آچکا ہے؟" میں نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"میری کسی بات کا کوئی مطلب نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے تمہیں ایک عام سی بات بتائی ہے۔" اس نے تیز لہجے میں فوراً ہی میری بات کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

"چلو' تو اب مجھے بتادو کہ ہانگ کانگ کی کیا خبریں ہیں؟ میرا آدمی کہاں ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس بارے میں تم سے کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں اچانک ہی سرد مہری اور بے رخی پیدا ہوگئی۔

"کیا یہ ڈون کی ہدایت ہے؟" میں نے بے اعتباری کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کے محل کے ملازمین صرف اسی کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ دوسروں کو اس انتظام میں دخل انداز ہونے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں بے اعتنائی برقرار تھی۔

"یعنی ڈون اپنے محل میں واپس آچکا ہے؟ تب ہی تو اس نے تمہیں ہدایت دی ہوگی؟"

"قطعی ضروری نہیں" اس مرتبہ اس کی آواز میں رُکھائی کے ساتھ سختی بھی عود کر آئی "وہ قیدی نہیں تھا۔ اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور تھا۔ وہ جب چاہتا وہاں سے اپنے محل فون کرسکتا تھا۔"

سینتالیس سالہ' چینی لڑکی کے اس رویّے نے مجھے ہیجان اور سنسنی میں مبتلا کردیا۔ اس کا انداز بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ پہلے وہ مجھے پَل پَل کی خبر دے رہی تھی اور اب یہ تک بتانے کی روادار نہیں تھی کہ کوانگ فو اس وقت کہاں تھا۔

اس نے اپنے آخری فقروں میں کوانگ فو کی ہوٹل میں نظربندی کے بارے میں' ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ڈون کو اس ناپسندیدہ حصار سے نجات مل چکی تھی۔ وہ اس قدر کاہل الوجود آدمی تھا کہ پولیس کا محاصرہ ختم ہونے کے بعد اپنے پُرتعیش محل کے علاوہ کہیں اور جانے کی ہمت ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ یقینی طور پر اپنے محل میں واپس آچکا تھا لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے وہ خبر مجھ سے چھپائی جارہی تھی۔ اس عورت کے خشک رویّے کے پیشِ نظر میں نے اس سے بحث کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ میں اس سے ماضی کے صیغہ کا ذکر کرتا تو وہ چڑ کر بات کرنے سے بھی انکار کرسکتی تھی۔

اسی لمحے میرے ذہن میں اچانک ایک ہولناک دھماکا ہوا اور مجھے اپنی آنتوں میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میرے لیے وہ امکان بہت لرزہ خیز تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں ڈان تھری اپنے پروگرام کے سلسلے میں کوانگ فو کو فون نہ کر بیٹھا ہو۔ اگر اس نے میرے بارے میں' کوانگ فو کو کوئی اشارہ بھی دے دیا تھا تو وہ میری طرف سے بھڑک سکتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے اپنی سیکریٹری کو مجھ سے کھلی کھلی باتیں کرنے سے روک دیا تھا۔

اس بدترین امکان کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے' میں نے نہایت محتاط لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے ڈون کی نقل و حرکت کے بارے میں اس قدر متجسّس ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ میں غزالہ اور اپنے ساتھی کے بارے میں بہت بے چین ہوں۔ وہ دونوں کہاں اور کس حال میں ہیں؟"

"اب تم نے کچھ قاعدے کی بات کی ہے" میرا پینترا کارگر ثابت ہوا "ان دونوں کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کی جائے گی۔ ڈون کی منہ بولی بیٹی فون کرے گی تو وہ خود اس سے بات کرے گا۔"

"لیکن اس سے پہلے تم مجھ سے بات کرتی رہی ہو۔ ڈون کی منہ بولی بیٹی خود مجھے اختیار دے کر گئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کسی لمبے سفر پر نکلی ہوئی ہے۔ میں اب اسے کہاں سے پیدا کروں۔"

"اس کی واپسی کا انتظار کرو! یہ تمہارا مسئلہ ہے جو ہم میں سے کسی نے پیدا نہیں کیا۔" اس نے ٹکا سا جواب دے دیا "لیکن میں تمہیں اتنا ضرور بتادوں کہ اس لڑکی نے ڈون کی جو توہین اور تذلیل کرائی ہے اس پر وہ بہت زیادہ مشتعل ہے۔ اسے اس بات کا بھی دکھ ہے کہ بات بگڑ جانے کے باوجود' اس کی منہ بولی بیٹی نے ہانگ کانگ پہنچنے کی زحمت نہیں کی اور اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا۔ دن رات اپنے محل میں بسر کرنے والا ڈون' ویرا کے ایک اشارے پر مکاؤ سے ہانگ کانگ کے لیے چل پڑا تھا لیکن ویرا کا جوابی رویّہ مایوس کن تھا۔ اب وہ خود ویرا سے ہی بات صاف کرے گا۔"

اس کی وہ کہانی سن کر میری جان میں جان آئی۔ مکاؤ والوں کی سردمہری میں نیشی کاؤ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہ خالص' کوانگ فو کی انا کا معاملہ تھا۔ اس کی دانست میں غزالہ نے اس کی مٹی پلید کرائی پھر جب وہ پولیس کے نرغے میں آگیا تو ویرا نے مڑ کر اس کی خبر نہیں لی۔ وہ ویرا سے ناراض تھا اور دل کھول کر اس کی گوشمالی کیے بغیر' غزالہ یا سلطان شاہ کے بارے میں کسی سے کوئی بات کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس کہانی سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ غزالہ اور سلطان شاہ کا کیا حشر ہوا تھا لیکن وہ صورتِ حال ہر اعتبار سے قابلِ فہم تھی جس کا کوئی نہ کوئی توڑ نکالا جاسکتا تھا۔

"ڈون کا غصہ اپنی جگہ بجا ہے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ویرا سفر پر نکلی ہوئی ہے۔ وہ ہانگ کانگ کیسے پہنچ سکتی تھی۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ غزالہ نے ڈون کی تحویل میں جانے سے انکار کرکے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔" میں نے قدرے توقف

...دا اسے سمجھانے کی کوشش کی "تم ڈون کو اس پورے پس ...ے آگاہ کرتیں تو وہ کبھی اتنا برہم نہ ہوتا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں ڈون کی مشیر نہیں' اس کی سیکریٹری ...۔ ڈون جب غصے میں بپھر کر چنگھاڑتا ہے تو اس کے محل کے پالتو ...ر تک دہشت زدہ ہوکر کونوں کھدروں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ ...اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ اسی وقت میری ٹانگیں چیر کر ...دو حصوں میں تقسیم کردیتا۔"

ڈون کوانگ فو کی وہ کردار کشی بہت بھیانک تھی جس میں ...ایت سے زیادہ' درندگی کا عنصر غالب تھا لیکن غصے میں ہر شخص ...عمولی سطح سے کافی نیچے گر ہی جاتا ہے۔ اس کا اصل روپ اس ...ن سامنے آیا تھا جب اس نے ویرا کی فرمائش پر' ایک نرم دل ...کی طرح بذاتِ خود ہانگ کانگ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ اپنے ...نے کا ایک بالادست آدمی تھا۔ اس نے چوہوں جیسا منحنی وجود ...کھنے والے ہانگ کانگ پولیس کے سپاہیوں کی زیردستی صرف اس ...برداشت کی تھی کہ ان کے جسموں پر برطانوی راج کی فراہم کی ...ی وردیاں منڈھی ہوئی تھیں۔ اس گرداب سے باہر نکلتے ہی' ...انگ فو کا پھٹ پڑنا قابلِ فہم تھا۔

ایک اچھی بات یہ تھی کہ کوانگ فو کی سیکریٹری ایک طرف ...ے آقا کی نقل و حرکت کے بارے میں مجھے کچھ بھی بتانے پر آمادہ ...ں تھی لیکن دوسری طرف' باتوں کی روانی میں بہہ کر بالواسطہ طور ...دوسری بار یہ کہہ گئی تھی کہ ڈون پولیس کی نگرانی سے نکل کر مکاؤ ...نچا تو بہت برہم تھا۔

میں نے اسے اس کی بے وقوفی کا احساس دلانے کا ارادہ ...ک کردیا۔ اسے لچھے دار باتوں میں الجھا کر میں غزالہ اور سلطان ...ہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات اگلوا سکتا تھا۔

"پھر ڈون سے میری ہی بات کرادو!" میں نے لجلجائی ہوئی آواز ...میں کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ میں غزالہ کی طرف سے کس قدر ...پریشان ہوں۔ اس کی وجہ سے میں کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہا ...ہوں۔"

"تم اس کے عاشق معلوم ہوتے ہو۔" اس کا فوری تبصرہ ...انتہائی بے باکانہ تھا "میں تمہاری پریشانی کا اندازہ لگا سکتی ہوں ...لیکن ڈون کی ہدایات سے انحراف کرنا' میرے بس سے باہر ہے۔ ...ڈون' لڑکی کے بارے میں ویرا کے علاوہ کسی سے بات نہیں کرے ...گا۔"

"مجھے یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ وہ بے چاری نہ جانے کہاں ...ہوگی! اس کی پرورش بہت نازونعم کے ساتھ ہوئی ہے۔ حوالات کی ...صعوبتیں دو چار ہی روز میں اس کا کام تمام کردیں گی۔"

میں اسے اپنے ردِعمل کے اظہار کا موقع دینے کے لیے ...خاموش ہوا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی خاموشی میرے لیے معنی خیز ...تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ برف پگھلنے کا عمل شروع ہوچکا تھا۔

میں نے دوبارہ بولنا شروع کردیا "باغ میں لگے ہوئے نرم و نازک پھول کو اگر تم دلدل میں ڈال دو تو دلدلی بخارات سے وہ چند ہی سیکنڈ میں کمہلا جائے گا۔ حوالات میں پائے جانے والے حشرات الارض نے اس کو بیمار اور زخمی کردیا ہوگا۔ اگر فوری طور پر اس کی خبرگیری نہیں کی گئی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکے گی۔ تم صرف ایک بار ڈون سے میری بات کرادو!"

"میں ڈون سے تمہاری بات نہیں کراسکتی" اس کے لہجے میں مکمل بے اعتنائی کی جگہ ہلکی سی نرمی پیدا ہوگئی "لیکن میں تمہیں اتنا یقین دلا سکتی ہوں کہ وہ بالکل صحت منداور تروتازہ ہے۔ اس کے بارے میں تمہارے تفکرات بالکل بے بنیاد اور بے سود ہیں۔"

"اس یقین دہانی پر میں تمہارا شکرگزار ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں "وہ مارا" کا نعرہ لگا کر والہانہ انداز میں کہا "لیکن مجھ پر رحم کھا کر یہ بھی بتادو کہ تم نے اسے کب اور کہاں دیکھا ہے؟"

میرا وہ سوال قطعی غیر ضروری تھا۔ وہ عورت اپنے فرائضِ منصبی کے سلسلے میں شب و روز ڈون کے محل ہی میں رہتی تھی اس لیے یقینی بات تھی کہ اس نے غزالہ کو بھی وہیں دیکھا ہوگا لیکن میں اپنے دل و دماغ پر سے بوجھ ہٹنے کے بعد' اسے پوری طرح گھیرنے پر تل گیا تھا۔

"اب میرے لیے دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش مت کرو!" اس کی آواز میں خفگی آگئی "میں نے جو کچھ بتایا ہے' وہ تمہارے سکون کے لیے کافی ہونا چاہیے۔"

"لیکن اس کی واپسی کے لیے میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" میں نے ایک بار پھر اضطراری لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے فریاد کے انداز میں کہا "وہ کب تک اس طرح دربدر کی ٹھوکریں کھاتی رہے گی؟"

"اس کی واپسی کے لیے تمہیں ویرا کو تلاش کرنا پڑے گا۔ ڈون تم سے ہرگز بات نہیں کرے گا۔"

"میں ویرا اور غزالہ کی غلطیوں پر اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے ارادے کا اظہار کیا "لیکن میں ویرا کو کہاں سے لاؤں؟"

"فون پر کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں اپنا فیصلہ صادر کردیا "اگر ویرا سے رابطہ ہونا اسی قدر دشوار ہے اور تم انتظار نہیں کرسکتے تو پھر مکاؤ آکر ڈون سے ملنے کی کوشش کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اسے تم پر رحم آجائے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔"

میں نے خوشامدانہ انداز میں مزید بات بڑھانے کی کوشش کی لیکن اس نے دوسرے نمبر پر کال کا عذر کرتے ہوئے فون بند کردیا اور میں نے بھی سلسلہ منقطع کردیا۔

وہ عورت اوّل درجے کی بے وقوف تھی یا پھر دیدہ و دانستہ میری مدد کرنے کی کوشش کررہی تھی کیونکہ اس سے ہونے والی

گفتگو ہر اعتبار سے نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔ اس نے میرے کسی سوال کا براہِ راست جواب نہیں دیا تھا لیکن اس کی گفتگو میں میرے ہر سوال کا جواب پنہاں تھا۔ صرف سلطان شاہ کا مسئلہ باقی رہ گیا تھا لیکن فون کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے مجھے اس کے بارے میں کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

یہ بات تو تقریباً طے ہو گئی تھی کہ کوانگ فو، غزالہ سمیت ہانگ کانگ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ مکاؤ لے آیا تھا۔ وہ غزالہ اور ویرا سے برہم تھا۔ اس لیے اغلب امکان یہ تھا کہ اس نے غزالہ کو اپنے وسیع و عریض محل کے ہی کسی حصے میں قید کر دیا ہو۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ بھی غزالہ کے ساتھ کوانگ فو کی برہمی اور عتاب کا نشانہ بنا تھا اور غزالہ کے ساتھ ہی کوانگ فو کی نجی قید میں تھا۔ اگر وہ غزالہ سے الگ اور اپنی مرضی کا مالک ہوتا تو رات بھر میں، کسی بھی وقت مجھے فون کر کے تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر ضرور کرتا۔

صورتِ حال بہت غیر متوقع طور پر تبدیل ہوئی تھی۔ ایک طرف نیشی کاؤ مکاؤ جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف حالات مجھے بھی اسی سمت دھکیل رہے تھے۔ پریشان کن بات یہ تھی کہ ہم دونوں ہی مکاؤ میں کوانگ فو سے ملنے کے متمنی تھے۔ ہم میں سے جو بھی اس تک پہلے پہنچ جاتا وہ کوانگ فو کی ہمدردیاں سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتا اور بعد میں جانے والے کو ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا۔

میری پریشانی یہ تھی کہ اگر میں کوانگ فو تک دیر سے پہنچتا تو نہ صرف غزالہ کی رہائی خطرے میں پڑ سکتی تھی بلکہ میں خود بھی کوانگ فو کا قیدی بن سکتا تھا۔ مجھے اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں تھا کہ کوانگ فو مجھے پکڑنے کے بعد، براہِ راست جمی لائیڈ کے حوالے کر دیتا جس سے نرمی کی کوئی امید نہیں تھی۔

اس روح فرسا خطرے کے باوجود، میں غزالہ کو غیر معینہ مدت تک کوانگ فو کی قید میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ان کٹھن لمحات میں، مجھے ایک بار پھر ویرا بہت شدت کے ساتھ یاد آئی۔ وہ موجود ہوتی تو میں خود سامنے آئے اور کوئی سنگین خطرہ مول لیے بغیر، غزالہ کو کوانگ فو کے چنگل سے نکال سکتا تھا۔

میرے پاس، میرے اصل نام سے بنا ہوا وہ پاسپورٹ موجود تھا، جس کی مدد سے میں پاکستان میں داخل ہوتا تھا۔ ابتدا میں خود کو شکاری کتوں کے حملوں سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے اس پاسپورٹ کو خیرباد کہہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن نئے حالات میں وہ پاسپورٹ محفوظ تھا۔

پاسپورٹ اس وقت بھی قابلِ استعمال تھا۔ میں فوری طور پر کسی بھی ائرلائن کا دو طرفہ ٹکٹ خرید کر، ہانگ کانگ روانہ ہو سکتا تھا کیوں کہ وہاں ائرپورٹ پر ہی ویزا دینے کا موثر نظام رائج تھا۔

میں شہر بلکہ ملک سے روانگی کا ارادہ لیے بیٹھا تھا لیکن یہ سوچ کر میرا دل اداس ہو گیا کہ میرے گرد و پیش میں میرا کوئی ایسا ہمدرد اور غم گسار موجود نہیں تھا جسے میری روانگی کی ذرا سی بھی فکر ہوتی۔ لے دے کر ایک جہانگیر ہی میرا دوست رہ گیا تھا لیکن وہ بھی اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ میں اسے فون کر کے اپنی روانگی کی اطلاع دیتا تو وہ یقیناً پوری فکر مندی کے ساتھ فلیٹ پر دوڑا چلا آتا اور شاید مجھے ائرپورٹ تک چھوڑنے بھی جاتا لیکن میں اسے الجھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

دوسرا، اسپیشل ٹاسک فورس کا ظفر تھا۔ وہ میرا دوست نہیں لیکن ہمدرد ضرور تھا۔ اسے غزالہ اور سلطان شاہ کی ہانگ کانگ میں موجودگی کا بھی علم تھا اس لیے اس سے بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔

میرے جانے کی اطلاع اس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی جس پر مجھے وضاحت کرنی پڑی کہ ویرا کے مکاؤ والے مربّی نے غزالہ کو پولیس کے جھمیلوں سے تو آزاد کرا لیا تھا لیکن کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے اسے مکاؤ میں روک لیا تھا۔ ان غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے میرا فوری طور پر مکاؤ پہنچنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

ظفر کو اس معاملے میں شی اور مافیا والوں کے پیچیدہ الجھاؤ کا کوئی علم نہیں تھا لیکن میں اپنے اس سفر کے بارے میں فکر مند تھا۔ ایک طرف شی کا آئی مین تھا اور دوسری طرف مافیا کا ڈان۔ اس وقت تک وہ دونوں ہی میرے دوست اور بہی خواہ بنے ہوئے تھے۔ آئی مین نے غزالہ کی مدد کی تھی۔ ڈان نے پچھلی رات ہی مجھ پر چلتی کار سے حملہ کرنے والے دو بدمعاشوں کو جہنم واصل کر دیا تھا مگر مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے مکاؤ پہنچنے پر کیا صورتِ حال رونما ہونے والی تھی۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی، یا دونوں ہی اچانک میرے خون کے پیاسے بن سکتے تھے۔

میں جانتا تھا کہ ہانگ کانگ میں دنیا بھر کا سامانِ تعیش ارزاں داموں پر دستیاب ہوتا ہے لیکن سامراجی حکومت کے سخت کنٹرول کی وجہ سے وہاں کھلے بازاروں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت ناپید تھی۔

نیلے پانیوں پر تیرتے ہوئے پُرتعیش بجروں اور ہلکے بحری جہازوں میں پورے دفتری ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ محوِ سفر رہنے والے عالمی اسمگلروں کی اور بات تھی جو بھرپور تفریحی ماحول میں کروڑوں کی مالیت کے غیر قانونی ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے سودے طے کرتے تھے اور ان کے ایک پیغام پر بین الاقوامی سمندروں میں مٹر گشت کرتے ہوئے، ہتھیاروں سے لدے ہوئے بحری جہازوں کے راستے تبدیل ہو جایا کرتے تھے۔

وہ بڑے سوداگر میرے لیے بے فیض تھے۔ میری صرف اتنی سی خواہش تھی کہ جب میں مکاؤ میں قدم رکھوں تو میرے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور ہو تاکہ میں بے بسی کے عالم میں نہ مارا جاؤں۔

میں نے اپنا وہ مسئلہ ظفر کو سنایا تو اس نے فوراً ہی بڑے بور ...ایک خودکار پستول کی پیش کش کی جسے سامان میں پیک کر کے ...لائن کے عملے کے حوالے کر دیا جاتا تو روک ٹوک کا کوئی امکان ...ہی تھا۔

"اور اگر میں اپنا ہی پستول لے جانا چاہوں؟" میں نے بیم گن ...کا نام لیے بغیر پوچھا۔

"وہ بھی اسی طرح لے جا سکتے ہو۔ یہاں کوئی نہیں پوچھے گا۔ ...ہانگ کانگ میں چیک کر لیے گئے تو پریشان ہو جاؤ گے۔" اس نے ...لاپروا لہجے میں جواب دیا۔ "سنا ہے کہ مکاؤ میں ہتھیار اچھے اور ...سستے مل جاتے ہیں۔"

"لیکن مکاؤ میرے لیے نئی جگہ ہو گی۔ اس شہرِ خرابات کے ...بارے میں سنا تو میں نے بھی بہت کچھ ہے لیکن ادھر جانے کا یہ پہلا ...اتفاق ہو گا۔ خیر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

ظفر سے گفتگو بے سود رہی لیکن میں نے بیم گن ساتھ لے ...جانے کا ارادہ کر لیا۔ میرے خیال میں، بچاؤ کا اہم ترین نکتہ یہ تھا ...کہ اس میں کوئی گولی یا بارودی میگزین وغیرہ استعمال نہیں ہوتا ...تھا۔ لیزر بیم خارج کرنے والے اس ہولناک ہتھیار کو ذاتی بلکہ پیشہ ...ورانہ استعمال کا کوئی خاص اوزار قرار دے کر بچایا جا سکتا تھا۔

میں فلیٹ پر الوداعی نظریں ڈال کر، تن کے کپڑوں اور بیم گن ...کے ساتھ وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

میرے اگلے چند گھنٹے، شہر میں اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے ...گزرے۔ اس دوران میں، میں نے ٹکٹ بنوانے کے علاوہ سامان ...کے لیے بریف کیس سے بڑا ایک سوٹ کیس اور بیم گن کو لپیٹنے کی ...ضرورت کے تحت اپنے لیے کچھ کپڑے خریدے۔ ایک بجنے سے ...پہلے ائرپورٹ پہنچ گیا۔

سوٹ کیس کو ایکس رے مشین سے گزارنے پر بھی کسی نے ...کچھ نہیں پوچھا تو مجھے احساس ہوا کہ نااہل ہاتھوں میں آنے کے ...بعد جدید ترین ایجادات بھی اپنا مفہوم اور مصرف کھو بیٹھتی ہیں۔ ...ایک طرف عالمی غنڈے ہماری ایٹمی ترقی کو منفی انداز میں خراجِ ...تحسین پیش کرنے پر مجبور تھے تو دوسری طرف پستی کی انتہا یہ تھی ...کہ ایکس رے مشین کی دکھائی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھنے اور پہچاننے ...سے انکار کیا جا رہا تھا۔

پرواز میں زیادہ وقت نہیں تھا اس لیے جب میں آخری جامہ ...تلاشی کے بعد روانگی کے لاؤنج میں داخل ہوا تو تھائی ائرویز کی پرواز ...کی بورڈنگ کا اعلان ہو رہا تھا۔

طیارے میں مسافروں کی تعداد بہت کافی تھی لیکن پھر بھی ...متعدد نشستیں خالی تھیں۔ میری سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔ برابر ...میں کوئی نہیں تھا۔ گو کراچی سے مسافروں کی خاصی تعداد سوار ہوئی ...تھی لیکن اس پرواز پر تھائی لڑکے لڑکیوں کی اکثریت تھی۔ وہ سب ...بہت خوش دلی اور بے فکری کے ساتھ اونچی آواز میں ہنس بول ...رہے تھے جب کہ پاکستانی مسافر نسبتاً دھیمی آواز میں بولنے کی وجہ سے دبے سہمے نظر آ رہے تھے۔ دوسری نسلوں کے اِکّادُکّا مسافر اس ہجوم میں اپنی انفرادیت بالکل ہی کھو بیٹھے تھے۔

میں نے بارہا بین الاقوامی راستوں پر فضائی سفر کیے لیکن اس روز مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ایشیائی مسافر عموماً اپنی قومی ائرلائن پر ہی سفر کیوں پسند کرتے ہیں۔ زبان، معاشرت اور ماحول کی شناسائی انہیں جہاز میں بھی اپنے ملک کی یاد دلاتی رہتی ہے اور وہ عملاً خود کو دوسرے ہم سفروں کا میزبان تصور کرتے ہوئے اس بالادستی سے فیض یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو عام گھروں میں بھی میزبان کو مہمان پر حاصل ہوتی ہے اور مہمان بیچارہ کھسیس نکال کر رہ جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پاتا۔ وہ یہ بھی نہ کرے تو میزبان کی سرد مہری کا نشانہ بن جاتا ہے۔

کراچی میں دن نکلا ہوا تھا لیکن بنکاک میں شام ہو چلی تھی اس لیے روشن حفاظتی علامات کے معدوم ہونے کے بعد، میں نے بنکاک کے وقت کے حوالے سے اسکاچ طلب کر لی۔ پلاسٹک کے شفاف گلاس میں، سنہرے سیال میں تیرتی ہوئی برف کی ڈلیاں بھلی لگ رہی تھیں۔

طیارے کے عملے میں تھائی لینڈ کے خصوصی اندازِ میزبانی کے اثرات بہت واضح تھے۔ میٹھی، دھیمی، نرم اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ہر باوردی خاتون فرمائش پوچھتے ہوئے، مسافر پر اس حد تک جھک آتی تھی کہ اس کے بدن اور اس پر لگے ہوئے سینٹ کی خوشبو میں واضح طور پر تمیز کی جا سکتی تھی۔ وہ ادا سب کے لیے عام تھی۔ جو بلائے، اس کے لیے بھی اور جو صرف مسکرا دے، اس کے لیے بھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنستی مسکراتی تتلیاں، اپنے وجود کی فسوں خیز لطافتوں سے جلد از جلد ہر ایک کو سحر زدہ کرنے پر تُل گئی ہوں۔

میں نمکین مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ اپنے شغل کے دوران، ذہنی طور پر مکاؤ پہنچا ہوا تھا کہ بھینی بھینی سی خوشبو اور گرم سانسوں کی مہکار نے مجھے چونکا دیا۔

دیکھا تو ایک نازک اندام اور خوش خصال خاتون کی مسکراتی ہوئی سیاہ آنکھیں براہِ راست میری آنکھوں میں اتری جا رہی تھیں۔ اس کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ فضائی میزبانوں میں سے نہیں تھی۔

"اجازت ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اس نے شائستہ انگریزی میں سوال کیا اور میں نے غیر ارادی طور پر اپنی نشست میں سمٹ کر اسے اجازت دے دی۔ حالانکہ برابر والی سیٹ خالی ہونے کی وجہ سے مجھے سمٹنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

اس کے بیٹھتے ہی ایک ائرہوسٹس نے اس کے سامنے والی کرسی کی پشت گاہ سے میز کھول کر، اس پر اسکاچ کا گلاس، کاغذی رومال اور نمکین مونگ پھلی کا پیکٹ رکھ دیا۔

"اگر تم برا نہ مانو....." اس نے اپنا گلاس لبوں کی طرف لے جاتے ہوئے رکتا کہا اور میرے سر کی جنبش کے ساتھ چیرز کہہ کر

گلاس سے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔

"میرا نام سوزی ہے۔" اپنا تعارف کرانے کے ساتھ ہی اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے انگریزی میں چھپا ہوا ایک خوبصورت کارڈ نکال کر مجھے پیش کیا۔ اس کی پشت پر شاید وہی سب تھائی زبان میں چھپا ہوا تھا۔

"مجھے ڈینی کہتے ہیں مگر میں تمہیں کارڈ نہیں دے سکوں گا۔" میں نے وقت گزاری کے لیے اس سے گفتگو شروع کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام بہت خوبصورت ہے۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا جیسے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے الفاظ کی گہرائی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو پھر کاغذی رومال سے اپنے ہونٹ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ "بنکاک اکیلے ہی جا رہے ہو؟"

"فی الحال تو اکیلا ہی ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ میرا بازو دباتے ہوئے ہنس پڑی۔

"دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تفریح کے لیے نکلے ہو یا بزنس کے لیے؟"

"دونوں ہی سمجھو۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس نے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور میری طرف جھک کر بتانے لگی۔ "میں سفیا روڈ کے قریب لڑکیوں کا ایک نجی ہاسٹل چلاتی ہوں۔ وہاں کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی بتیس لڑکیاں رہتی ہیں لیکن ان میں سے کسی کی عمر چودہ برس سے کم اور بائیس سے زیادہ نہیں ہے....."

"تعلیمی ہاسٹل میں عمر کی اتنی کڑی پابندی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"بڑے عمر کی لڑکیوں کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں۔ وہ دوسری لڑکیوں کو بہکانے لگتی ہیں۔ میرے ہاسٹل کا ماحول بہت صاف ستھرا ہے۔ میری لڑکیاں بہت فرمانبردار ہیں۔ وہ سب ہی غیر ملکیوں کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کر کے اپنے اخراجات پورے کرتی ہیں۔ تم آؤ گے تو ان سے مل کر خوش ہو جاؤ گے۔ ہم لوگوں میں غیر ملکیوں سے دوستی کرنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اس شوق میں کبھی کبھار ہم حد سے بھی بڑھ جاتے ہیں....."

"لڑکیاں دن میں پڑھتی ہیں تو جاب کب کرتی ہیں؟" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"دوپہر سے رات گئے تک ان کی مانگ رہتی ہے لیکن ان کے جاب ہاسٹل ہی بک کرتا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ کھلنے لگی۔ "کوئی اسپیشل آفر ہو تو میں لڑکیوں کو چھٹی بھی کرا دیتی ہوں۔ پڑھائی لکھائی تو عمر بھر چلتی رہتی ہے لیکن عمر ڈھلنے لگے تو قدردان ملنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ منہ مانگے معاوضے دیتے ہیں' وہ بہترین سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ بنکاک میں میرے نام کی اسی وجہ سے دھوم ہے کہ میں نے سروس کا معیار گرنے نہیں دیا۔ بنکاک میں تم کس

ہوٹل میں قیام کرو گے؟"

سوزی خوش لباس' خوب صورت اور خوش گفتار بھی تھی لیکن چند منٹ کی قلیل سی مدت میں وہ جس سطح پر آ گئی تھی' اس سے مجھے کراہت سی ہونے لگی۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میں بنکاک ایئرپورٹ پر صرف دو گھنٹے کے لیے ٹرانزٹ تھا اور یک بیک اس کا منہ بن گیا جیسے اس نے شکر کے دھوکے میں کونین کی گولی چبا لی ہو۔

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ کاروبار اور تفریح کے لیے آئے ہو!" اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی۔

"پروگرام یہی ہے مگر بنکاک میں نہیں بلکہ فلپائن میں۔ بنکاک سے تو مجھے صرف پرواز بدلنی ہے۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنا گلاس خالی کیا اور سیٹ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اتنے اخلاق کا مظاہرہ ضرور کیا کہ میری پوری بات سن لی اور پھر "سوری! میں ابھی آئی!" کہتی ہوئی' تیزی سے کیبن کے پچھلے حصے کی طرف چلی گئی اور میں نے اپنے لیے اسکاچ کا نیا پیگ طلب کر لیا۔

سوزی کا جہاز پر سفر کرنا اور پھر مجھ سے مل بیٹھنا محض اتفاق نہیں تھا۔ وہ غالباً متمول گاہکوں کو پھانسنے کے لیے' مقررہ راستوں پر سفر کرتی رہتی تھی۔ میرے قیمتی لباس اور اکیلے پن نے اسے میری طرف متوجہ کیا تھا۔ جہازوں پر طے ہونے والے معاملات میں وہ یقیناً بھاری معاوضے لیتی ہو گی ورنہ مختصر راستوں پر بھی فضائی سفر کے اخراجات پورے ہونے مشکل تھے۔ میں بنکاک کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن سوزی اس کتاب کا بالکل نیا باب ثابت ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے سوزی کا دیا ہوا کارڈ اپنی جیب میں رکھ کر' اپنی نشست سے باہر نکل کر' جہاز کے کیبن کا جائزہ لیا تو چار نشستوں والی ایک قطار میں سوزی تین ادھیڑ عمر مردوں کے درمیان بیٹھی نظر آئی۔ وہ تینوں پاکستانی اور سرمایہ دار نظر آ رہے تھے۔ شاید سوزی نے انہیں شیشے میں اتار لیا تھا کیوں کہ وہ چاروں نہایت بے فکری کے ساتھ پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔

کھانے کے دوران میں سوزی اگلی قطاروں میں کوئی نشانہ تاک چکی تھی۔ وہ کسی گشتی سیلز گرل کی طرح جہاز میں گھوم پھر کر اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ اپنا وقت وہیں لگا رہی تھی جہاں تلوں میں تیل ہونے کی امید نظر آتی تھی۔ مجھ جیسے خشک تلوں سے وہ دور رہتی تھی۔

میرا ارادہ بنکاک میں چند گھنٹے گزارنے اور شہر کا تازہ ترین رنگ روپ دیکھنے کا تھا لیکن بیم گن کی وجہ سے میں سامان کو بار بار چیکنگ کے مراحل سے گزارنے سے بچنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ہانگ کانگ کے لیے اگلی پرواز کی نشست لی تھی اور کراچی ہی سے اپنا بیگ ہانگ کانگ کے لیے بک کرا دیا تھا۔

پچھلے چند برسوں میں تعمیر و تزئین اور انتظامات کے اعتبار سے بنکاک ایئرپورٹ میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ میں ٹرانزٹ فلور پر چیک ان کرانے اور بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد گینگ وے سے بائیں طرف بنے ہوئے کیفے میں جا بیٹھا۔ غنیمت یہ تھا کہ بنکاک ایئرپورٹ پر ہر اعتبار سے سکون تھا۔ پہلے بھی کسٹم ہال سے باہر نکلتے ہی ان لوگوں سے ملاقات شروع ہو جاتی تھی جو رٹے رٹائے اور سنسنی خیز فقروں کے ذریعے بوکھلائے ہوئے مسافر کو ان دیکھے شبستانوں میں لے جانے کے دعوے کرتے تھے۔

میں نے کیفے میں سرو کرنے والی لڑکی سے چائے لانے کی فرمائش کی لیکن جب اس نے سنگھا نامی مقامی بیئر کا ڈبا کھول کر میرے سامنے رکھا تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلایا تو اس کے گہرے گندمی چہرے پر شرمندگی پھیل گئی۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں معذرت کرتے ہوئے درخواست کی کہ میں نے وہ کھلا ہوا ڈبا واپس کیا تو اسے اپنی تنخواہ سے پچاس بھات کٹوانے پڑ جائیں گے جب کہ وہ ویسے ہی تنخواہ میں کمی کی وجہ سے مسائل سے دوچار رہتی تھی۔ میں نے خاموشی کے ساتھ دو ڈالر اسے تھما دیے۔

بیئر ٹھنڈی ضرور تھی لیکن بے کیف تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس میں غلطی سے صابن کا محلول گھول دیا گیا ہو۔ میں وہ ڈبا یوں ہی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

اس وقت پورے کیفے میں میرے علاوہ صرف ایک سفید فام بوڑھا بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ وہ شاید ایک آنکھ موندے' دوسری آنکھ سے بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اتنی جلدی اٹھتے دیکھا تو وہ چٹکی بجاتے ہوئے زور سے ہنس پڑا اور انگریزی میں بولا۔ "شِٹ۔ یہاں عورتوں کے علاوہ ہر چیز شِٹ ہے اور اب تو ایڈز کی دہشت نے اس ملک کا وہ چارم بھی ختم کر دیا ہے۔ پتا نہیں اب یہ بے چارے کہاں سے کھائیں گے!"

میں خود بھی اس ملک سے خوش نہیں تھا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن آخر کار وہ ایک ایشیائی ملک ہے۔ ایک سفید فام کا زہر میں ڈوبا ہو تبصرہ سن کر میری کھوپڑی چیخ اٹھی لیکن میں نے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر' سرد لہجے میں کہا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو۔ یہ سب تیزی سے بے روزگار ہوتی جا رہی ہیں لیکن یہاں پلنے بڑھنے والی' امریکیوں کی لڑکیاں سمجھ دار اور صحت کے معاملے میں حساس ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ایڈز کے خلاف ویکسین لیتی رہتی ہیں۔ تم اگلی بار یہاں آؤ گے تو پوری ٹریڈ پر ان ہی کی حکمرانی ہو گی۔"

میرے زہریلے جواب پر اس کا منہ کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔ میں اسے ہکا بکا چھوڑ کر بے پروایانہ انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ عام تھائی باشندے ایسے تبصروں کا کیا جواب دیتے ہوں گے۔

اگلی پرواز سے ہانگ کانگ تک کا مختصر فاصلہ بہت تیزی کے ساتھ طے ہو گیا۔ منزل مقصود کی آمد کے اعلان کے ساتھ ہی طیارے کی بلندی میں تیزی سے کمی واقع ہونی شروع ہوئی تو زمین پر ستاروں کی ایک حسین ترین کہکشاں جگمگاتی ہوئی نظر آنے لگی۔

ہاربر کے ایک طرف کولون کے میدانی حصے میں لاکھوں چھوٹی بڑی اور رنگ برنگی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دوسری طرف تیزی سے اٹھتے ہوئے پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر بنی ہوئی بلند و بالا عمارتوں کی بے شمار روشنیوں نے سماں باندھا ہوا تھا۔ ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے پر بکھرے ہوئے' روشنیوں کے سیلاب کے انعکاس نے ہاربر کے پانیوں کو بھی دور تک منور کیا ہوا تھا۔ ہاربر میں متعدد چھوٹی بڑی کشتیوں اور دخانی جہازوں کی نقل و حرکت نے پورے ماحول کو افسانوی رنگ دیا ہوا تھا۔

جہاز فضا میں چکر کاٹتا ہوا نیچے آتا جا رہا تھا۔ کولون میں ساحل کے ساتھ ساتھ رن وے کی زرد روشنیاں دور تک متوازی لکیروں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ کولون سے آگے' چین کی سرزمین پر روشنیاں بہت کم تھیں اور ان ہی اطراف میں' کسی کھاڑی میں مکاؤ کی ساحلی آبادی تھی جہاں غزالہ' ڈون کوانگ فو کے محل میں قید کسی نیک ساعت کا انتظار کر رہی تھی۔

طیارہ اٹھلا اٹھلا کر' انگڑائیاں لیتا ہوا زاویے بدل بدل کر فضا میں محوِ پرواز تھا۔ شاید رات کی لینڈنگ سے پہلے ہر طیارے کے ہواباز اپنے مسافروں کو ہانگ کانگ کے روشن چہرے کا بھرپور دیدار کرانے کی خصوصی کوششیں کرتے ہیں پھر جب جہاز نے اپنی چونچ نیچی کر کے رن وے کا رخ کیا تو وہ عجیب منظر تھا۔ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ جہاز سمندر کے پانی میں اترنے جا رہا ہے یا ساحل کے ساتھ بنے ہوئے رن وے پر ٹکے گا۔

ہانگ کانگ ایئرپورٹ پر دن کے مقابلے میں رات کی لینڈنگ کا سحر ہی کچھ اور تھا۔ میں پہلے بھی اس ننھے سے ملک میں آتا رہا تھا لیکن فضا کی مختلف بلندیوں سے اس شہر کی رات دیکھنے کا وہ پہلا موقع تھا جو یادگار تھا۔

جہاز کے انجنوں کے بند ہونے سے پہلے ہی طیارے کے مسافروں نے اپنی نشستیں چھوڑ دیں اور چھت کے ساتھ بنے ہوئے خانوں سے اپنا اپنا دستی سامان سنبھالنے لگے۔ منزل مقصود آ جانے پر مسافروں میں تجسس آمیز اضطراری کیفیت کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا لیکن بعض مسافر کچھ زیادہ ہی بوکھلائے ہوئے تھے اور راہداریوں میں اپنے آگے کھڑے ہوئے مسافروں کو کندھے کہنیاں مار کر جلد از جلد آگے پہنچنے کے لیے کوشاں تھے۔ انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں خدشہ رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں طیارہ انہیں اتارے بغیر' اگلی منزل کی طرف پرواز کر سکتا ہے اور ایسے کسی خطرے کے سدِباب کے لیے وہ دروازہ کھلتے ہی باہر بھاگ نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔

میں کسی بھی قسم کے دستی سامان کے بغیر سفر کر رہا تھا اس لیے اپنی نشست سے دوسرے مسافروں کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ عملی طور پر کسی بوکھلاہٹ یا حماقت کا ارتکاب نہ کرنے کے باوجود میں اپنے وجود میں ایک

عجیب سا جذباتی اُبال محسوس کر رہا تھا جو شاید کسی بھی نئی منزل پر پہنچنے پر انسان کو نئی زمین سے رشتوں کی تلاش پر اکساتا ہے لیکن اس وقت میرے سامنے تلاش کا کوئی مرحلہ نہیں تھا۔ جب تک' میں اس سرزمین سے ہزاروں میل دور' کراچی میں بیٹھا ہوا تھا تو تفکرات کی یلغار نے میرے ذہنی سکون کو درہم برہم کیا ہوا تھا لیکن اس وقت مجھے طمانیت سی محسوس ہو رہی تھی کہ میں آخر کار ایک ایسی سرزمین پر پہنچ چکا تھا جہاں سے تھوڑی سی مسافت پر مکاؤ کا ساحلی شہر واقع تھا اور مکاؤ میں سلطان شاہ کے ساتھ عزیز از جان' غزالہ بھی' ژون کوانگ فو کی قید میں تھی۔ ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد' اپنے نصیبوں کے وہ قیدی میری دسترس میں آنے والے تھے جس کے بعد میں خیالی گھوڑے دوڑانے کے بجائے' ان کی مدد کے لیے عملی اقدام اٹھا سکتا تھا۔

طیارے سے گینگ وے لگنے کے ساتھ ہی مسافروں کو جہاز سے انخلا کی اجازت مل گئی۔ نشستوں سے دوسری طرف والی راہداری میں' تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی قطار میں مجھے کئی پاکستانی چہرے بھی نظر آئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ سب ہی مہذب اور باوقار نظر آ رہے تھے۔

دو یا تین راہداریوں میں سے گزرنے کے بعد اس پرواز کے مسافر امیگریشن کے شعبے کے متعدد کاؤنٹرز کے سامنے خود بخود صف آرا ہوتے چلے گئے۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہاں دوسری پروازوں سے آنے والے مسافروں کا ہجوم نہیں تھا اس لیے چھ مختلف قطاریں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔

ہانگ کانگ میں آمد کے اندراج اور ویزا کے حصول کے لیے امیگریشن کارڈ طیارے میں ہی تقسیم کر دیے گئے تھے۔ اس مختصر سے کارڈ پر مسافر کے کوائف خود بخود ڈپلی کیٹ کاپی پر آ جاتے تھے اور روانگی کے وقت امیگریشن کا عملہ اسی کارڈ کی دوسری نقل کے نمبر اور کوائف کے ذریعے' اپنے کمپیوٹر کے مرکزی ریکارڈ پر روانگی کا اندراج کر لیتا تھا۔

مجھ سے آگے والے کئی مسافروں کو کسی بھی پوچھ گچھ کے بغیر فوری طور پر فارغ کر دیا گیا لیکن میری باری آئی تو سبز پاسپورٹ لیتے ہی امیگریشن آفیسر نے غور سے میری طرف دیکھا' کئی مرتبہ پاسپورٹ کے اوراق کی ورق گردانی کی اور پھر مجھ سے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے پاس اس کے ہر سوال کا مسکت جواب موجود تھا لیکن میں یہ بات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ہانگ کانگ جیسے بالشت بھر کے ملک میں' اس امتیازی سلوک کی بنا پر میں اپنے پیچھے اور دوسری قطاروں میں کھڑے ہوئے مسافروں کی چبھتی ہوئی نگاہوں کا نشانہ بن چکا تھا۔ بعض ہونٹوں پر خفیف سا استہزائیہ تمسخر تھا۔

"پاکستانی معلوم ہوتا ہے۔" کسی مسافر کی دبی دبی سی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں برداشت نہیں کر سکا۔ میں نے مڑ کر خشمناک نگاہوں سے اپنے پیچھے والوں کو گھورا تو سب خاموش تھے۔ میرے

اس ردعمل کے نتیجے میں' میری طرف مرکوز نگاہیں' لاتعلقانہ انداز میں دوسری سمتوں میں بھٹکنے لگیں البتہ چند چینیوں نے یکایک ہی اونچی آوازوں میں بیک وقت بولنا شروع کر دیا۔ میں ان کی زبان سے نابلد ہوتے ہوئے بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں باتیں بنا رہے تھے۔

"کس سیاسی گروپ سے وابستہ ہو؟" امیگریشن افسر کے آخری سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کسی سے نہیں۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیتے ہوئے دل میں سوچا کہ پاکستان کے سیاسی گروپوں سے بھلا اس کو کیا واقفیت ہو سکتی ہے۔

وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے کمپیوٹر مانیٹر پر نظریں جما کر' تیزی کے ساتھ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔

اس نے مہر لگا کر' امیگریشن کارڈ کی کاربن کاپی کے ساتھ' پاسپورٹ مجھے لوٹایا تو میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ویزا کے معاملے میں پاکستان کی اندرونی سیاست کی کیا ضرورت پیش آتی ہے؟"

اس معنک چینی کے ستے ہوئے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ رینگ آئی اور وہ جلدی سے بولا۔ "ایک بار ویزا لینے کے بعد پاکستانی' انسانی حقوق کی پامالیوں کے حوالے سے سیاسی پناہ کی درخواست کر دیتے ہیں۔ ہمارا محکمہ ایسے پاکستانیوں سے تنگ آ چکا ہے جو یہاں نوکریاں کرنے کے لیے سیاسی مخالفین پر حکومت کے بدترین تشدد کی نت نئی کہانیاں لے کر آتے ہیں۔ اب ہم سیاسی رجحان کا شبہ ہوتے ہی پاکستانیوں کو ویزا دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ قطار کی طرف متوجہ ہو گیا اور میں بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

میرے لیے وہ تجربہ شرمناک اور توہین آمیز تھا لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ خود غرض اور تنگ نظر افراد کی حرکتوں سے ملک کے نام کو بٹہ لگ رہا تھا۔ سبز پاسپورٹ والوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے میں' اس امیگریشن افسر کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے اپنے تجربے سے جو کچھ سیکھا تھا' وہ اسی پر عمل کر رہا تھا۔

بیگیج ہال میں سامان بیلٹ پر آنا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے اپنا مختصر سا سوٹ کیس اٹھایا اور پہلے تجربے کی روشنی میں گرین چینل سے گزرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ریڈ چینل سے گزر کر' لمبی سی میز پر' کسٹم آفیسر کے سامنے رکا تو اس نے معنی خیز انداز میں میرے پاسپورٹ پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "کیا لے کر آئے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں!" میں نے اپنا سوٹ کیس اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"پھر ریڈ چینل سے کیوں آئے ہو؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اس کی انگلیاں میرے سوٹ کیس کے تالوں سے کھیل رہی تھیں اور میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا کیوں کہ سوٹ کیس میں کپڑوں کی تہوں میں بیم گن چھپی ہوئی تھی۔

"میں یہاں کے قانون سے لاعلم ہوں۔ احتیاطاً ریڈ چینل استعمال کیا ہے۔ کیا پتا ذاتی استعمال کی اشیا میں بھی کوئی چیز ڈیوٹی کے قابل نکل آئے۔" اس سے نظریں چرانے کے لیے میں اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا جیسے سوٹ کیس کھولنے کے لیے چابی تلاش کر رہا ہوں۔ "تم چیک کر ہی لو تو بہتر ہوگا۔"

"کوئی ڈرگ؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

"جاؤ۔" اس نے میرے سوٹ کیس پر ہاتھ مار کر کہا۔ اس بار میرے اعتماد نے اسے مطمئن کر دیا تھا اور اس طرح میں کسی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر' بیم گن سمیت ہانگ کانگ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

اس مرحلے پر مجھے وہ لوگ یاد آئے جو سیاسی پناہ کے بہانوں سے... وہاں قیام کی اجازت لینے کی کوشش کرتے ہیں اور مجھے محسوس ہوا کہ اپنے عمل کے اعتبار سے' میں ان سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ وہ بہتر روزگار کے متلاشی ہوتے ہیں اور اپنی اسی ضرورت سے مجبور ہو کر' قانونی رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں بیم گن کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اپنی اس ضرورت کے لیے میں نے ان کے قانون کو پامال کیا تھا۔ اگر میں پکڑ لیا جاتا تو میری اصل شناخت ایک پاکستانی کے طور پر ہوتی' میرا نام ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا۔ وہ ہمارا قومی مزاج بن گیا تھا کہ ہر شخص اپنی ذاتی ترجیحات کے حصول کے لیے ہر فریب اور مکاری کو اپنا حق تصور کرنے لگا تھا لیکن ایسی ہی حرکتوں پر' دوسروں پر لعن طعن اور تنقید کرنے کے شوق میں بھی مبتلا تھا۔

"میں کون سا سیاسی رہنما یا مصلح ہوں جو ان چکروں میں پڑتا پھروں۔ قوم اور قومی شناخت کے حوالوں کو برقرار رکھنا تو ہمارے سیاسی رہنماؤں کا کام ہے۔ وہ جانیں اور اُن کا کام۔ میں نے تو اپنی ذاتی ذہانت' تجربہ اور خود اعتمادی سے کام نکال لیا ہے۔" میرے ذہن نے جواز پیش کیا اور میں اندر سے مطمئن ہو گیا۔ اصل خرابی یہی تھی کہ ہماری قیادت نے عوام کو ملک اور قوم سے بالکل الگ تھلگ کر کے وہ ٹھیکا خود لیا ہوا تھا۔ کروڑوں کی بھیڑ میں ہر شخص انفرادی طور پر ممتاز نظر آنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ملک اور قوم کا درد ان لوگوں کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا جو اس کے وسائل پر قابض ہو کر لوٹ مار میں مصروف تھے۔

اس وقت رات ہو چکی تھی اور فوری طور پر مکاؤ روانگی مناسب نہیں تھی اس لیے میں نے وہ رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہاربر کے اس پار' ہانگ کانگ میں زندگی کا چلن ذرا مختلف ہوا کرتا تھا اس لیے میں نے کولون ہی کے کسی ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کی نیت سے معلوماتی کاؤنٹر کا رخ کیا تو وہاں بیٹھے ہوئے چینی نے بے رخی کے ساتھ ایک فہرست میرے آگے ڈال دی۔ "اپنے بجٹ کے مطابق اس لسٹ میں سے ہوٹلوں کے فون نمبر لے لو اور پبلک بوتھ سے بکنگ کرا لو۔"

"یہ کام تم نہیں کرا سکتے؟" میں نے فہرست کو چھوئے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر اپنی کرسی چھوڑی اور اندر چل دیا۔

میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔ دوسری قوموں کے افراد کے ساتھ' ہانگ کانگ کے چینی نژاد باشندوں کے رویّے میں وہ بے نیازی' انانیت اور تکبر وہاں کی روایات میں شامل تھا۔ دفتری کلرکوں سے لے کر دکانداروں تک' ہر چینی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ میں غصے کے عالم میں بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔

روٹ نمبر اے ون کی بس ان دنوں بھی ائرپورٹ سے شم سا چوئی کے لیے چلتی تھی۔ آٹھ ہانگ کانگ ڈالر میں وہ سفر خاصا خوشگوار ثابت ہوا۔ راستے میں شہر کی رونق معدوم ہو چلی تھی لیکن سالبری روڈ سے گزرتے ہوئے ناتھن اسٹریٹ پر اس وقت بھی بھیڑ بھاڑ نظر آ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ پر اسپیس تھیٹر اور اس سے تقریباً ملحق ثقافتی مرکز میں بھی چہل پہل تھی۔ برسوں بعد بھی ہانگ کانگ میں بہت زیادہ تبدیلیاں رونما نہیں ہوئی تھیں۔

اسٹار ہاؤس سے ملحق بس اسٹاپ پر سفر ختم ہوا تو میں اپنے ہلکے پھلکے سوٹ کیس کے ساتھ گھاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دن میں مسافروں کی آمدورفت سے مصروف رہنے والے' اسٹار فیری کے گھاٹوں سے آنے والے راستے' اس وقت بہت کشادہ نظر آ رہے تھے۔ میں برآمدے سے جاتے جاتے اسٹار فیری کے بکنگ آفس کے سامنے رک گیا جہاں سفید فام سیاحوں کی ایک ٹولی تفریحی کتابچوں کا مطالعہ کر رہی تھی۔ میں نے وہاں سے اپنے مطلب کے چند کتابچے اٹھا لیے۔

میں نے بورڈ پر نظر ڈالی تو رات کے بارہ بجے اسٹار فیری والوں کا ایک تفریحی سفر شروع ہونے والا تھا لیکن اس میں مکاؤ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں کتابچے سمیٹ کر آگے بڑھا اور اسٹال سے بیئر کا یخ بستہ کین خرید کر کھلے ساحل کے کنارے بنے ہوئے کنکریٹ کے واک ویز کی طرف بڑھ گیا۔

سین میگیل ہانگ کانگ کی روایتی بیئر تھی جو بنکاک کی سنگھا سے ہزار درجہ بہتر اور مغربی معیار کے قریب تر تھی۔ میں نے اسٹین لیس اسٹیل کی ریلنگ کے ایک پتھریلے ستون پر جگہ سنبھالی اور سگریٹ سلگا کر سمندر میں تیرتی ہوئی چھوٹی بڑی کشتیوں پر نظریں جما دیں۔ بھانت بھانت کی چھوٹی بڑی سست رو اور تیز رفتار بوٹس پر سین میگیل کے متعدد روشن اشتہارات نمایاں تھے۔ سمندر میں گندگی پھیلانے والوں پر بھاری جرمانے کی متعدد اشتہاری تنبیہات کے باوجود' میرے قرب و جوار میں اس بیئر کے بہت سے خالی ڈبے بکھرے ہوئے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سین میگیل روز بہ روز مقبول تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس یخ سیال کی کچھ مقدار اپنے

معدے میں انڈیلی اور ہاربر کے اس پار' ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے کے دامن سے اوپر تک پھیلی ہوئی روشن اور چمک دار عمارتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اس وقت میں اداس اور تنہا تھا لیکن میں نے دل ہی دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ غزالہ کو ڈون کوانگ فو کی تحویل سے نکالنے کے بعد میں اسے ہانگ کانگ، کا چپّہ چپّہ دکھاؤں گا اور دنیا بھر کی مصنوعات سے لدے ہوئے' پُرشکوہ شاپنگ مالز میں اسے دل کھول کر خریداری کراؤں گا۔

میں اپنے خیالات کی دنیا میں گم' کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ جب فضا میں خنکی کا احساس بڑھنے لگا تو میں وہاں سے آہستہ آہستہ واپس چل دیا۔

مجھے اگلے روز مکاؤ روانہ ہو جانا تھا پھر وہاں سے شم ساچوئی کا مرکزی علاقہ بھی بہت قریب تھا اس لیے میں نے کہیں دور جانے کے بجائے کینٹون روڈ پر واقع اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کا راستہ لے لیا۔ خریداری اور سیاحت کے لیے آئے ہوئے غیر ملکیوں کی بھاری تعداد کی وجہ سے ہانگ کانگ کے اچھے ہوٹلوں میں پیشگی بکنگ کے بغیر عموماً کمرے دستیاب نہیں ہوتے لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اومنی ہوٹل کی چھٹی منزل پر کمرا مل گیا۔

ٹھکانا میسر آتے ہی' مکاؤ کی فکر میرے سر پر سوار ہو گئی۔ میں آرام دہ بستر پر دراز ہو کر دیر تک غزالہ اور اس کی مشکلات کے بارے میں سوچ کر اداس ہوتا رہا اور جب وہ لہر میرے لیے ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو میں نے مکاؤ فون کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔

جس طرح مجنوں کو لیلیٰ کی طرح سگِ لیلیٰ بھی عزیز تھا اسی طرح مجھے غزالہ کے حوالے سے کوانگ فو کی سیکریٹری سے کچھ انسیت ہو چلی تھی۔ غزالہ سے میری بات ہونی ناممکن تھی لیکن یہ تو ہو سکتا تھا کہ میں کوانگ فو کی سیکریٹری کو اپنی ہانگ کانگ آمد کی اطلاع دے دیتا۔ اگر اس عورت کے دل میں ترحم اور انسانی ہمدردی کا ذرا سا بھی جذبہ موجود ہوتا تو موقع نکال کر وہ خوش خبری غزالہ تک پہنچا سکتی تھی۔

کوانگ فو کے محل کے فون سے پہلی ہی گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔

روایتی مراحل سے گزرنے کے بعد اس کی سیکریٹری لائن پر آئی تو اس نے میری آواز سنتے ہی مجھے پہچان لیا۔

"کہو' دیرا کا کوئی سراغ ملا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ "یا تم ابھی تک بھٹک رہے ہو؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے دیرا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں اس کی نقل و حرکت کے بارے میں اندھیرے میں ہوں۔"

"کوئی نہ کوئی اس کے بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔ شاید ایسے لوگوں تک تمہاری رسائی نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ابھی ابھی ہانگ کانگ آ چکا ہوں۔ کل میں مکاؤ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"واقعی؟" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"کمرا نمبر چھ سو دس' اومنی ہوٹل۔ مجھے دیر نہ ہوئی ہوتی تو میں ابھی مکاؤ کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔ میں نے آنکھ بند کر کے تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے۔ اب ڈون تک رسائی کے لیے تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔"

"اپنے طور پر مکاؤ کا رخ کرنے کی غلطی نہ کرنا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اجنبیوں کے لیے مکاؤ بہت خطرناک جگہ ہے۔ اب تم ہانگ کانگ آ ہی گئے ہو تو صبح الفا ہاؤس میں چائنا ٹریول سروس کی مس رووینا سے مل لینا۔ میرا حوالہ دو گے تو وہ تمہاری کافی مدد کرے گی اور تمہاری یہاں آمد کا انتظام کرا دے گی۔"

"لیکن یہ الفا ہاؤس کہاں ہے؟" میں نے اس کے تعاون پر خوشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل سے چند منٹ کا راستہ ہے۔ ناتھن روڈ پر یہ عمارت خاصی مشہور ہے۔ چاہو تو ۲۱۴۳۲۱۷ پر فون کر لینا' بلکہ جانے سے پہلے فون کرنا ہی بہتر رہے گا۔ تمہارے بارے میں وہ مجھے باخبر رکھے گی۔ موقع ملا تو میں مکاؤ میں خود تم سے رابطہ کر لوں گی۔ تم مجھے فون کر سکتے ہو لیکن مجھ تک پہنچنے کی کوشش تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

"اس ہمدردی کے لیے میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں لیکن تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مکاؤ اجنبیوں کے لیے خطرناک ہے' تم تک پہنچنے کی کوشش مہنگی پڑ سکتی ہے۔ آخر ان باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ یہاں آؤ گے تو ساری باتیں خود بخود سمجھ میں آتی...." اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا اور یک بیک فون کی لائن کٹ گئی۔

ہانگ کانگ جیسے ترقی یافتہ شہر میں ٹیلی فون لائن کا یوں اچانک منقطع ہو جانا' میرے لیے ناقابلِ فہم بلکہ تشویش ناک تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں ڈون کے کسی نمک خوار نے وہ گفتگو سن کر اس عورت پر ہاتھ نہ ڈال دیا ہو۔ وہ فون پر کسی ایسے شخص کے ساتھ ہمدردانہ گفتگو میں مصروف تھی جس سے ڈون نے کوئی بھی بات نہ کرانے کی ہدایت کی ہوئی تھی۔

اگر وہ عورت عتاب میں آ گئی تھی تو پھر غزالہ بھی خطرے میں تھی۔ اس امکان کا دھیان آتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور میں دوبارہ ڈون کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

تیسری کوشش میں ڈون کوانگ فو کے نمبر سے رابطہ ہو گیا۔

اس خصوصی نمبر پر ڈون کے احمقانہ حفاظتی نظام سے مفر ممکن نہیں تھا۔ جو لوگ چوہے کی کرب آمیز آوازوں کے رمز سے واقف تھے' وہی ڈون کی سیکریٹری سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر سکتے تھے اور میرا شمار ایسے ہی گنے چنے خوش نصیبوں میں کیا جا سکتا تھا اس لیے میں اپنے تمام تر ہیجان کے باوجود' تردّد کے عالم میں ان لمحات کے گزر جانے کا انتظار کرتا رہا۔

وہ مراحل گزر جانے کے بعد' جوں ہی سلسلۂ کلام کی ابتدا ہوئی ڈون کوانگ فو کی سیکریٹری نے اپنے ساؤنڈ اسکینر کے ذریعے میری آواز پہچان لی اور اس کا لب و لہجہ خشک ہو گیا۔

"تم بار بار فون کر کے مجھے پریشان نہ کرو!" اُس کی تیز و تند آواز ابھری۔ "تم کراچی میں رہو یا مکاؤ آؤ۔ یہ سب تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اب ڈون تم سے اس مسئلے پر کوئی بات نہیں کرے گا۔ نہ ہی میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں۔"

اُس کے فقرے معنی خیز تھے۔ میں نے چند منٹ پہلے ہی' فون پر اسے بتایا تھا کہ میں کراچی سے ہانگ کانگ پہنچ چکا تھا۔ جواب میں اس نے مجھے چائنا ٹریول سروس میں ایک لڑکی سے رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن اب وہ ہر بات سے انجان بن کر یہ ظاہر کرنا چاہ رہی تھی جیسے اسے میری ہانگ کانگ میں موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ میری پہلی کال اتفاقاً منقطع نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسے اپنے قرب و جوار میں کسی کی موجودگی کا شبہ ہو گیا تھا اور اس نے اپنی چمڑی بچانے کے لیے لائن کاٹ دی تھی۔ دوسری بار گفتگو کی ابتدا ہوتے ہی اس نے مکاری کے ساتھ مجھے اپنی پوزیشن سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ میرے لیے وہ بہت اچھی علامت تھی کہ ڈون کے ناقابلِ رسائی محل میں میری ایک ایسی ہمدرد پیدا ہو چکی تھی جو ڈون کی لاعلمی میں میری مدد کر سکتی تھی۔

"اگر میں ڈون سے فون پر بات نہیں کر سکتا تو پھر مجھے مکاؤ ہی آنا پڑے گا۔" میں نے اس کی گفتگو کی روشنی میں کہا۔ "میں پہلی فرصت میں مکاؤ پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنا سر ڈون کے قدموں میں رکھ دوں گا پھر اُس کی مرضی ہو گی کہ وہ مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لے یا میری گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر کے پورا قصہ ہی تمام کر دے۔ تم...."

"بس' بس! اب میں تمہاری مزید تقریر نہیں سنوں گی۔" میری بات کاٹتے ہوئے' اس کی ترش آواز ابھری۔ "اب تیسری بار فون کر کے اپنا اور میرا وقت برباد کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اسی کے ساتھ' دوسری طرف سے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں چند ثانیوں تک بے جان ریسیور کو اپنے کان سے لگائے خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا پھر اُسے کریڈل پر ڈال دیا۔

ڈون کی سیکریٹری سے گفتگو کرتے ہوئے پہلی بار فون کا رابطہ یکلخت منقطع ہونے پر میرے ذہن میں جن اندیشوں نے جنم لیا تھا وہ یکسر بے بنیاد ثابت نہیں ہوئے تھے۔ دوسری بار ہونے والی بات چیت سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو کہیں اور بھی سنی جا رہی تھی یا پھر سیکریٹری کے پاس' ڈون کا کوئی پرانا نمک خوار جا پہنچا تھا' جس کی موجودگی میں وہ بے پروایانہ انداز میں گفتگو جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔

اس سے دوبارہ بات کر کے مجھے کم از کم یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ میری اور اس کی ابتدائی گفتگو کے نتیجے میں' وہ فوری طور پر کسی عتاب کا نشانہ نہیں بنی تھی۔ وہ خود محفوظ تھی جس کا مطلب تھا کہ غزالہ پر بھی کسی سختی کے آغاز کا خطرہ نہیں تھا اور اس وقت میرے لیے وہی بڑی بات تھی۔

میں کمرے کی روشنیاں گُل کر کے' آرام دہ بستر پر دراز ہو گیا تاکہ آنے والے دن کی ہنگامہ خیز بھاگ دوڑ کے لیے اپنی توانائیاں مجتمع کر سکوں لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو دس میں' میں ایک عجیب و غریب ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ میرے لیے اس شہر نما ملک کی حیثیت' راستے کی ایک سرائے سے زیادہ نہیں تھی۔ میں اس وقت اپنے وطن سے ہزاروں میل دور تھا اور میری منزل بھی بہت قریب نہیں تھی۔ اس درمیانی پوزیشن کی وجہ سے میرا ذہن دو طرفہ یلغار کی زد میں آیا ہوا تھا۔

کبھی غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں وسوسے سر ابھار رہے تھے تو کبھی کراچی کی پیچیدہ صورتِ حال میرے ذہن پر مسلط ہو جاتی تھی۔

غزالہ کے ساتھ ساتھ' میرے لیے بلیو کراس ڈیل بھی بہت اہم تھی۔ ایک طرح سے وہ دونوں' ذاتی اور قومی افتخار کے معاملات تھے۔ غزالہ کے تحفظ' بلکہ حصول کے لیے میں نے پاکستان سے ہانگ کانگ کی طرف دوڑ لگا دی تھی اور بلیو کراس ڈیل کی حفاظت کے لیے' ویرا کو شیشے میں اتار کر' ایران جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے مقامی سربراہ ظفر کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ ویرا نے اپنا مشن بہت خوبصورتی کے ساتھ پورا کر لیا تھا اور محض ایک ٹرک کی قربانی دے کر' ایٹمی آلات اور ساز و سامان کی پوری کھیپ کو پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

اس کے بعد مافیا کے ڈان' نیشی کاؤ کے عزائم کی باری آتی تھی۔ وہ ٹی کی پسپائی سے پیدا ہونے والے فسوں خیز خلا کو مافیا کی سرگرمیوں سے پُر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مربوط منصوبے میں' منشیات کی اندھی کمائی کی سیاست میں سرمایہ کاری کو کلیدی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ اپنے عزائم کے استحکام کے لیے اس نے جمی لائیڈ سے سمجھوتا بھی کر لیا تھا جس کی رُو سے اگر میں بیم گن اور سلور آئیز واپس کر دیتا تو ٹی کا سربراہ میرا پیچھا چھوڑ سکتا تھا لیکن میرے لیے' آنے والے دن بہت غیر یقینی تھے۔ ویرا کو دو طلائی سِکوں کا مالک بنا دینے کے بعد میرے پاس صرف ایک سلور آئی رہ

گئی تھی جو کسی بھی آڑے وقت میں میرے کام آسکتی تھی۔ رہی بیم گن تو وہ ہانگ کانگ میں بھی میرا واحد ہتھیار تھی۔

اپنی ناگزیر ضروریات کے پیشِ نظر میں نے نیشی کاؤ سے کہہ دیا کہ میرے پاس جی لائیڈ کی مطلوبہ اشیا موجود نہیں تھیں۔ اس سے انکار کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ امکان پوری طرح روشن تھا کہ نیشی کاؤ کا جواب ملنے کے بعد جی لائیڈ مشتعل ہو کر میرے خلاف زیادہ شدومد سے صف آرا ہو سکتا تھا اور شاید مافیا والے بھی میری بھرپور حمایت سے کنارہ کش ہو کر مجھے شی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے۔

لیکن میرے ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ قدرت نے کافی عرصہ پہلے میری مدد کے امکانات کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

بلی گینگ جو شی کا ایک مکار اور خونخوار ایجنٹ تھا ابتدا ہی سے نیشی کاؤ کے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ مرنے سے قبل اس نے اپنی گفتگو میں یہ بتا دیا تھا کہ وہ نیشی کاؤ کی بُو سونگھتا ہوا شکاگو کے چائنا ٹاؤن میں اس کے ٹھکانے پر پہنچا تھا اور پھر نیویارک لندن اور دبئی کے راستے اس کا تعاقب کرتا ہوا ڈینفس کے اُس مکان میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا جہاں نیشی کاؤ میرے ساتھ اہم گفتگو میں مصروف تھا۔ شی کے اس ایجنٹ نے اپنی گفتگو کی ابتدا میں یہ ذکر بھی کیا تھا کہ نیشی کاؤ مجھ سے ملاقات کا مشن لے کر بنکاک سے نکلا تھا۔ بیک وقت شکاگو اور بنکاک کے ذکر سے میں صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکا تھا کہ نیشی کاؤ نے میرے بارے میں سودے بازی کے لیے شی کے کسی آئی مین یا شاید جی لائیڈ سے بنکاک میں مذاکرات کیے ہوں گے جن میں یہ طے پایا ہو گا کہ اگر میں سلور آئیز اور بیم گن واپس کرنے پر آمادہ ہو جاؤں تو جی لائیڈ میرے خلاف اپنی محاذ آرائی ترک کر دے گا۔ وہ سمجھوتا ہونے کے بعد نیشی کاؤ شکاگو لوٹ گیا ہو گا اور شی نے بلی گینگ کو اس کے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ نیشی کاؤ کے تعاقب میں مجھ تک پہنچ سکے۔ میں نیشی کاؤ کو اُس کی مطلوبہ اشیا لوٹانے پر آمادگی ظاہر کرتا تو شاید بلی گینگ کوئی بھی کارروائی کیے بغیر واپس لوٹ جاتا لیکن میری ہٹ دھرمی کا مظاہرہ دیکھ کر وہ مجھے قتل کرنے کے ارادے سے سامنے آنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلی گینگ اور اس کے دونوں ساتھی نیشی کاؤ کے ہاتھوں بے رحمانہ انداز میں جہنم واصل کر دیے گئے لیکن نیشی کاؤ پر شی اور جی لائیڈ کی بدنیتی واضح ہو گئی۔

نیشی کاؤ کے لیے یہ تصور ہی ہتک آمیز تھا کہ شی کے بڑوں نے مافیا کے ایک ڈان پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اپنے ایک معمولی ہرکارے کو ابتدا ہی سے اس کے تعاقب میں لگایا ہوا تھا۔

شی کی طرف سے بے اعتمادی کے اس شرمناک مظاہرے کی بنا پر نیشی کاؤ میرے انکار کے مضمرات کو نظرانداز کرنے پر مجبور ہو گیا اور میں مافیا میں اپنا مقام برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔

مجھے دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ میں ڈان کی طرف سے مقامی سیاست میں سرمایہ کاری کی ہدایت کی آڑ لے کر امیر جان سے ملاقات کا بہانہ کر کے کراچی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اپنے چیف حبیب جیوانی اور نیشی کاؤ کی دانست میں میں امیر جان سے معاملات طے کرنے کی نیّت سے اسلام آباد کے سفر پر روانہ ہوا تھا جب کہ میری اصل منزل مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کی حویلی تھی۔

اس مرحلے پر میرے لیے صرف ایک ہی بات تشویش ناک تھی کہ نیشی کاؤ اور ڈون کوانگ فو پیدائشی اعتبار سے ہم وطن اور قدیم پڑوسی ہی نہیں بچپن کے گہرے دوست بھی تھے۔ ان میں سے ایک مافیا کا ڈان تھا تو دوسرا شی کا ناقابلِ شکست آئی مین۔ لیکن نیشی کاؤ کو اپنے بچپن کے مراسم پر اتنا ناز تھا کہ وہ پیشہ ورانہ رقابت کے عنصر کو نظرانداز کر کے ڈون کوانگ فو سے مکاؤ میں ملاقات کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اور اس ملاقات کا سبب بھی میری ہی ذات تھی۔

ڈان نیشی کاؤ مکاؤ میں ڈون کوانگ فو سے مل کر اُسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ میرے معاملے میں اپنے سپر آئی مین جی لائیڈ کو اعتدال کی راہ پر رہنے کا مشورہ دے تاکہ میری وجہ سے شی اور مافیا کے پیشہ ورانہ مراسم میں کوئی دراڑ نہ پڑنے پائے۔

نیشی کاؤ کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ آنے والے دنوں میں مافیا کی کارکردگی میں میرا کردار بہت ہی اہم نوعیت کا حامل ہو گا اور اگر شی یا جی لائیڈ کی طرف سے محاذ آرائی کا تسلسل برقرار رہا تو اس کے نتیجے میں میری اعلیٰ کارکردگی متاثر ہو سکتی تھی۔

ان ہی پیچیدہ اور گنجلک خیالات سے لڑتے ہوئے میرے ذہن پر تکان طاری ہونے لگی اور میں سگریٹ سلگا کر اپنے کمرے کی اس کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا جو ہاربر کے نیلے پانیوں اور اس کے پار پھیلے ہوئے ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے کی طرف کھلتی تھی۔

کھڑکی سے باہر کا منظر اس قدر حسین اور خوابناک تھا کہ چند ثانیوں کے لیے میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ میں کچھ دیر پہلے ہی کولون کے ساحل سے روشنیوں میں نہائے ہوئے ہانگ کانگ کا منظر دیکھ کر محظوظ ہو چکا تھا لیکن اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کی چھٹی منزل سے اس منظر میں کچھ عجیب سا حسن پیدا ہو گیا تھا۔

ہانگ کانگ ہاربر کی تنگ سی آبی گزرگاہ پر ایک طرف سے جزیرہ ہانگ کانگ کی روشنیوں کا بھرپور انعکاس پڑ رہا تھا تو دوسری طرف کولون کے ساحل پر جگمگاتی ہوئی روشنیوں نے سمندر کے پانی کو روشنی کا غسل دیا ہوا تھا۔ اس طرح مشرقِ بعید کی اس تنگ سمندری راہداری کا چپّہ چپّہ تیز نہ سہی تو خاصی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ بظاہر سمندر کی سطح بالکل پُرسکون تھی لیکن اس پر روشن اور تاریک دھبّوں کا مخصوص امتزاج سمندر کے سینے پر موجوں کے زیروبم کی نشان دہی کر رہا تھا۔ ان دھبّوں میں نمودار ہونے والی روشن لکیریں ان برق رفتار اسپیڈ بوٹس کی نشان دہی کر رہی تھیں جو اپنے سینوں میں عیش و طرب کی مختصر سی کائناتیں سجائے سمندر کے سینے پر رواں تھیں۔

سیماب صفت اور برق رفتار کشتیوں کے اس دور میں کئی دخانی کشتیاں بھی نظر آ رہی تھیں جو سست رو تفریح کے متانوں کی دل جوئی کے لیے نیلے پانیوں پر محوِ خرام تھیں۔ برق رفتار اسپیڈ بوٹس کے مقابلے میں دخانی کشتیوں کی دھواں اگلتی ہوئی خال خال چمنیاں سمندر میں ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ میں کافی دیر تک کھڑکی کے شیشے میں سے ہانگ کانگ کی اونچی عمارات پر نصب دیوہیکل روشن اشتہارات کی عبارتوں کے مطالعے کے ساتھ سمندری چہل پہل کا جائزہ لیتا رہا پھر دوبارہ بستر پر آ گرا۔

اس رات رہ رہ کر میری آنکھ کھلتی رہی اور میں نے عملاً وہ پوری رات نیم خوابی اور بے خوابی کے عالم میں گزاری اور جوں ہی کھڑکی سے باہر راہوارِ مشرق کا نور پھیلتا نظر آیا میں بستر چھوڑ کر غسل خانے میں جا گھسا۔ بدن پر گرنے والی پانی کی نیم گرم اور ٹھنڈی دھاریں چند ہی منٹ میں ساری تکان بہا کر لے گئیں اور میں تازگی کے ایک نئے احساس کے ساتھ غسل خانے سے باہر نکل آیا۔

ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں میں نے بہت دھیمے دھیمے ناشتا ختم کیا۔ میرا مدعا صرف وقت گزارنے کا تھا کیوں کہ چائنا ٹریول سروس کا دفتر صبح نو بجے سے پہلے نہیں کھلتا تھا۔

مقررہ وقت پر میں نے اپنے کمرے سے چائنا ٹریول سروس کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فون اٹھانے والی ہی میری مطلوبہ خاتون ثابت ہوئی۔

"مس روونا! میرا نام تنویر ہے!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "مجھے مس شوائے نے تم سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ!" روونا کی نرم اور مترنم آواز ابھری۔ "شوائے میری بہت اچھی اور پرانی دوست ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ملاقات کے لیے تم شام تک انتظار کر لو۔ میں چھ بجے آف ہو جاتی ہوں۔"

"لیکن میرا ابھی ملنا ضروری ہے کیوں کہ..." میں نے زور دیتے ہوئے وضاحت کرنی چاہی لیکن روونا نے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی۔

"میں دفتر میں بہت مصروف ہوتی ہوں۔ ویسے بھی یہاں کام کے اوقات میں نجی ملاقاتوں کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں تمہیں مناسب توجہ نہ دے سکی تو تم بھی بُرا محسوس کرو گے۔"

'پھر وہی خالص کاروباری ذہنیت' جس نے ہانگ کانگ میں بسے ہوئے خوش حال چینیوں کو جذبات سے عاری مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔' میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر جلدی سے کہا۔

"میری ملاقات کا تعلق تمہارے کام سے ہے۔ میں جلد از جلد مکاؤ جانا چاہتا ہوں۔"

مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے قائل کرنے میں تاخیر سے کام لیا تو کہیں وہ وقت کی کفایت کے لیے یک بیک کوئی الوداعی فقرہ ادا کر کے فون ہی بند نہ کر دے۔

"بزنس کی بات ہے تو بلا تکلف چلے آؤ!" ریسیور پر پہلی بار اس کی خوش دلانہ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "ہمارا دفتر ستائیس ناتھن روڈ پر الفا ہاؤس کی پہلی منزل پر ہے۔ سیڑھیاں ناتھن روڈ کی بغلی سڑک پر ہیں۔ ہمارا بڑا سا بورڈ دور ہی سے نمایاں نظر آتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔ اومنی ہوٹل سے تمہارے دفتر آنے میں مجھے بمشکل چند منٹ لگیں گے۔" میں نے اس کے بدلے ہوئے رویّے پر مسرت کے ساتھ کہا اور فون بند کر دیا۔

ناتھن روڈ، شم ساچوئی کی شہ رگ کہی جا سکتی تھی جہاں سڑک کے دونوں طرف دنیا بھر کی اشیائے تعیش سے لدی ہوئی دکانیں گلیوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی سڑک پر چنگ کنگ سینٹر نامی وہ دو منزلہ مارکیٹ بھی تھی جو پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کا گڑھ سمجھی جاتی ہے کیوں کہ وہاں تمام تر دکانیں ان ہی اقوام کے لوگوں کی ملکیت ہیں جن میں غلبہ بھارتیوں کا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں وہاں پہنچنے کے بعد آسانی کے ساتھ الفا ہاؤس تلاش کر سکتا تھا لیکن ہوٹل سے اترنے کے بعد میں نے ارادہ بدل دیا۔

تلاش میں وقت ضائع ہونے کی صورت میں مجھے روونا کے سامنے شرمندگی کا سامنا ہو سکتا تھا اس لیے میں نے قریب ہی سے گزرتی ہوئی سرخ ٹیکسی روک لی جو ٹویوٹا کراؤن تھی۔

پاکستان میں پجارو، مرسڈیز اور اکارڈ کے ساتھ ہی ٹویوٹا کراؤن بھی طبقۂ امرا کی پسندیدہ گاڑیوں میں شمار کی جاتی ہے ہانگ کانگ کی سڑکوں پر اسے ٹیکسی کی صورت میں رواں دیکھ کر اس تصور کو خاصی ٹھیس لگتی ہے۔

میٹر گرتے ہی براہِ راست نو ہانگ کانگ ڈالر کی رقم سامنے آگئی جو خاصی تشویشناک تھی لیکن فوراً ہی دروازے کی اندرونی سمت میں چسپاں سرخ عبارت پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اس ملک کے دونوں حصوں میں قلیل فاصلوں کے پیشِ نظر ٹیکسیوں کا کم سے کم کرایہ نو ڈالر مقرر تھا جو تین کلو میٹر تک کے لیے تھا۔ اس سے آگے فی کلو میٹر تین ڈالر کی شرح سے اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ مسافر کے سامان کے لیے چار ڈالر فی عدد کی شرح مقرر تھی۔ اسی طرح پرندوں کے لیے بھی شرح مقرر تھی۔ ہاربر کے پار جانے کے لیے میٹر سے بیس ڈالر فاضل ادا کرنے ضروری تھے کیوں کہ زیرِ زمین سمندری سُرنگ استعمال کرنے کے لیے دس ڈالر یک طرفہ ٹول ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔

میں ٹیکسی میں چسپاں اس معلوماتی پوسٹر کو پوری طرح پڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ ٹیکسی ایک جھٹکے سے رک گئی اس کے پیچھے آنے والا ٹریفک کسی بے تابی کا مظاہرہ کیے بغیر تھم گیا میں نے جلدی سے دس ڈالر کا نوٹ ڈرائیور کو تھمایا اس نے سرسری انداز میں نوٹ اپنی پیشانی تک لے جا کر مجھے آگاہ کیا کہ نو ڈالر کرائے کے علاوہ اس نے بقیہ ایک ڈالر کو ٹپ تصور کر لیا تھا۔

ڈرائیور کی اس زبردستی بلکہ دیدہ دلیری پر مجھے تاؤ آیا لیکن اس مصروف مقام پر اس سے بحث کرنے کا موقع نہیں تھا۔ اسے آگے بڑھنے میں ذرا سی بھی دیر ہوتی تو اس کے پیچھے رکی ہوئی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو سکتا تھا۔ زمین کی تنگی کی وجہ سے وہاں کے راستے بھی تنگ تھے اور لوگ ناگزیر رکاوٹوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کے عادی تھے لیکن بے جا رکاوٹوں پر وہ نہایت سرعت کے ساتھ آپے سے باہر بھی ہو جاتے تھے۔

میں ٹیکسی سے اتر کر پُرہجوم اور تنگ فٹ پاتھ پر چڑھا تو تنگ اور چھوٹی چھوٹی دُکانیں‘ دروازوں تک سامان سے بھری ہوئی تھیں اور ان ہی کے اوپر چائنا ٹریول سروس کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

بورڈ کے سہارے‘ عمارت کا تعین کر کے میں تیزی سے اندر گھس گیا۔ لفٹ کے سامنے ناکافی جگہ میں چند افراد قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے صرف پہلی منزل تک جانا تھا‘ اس لیے میں زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ پہلی منزل کے چھوٹے سے کاریڈور میں تینوں طرف شیشے کے دروازوں والی دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ میں یکے بعد دیگرے تیسری منزل بھی طے کر گیا لیکن چائنا ٹریول سروس کے آثار نظر نہیں آئے‘ میری حیرانی پر گھڑیوں کے ایک شوروم میں سے ایک مسلح چینی باہر آیا اور اشتباہ آمیز نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"چائنا ٹریول سروس کا دفتر کہاں ہے؟" میں نے سہل انگریزی میں پوچھا۔

میرا سوال سن کر اُس کے چہرے پر شکنیں پھیل گئیں۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدایا پھر چینی زبان میں مجھے سمجھانے لگا۔ میرے چہرے پر پائی جانے والی حیرانی اور شاید بے تعلقی نے اسے فوراً ہی احساس دلا دیا کہ مجھ پر اس کی زبانی محنت رائیگاں جا رہی تھی۔ وہ اندازہ کر لینے کے باوجود اس کی زبان بدستور چلتی رہی لیکن اس نے ہاتھ کے اشاروں سے بھی کام لینا شروع کر دیا۔ ان اشاروں سے معلوم ہوا کہ میں غلط عمارت میں داخل ہوا تھا۔ مجھے نیچے اتر کر ملحقہ عمارت میں جانا چاہیے تھا۔

اس کا مفہوم سمجھتے ہی‘ میں سر کی خفیف سی جنبش سے اُس کا شکریہ ادا کر کے واپس چل دیا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس چینی محافظ نے میری مدد کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

برابر والی عمارت کی پہلی منزل پر چائنا ٹریول سروس کا دفتر سامنے ہی موجود تھا۔ وہ دفتر ایک ہال پر مشتمل تھا جو ہانگ کانگ کے خصوصی حالات کے تحت وسیع و عریض سمجھا جاتا ہو گا۔ دفتر کے داخلی دروازے پر محافظ کے بعد اندر ایک خالی کاؤنٹر تھا جس پر نمبر والی پرچیوں کی ایک گڈی رکھی ہوئی تھی۔ ایک طرف پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگ‘ نمبر کی پرچیاں لیے اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دو دیواروں کے ساتھ انگریزی کے ایل کی صورت میں لمبا سا کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے چار پانچ افراد انہماک کے ساتھ کام میں مصروف تھے۔ ہر شخص کے سامنے کوئی نہ کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ بظاہر وہاں محافظ کے علاوہ کوئی ایسا خالی فرد نظر نہیں آیا‘ جس سے میں روزینا کے بارے میں معلوم کرتا۔ کاؤنٹر کے پیچھے تین عورتیں یا لڑکیاں بھی تھیں لیکن وہ مردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہی تھیں۔ میں چند ثانیوں تک وسط میں کھڑا‘ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ میری بے بسی کو دیکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی میری طرف متوجہ ضرور ہو گا لیکن اس دفتر میں ایسا کوئی رواج نہیں تھا۔

آخر کار میں محافظ کی طرف بڑھا۔ وہ کرسی پر دراز‘ بائیں ہاتھ سے مسلسل اپنا رخسار کھجانے میں مصروف تھا۔ اپنے سامنے کسی کی موجودگی محسوس کر کے اس نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور میرے منہ کھولنے سے پہلے ہی کاؤنٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "نمبر کی پرچی لے لو۔"

"مجھے مس روزینا سے ملنا ہے۔ میں نے ابھی ابھی اس سے فون پر وقت لیا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔" میں نے اپنی کھوپڑی پر قابو رکھتے ہوئے‘ نرمی سے اُسے سمجھانا چاہا۔

میری بات سن کر اُس کی آنکھوں میں تمسخر آمیز چمک پیدا ہو گئی اور وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "یہاں کوئی کسی کو وقت نہیں دیتا۔ پرچی لے کر اپنی باری کا انتظار کرو۔"

اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے خالی کاؤنٹر سے نمبر کی پرچی اٹھالی جس پر اکیسواں نمبر درج تھا۔ اس گڈی میں سارے نمبر ترتیب وار لگے ہوئے تھے۔

کرسی سنبھالنے کے بعد جب مجھے مائیکرو فون پر پندرہ نمبر کی گونج سنائی دی تو اس دفتر کا نظام میری سمجھ میں آنے لگا۔

ایل نما کاؤنٹر کے پیچھے چھت کے ساتھ ایک الیکٹرانک بورڈ لٹک رہا تھا اور اسی کے نیچے ایک لڑکی مائیک سنبھالے اعلان کر رہی تھی۔ اس کے اعلان کرتے ہی الیکٹرانک بورڈ پر چودہ کی جگہ پندرہ نمبر نے لے لی۔ اس وقت تک کاؤنٹر کے سامنے سے ایک ادھیڑ عمر عورت اٹھ چکی تھی اور پندرہ نمبر والا‘ لمبا تڑنگا امریکی اپنا بیگ سنبھال کر‘ خالی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گویا وہاں انتظار کرنے والوں کو ہر وقت یہ معلوم رہتا تھا کہ ملاقاتوں میں کون سا نمبر چل رہا ہے۔ کاؤنٹر خالی ہوتے ہی اگلے نمبر کو پکار لیا جاتا تھا۔ یہ طریقۂ کار بہت سیدھا سادا اور بے ضرر تھا لیکن ایک نجی کاروباری ادارے کے بجائے کسی سرکاری یا سفارتی مرکز کے لیے زیادہ موزوں نظر آتا تھا۔

میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگانے کا ارادہ کیا تو وہاں تمباکو نوشی کی ممانعت کی کئی علامات نظر آئیں۔ میں نے دیکھا کہ پورے دفتر میں کوئی بھی سگریٹ نہیں پی رہا تھا اور نہ ہی وہاں ایش ٹرے کی قسم کی کوئی چیز نظر آ رہی تھی۔

وہاں مصروفیت اور کام کی تقسیم کا یہ عالم تھا کہ مائیک والی لڑکی پندرہ نمبر کا اعلان کرنے کے بعد‘ اپنے سامنے رکھے ہوئے

کاغذات کے پُلندے کو نمٹانے میں مصروف ہو چکی تھی۔
وقفہ وقفہ سے نمبروں کا اعلان ہوتا رہا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایجنسی کاروباری اعتبار سے خاصی مصروف اور مقبول تھی کیوں کہ لوگوں کے جانے کے باوجود‘ میرے قرب و جوار میں‘ بھری ہوئی کرسیوں کی مجموعی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
میرا نمبر آیا تو کاؤنٹر پر ایک معنک نوجوان‘ اپنے ہونٹوں پر کاروباری مسکراہٹ سجائے‘ میرا استقبال کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے ادب اور احترام سے مجھے خالی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر سوالیہ انداز میں میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
”مجھے مس رووینا سے ملنا ہے۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔
”بزنس؟“ اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا اور میرے اقرار پر فوراً ہی رووینا کو آواز دی۔
وہ اس سے تیسری نشست پر کسی گاہک کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی۔ ان دونوں نے اپنی جگہیں چھوڑے بغیر چینی زبان میں چند فقروں کا تبادلہ کیا پھر میرا میزبان مسکراتے ہوئے بولا۔ ”تم تیسرے کاؤنٹر پر چلے جاؤ!“
”لیکن وہاں تو کرسی خالی نہیں ہے۔“ میں نے جھک کر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔
”تم جاؤ۔ رووینا اُس شریف آدمی کو میرے پاس بھیج رہی ہے۔“ وہ بولا۔
اس وقت میری تپی ہوئی کھوپڑی ہر بات کا منفی مفہوم اخذ کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے رووینا کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو شریف آدمی قرار دے کر مجھے رذیل آدمی کہا ہو۔ میں اس سے الجھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے‘ میں اسے اردو میں ایک گالی دیتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔
”واہ! دل خوش کر دیا۔“ اردو میں کہے گئے ان الفاظ پر میں بُری طرح چونک پڑا۔
پھر مجھے وہ شخص نظر آگیا جو اپنی باری کے انتظار میں‘ گود میں ایک نقشہ پھیلائے بیٹھا تھا۔
”پردیس میں اپنی زبان اور وہ بھی گالی کی صورت میں‘ سن کر دل نہال ہو گیا“ مجھ سے نگاہیں چار ہونے پر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے‘ خوش دلی کے ساتھ بولا۔
”سالے اپنے کام کے پیسے لیتے ہیں لیکن اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے مفت خدمتِ خلق کر رہے ہوں۔“ میں نے اپنے دل کا غبار مزید ہلکا کرتے ہوئے کہا اور وہ ہنستا ہوا واپس بیٹھ گیا۔
اس اثنا میں رووینا کے سامنے والی کرسی خالی ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چپٹے نقوش اور متورم آنکھوں کے باوجود وہ خاصی دلکش اور قبول صورت لڑکی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر فلسفیانہ سنجیدگی کے بجائے بارونق مسکراہٹ رچی ہوئی تھی۔
”میرا خیال ہے کہ فون پر میری تم ہی سے بات ہوئی تھی۔“ اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے‘ گرم جوشی کے ساتھ کہا۔ ”میرا نام رووینا ہے... رووینا بین!“
”اور مجھے تنویر کہتے ہیں۔“ اس کی گرمجوشی نے پل بھر میں میرا غصہ تحلیل کر دیا۔
”میں جلد از جلد مکاؤ جانا چاہتا ہوں۔“ کرسی سنبھالتے ہی میں نے مطلب کی بات چھیڑ دی۔
”کب واپسی کا ارادہ ہے؟“ اس نے اپنی کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر قدرے دھیمی آواز میں پوچھا۔
”دو چار دن... یا شاید ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“
”میں تم سے فون پر بات کرتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ایسی ہی کوئی بات ہو گی ورنہ شوائے تم کو مجھ سے رجوع کرنے کا مشورہ نہیں دیتی۔ کہیں مکاؤ کے جوئے خانوں کی شہرت تو تمہیں وہاں نہیں لے جا رہی؟“
”کیا غیر ملکیوں کے لیے ان جوئے خانوں میں داخلہ ممنوع ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”ان کی رونق ہی غیر ملکی سیاحوں کے دم سے ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ لمبی رقمیں جیتنے والے جواری مکاؤ سے بہت کم صحیح و سلامت واپس آتے ہیں۔“
”تو کیا وہاں لاقانونیت اتنی زیادہ ہے کہ نوبت قتل و غارتگری تک آگئی ہے؟“
”اوّل تو وہاں کبھی بھی قانون کی بہت زیادہ بالا دستی نہیں رہی۔ سارا امن و امان اس لیے نظر آتا ہے کہ اس میں مکاؤ کے بدمعاشوں کا مفاد ہے۔ وہاں ہر وقت دنگا فساد ہونے لگے تو لکھ پتی جواری اُدھر کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ بس جیتنے والے کو اُن کے ایجنٹ جونکوں کی طرح گھیر لیتے ہیں پھر لڑکیوں اور شراب کے چکر میں انہیں گھیر گھار کر اپنی کسی لانچ میں لے جاتے ہیں۔ کھلے سمندر سے واپسی پر اُن کا شکار اپنی ساری جمع پونجی سے محروم ہو چکا ہوتا ہے اور شرم کے باعث کسی سے شکایت تک نہیں کرتا۔“
”تم تو مکاؤ پر اتھارٹی معلوم ہوتی ہو؟“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”میرا جوئے بازی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ڈون کوانگ فوے ملنے کے لیے وہاں جانا چاہتا ہوں۔“
میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”وہ مکاؤ کا بہت خطرناک اور بڑا آدمی ہے۔ وہاں اس کا نام لینے والوں کی زبانیں تک کاٹی جا چکی ہیں۔ سب لوگ اسے صرف ڈون یا بڑا بھائی کہتے ہیں۔ مکاؤ جا رہے ہو تو آئندہ اس کا نام لینے کی غلطی نہ کرنا۔“
اُس کے اس انکشاف پر مجھے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا لیکن میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہدایت کا شکریہ‘ میں
طرح عمل کروں گا لیکن مجھے یہ تو بتا دو کہ میں اپنی منزل کی جانب کب تک روانہ ہو سکوں گا؟ میرے لیے وقت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ تم جانتی ہو کہ شوائے‘ ڈون کی سیکرٹری ہے اور میں اس کے مشورے پر تمہارے پاس آیا ہوں تو ضرور کوئی نہ کوئی خاص بات ہو گی۔“
”میں پوری کوشش کروں گی کہ آج شام تک تمہاری روانگی کا بندوبست کر سکوں۔ اپنے کاغذات وغیرہ میرے پاس چھوڑ دو۔ دو بجے تک تمہیں دوبارہ آنا ہو گا۔“
رووینا نے مجھ سے چند فارموں وغیرہ پر دستخط لیے اور پاسپورٹ کے ساتھ ہی پانچ سو ڈالر لے کر ایک بڑے لفافے میں ڈالتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ اس کی طرف سے اشارہ تھا کہ کام کی بات پوری ہو چکی تھی اس لیے مجھے روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے اٹھ کر اُس کا نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
میں نے اندازہ لگایا کہ اس دفتر کے ہر کاؤنٹر کا یہی دستور تھا۔ باری آنے پر ہر گاہک کو ایسی بھرپور توجہ دی جا رہی تھی جیسے اُس کے علاوہ وہاں دوسرا کوئی ضرورت مند وجود ہی نہ رکھتا ہو لیکن اس کے تمام سفری مسائل حل کرنے کے بعد اسے نرمی و خوش اخلاقی کے ساتھ رخصت کر کے نئے گاہک پر توجہ مرکوز کر دی جاتی تھی۔
میں واپسی کے لیے مڑا تو الیکٹرانک بورڈ پر چوبیسواں نمبر روشن تھا۔
میں نے باہر نکلنے سے پہلے‘ خالی کاؤنٹر پر موجود نمبر والی پرچیوں کی گڈی کو دیکھا تو وہاں اڑتیسواں نمبر تھا جس کا اظہار انتظار گاہ میں بیٹھے اور ٹہلتے ہوئے سیاحوں کی تعداد سے بھی ہو رہا تھا۔
اگلے چار گھنٹوں کے لئے میرے پاس کوئی کام نہیں تھا اس لئے میں پُرسکون انداز میں فٹ پاتھوں پر رواں‘ مقامی اور غیر ملکی سیاحوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔
چین سے فرار ہو کر ہانگ کانگ میں پناہ گزین ہونے والوں کی بنا پر وہ شہر نما ملک ہمیشہ سے آبادی کے شدید دباؤ کا شکار رہا ہے۔ پھر انگریز حکمرانوں نے چین کی بغل میں‘ واقع اس بندرگاہ کو آزادانہ تجارت کی کھلی چھوٹ دے کر اس خطے کی تجارتی منڈی میں اہم ترین مرکز میں تبدیل کر دیا تھا جس کی بِنا پر وہاں پورے سال سیاحت اور خریداری کے شوقین‘ غیر ملکیوں کا ازدحام رہتا تھا۔ ہانگ کانگ میں خشکی اور مسطح زمین کی بے انتہا قلت تھی جس کا سدِ باب کرنے کے لئے زیرِ زمین ماس ٹرانزٹ ریلوے اور زیرِ آب سرنگوں کے ساتھ ہی فلک بوس عمارتوں کا سہارا لیا گیا تھا۔ ساحلی پٹیوں سے ہٹ کر سنگلاخ پہاڑی ڈھلانوں تک کے سینے چیر کر کنکریٹ اور سیمنٹ کی اونچی اونچی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ وہ سلسلہ رکا نہیں تھا بلکہ پورے زور و شور کے ساتھ جاری تھا لیکن اس کے باوجود ہانگ کانگ کے مکانوں‘ دکانوں‘ راستوں اور فٹ پاتھوں تک سے زمین کی شدید قلت کا اظہار ہوتا تھا۔ جسے صرف سلیقہ اور نظم و ضبط کی بنا پر قابو میں رکھا گیا تھا۔
میں بغلی راستوں سے آگے بڑھا تو ایک چھوٹے سے پارک کے کنارے دو عورتیں ٹھیلوں پر گھڑیاں بیچتی ہوئی نظر آئیں‘ میں وقت گزاری کے خیال سے ایک ٹھیلے پر رک گیا۔
ٹھیلے پر ہر رنگ اور ساخت کی سیکڑوں خوبصورت گھڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کئی غیر ملکی مرد اور عورتیں بہت حیرت اور اشتیاق کے ساتھ اس ڈھیر میں اپنی پسند کے ماڈل تلاش کر رہی تھیں۔ مول تول کا کوئی حساب نہیں تھا۔ بیچنے والی جس گھڑی کے سو ڈالر مانگتی تھی‘ خریدار چالیس لگاتا تھا اور پھر بہاؤ‘ ستر میں سودا ہو جاتا تھا۔ آس پاس کچھ اور ہاکر بھی منڈلا رہے تھے۔ کسی کے ہاتھوں میں نفیس لائٹر تھے تو کوئی سلک کی ٹائیوں کی سوداگری کر رہا تھا۔
میں اس بھیڑ سے ہٹا تو قرب و جوار سے نکل کر اچانک ایک چینی نوجوان میرے قریب آگیا۔
”عمدہ گھڑیاں خریدو گے؟“ اس نے شائستہ انگریزی میں سرگوشی کرتے ہوئے‘ اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی فوٹو البم کی ورق

گردانی کی۔ البم میں گھڑیوں کی تصاویر تھیں۔

"تم جس عورت کے ٹھیلے پر کھڑے تھے' وہ الّو کی پٹھی بہت مکّار بلکہ پکی ٹھگ ہے" میرے تردّد پر اس نے جلدی سے کہا "دوگنی قیمت بتا کر ڈیوڑھی قیمت تک گاہکوں کو لوٹتی رہتی ہے۔ خوب صورت کیس میں بند کی ہوئی واہیات مشین تھوڑے ہی دن میں داغِ مفارقت دے جاتی ہے..."

"اور تم کیا بیچتے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"راڈو' سیکو' ڈیلما' ڈنہل' کارٹیئر۔ تمہیں جو بہترین گھڑی درکار ہو' وہ نہایت مناسب داموں پر دلوا سکتا ہوں۔ سامنے ہی میری دکان ہے۔ میری ورائٹی دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی۔

"اصلی یا دو نمبر؟" میں نے اس سے مرعوب ہوئے بغیر چبھتا ہوا سوال کیا۔

"گارنٹی کے ساتھ اصلی مال ہوگا" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا "تم گھڑیوں کے شوقین معلوم ہوتے ہو' بھلا تمہیں دھوکا کون دے سکتا ہے؟"

میں اس کی چاپلوسی پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ میری انا کو ابھار کر مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دراصل ہمارے پاس فیکٹریوں سے پار کی ہوئی گھڑیاں آتی ہیں" اس نے اپنی جعل سازی کا انوکھا راز گھڑتے ہوئے' بات جاری رکھی "ہر کمپنی سے سال میں دس پانچ گھڑیاں آتی ہیں جو تم جیسے خوش نصیب خریدار کوڑیوں کے مول لے جاتے ہیں۔"

اس وقت تک ہم خاصی دور چل کر ایک تنگ مارکیٹ میں داخل ہو چکے تھے' اس لئے میں نے پوچھا "تمہاری دکان اب کتنی دور رہ گئی ہے۔"

"بس تھوڑی ہی دور ہے۔ تم میرے ساتھ چلتے رہو۔ دراصل ہم لوگ اپنی قیمتی گھڑیاں ہر کس و ناکس کو دکھا کر' اپنا اور اس کا وقت برباد نہیں کرتے۔ آدمی کو پہچان کر بات کرتے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ گاہک کی پہچان میں مجھے آج تک دھوکا نہیں ہوا ہے۔"

وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں میں الجھا کر' مارکیٹوں اور گلیوں سے گزرتا ہوا' تقریباً ڈیڑھ دو کلو میٹر دور لے گیا۔ آخر اس مشن کا اختتام ایک ایسی پتلی سی عمارت کے سامنے ہوا جس کا داخلی دروازہ بند ہی نہیں بلکہ اندر سے مقفل بھی تھا۔

اس نے دروازے کے شیشے پر دستک دی تو مسلح دربان نے دروازہ کھول دیا اور وہ مجھے لے کر لفٹ میں داخل ہو گیا۔

"تم تو دکان کہہ رہے تھے۔ یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"یہ ہانگ کانگ ہے" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہاں آدھی دکانیں ایسی ہی عمارتوں میں ہیں۔ اس عمارت میں ہمارے علاوہ ہیروں کے

کچھ بیوپاریوں کی بھی دکانیں ہیں۔ اسی وجہ سے عمارت میں عام آدمیوں کے داخلے پر سخت پابندی ہے۔"

چوتھی منزل پر لفٹ سے اترنے کے بعد ہم ایک مقفل دروازے پر رک گئے۔ شیشے کے دروازے کے اس پار' ایک صوفے پر ایک موٹا سا چینی کروٹ لیے سو رہا تھا۔ دو آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے' تاش کھیل رہے تھے۔ اپنے ساتھی کو دیکھتے ہی' ان میں سے ایک نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ان دونوں نے میز پر سے سنگ تاؤ نامی چینی بیئر کی لمبی بوتلیں اٹھائیں اور اندر والے کمرے میں غائب ہو گئے جہاں پہلے سے کسی کی موجودگی کے آثار تھے۔

اس کمرے میں ایک طرف وزنی تجوری رکھی ہوئی تھی۔ مچان پر بستروں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ پانچ سات چینی' ان ہی کمروں کو رہائش کے طور پر استعمال کرتے تھے اور دن میں بستر سمیٹ کر انہیں دکان' دفتر یا کارخانے کا روپ دے دیتے تھے۔

"بیئر' چائے یا کافی؟" مجھے کرسی پر بٹھانے کے بعد لانے والے نے رسماً سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے اس اجاڑ دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ تمہاری دکان ہے تو گھڑیاں یا دوسرا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

اس نے گھڑیوں کی تصاویر والی البم میرے سامنے ڈال دی "تم اس میں سے ماڈل پسند کر کے بتاؤ' میں ابھی پیدا کر دوں گا۔ چند قیمتی گھڑیاں تو اس وقت بھی تجوری میں موجود ہوں گی لیکن مال ڈھیر کرنے کے بجائے تمہاری پسند کا اندازہ ہو جائے تو بہتر رہے گا۔"

میرے اور اس کے مذاکرات کے دوران میں اندر والے چینی پُراسرار انداز میں بار بار ہمارے کمرے میں جھانکتے رہے' ان کے درمیان کچھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ میں اس ماحول میں خود کو نہایت غیر محفوظ اور بے یار و مددگار محسوس کر رہا تھا۔ مجھے لانے والے نے اپنے مشتبہ کاروبار کے بارے میں پہلے ہی اظہارِ خیال کر دیا تھا۔ اس وقت میں ان کے دفتر میں محبوس تھا۔ اگر وہ ٹھگی کی کوشش میں ناکام رہنے پر جھلا کر میرے خلاف کوئی الزام عائد کر دیتے تو میرے پاس اپنے دفاع کے لیے' بیم گن کے علاوہ کوئی مؤثر دلیل نہیں تھی۔

میں نے البم میں سے چند قیمتی گھڑیوں کے ماڈل پسند کیے۔ اس نے مجھے صرف دو گھڑیاں دکھائیں۔ کھلے بازار میں ان اصلی گھڑیوں کی قیمت کسی طرح دس' بارہ ہزار ڈالر سے کم نہ ہوتی لیکن اس نے مجھے صرف ہزار ہانگ کانگ ڈالر کے لگ بھگ بتائے۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ فیکٹری سے چرائی ہوئی اصلی گھڑیاں تھیں جب کہ میں مشہورِ عالم گھڑیوں کی چربہ سازی میں ہانگ کانگ کی شہرت سے بخوبی واقف تھا لیکن اس دفتر کے پُراسرار اور غیر محفوظ ماحول میں گھٹن محسوس کر رہا تھا اس لیے ان ہی میں سے ایک گھڑی'

مول تول کر کے چار سو میں سودا کر لیا۔

میں امریکی ڈالروں میں رقم ادا کر رہا تھا تو اندر والے کمرے سے ایک سفید فام برآمد ہوا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسرت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہزاروں کا مال سیکڑوں میں خریدنے پر خوش تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسے عزت اور احترام کے ساتھ باہر ہانکنے کے بعد' اس کا میزبان چینی بھی میرے پاس آ گیا۔

"یہ سفید فام اپنے پورے خاندان کے لیے دس گھڑیاں خرید کر لے گیا ہے۔" اس نے آتے ہی' مجھے پھانسنے والے سے کہا۔ "اب اندر صرف تین گھڑیاں رہ گئی ہیں۔"

"بولو!" میرے میزبان نے ڈالروں کی گنتی ترک کر کے مجھ سے کہا۔ "تین وہ اور ایک میرے پاس ہے۔ چاہو تو یہ چاروں بھی لے لو' بہت کم پیسوں میں دے دوں گا۔"

"میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔" ان بدمعاشوں میں اکیلا رہ جانے کے احساس کے تحت میں نے اپنی کم مائیگی کا اعلان ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

دونوں مایوسانہ انداز میں شانے اچکا کر رہ گئے اور ڈالر گننے کا عمل دوبارہ جاری ہو گیا۔

"رسید اور گارنٹی؟" میں نے روانہ ہونے سے پہلے سوال کیا۔

وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے اٹھ گیا۔ "رسید اور گارنٹی کے ساتھ یہ گھڑی بارہ ہزار میں بکتی ہے۔ چوری کے مال کے لین دین میں یہ نخرے کہاں چلتے ہیں۔"

اس نے بڑھ کر نکاسی کا دروازہ کھول دیا۔ جو میرے لیے روانگی کی ہدایت کے مترادف تھا۔

"لیکن گارنٹی کے بارے میں تو تم نے خود کہا تھا!" میں نے احتجاج کیا۔

"میں نے کہہ دیا' بس یہی گارنٹی ہے۔" اس نے مشفقانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور میں سر جھکائے' باہر نکل گیا۔ میری نظروں میں وہ جعلی گھڑی ان داموں مہنگی نہیں تھی لیکن وہ لوگ دوسروں کو زیادہ رقم میں بھی پھانستے ہوں گے۔ ایسے چلتے پھرتے ہنرمندوں کے ساتھ سودا کر کے کوئی بھی خریدار مطمئن نہیں ہوتا۔ اسے یہی قلق رہتا ہے کہ اس نے مزید کم دام لگائے ہوتے تو شاید ان ہی داموں پر سودا طے ہو جاتا لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہوتی ہیں۔ متجسس خریدار اور سیّاح سب کچھ جاننے کے باوجود' دنیا بھر میں ایسے سوداگروں کے جال میں پھنستے رہتے ہیں۔ جہاں بے وقوف بننے کے ساتھ ہی نفع بخش خریداری کا بھی پورا پورا امکان رہتا ہے اور چالاک ٹھگ خریداروں کی اسی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بازار کی حد تک وہی ایک تجربہ کافی تھا۔ میرے پاس اس

وقت بھی تین گھنٹے باقی تھے۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں ایک طرف چلتا رہا۔ ہانگ کانگ جیسے گنجان آباد ملک میں تفریحی مقامات کی شدید قلت تھی۔ کولون ہو یا ہاربر کے اس پار ہانگ کانگ کا علاقہ' دونوں ہی تنگ اور بلند عمارات پر مشتمل تھے۔ کنکریٹ کے اس جنگل میں خال خال کوئی چھوٹا سا' ویران میوزیم وغیرہ نظر آ جاتا تھا اور بس۔ دراصل انسانوں کی رہائش' سرکاری و نجی دفاتر اور دکانوں کے بعد اس ملک میں اتنی جگہ ہی نہیں رہی تھی کہ دوسری ضروریات کی طرف توجہ دی جا سکتی۔ عام آدمی کی سب سے بڑی تفریح' دونوں طرف کے سواحل تھے۔ جن کی جیب میں فاضل رقوم ہوں' ان کے لیے مے کدے اور نائٹ کلب تھے جو عام طور پر دن ڈھلنے کے بعد ہی شراب میں غسل کر کے شباب پر آتے تھے۔

ہانکو روڈ کی ایک گلی میں چھوٹی چھوٹی دکانوں پر چینی خدا دس اور پانچ شیطانوں کے چھوٹے بڑے مجسموں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ انتہائی باریکی کے ساتھ' مٹی میں تراشے گئے' چھوٹے مجسموں کے ایک ایک نقش میں بھرپور تاثر موجود تھا۔ ان مجسموں میں پنڈتوں اور پروہتوں کی شرمناک خرمستیوں کو نہایت چابک دستی کے ساتھ سمویا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بدمستی کے عین عروج کے وقت کسی ساحر نے ان سب کو جامد کر کے سکیڑ دیا ہو۔ کمال کی بات یہ تھی کہ مٹی کے ان پتلوں کی تشکیل میں کسی مشین کا کوئی حصہ نہیں تھا بلکہ یہ سب دستکاری کے شاہکار تھے۔

اس سڑک سے ہے ٹونگ روڈ پر نکلتے ہی' مجھے داہنی طرف ایک بلند مینار نظر آیا تو میرے قدم بے اختیار اسی طرف اٹھ گئے۔ زیرِ زمین ریلوے اسٹیشن کو اترنے والے راستے کے قریب ہی کولون کی عالیشان جامع مسجد واقع تھی جس کی سیڑھیوں پر متعدد باریش پاکستانی اور افغان براجمان تھے۔

میں نے اس مسجد کا طواف کرتے ہوئے' یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ کولون پارک کی زمین پر اسی کے ایک کونے پر اس طرح واقع تھی کہ اس کا کافی حصہ پارک لین شاپنگ بولیوارڈ سے آگے نکلا ہوا تھا۔ اس شاپنگ سینٹر کی حد اور مسجد کے سرے کے درمیان واقع طویل و عریض پٹی کو خریداروں کی چہل قدمی کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ یہ انگریز ہی کا کمال تھا کہ اس نے کولون کے اہم ترین علاقے کی تزئین و توسیع کرتے ہوئے بھی مسجد کی عمارت کو' پارک کی فصیل تک محدود کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ مسجد اور پارک کی حدود کے فرق کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اپنی منصوبہ بندی میں سمو لیا تھا۔

مسجد سے ہوتا ہوا' میں کولون پارک میں چلا گیا۔ باہر سے اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ شہر کے عین وسط میں ایک پہاڑی پر اس قدر خوبصورت اور وسیع تفریح گاہ ہو سکتی ہے۔ میں پہلی دفعہ اس پارک میں داخل ہوا۔ پہاڑی نشیب و فراز پر پھیلے ہوئے سبزہ زاروں' پھولوں کے کنج' عمارات' عجائب گھر اور دور تک پھیلے ہوئے چڑیا گھر میں کسی ٹکٹ کے بغیر گھومتے ہوئے مجھے اپنی رائے

تبدیل کرنی پڑ گئی۔ ہانگ کانگ میں ساحل کے علاوہ کولون پارک کو بلاشبہ سب سے بڑی عوامی تفریح گاہ قرار دیا جا سکتا تھا۔

پارک کے ابتدائی حصے میں دیوار کے ساتھ متعدد گیراج نما کمرے بنے ہوئے تھے جو سامنے سے بالکل کھلے ہوئے تھے ان میں سے بعض خالی تھے اور چند پر پکنک کے لیے آئے ہوئے مختلف خاندان قابض تھے۔ وہ سب ڈھول' تاشوں' بگل اور سنکھ پر اپنے اپنے قومی انداز میں ناچتے گاتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ کسی بھی خوف اور فکر کے بغیر کی جانے والی وہ تفریحات مقامی باشندوں کے ساتھ ہی انتظامیہ کی رواداری اور فراخدلی کی مظہر تھیں۔ اگر ہانگ کانگ کی آبادی میں سے متوسط طبقہ کے چینی نژاد بددماغ دکانداروں کو نکال دیا جاتا تو وہ ملک ہر اعتبار سے قابلِ رشک تھا لیکن اس مفروضے کا دوسرا رخ یہ بھی تھا کہ ہانگ کانگ کے مزاج اور شناخت میں چینیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ نہ رہتے تو ہانگ کانگ بھی شاید ہانگ کانگ نہ رہتا۔ اپنی شناخت کھو کر دوسرے بین الاقوامی شہروں میں گم ہو جاتا۔

اس پارک میں لندن کے ہائیڈ پارک اور پیرس کے باغات جیسے شرمناک نظارے تو نہیں تھے لیکن دور افتادہ گوشوں' پھولدار بیلوں سے ڈھکی ہوئی نشستوں اور پُرپیچ ڈھلانوں پر ظالم سماج کے ستائے ہوئے متعدد جوڑے دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے کی ذات میں کھوئے ہوئے تھے۔ ان لیٹے' بیٹھے اور ٹہلتے ہوئے جوڑوں کی حرکات میں عشق اور مُنہ زور جوانی کی بے قراریاں بے شک نمایاں تھیں لیکن وہ مقامی اور غیر مقامی جوڑے بالکل ہی مادر پدر آزاد نہیں تھے اور عشق میں جب تک جذبات کی رنگینیاں اور والہانہ پن نہ ہو' اسے عشق نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی روکھی سوکھی محبت پگوڈا میں بدھ کی مورتی کے سامنے گیان دھیان میں بیٹھے ہوئے بھکشو کی نفس کش عبادت بن کر رہ جاتی ہے۔ جس سے صرف عابد ہی مزہ لیتا ہے۔ دیکھنے والوں کے حصے میں نری عبرت آتی ہے۔

انسانوں' حیوانوں اور پرندوں میں' میں نے اپنا وقت بہت آرام سے گزار لیا۔ اس وسیع و عریض پارک کے بعض حصوں میں خوردونوش کی اشیا کے اسٹال بھی تھے جنھوں نے میری شکم پُری میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا اور جب میں نے روزینا کی طرف واپسی کی راہ اختیار کی تو دل و دماغ کے ساتھ میرا شکم بھی سیر تھا۔

میں چائنا ٹریول سروس کے طریقۂ کار سے واقف تھا اس لیے وہاں پہنچتے ہی نمبر لینے کے لیے خالی کاؤنٹر کی طرف بڑھا جہاں ایک سو بارھواں نمبر نمایاں تھا۔ وہاں اس وقت بھی خاصی تعداد میں لوگ موجود تھے لیکن میں نمبر لے کر پلٹا تو روزینا نے آواز دے کر مجھے کاؤنٹر کی طرف بلا لیا۔

کاؤنٹر پر اس وقت روزینا کی جگہ کوئی مرد مسافروں کی ضروریات پوری کر رہا تھا جب کہ وہ خود کچھ کاغذات میں الجھی ہوئی تھی۔

اس نے مجھ سے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا' پھر دراز سے ایک لفافہ نکال کر میرے آگے ڈال دیا۔ ”اس میں تمہارے سب کاغذات ہیں۔ چار بجے گھاٹ سے مکاؤ کے لیے فیری روانہ ہو گی۔ اس میں تمہارے لیے اپر ڈیک کی بکنگ کرا دی گئی ہے۔ کوشش کے باوجود کیبن کا انتظام نہیں ہو سکا۔“

”بہت بہت شکریہ۔ کاغذی تیاریوں کے بعد' اس سے پہلے روانگی شاید ممکن ہی نہیں تھی۔“

”مجھے یقین ہے کہ تم نے انتظار کے چند گھنٹے گن گن کر گزارے ہوں گے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

”ایک گھڑی خریدنے کے بعد کولون پارک میں جا بیٹھا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ یہاں کے نوجوان بھی اپنی محبت کے اظہار میں اسی طرح پُرجوش اور بے صبرے ہوتے ہیں جتنے کہیں اور کے۔“

”تو کیا انہیں نہیں ہونا چاہیے؟“ اس نے ترچھی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

”آدمی نئی جگہ جاتا ہے تو نئی چیزوں کی توقعات لے کر جاتا ہے۔ ہر جگہ پرانی چیزوں اور طریقوں سے واسطہ پڑتا رہے تو سیاحت کا لطف ختم ہو جاتا ہے۔ یکسانیت اور جمود سے اُکتا کر آدمی کو اپنا گھر یاد آنے لگتا ہے جہاں کی یکسانیت سے فرار حاصل کرنے کے لیے وہ سیاحت پر نکلتا ہے۔“

”اسی لیے تو کہتے ہیں کہ دنیا گول ہے۔“ وہ تیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”ایسا نہ ہو تو ہر سال کروڑوں مرد اپنا وطن اور گھربار چھوڑ کر نئے آشیانے بسالیں۔ ہر طرف ایسی افراتفری ہو گی کہ محبت اور وفا کا تصور تک ختم ہو کر رہ جائے گا اور پھر تم کون سی سیاحت پر نکلے ہو؟ تمہیں تو مکاؤ میں کسی سے ملنا ہے۔ سیاحت میں کسی کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔“

روزینا خاصی سمجھدار اور باتونی معلوم ہوتی تھی لیکن میرے پاس اُس کی دلچسپ گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نہیں رہا تھا۔ اس لیے میں نے موضوع بدل کر حساب کتاب کی بات چھیڑ دی۔

”تم فیری کے کپتان ریو چیانگ سے ضرور مل لینا۔“ اس نے رقم دراز میں رکھتے ہوئے مجھے ہدایت کی۔ ”اس سے میری بات ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں مکاؤ کے کسی اچھے ہوٹل میں پہنچا دے گا۔“

”اور مس شوائے سے ملاقات کی کیا صورت ہو گی؟“ میں نے آہستگی سے پوچھا۔

”وہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ ویسے اسے اطلاع مل چکی ہو گی کہ تم آج چار بجے والی فیری سے مکاؤ کے لیے روانہ ہو رہے ہو لیکن ڈون کے بارے میں میری ہدایت یاد رکھنا۔ بے خبری میں بھی تمہاری زبان سے اُس کا نام نکل گیا تو تم زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔“

میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ اسے الوداع کہہ کر' اُس کے دفتر سے نکل آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

روو ینا نے ریسیور پر لحہ بھر خاموش رہنے کے بعد بڑے تپاک کے ساتھ نی ہاؤ کہا پھر گفتگو شروع ہو گئی جو چینی زبان میں تھی۔ اس دوران میں روو ینا ایک عجیب اور دلکش ترنم کے ساتھ دے‘ ہائے اور حیا جیسے مختصر الفاظ کی گردان کرتی رہی۔ میرے لیے چینی بلکہ کینٹونی زبان کے وہ الفاظ بالکل مہمل اور بے معنی تھے لیکن روو ینا کے دلکش اور شیریں انداز نے ان الفاظ میں گویا رس گھول دیا تھا۔

میں کہیں سن یا پڑھ چکا تھا کہ کینٹونی ‘لب و لہجہ والی زبان تھی جس میں بہت سے الفاظ ایسے تھے کہ صرف انہیں ادا کرنے کے انداز کو بدلنے سے نو مختلف مفاہیم ادا کیے جا سکتے تھے۔ اس قدر حساس اور نازک زبان جب اجنبی بھی ہو تو سننے والا احمق کی طرح مُنہ تکتا رہ جاتا ہے لیکن روو ینا کے بولنے کا انداز اس قدر پیارا تھا کہ میں واقعی اس کی حلاوت میں گم ہو کر رہ گیا۔

میں اس وقت بری طرح چونکا جب روو ینا نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے ڈون کوانگ فو کی سیکریٹری شوائے کی آواز سن کر میرے بدن میں سنسنی سرایت کر گئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”تم مکاؤ آ رہے ہو تو مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ایسی کوشش تمہیں مہنگی پڑے گی۔ یہاں کسی کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہ رہی ہوں۔“

”آخری بار تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حالات میں کوئی ناخوشگوار تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ اس وقت تم کہاں سے فون کر رہی ہو؟“

”میں ڈون کی حویلی سے باہر ہوں۔ جب بھی موقع ملا میں خود تم سے رابطہ کر لوں گی۔“

”لیکن تم سے بات کیے بغیر میں ڈون سے کیسے رابطہ کر سکوں گا؟“

”تم ڈون کے لیے فون کر لینا۔“ اس نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جواب دیا۔ ”لیکن ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے میری پوزیشن پر خراب اثر پڑے۔“

”تم بہت نیک اور مہربان عورت ہو۔“ میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ”اب تو بتا دو کہ غزالہ اور میرا آدمی کہاں ہے؟ وہ دونوں کس حال میں ہیں؟“

”وہ دونوں حویلی میں ڈون کے قیدی ہیں لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ڈون کے قیدیوں کی بھی مہمانوں کی طرح خبر گیری کی جاتی ہے۔ بس وہ ایک کمرے میں محبوس ہیں اور اپنی آزادانہ مرضی سے کہیں آ جا نہیں سکتے۔“

”لیکن کسی وقت ڈون کی کھوپڑی سنک بھی سکتی ہے۔“ میں نے تشویش ظاہر کی۔

”یہ امکان تو ہر وقت اور ہر ایک کے بارے میں رہتا ہے۔ اس کے لیے کسی کا قیدی ہونا ضروری نہیں۔ اس کے سارے ملازم اسی لیے اُس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ درحقیقت وہ مکاؤ میں بے تاج بادشاہ ہے۔ جب تک وہ اپنے کسی ملازم‘ مہمان یا قیدی کو کوئی سزا نہیں سناتا‘ حویلی میں ہر شخص خوش رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگلے دو چار دن بھی وہ دونوں ہنس کھیل کر گزار لیں گے۔ اس وقت تک تم ڈون کو رام کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتے ہو۔“

”تم مجھ پر اتنا احسان تو کر ہی سکتی ہو کہ غزالہ کو میری مکاؤ آمد کی خبر دے دو؟“

”ہرگز نہیں۔“ اس کی تیز اور اضطراری آواز سنائی دی۔ ”یہ ڈون سے کھلی غداری ہو گی۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان کوئی پیغام رسانی نہیں کر سکتی۔ بائی۔“

میں نے خاموشی کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ابتدا میں روو ینا اس امر پر خوش نظر آئی تھی کہ شوائے کی فون کال میری موجودگی ہی میں آ گئی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میری طرف سے کتنی فکر مند تھی لیکن گفتگو کے اختتام پر میری مایوسی کا مشاہدہ کر کے وہ حیران نظر آنے لگی تھی۔

”کیا ہوا؟ شوائے سے بات کرنے کے بعد تم کچھ فکر مند ہو گئے ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”اس کی بھی کچھ مجبوریاں ہو سکتی ہیں۔ بہرحال تمہارے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ واپسی پر وقت ہوا تو تم سے ضرور ملاقات ہو گی۔“ میں نے گرمجوشی کے ساتھ اُس سے ہاتھ ملایا اور تیزی کے ساتھ چائنا ٹریول سروس کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

میرے پاس بہت زیادہ وقت باقی نہیں رہا تھا اس لیے میں تیزی کے ساتھ اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ زیادہ ساز و سامان تو نہیں تھا لیکن بیم گن کو کپڑوں وغیرہ میں چُھپانے کے لیے میں کراچی سے ہی ایک چھوٹا سوٹ کیس لے کر چلا تھا۔ بیم گن کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو میں اپنے تن کے تین کپڑوں کے ساتھ بھی مکاؤ روانہ ہو سکتا تھا لیکن جب تک وہ مجبوری حائل تھی‘ میں سوٹ کیس کو اپنے ساتھ لیے پھرنے پر مجبور تھا اور اسی لیے میری ہوٹل واپسی بھی ضروری تھی ورنہ میں وہاں ایک دن کا کرایہ پیشگی ادا کر چکا تھا اور میرے ذمے دیگر کوئی بل واجب الادا نہیں تھا۔

میں ہوٹل کے کاؤنٹر پر اپنی فوری روانگی کا ارادہ ظاہر کرتا ہوا‘ اوپر اپنے فلور پر پہنچا اور چند منٹ کی قلیل سی مدت میں اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر‘ اسے سوٹ کیس میں بھرے ہوئے کپڑوں کی تہوں میں چُھپا دیا۔

بِل کیپٹن اور کیشئر کو شاید میری عجلت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا اس وجہ سے کوئی پورٹر نہیں آیا تو میں خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھا کر لفٹ کی طرف چل دیا۔ روم سروس والی دو لڑکیوں نے مجھے دیکھا لیکن رسمی مسکراہٹ کے ساتھ آگے نکلتی چلی گئیں جیسے میرے مسائل سے وہ یکسر بری الذمہ ہوں۔

لفٹ سے نکلتے ہی ایک پورٹر نے ٹِپ کی امید پر میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ میں نے کیشئر سے اپنا حساب صاف ہونے کی تصدیق کی اور باہر نکلا تو اس اثنا میں پورٹر ٹیکسی روک چکا تھا۔

ہانگ کانگ میں ٹیکسی ڈرائیوروں کی بڑی تعداد من موجی اور خاصی بے لگام ہے۔ موڈ نہ ہو تو پُرہجوم علاقوں سے بھی خالی ٹیکسی دوڑاتے گزر جائیں گے اور مسافروں کی ذرا بھی پروا نہیں کریں گے۔ ہاں کوئی اکیلی لڑکی نظر آ جائے تو ہزاروں امیدوں کے ساتھ اُس کی خدمت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ ٹیکسی کے باقاعدہ اڈوں پر قطار میں پھنس جانے والے ڈرائیور البتہ باری کے مطابق ہر مسافر کو اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ڈرائیور اپنے مسافروں سے سامان کا کرایہ الگ سے وصول کرتے ہیں لیکن عام طور پر سامان اتارنے میں مسافر کی مدد کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ دل اور پسند کا معاملہ ہو تو بات مختلف ہوتی ہے۔ جو ڈرائیور قدرے باضمیر ہوتے ہیں اور پسند کی سواریوں کی گھات میں خالی گھومنے کے شوقین ہوتے ہیں‘ وہ ڈیش بورڈ پر ”آن کال“ کی تختی رکھ دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ریڈیو اپریٹس پر کسی خاص جگہ پہنچنے اور مسافر کو اٹھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ماضی میں میرے ساتھ بھی کئی بار ایسا ہوا کہ آن کال ٹیکسی کا ڈرائیور مجھے نظرانداز کر کے کسی جواں سال لڑکی یا سفید فام سیاح کے اشارے پر رک گیا۔ ایسے ڈرائیور حُسن کی دید یا بھاری ٹِپ بنانے کے شوقین معلوم ہوتے تھے۔ ہاں کوئی مرنجاں مرنج ڈرائیور ٹیکسی روک لے تو وہ عموماً منزل کے بارے میں سوال کرنے سے پہلے میٹر گھما کر ٹیکسی کو حرکت میں لے آتا ہے۔ غنیمت ہے کہ ہانگ کانگ کے دونوں حصوں میں بسوں اور زیرِ زمین ریلوے کے ساتھ ہی ٹیکسیوں کی اتنی بڑی تعداد سڑکوں پر رواں رہتی ہے کہ پندرہ‘ بیس فیصد من چلے ڈرائیوروں کی خرمستیوں کے باوجود‘ ہر ضرورت مند کو چند منٹ میں سواری میسر آ جاتی ہے۔ درمیانے اور بڑے ہوٹلوں میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ ہر آنے والی ٹیکسی‘ خالی ہونے کے بعد سواری لے جانے کی پابند ہوتی ہے اور میرے پورٹر نے شاید ایسی ہی کسی ٹیکسی پر قبضہ کیا ہوا تھا۔

میں نے پورٹر کو پانچ ڈالر کی ٹِپ دی اور ٹیکسی چل پڑی۔ میٹر میں حسبِ معمول نو کا ہندسہ نمودار ہو چکا تھا۔ ”چائنا مکاؤ پیئر“ میں نے ڈرائیور کو اپنی منزل سے آگاہ کیا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

چائنا اور مکاؤ کے لیے چلنے والی باقاعدہ فیری سروس کا گھاٹ‘ کینٹون روڈ کے اختتام پر‘ کولون پارک کے عقب میں واقع تھا۔ صبح سے رات گئے تک تفریحی سفر کے لیے اسٹار فیری کے علاوہ دوسرے آپریٹر بھی اسٹار ہاؤس کے قرب و جوار سے مسافر لے جاتے تھے لیکن میرا مسئلہ مختصر تفریح کا نہیں بلکہ مکاؤ میں قیام کا تھا۔

میں کاغذات وغیرہ کی جانچ پڑتال کے مراحل سے نمٹ کر اندر داخل ہوا تو نیلگوں سمندر میں دور تک بڑھی ہوئی پختہ جیٹی کے دونوں طرف بحری جہازوں کے سائز کی بڑی بڑی بوٹس لنگر انداز تھیں اور پورے علاقے میں متوقع مسافروں کی ہیجان آمیز چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

مجھے سب سے بڑی خوشی یہ ہوئی کہ جانچ پڑتال کے مراحل میں کسی نے بھی میرے ہاتھ میں جھولتے ہوئے سوٹ کیس کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور مجھے باضابطہ طور پر مکاؤ کی طرف روانگی کی اجازت مل چکی تھی۔ فیری کی روانگی میں خاصا وقت باقی تھا اس لیے میں ایک کاؤنٹر سے مکاؤ کے بارے میں چھپا ہوا کتابچہ لے کر ان بینچوں پر بیٹھ گیا جن پر مسافر براجمان تھے۔

میں نے یہ خاص بات نوٹ کی کہ مکاؤ جانے والوں میں بھاری اکثریت چینیوں کی تھی۔ اس بھیڑ میں غیر ملکی خال خال ہی نظر آ رہے تھے۔ جو تھے‘ وہ بھی اپنے فیصلے پر کچھ پشیمان اور سہمے سہمے نظر آ رہے تھے۔

ہانگ کانگ سے مکاؤ کا فاصلہ تقریباً پینسٹھ کلو میٹر ہے اور وہ بھی پہاڑی پر رنگا رنگ عمارتوں کے وسیع سلسلے پر مشتمل ہے۔ تیل‘ اناج‘ غلہ اور دالوں کی تجارت کی بڑی منڈی ہونے کے ساتھ ہی اسے سونے کی کھلی بین الاقوامی منڈی میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قمار بازی اور قحبہ گری میں مکاؤ کے شبستانوں کو ایک عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ چین میں ایک طرف انگریز ہانگ کانگ پر قبضہ

کیے بیٹھا ہے تو دوسری طرف مکاؤ کو پرتگیزیوں نے اپنی نو آبادی بنایا ہوا ہے۔

ایک سگریٹ اور کتابچے کے مطالعے سے فارغ ہو کر میں جیٹی کی طرف بڑھا جہاں نچلے اور اوپری ڈیک کے لیے الگ الگ راستے تھے۔ وہیں میری نگاہ ایک بورڈ پر پڑی جس کے مطابق ہاربر کے صاف و شفاف پانی میں کسی بھی قسم کا کوڑا کرکٹ پھینکنے والے پر دس ہزار ہانگ کانگ ڈالر جرمانہ کی توقع کی جا سکتی تھی جب کہ ممنوعہ مقامات پر تمباکو نوشی کی سزا پانچ ہزار ڈالر تھی۔

ڈھلوان اور طویل راہداری پر چڑھنے کے بعد ٹکٹ دیکھنے کا مرحلہ آیا۔ اسی رکاوٹ پر میں نے عملے کے ایک رکن سے کپتان ریور چیانگ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ فیری پر روانگی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ سفر شروع ہونے کے بعد اس سے ملاقات ممکن تھی۔

گولڈن ڈریگن نامی فیری اپنے حجم کے باوجود، پانی کی لہروں کے ساتھ دھیمے دھیمے ڈول رہی تھی۔ چوبی ریمپ پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ نچلا عرشہ یا لوئر ڈیک چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔ آگے بڑھنے پر اوپری ڈیک میں مسافروں کی وہ بھیڑ بھاڑ نظر نہیں آئی جو لوئر ڈیک پر تھی۔

نرم اور آرام دہ نشستوں کے ساتھ ہی اپر ڈیک چاروں طرف سے بند تھا۔ دیواروں کے اوپری حصے میں کھلنے والے شیشے نصب تھے جنہیں سرکا کر سمندر کی تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا۔

میری نشست تقریباً وسط میں کھڑکی کے ساتھ تھی۔ میرے آس پاس کی نشستیں خالی تھیں۔ سب سے بری اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نمایاں مقامات پر جا بجا تمباکو نوشی سے ممانعت کے سرخ نشانات نصب تھے گویا پانچ ہزار ڈالر جرمانہ والی حدود شروع ہو چکی تھیں۔ میں حسرت کے ساتھ شفاف شیشوں کے اُس پار ہانگ کانگ اور کولون کے سواحل کا الوداعی جائزہ لینے لگا۔

ٹھیک چار بجے چوبی ریمپ اٹھا لیے گئے۔ فیری کا ہوٹر چیخا پھر کنکریٹ اور شہتیروں سے بنی ہوئی جیٹی پر کھڑے ہوئے خلاصیوں نے گولڈن ڈریگن کے مضبوط اور موٹے رسّے ڈھیلے کرنے شروع کیے۔ انجن کی غراہٹ قدرے تیز ہوئی پھر گولڈن ڈریگن کسی سجی... سجائی مورتی کی طرح اپنے محور پر گھومنے لگی۔ اس کا اگلا حصہ آہستہ آہستہ جیٹی سے دور ہوتا جا رہا تھا اور پیچھے کھڑے ہوئے خلاصی لمبے لمبے بانسوں کے ذریعے فیری کے پچھلے حصے کو جیٹی سے ٹکرانے سے روکے ہوئے تھے۔

آخر کار جیٹی والے خلاصیوں نے سیٹیوں کے ساتھ رسّوں کے سرے ان لمبے بانسوں کے ہکوں میں پھنسا دیے۔ اگلے رسّے پہلے ہی نچلے ڈیک پر پھینکے جا چکے تھے۔ یکایک فیری کی رفتار بڑھنے لگی اور ہم دھیمے دھیمے جیٹی سے آگے نکلنے لگے۔

پھر اچانک ہی فضا میں چٹاچٹ کی آوازوں کے ساتھ متعدد تیلیاں روشن ہوئیں اور اپر ڈیک میں جا بجا سُرمئی دھوئیں کے مرغولے تیرنے لگے۔ میں نے اٹھ کر حیرت سے جائزہ لیا تو متعدد غیر ملکیوں کو اپنے سے زیادہ حیران پایا۔ سگریٹ نوشی کرنے والے، سب ہی چینی یا مقامی تھے۔

میرا دل چاہا کہ میں بھی سگریٹ سلگا لوں لیکن ہمت نہیں کر سکا۔ مناسب یہی تھا کہ عملے کے کسی فرد سے بات صاف کر لی جاتی۔ اس کے لیے مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا کیوں کہ گول، چکر دار زینوں سے کئی مردوں اور عورتوں کے ڈار کی ڈار برآمد ہوئی اور وسط میں بنے ہوئے گول بار کاؤنٹر کی ویرانی کو رونق میں بدلنے لگی۔ ہر قسم کی شرابوں اور ہلکے مشروبات کے ساتھ کھانے کی اشیا کی تھیلیوں کے نمونے عقبی الماریوں میں سجائے جا رہے تھے۔ بقیہ سامان گتّے کے ڈبوں میں کاؤنٹر پر ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا، وہیں جا پہنچا اور ایک خوش رو عورت کو گھیر لیا۔ "مِس! یہاں سگریٹ نوشی کے بارے میں کیا صورتِ حال ہے؟"

میری زبان سے اپنی لیے مِس کا خطاب سنتے ہی اُس کی آنکھوں میں گزرے ہوئے دنوں کی چمک تازہ ہو گئی اور وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ایک قریبی پوسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ پڑھ لو۔ چینی کے ساتھ ہی انگریزی میں بھی لکھا ہوا ہے۔"

"لیکن یہاں تو مردوں کے ساتھ عورتیں تک سگریٹ پی رہی ہیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ان میں سے کوئی بھی ہم سے پوچھ کر نہیں پی رہا۔ ہم کسی کو اجازت دیتے ہیں، نہ روکتے ہیں۔ تم بلاوجہ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟" وہ میری حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"پھر ان پوسٹرز کا کیا فائدہ؟ ان کی جگہ تمہاری تصویر بھی لگائی جا سکتی تھی۔"

اُس کے زرد چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور وہ جلدی سے بولی۔ "جرمانہ کرنے کا اختیار ہاربر کے حکام کو ہے۔ جب تک فیری لنگر انداز رہتی ہے، کوئی سگریٹ نہیں پیتا، تھوڑی دور نکل آنے کے بعد پابندی عملاً ختم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"

اُس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد، میں نے بارہ یخ بستہ بیئر خریدی اور اسے بھی پیش کرنی چاہی لیکن اس نے نرمی سے انکار کر دیا۔

"میں تمہارے کپتان سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس سے فرمائش کی۔

"وہ راؤنڈ پر آئے گا تو تم سے مل لے گا۔ تمہاری سیٹ کہاں ہے؟"

میں نے اشارے سے اسے اپنی سیٹ دکھائی اور اپنی جگہ پر

لوٹ آیا۔

فیری گہرے سمندر میں جانے کے بجائے' ساحل سے ڈیڑھ دو کلومیٹر کے اندر ہی سفر کر رہی تھی۔ رفتہ رفتہ ہانگ کانگ کے آثار شام کے دُھندلکے میں معدوم ہو کر پیچھے رہ گئے۔ البتہ داہنی طرف' چین کی ساحلی آبادیوں کے آثار ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

آخر کار گولڈن ڈریگن کا کپتان' ریور چیانگ میرے پاس آ پہنچا۔ وہ متوسط عمر کا ایک خوش مزاج شخص تھا۔ اس نے نہایت بے تکلفانہ انداز میں اپنا تعارف کرایا اور میرے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"مجھے روونا نے بتایا تھا کہ تم اس کے خاص دوستوں میں سے ہو اور شاید پہلی بار مکاؤ جا رہے ہو۔" اس نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد کہا۔ "تمہارا پیغام نہ بھی ملتا تو میں تمہارے پاس ضرور آتا۔ تمہاری بکنگ کے وقت ہی میں نے تمہارا سیٹ نمبر نوٹ کرلیا تھا۔"

مجھے اشارہ مل گیا کہ وہ میرے اور شوائے کے تعلق سے لاعلم تھا اس لیے میں نے کہا۔ "روونا بہت خوش مزاج اور ملنسار لڑکی ہے۔ اس نے مجھ سے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔"

وہ زور سے ہنسا اور بولا۔ "میں خود کو تمہاری توقعات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے یہ بتاؤ کہ تمہیں قمار بازی سے کس حد تک دلچسپی ہے۔"

"شوق نہیں ہے لیکن کبھی کبھار کارڈز کھیل لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مکاؤ میں کارڈز پر ہی تو سب سے زیادہ جُوا ہوتا ہے۔ وہاں دنیا بھر کے چھٹے ہوئے شارپرز کی فوج در فوج پڑی ہوئی ہے۔ آدمی ان کے چکر میں آجائے تو اس کے کپڑے تک اتروا لیتے ہیں۔"

"میں کسی لمبے کھیل کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

"پھر میں تمہیں ایک اچھے ہوٹل میں پہنچا دوں گا۔ وہاں تمہاری شامیں حسین اور خوشگوار گزریں گی۔" وہ داہنی آنکھ دبا کر بولا اور میں اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیا۔

"ویسے تم بڑے مناسب وقت پر آئے ہو۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پرسوں ڈون کی حویلی میں بل فائٹنگ کا زبردست پروگرام ہے۔ تم چاہو تو اس میں شرکت کرسکتے ہو۔ مکاؤ کے لوگ ڈون کی حویلی میں قدم رکھنا بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔"

"ضرور۔ بل فائٹنگ میں نے صرف ٹی وی پر ہی دیکھی ہے۔ لیکن ڈون مکاؤ کا اتنا اہم آدمی ہے تو میں اس کی کسی تقریب میں کیسے شرکت کرسکوں گا؟" میں نے پوچھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ریور چیانگ خود ہی مجھے میرے مطلوبہ مقام پر پہنچانے کی پیش کش کر رہا تھا۔

ڈون کسی بھی موقع پر اپنے خیر خواہوں کو نہیں بھولتا۔ میرا کارڈ ضرور آئے گا۔ پرسوں میں ہانگ کانگ میں رہوں گا۔ میرے کارڈ پر تم چلے جانا۔"

"لیکن وہ کارڈ تو تمہارے نام پر ہوگا؟" میں نے الجھن ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ ڈون کی تقریبات مکاؤ والوں کے لیے فخر اور اعزاز کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے دعوت نامے لوگ اپنے عزیز ترین دوستوں کو بہترین تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔ یہ بات ڈون بھی جانتا ہے اس لیے اس کے دعوت ناموں پر نام نہیں' صرف کارڈ نمبر ڈالا جاتا ہے۔ ایک کارڈ پر کوئی بھی ایک آدمی ڈون کی تقریب میں شرکت کرسکتا ہے۔ تم سے کوئی' کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گا۔"

"تو کیا یہ بل فائٹنگ کوئی روایتی قسم کی تقریب ہوتی ہے؟" ریور چیانگ کے اندازِ بیاں نے میرے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا۔

"ڈون کی ہر تقریب مکاؤ کی روایت بن جاتی ہے۔ سنا ہے پرسوں اس کا بچپن کا کوئی دوست مکاؤ آنے والا ہے۔ اسی کے اعزاز میں ڈون نے بل فائٹنگ کا پروگرام بنایا ہے۔ وہ اسی میدان میں اپنے پرانے دوست کا استقبال کرے گا۔ یہ کل کی تازہ ترین خبر تھی۔"

ریور چیانگ کے وہ الفاظ سنتے ہی میری کھوپڑی سن ہو کر رہ گئی۔

کراچی میں نیشی کاؤ نے وہی کچھ کہا تھا جو ریور چیانگ دُہرا رہا تھا۔ اگر اس کے بیان میں سے بل فائٹنگ کا ذکر حذف کر دیا جاتا تو سیدھی سی یہ بات باقی رہ جاتی تھی کہ مافیا کا ڈان' نیشی کاؤ میرے معاملے پر مذاکرات کرنے کے لیے تیسرے دن ڈون کوانگ فو کے پاس پہنچنے والا تھا۔

ایک طرف وہ اہم ترین اطلاع تھی اور دوسری طرف یہ صورتِ حال تھی کہ ڈون کوانگ فو' غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کے علاوہ کسی اور سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا اگر شوائے کے تعاون سے ڈون کی خوشامد در آمد کا کوئی سلسلہ شروع بھی کیا جاتا تو دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ ڈون' نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے' اگلے دن تک پسیج جاتا۔

اگر ریور چیانگ کی اطلاع درست تھی تو میرے پاس کچھ کر گزرنے کے لیے صرف اگلا دن رہ گیا تھا۔ ڈون کوانگ فو اور نیشی کاؤ کو ایک بار سرجوڑ کر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تو میرے فرشتے بھی ڈون کے قریب جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے جب کہ غزالہ اُس کی قید میں تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چُپ کیوں ہو گئے؟" مجھے خاموش پا کر ریور چیانگ نے ٹوکا۔

"نن.... نہیں تو۔" میں بوکھلا کر احمقانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ قسمت نے مجھے تمہارے ذریعے مکاؤ کا ایک عظیم الشان کھیل دیکھنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ آج کل کی مطلب پرست دنیا میں کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے پرانے دوستوں کے استقبال کے لیے اس طرح سوچتے ہوں؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ریور چیانگ سنجیدہ ہو گیا۔ "شاید ایک بھی نہیں لیکن ڈون قدامت پرست ہونے کے ساتھ ہی وضع دار بھی ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی کو آخری حدوں تک لے جانے کے فن سے خوب واقف ہے۔"

بظاہر بہت سے واقعات اور کردار میری کہانی سے الگ تھلگ نظر آ رہے تھے لیکن ریور چیانگ سے ملاقات ہوتے ہی ان کی اہمیت واضح ہونے لگی تھی اور پھر جب اس نے مافیا کے ڈان' نیشی کاؤ کی آمد کی صحیح اطلاع فراہم کی تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ریور چیانگ کے روپ میں کسی فرشتے نے آکر میری رہنمائی کی تھی ورنہ اتنی اہم اطلاع کا یوں آسانی سے ملنا ممکن نہیں تھا۔

ڈیفنس والے مکان میں ڈان تھری سے ملاقات اور پھر جی لائیڈ کے گرگے' ملی گینگ سے خون ریز ٹکراؤ کے بعد سے میرے ذہن پر مسلسل یہی ایک خوف سوار تھا کہ کہیں نیشی کاؤ مجھ سے پہلے ڈون کوانگ فو تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس خوف کی وجہ سے میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے کا ارادہ کر چکا تھا تاکہ بے خبری میں' میں کسی بھیانک خطرے سے دوچار نہ ہو سکوں۔

یہ درست تھا کہ ریور چیانگ نے تیسرے دن نیشی کاؤ کی آمد کی اطلاع دی تھی اور بپھرے ہوئے ڈون کو راہِ راست پر لانے کے لیے درمیانی مدت بہت قلیل بلکہ ناکافی تھی لیکن پھر بھی مکمل بے خبری میں رہنے سے بہتر تھا کہ ریور چیانگ نے مجھے متوقع امکان سے آگاہ کر دیا تھا۔

اس بے چارے کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے مکاؤ میں میری دل جوئی کے چکر میں مجھے کس قدر اہم بات سے آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ میرے اضطراری ردِّعمل سے کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا اس لیے میں نے دوبارہ سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔ "ڈون مکاؤ میں اس قدر معزز اور محترم سمجھا جاتا ہے تو اس کے دشمن کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں؟"

مقامی سیاست اور واقعات' شاید اس خطے کے ہر چینی نژاد باشندے کے لیے محبوب ترین موضوعات کا درجہ رکھتے تھے اس لیے اس نے پُرجوش انداز میں نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "تم ان چکروں میں نہ پڑو تو سکھ سے تفریح کے چند روز گزار لو گے۔ یہ مقامی کہانیاں ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ جہاں پیشہ ورانہ رقابت موجود ہو وہاں دشمنی ناگزیر ہوتی ہے۔"

"پھر تو ڈون اپنے دشمنوں کو ہی بپھرے ہوئے سانڈوں کے سامنے ڈالتا ہوگا؟"

"شی!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "اس کے بارے میں برسرِعام ایسے غیر محتاط گفتگو نہ کرنا ورنہ دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔"

"آخر یہ ڈون کون ہے؟ تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مکاؤ کے لوگ اس سے بہت زیادہ خائف رہتے ہوں گے۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہیں کوئی نہیں بتائے گا کہ ڈون کیا شے ہے لیکن مکاؤ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد تم جلد ہی اُس کے بارے میں بہت کچھ جان لو گے۔" وہ خائفانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ اب میں اسی کے بارے میں سوچتا رہوں گا۔"

"وہ اپنے دوستوں' مہمانوں اور خیر خواہوں کو بہت عزت دیتا ہے۔ اُس کے ذاتی ہیلی کاپٹر ایسے لوگوں کو کولون کے ہیلی پیڈ سے براہِ راست اس کے محل میں لاتے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ حیرت ناک طور پر کوئی نہ کوئی جان لیوا حادثہ پیش آجاتا ہے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ مجھے یاد آیا کہ چند روز پہلے ڈون نے اپنے چند مشتبہ آدمیوں کو خود ہی ہلاک کرا دیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ لوگ اُس کی لاعلمی میں اُس کے نام کی آڑ میں ناجائز ذاتی مفادات حاصل کر کے رقمیں بٹور رہے تھے اور محض اسی وجہ سے وہ ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہاتھوں خوار ہوا تھا۔

اگر ڈون اسی قدر مشہور' معزز اور بھیانک آدمی تھا تو اُس کی اسپیڈ بوٹ کی گرفتاری اور خود ڈون کی نظر بندی کا قصہ پورے علاقے میں مشہور ہو جانا چاہیے تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ ریور چیانگ نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ بل فائٹنگ میں تمہیں ضرور مدعو کرے گا؟" میں نے بات پکی کرنے کے لیے اشتباہ آمیز لہجے میں ریور چیانگ سے سوال کیا۔

"مسوئی صد!" اُس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔ "میری طرف سے وہ کارڈ' تمہارے لیے ایک یادگار تحفہ ہوگا۔ ایسی محفلوں میں سیکڑوں حسین و جمیل لڑکیاں برائے نام لباس میں مہمانوں کے ساتھ ساقی گری کرتی ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ مہمانوں کی چھیڑ چھاڑ کو خوش دلی اور شائستگی کے ساتھ قبول کرنے کے باوجود کوئی لڑکی کسی مہمان کے ساتھ نوک جھونک میں پہل نہیں کرتی۔ یہ ڈون کی کھلی دعوتوں کے آداب میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے جانے سے نہیں ہچکچاتے۔"

"تم مسلسل میرے تجسس کو ہوا دے رہے ہو۔ ایسی کہانیاں تو راجہ اندر کے رنگیلے دربار کے بارے میں ہی سننے میں آتی ہیں۔ وہ خود بھی عورتوں کا بہت رسیا ہوگا؟"

"ایسا ویسا!" وہ زور سے ہنسا۔ "کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔ شاید مکاؤ کی آدھی عورتیں اور لڑکیاں اُس کے محل میں پہنچنے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ اس کا سر تاج سے محروم ہے لیکن وہ پھر بھی مکاؤ پر راج کرتا ہے۔"

"اُس کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں؟ وہ کوئی کام بھی تو کرتا ہوگا؟"

"کوئی اور بات کرتے ہیں۔" وہ میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم نے آج کی شام ڈون کے نام کر دی ہو۔ دیکھو! ساحل سے دور' چین کی سرزمین پر سورج غروب ہو رہا ہے اور اُدھر نیلے پانیوں میں اتر رہا ہے۔ اس قدر حسین شام کو ڈون کے ذکر میں کیوں ضائع کرتے ہو؟ اس سفر کو یادگار بنانے کی کوشش کرو۔"

وہ میرے پاس سے اٹھ گیا۔ میں اس کے ساتھ بار تک آیا اور اپنے لیے اسکاچ کے لارج پیگ کا آرڈر دے دیا۔ سورج کسی بھی لمحہ افق سے نیچے اترنے والا تھا۔ اس وقت کوئی تیز سیال ہی طبیعت کو رنگ پر لا سکتا تھا۔ بیئر میرے لیے پانی بن کر رہ گئی تھی۔

"کسٹم سے فارغ ہونے کے بعد میرا انتظار کرنا!" ریورچیانگ نے مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "چارج دینے کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

وہ گیا تو اسی لمحے ایک نرم و نازک سفید فام دوشیزہ بار کاؤنٹر پر میرے قریب آکھڑی ہوئی۔ اس نے بارمیڈ کو دو کاک ٹیل کا آرڈر دیا تھا۔ اپنی پسندیدہ کاک ٹیل کے اہم اجزا اُسے زبانی یاد تھے۔

میں نے غور سے اُس کے گداز سراپا کا جائزہ لیا تو قدرت کی صناعی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بغیر بازوؤں والی' ہلکی نیلی بنیان یا ٹی شرٹ کے ساتھ نیلی ڈینم کا مختصر سا نیکر پہنے ہوئے تھی۔ وہ دونوں ہی کپڑے اتنی احتیاط سے منتخب کیے گئے تھے کہ اس کے بدن پر پھنسے پھنسے نظر آ رہے تھے۔ اُس کے سڈول اور مرمریں بازو اور سبک ٹانگیں بلاشبہ بہت خوبصورت تھیں۔ شانوں سے نیچے تک لہراتے ہوئے نرم بالوں کا رنگ سیاہ اور چمکدار تھا۔

"معاف کرنا' تمہارا تعلق سویڈن سے تو نہیں ہے؟" میں اس کے بدن کو چھونے کی شدید حیوانی خواہش پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے شہادت کی انگلی سے اُس کا نرم بازو چھوتے ہوئے سوال کیا تو اس نے بھڑکے بغیر اپنا سر میری طرف گھمایا۔

اُس کی آنکھیں گہری سبز اور متحیر نظر آئیں۔ اُس کے چہرے کے نقوش تیکھے اور گردن قدرے دراز تھی۔ اُس کے بدن کی اوپری پیمائش کے لیے ٹی شرٹ کا سائز خاصا ناکافی تھا جس کا اظہار لچک دار کپڑے کے کھچاؤ سے ہو رہا تھا۔ اسے شاید زبردستی جسم پر منڈھ لیا گیا تھا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا؟" اُس نے مسکراتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

اس حسین چہرے پر' مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹوں کے پیچھے موتیوں جیسے آبدار دانتوں کی قطاریں دیکھ کر میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ "اس قدر خوبصورت چہرے سویڈن کے علاوہ پورے یورپ میں کہیں نہیں پائے جاتے۔" میں نے کسی آزاد منش سیاح کی طرح والہانہ انداز میں کہا۔

"میرے ساتھی نے تمہاری تعریف سن لی تو ابھی تمہیں سمندر میں پھینک دے گا۔" اس بار وہ باقاعدہ ہنستے ہوئے بولی اور اُس کے سفید دانتوں کی قطاریں مزید نمایاں ہو گئیں۔

"اوہ' تو تمہارا کوئی ساتھی بھی ہے؟" میں نے بوکھلانے کی اداکاری کی۔ حقیقت یہ تھی کہ میں اکیلے بیٹھے بیٹھے اکتا چکا تھا اور اس وقت طبیعت اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے پر مچل گئی تھی۔

"شاید تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے دو کاک ٹیلز کا آرڈر دیا ہے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا لیکن ہنسی اور چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"میں سمجھا کہ ایک غروب آفتاب سے پہلے اور دوسرا بعد کے لیے بنوا رہی ہو۔"

وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بل اتنی الکحل لے چکا ہے کہ اس پر اونگھ سوار ہو رہی ہے۔ وہ سو گیا تو دونوں پیگ میرے ہی حصے میں آئیں گے۔"

"اگر وہ اونگھ رہا ہے تو تم تھوڑی دیر باتیں کیوں نہیں کرتیں؟" میں نے اُسے دعوت دی۔

"مجھے پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ تم اکیلے پن کی بوریت سے اکتائے ہوئے ہو۔ تم جیسے بے باک اور زیادہ بولنے والے لوگ عموماً صاف دل ہوتے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے مل بیٹھنے میں کوئی ہرج نہیں...."

"میری سیٹ بہت پُرسکون مقام پر ہے" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ مقصد یہ تھا کہ بل میرے اور اس کے درمیان کباب

میں ہڈی بننے کی کوشش نہ کرے۔

اس کے کاک ٹیلز کے پیگ تیار ہو گئے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ان کی رقم ادا کردی۔

"یہ میرا آرڈر تھا۔" اس نے احتجاج کیا۔ "تم نے پیسے کیوں ادا کردیے؟"

"کوئی ہرج نہیں... تم میری مہمان ہو اور رہاں بل سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"بوائے فرینڈ۔" وہ کاک ٹیل کا ایک گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔ "یہ میں اُسے دے کر آتی ہوں۔ میرا گلاس تم اپنی سیٹ پر لے جاؤ۔ میں خود بھی جگہ بدلنی چاہ رہی تھی۔"

"کیا بل سے اتنی زیادہ اکتا گئی ہو؟" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"بل نہیں، میں اپنے آس پاس موجود چینی مسافروں سے اکتائی ہوئی ہوں۔ وہ اپنے تھیلوں سے نکال کر خشک مچھلیاں، سانپ کے پارچے اور سوکھے کیڑے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھائے جا رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر متلی سی ہونے لگی ہے۔"

"اس ڈیک پر بہت سی نشستیں خالی ہیں۔ تم جگہ بدل سکتی تھیں۔"

"بل کا خیال ہے کہ الگ تھلگ بیٹھ کر ہم خود کو بلاوجہ دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنا لیتے، اس لیے کراہت محسوس کرنے کے باوجود وہ وہیں جما بیٹھا ہے۔"

میں اپنی سیٹ کی طرف مڑ گیا اور وہ زہد شکن چال میں آگے بڑھتی چلی گئی۔

مغرب میں رنگت کی سرخی و سفیدی، جسمانی تناسب اور صحت مندی کے مظاہر بہت عام ہیں۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو لباس کے اختصار اور بے حجابی کے ساتھ مل کر ہر لڑکی کو، قابلِ دید بنا دیتی ہیں لیکن مجموعی طور پر مغرب میں بھی حقیقی حسن کا تناسب وہی ہے جو مشرق میں نظر آتا ہے اور وہ لڑکی ہر اعتبار سے حسین کہی جا سکتی تھی۔ سفر کا بقیہ حصہ اُس کی رفاقت میں گزارنے کا تصور میرے لیے خاصا سنسنی خیز تھا۔

میں نے کھڑکی کے ساتھ بیٹھ کر، داہنی طرف کی ساحلی پٹی پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔

چند منٹ بعد وہ بھی آ گئی اور بے تکلفانہ انداز میں میرے بائیں پہلو سے چپک کر بیٹھ گئی۔

"ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخ روشنی میں، ساحل کس قدر حسین اور پُراسرار نظر آ رہا ہے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے، پُراشتیاق لہجے میں بولی۔ "ہمیں بائیں طرف جگہ ملی تھی۔ وہاں سے سمندر کے پانی کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا اور اوپر سے سڑی ہوئی کچی مچھلیاں!"

میں نے اُس کا کاک ٹیل کا گلاس اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آ جانے کے بعد یہ مناظر میرے لیے اپنی کشش کھو بیٹھے ہیں۔"

"میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی سڈول اور پھسلواں ٹانگوں کو کون احمق کھینچ سکتا ہے؟" میں نے محاورے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خوبصورتی سے واقعی مرعوب ہوا جا رہا ہوں۔"

اس نے میرے گلاس سے گلاس ٹکرا کر کاک ٹیل کا ایک گھونٹ لیا پھر سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "تم کس سلسلے میں مکاؤ جا رہے ہو؟"

"اس وقت تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سفر تم سے ملاقات کا بہانہ رہا ہو۔" میں نے اس کے لطیف وجود کے حرارت آگیں لمس سے لذت اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں یہ بتانا بھول گئی کہ بل ہر وقت نشہ میں نہیں رہتا۔" وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"اسی کے ساتھ تم اپنا نام بتانا بھی بھول گئی ہو... ویسے مجھے تنویر کہتے ہیں۔"

"میرا نام روزیلی ہے۔ ہم دونوں تفریحاً مکاؤ جا رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

معاً مجھے اس کا کہا ہوا ایک فقرہ یاد آ گیا اور میں نے پوچھا۔ "بل اور تم، دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے خائف کیوں ہو؟ تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟"

میرے سوال پر اُس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا اور وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "نن... نہیں، گڑبڑ تو کوئی نہیں ہے بس یہ احساس بے چین کر دیتا ہے کہ بہت سی آنکھیں تمہاری طرف نگراں ہیں۔"

میں نے فوری طور پر جرح کر کے کشیدگی پیدا کرنے سے گریز کیا اور ہم دونوں ہلکی پھلکی باتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس لڑکی میں مزاح کی حس کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ لطیف رمز کو بھی، نہ صرف سمجھ لیتی تھی بلکہ پلٹ کر، لطیف تر جوابی وار کرنے کی کوشش بھی کرتی تھی۔

وہ سویڈن کی ایک غیر معروف یونیورسٹی میں سینئر لیکچرار تھی اور دو سال کی تعطیلات یکجا کرنے کے بعد، بل کے ہمراہ فسوں خیز مشرق کی سیاحت کرنے نکلی تھی۔ اس کے بارے میں، میرے شبے کو تقویت اس بات سے ملی کہ وہ دونوں راستے میں کہیں قیام کرنے کے بجائے، اسٹاک ہوم سے چل کر سیدھے ہانگ کانگ پہنچے تھے۔ اس سفر میں، بمبئی میں طیارہ بدلنے کے علاوہ انہوں نے آرام نہیں کیا تھا جب کہ یورپ سے مشرقِ بعید کی پروازوں پر، ہر کمپنی کسی اضافی کرائے کے بغیر ایک یا دو مقامات پر ٹھہرنے کی سہولت دیتی تھی۔ روزیلی نے بتایا کہ واپسی کے سفر میں وہ دونوں بنکاک، بمبئی،

کراچی اور پشاور کی سیاحت کا ارادہ رکھتے تھے۔

ابتدائی تین شہر تو فضائی راستے پر واقع تھے لیکن پشاور کا معاملہ مختلف تھا۔

میں نرم اور میٹھے انداز میں' وقفے وقفے سے اسے چھیڑتا رہا اور آخر کار اس نے دوستانہ فضا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا مسئلہ میرے سامنے رکھ دیا۔

ان دونوں کے پاس کچھ بیش قیمت ہیرے تھے جو انہیں مکاؤ میں ایک ایسی عورت کو پہنچانے تھے جو مقررہ وقت پر مقررہ کوڈ کے ذریعے ان تک پہنچتی۔ انہیں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ وہ ہیرے بہت قیمتی تھے لیکن بل اور روزینی کو شبہ تھا کہ ان ہیروں کا تعلق ہالینڈ کے قدیم شاہی نوادرات سے تھا کیوں کہ ان کے ملوث ہونے سے تقریباً سات ماہ قبل' ہالینڈ کے شاہی میوزیم میں نقب زنی کی ایک سنسنی خیز واردات ہوئی تھی جس میں چور صرف چند زیورات اور بعض قدیم ترین ہیرے لے اڑے تھے۔ ان دونوں کو پورا یقین تھا کہ بات صرف ہیرے لے جانے کی نہیں تھی بلکہ اس معاملے کا تعلق ایمسٹرڈیم والی چوری سے بھی تھا۔

روزینی کو یاد تھا کہ شاہی میوزیم میں چوری کے بعد' آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مسروقہ ہیروں کی مالیت کا تعین چالیس کروڑ گلڈر کیا تھا جو اُن کے ملک کی کرنسی میں ایک ارب ستّر کروڑ کرونا سے زائد ہوتی تھی۔

انہیں وہ ہیرے بحفاظت مکاؤ پہنچانے کے لیے آمدورفت کے جملہ اخراجات کے علاوہ پچاس ہزار امریکی ڈالر کی پیش کش کی گئی تھی۔ بیک وقت چار لاکھ کرونا مل جانے کا تصور اس قدر سحر آفریں تھا کہ روزینی نے وہ پیش کش قبول کرلی اور پھر بل نے بھی اس منصوبے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔

روزینی نے اعتراف کیا کہ ان دونوں نے اسٹاک ہوم سے براہِ راست ہانگ کانگ کا سفر اسی وجہ سے اختیار کیا تھا کہ راستے میں انہیں جا بجا مختلف ممالک کے کسٹم حکام کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہانگ کانگ سے فارغ ہونے کے بعد ان کے سامنے صرف مکاؤ کا مرحلہ تھا جس کے بارے میں وہ دونوں ہی خوف اور بے یقینی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اس علاقے میں مکاؤ منظم جرائم کا سب سے بڑا' عالم گیر اڈا تھا جہاں بحری قزاقوں سے لے کر انسانوں کی خرید و فروخت میں ملوّث مجرموں کی بالادستی تھی۔ اس بنا پر وہاں کسٹم اور قانون نافذ کرنے والے دوسرے اداروں کا مستعد اور چوکنّا ہونا ناگزیر تھا۔ اگر وہ لوگ کسی بھی شبہ کی بنا پر ان کے سامان میں سے مسروقہ تاریخی ہیرے برآمد کرلیتے تو ان دونوں کی زندگیاں تباہ ہوسکتی تھیں۔

میں خود سویڈن نہیں گیا تھا لیکن میں نے اسکینڈے نیوین ممالک کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہوا تھا۔ وہاں صحیح معنوں میں فلاحی مملکت کا تصور رائج تھا۔ خواندگی کا اوسط سو فیصد کے لگ بھگ تھا۔ روزگار کی فراوانی ہونے کے ساتھ ہی' حکومت کی طرف سے بے روزگاروں کے لیے ہفتہ وار وظائف کی اسکیم رائج تھی۔ ان انفرادی وظائف کی مالیت بعض ملازمتوں کی اجرتوں سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس کے باوجود وہاں کے باشندوں میں حرام خوری کا وہ رجحان نہیں تھا جو برطانیہ میں عام نظر آتا تھا۔ ان کے حکمرانوں نے اپنی پے در پے اصلاحات اور منظم پروپیگنڈے کے ذریعے ایک ایسا معاشرتی انقلاب برپا کیا تھا کہ بے روزگار رہ کر زیادہ وظائف لینے والے شہری بھی خود کو نکما بلکہ بڑ حرام تصور کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ وہ اپنی ذات میں شرمسار رہ کر خود کو دوسرے درجے کا ایسا شہری تصور کرتے تھے جسے اس کے دوسرے ہم وطن' زیادہ محنت کرکے اپنے خرچ پر پال پوس رہے ہوں۔ اسی وجہ سے وہاں بے روزگاری کا تناسب غیر معمولی حد تک کم رہتا تھا۔ لوگ کما کر کھانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

"تمہاری یہ ساری بکواس درست ہے۔" میری جرح سے تنگ آکر روزینی نے تنک کر کہا۔ "میں مانتی ہوں کہ سویڈن میں باعزت طور پر خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لیے غیر معمولی جدّوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کوئی مرد یا عورت' ملازمت کرکے اپنے بنیادی اخراجات پورے نہ کرسکے تو ریاست اس کی مدد کرتی ہے۔ نوکری چھوٹ جائے تو سرکاری خزانے کے مُنہ کھل جاتے ہیں لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ وہ مرتے دم تک سماج میں اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقام حاصل کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ چار لاکھ کرونا کا ذکر سن کر تو میرے بہت سے ہم وطنوں کا ہارٹ فیل ہوسکتا ہے۔ بِل نے یہ مشن کامیاب ہونے کے بعد پیرس میں بسنے کا پروگرام بنایا ہوا ہے۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ پیرس جیسے شہرِ غدار میں ڈھائی' تین لاکھ فرانک کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ سویڈن میں رہنے والوں کے لیے یہ بڑی رقم ہوسکتی ہے لیکن پیرس یا لندن والوں کے لیے نہیں!"

"مگر میری جان!" میں نے دردمندی کے ساتھ کہا۔ "تم اسٹاک ہوم کو چھوڑ کر لندن اور پیرس کے خواب کیوں دیکھ رہی ہو؟ اسٹاک ہوم میں تم کم ازکم لکھ پتی تو ضرور کہلاؤگی۔"

وہ ہنس پڑی اور بولی۔ "یہ بعد کی بات ہے۔ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ تم مجھ سے متفق ہوگئے ہو۔ اب سنو کہ بل اس مشن کی کامیابی کے بعد اپنے ماضی کو یکسر فراموش کردینا چاہتا ہے۔ ماضی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی تاریخ کے ساتھ ہی جغرافیہ بھی بدل لے۔ جغرافیہ یعنی شہریت کی تبدیلی کے لیے سرمایہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے اور موجودہ مشن ہمیں یہ موقع فراہم کررہا ہے۔"

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ وقتی دل لگی کے علاوہ ہمیں ایک دوسرے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ "ایک بار تم مسروقہ ہیرے طے شدہ

پارٹی کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہوجاؤ تو تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔"

"نہیں' ڈارلنگ!" وہ اِٹھلا کر مسکرائی۔ "وقتی دل لگی کے علاوہ بھی ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں' شرط صرف اتنی سی ہے کہ تم مکاؤ میں کسٹم سے نکلنے میں ہماری مدد کرو۔"

"میری مدد لے کر تم مشکلات سے دوچار ہوسکتی ہو۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "جن لوگوں نے تمہیں یہ کام سونپا ہے انہوں نے کسی نہ کسی کو تمہاری نگرانی پر ضرور مامور کیا ہوگا۔ تمہیں اس کا تحفظ حاصل ہوگا جب کہ میرے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس فیری کے کپتان سے تمہاری دوستی ہے۔" اس کے تبصرے نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ "وہ کافی دیر تک تمہارے ساتھ رہا ہے۔ میرے پہنچنے سے لمحہ بھر پہلے ہی وہ بار سے رخصت ہوا تھا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اتفاقاً مجھ سے متعارف نہیں ہوئی تھی بلکہ ریورچیانگ کی وجہ سے مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھی! اگر میں اسے نہ چھیڑتا تو شاید وہ خود ہی کسی نہ کسی بہانے سے مجھ سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتی۔

"وہ کیا کرسکتا ہے؟" میں نے روزینی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

وہ میری طبیعت کی بدمزگی فوراً ہی بھانپ گئی اور خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "دیکھو! میرے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ جن لوگوں نے مجھے اس کام کے لیے چُنا ہے انہوں نے ضرور سوچا ہوگا کہ میرا تعلق تدریس کے مقدّس پیشے سے ہے۔ اس پیشے کی وجہ سے جو پاسپورٹ پر بھی درج ہے' مجھے ہر جگہ عزت اور احترام سے دیکھا جائے گا۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اگر میں مسروقہ ہیروں کی اسمگلنگ کے جرم میں پکڑی جاتی ہوں تو میرا مستقبل کیا رہ جائے گا؟ میری تو زندگی تباہ ہوجائے گی....."

"یہ میرے نہیں تمہارے سوچنے کی باتیں تھیں اور وہ بھی گھر سے نکلنے سے پہلے۔ اب تو تم دلدل میں قدم رکھ ہی چکی ہو۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ مکاؤ میں تمہیں واقعی کوئی مشکل پیش آئے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے پیشے کی نیک نامی سے فائدہ اٹھا کر تم ہیرے نکال لے جانے میں کامیاب ہوجاؤ۔"

"میری چھٹی حِس مجھے خبردار کررہی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "جن لوگوں نے یہ کام مجھے سونپا ہے' انہوں نے مجھے ڈون کوانگ فو نامی ایک بدمعاش سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی! اگر اسے بھنک بھی مل گئی تو یہ ہیرے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ڈون کسی بھی قیمت پر یہ نادر ہیرے اپنے حریفوں تک نہیں پہنچنے دے گا۔ ہم اسی وجہ سے پریشان ہورہے ہیں۔"

پھر وہی ڈون کا ذکر آیا تو میں پریشان ہوگیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ڈون کوانگ فو کسی بدروح کی طرح پورے مکاؤ اور اس کے متعلقین کے سروں پر سوار ہو۔

"اس کا مطلب ہے کہ کسٹم حکام کے ساتھ ہی' حریف گروہ بھی تمہارے مقابل صف آرا ہوسکتا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اصل خطرہ ڈون کے آدمیوں کی طرف سے ہے۔" آخرکار روزینی کو اعتراف کرنا ہی پڑگیا۔ "جب تک ہم اسٹاک ہوم میں تھے' ہمیں اس خطرے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا لیکن ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مکاؤ میں ڈون کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کو ہیروں کی بھنک مل چکی ہے تو وہ ہر قیمت پر انہیں حاصل کرلے گا۔ وہ اس قدر بے رحم ہے کہ ہیروں کی خاطر اس کے آدمی ہم دونوں کو ذبح بھی کرسکتے ہیں۔"

"ڈون کو تم پر شبہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس سفر میں تمہارے علاوہ بھی بہت سے سفید فام شامل ہیں۔ اتنی بھیڑ میں اصل جوڑے کو پہچاننا آسان کام نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"دیکھو' تم اصل بات سمجھنے کی کوشش نہیں کررہے۔" روزینی کی ساری تیزی' طراری اور وضع داری دھری کی دھری رہ گئی اور وہ واضح طور پر بہت زیادہ پریشان اور بدحواس نظر آنے لگی تھی۔ "یہ ٹھیک ہے کہ ڈون کو میرے یا بِل کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے لیکن وہ مکاؤ میں بہت بارسوخ ہے۔ دو دن سے مکاؤ کے حالات بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ وہاں پہنچنے والے ہر سفید فام کے سامان اور لباس کی تفصیلی تلاشی لی جاتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ منشیات اور دیگر ممنوعہ اشیا برآمد ہونے کے باوجود' کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جارہی۔ ہم دونوں کا خیال ہے کہ مکاؤ کے کسٹم والے' ڈون کے ایما پر صرف ہیروں کی تلاش میں ہیں۔ ان حالات میں ہماری کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہتا....."

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا چار لاکھ کرونا کا معاوضہ خطرے میں ہے؟"

"چار لاکھ کرونا پر لعنت بھیجو۔" وہ جل کر بولی۔ "اس وقت تو ہماری جانوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس سے ہیرے برآمد ہوئے تو ہم زندہ نہیں چھوڑے جائیں گے۔ بِل جیسا نڈر آدمی بھی اس صورتِ حال سے بری طرح خوفزدہ ہے۔ اس کا ہاضمہ بگڑ گیا ہے اور وہ خود فراموشی کے لیے مسلسل شراب پیے جا رہا ہے۔"

"اگر مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہوتی تو تم کیا کرتیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو؟" اس نے تقریباً مجھ سے لپٹ کر مجھے بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ "میری اور تمہاری ملاقات کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے۔ میں نے کپتان کو تمہارے ساتھ بیٹھتے ہوئے' دیکھ کر

ہی تم سے مل بیٹھنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس فیری پر' اس وقت صرف تم ہی ہماری کچھ مدد کرسکتے ہو؟"

"مجھے آسان زبان میں بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کی نیت اور مدعا سے واقف ہونے کے بعد اس کے گداز سراپا کی نیم برہنگی میرے لیے یک بیک کشش کھو بیٹھی تھی۔

"ہم ہیروں کا وہ پیکٹ تمہیں دے دیتے ہیں۔ کسٹم سے نکلنے کے بعد تم وہ پیکٹ ہمیں واپس لوٹا دینا۔ اس کام کے لیے ہم تمہیں اپنا حصے دار بنانے کے لیے تیار ہیں۔" اس نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

اس کا منصوبہ سنتے ہی میرے اندر سویا ہوا سفاک اور خود غرض ڈیڈی انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا۔ روزیٹی کے عزائم میں مجھے یک بیک اپنی کامیابی کی ایک راہ نظر آگئی تھی۔

"مجھے حصے دار بنانے کے لیے تم ایک لاکھ کرونا یا اس کے مساوی رقم فوری طور پر ادا کرسکو گی؟"

"فی الحال تو ہمارے پاس ڈھائی' تین ہزار ڈالر سے زیادہ نہیں ہے۔" اس نے مایوسی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں اسٹاک ہوم لوٹنے پر معاوضہ ملے گا۔ اس وقت ہم تمہیں چوتھائی رقم دے دیں گے۔"

اس نے میرے مطالبے کو بے چون و چرا تسلیم کرلیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس وقت رقم سے زیادہ اپنی اور بل کی سلامتی کے لیے فکرمند تھی۔ زندگی نہ رہے تو اربوں کا خزانہ بھی مٹی سے زیادہ حقیر ہوجاتا ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے تمہارے ساتھ سویڈن تک دوڑ لگانی ہوگی۔"

"وہ بہت سرسبز' شاداب اور حسین ملک ہے۔ ایشیائی بھی اسے اپنے خوابوں کی جنت سمجھتے ہیں۔ وہاں جاکر تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔ وہاں پہنچتے ہی رقم تمہارے حوالے کردی جائے گی۔"

"اور اگر وہ لوگ اپنا کام نکالنے کے بعد معاوضے کی ادائیگی سے منکر ہوگئے؟"

"اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم نے بھی پورے اطمینان کے بعد ہی اس سفر پر نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ڈون کے مقابلے میں ان سے جیتنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"تمہارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ تم اس وقت اپنی زندگی بچانے کے لیے ان ہیروں سے چھٹکارا پانا چاہتی ہو۔ اس کے بعد ہیرے رہیں یا جائیں' تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

"ہیرے کھو دینے کے بعد ہم چار لاکھ کرونا سے محروم ہو جائیں گے۔" اس نے یاد دلایا۔

"لیکن تمہاری زندگیاں چار لاکھ کرونا سے زیادہ قیمتی ہیں۔ تم ہیروں کا پیکٹ بنا کر سمندر میں کیوں نہیں پھینک دیتیں؟ یہ تمہارے مسئلے کا سب سے آسان اور سیدھا حل ہے۔"

میری تجویز پر وہ شکست خوردہ انداز میں ہنس پڑی۔ "تم سمجھ رہے ہو کہ شاید تمہاری ہی عقل کام کرتی ہے۔ ہم ان تمام امکانات پر غور کرچکے ہیں۔ مکاؤ پہنچنے تک کوئی راہ نظر نہ آئی تو شاید یہی کرنا پڑے گا لیکن اس میں بھی ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ ہیرے سمندر میں پھینک دینے کی صورت میں ہم کسی کو اصلیت کا یقین نہیں دلا سکیں گے اور مسروقہ ہیروں کے مالک یہی سمجھیں گے کہ ہم نے بدنیتی کی بنا پر ہیرے خورد برد کرلیے ہیں۔ امید کی واحد کرن یہ ہے کہ وہ لوگ مکاؤ کے ڈون کی طرح سفاک اور سنگ دل نہیں ہیں۔"

"مجھے یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ میں نے تمہیں اپنی کوششوں سے اپنی طرف متوجہ نہیں کیا' بلکہ تم خود جانے بوجھے انداز میں مجھ سے متعارف ہوئی ہو۔ تم بلاشبہ بہت خوبصورت اور خوش بدن ہو لیکن تم نے اس ملاقات کو دوستی کے بجائے کاروبار کا رنگ دے دیا ہے۔۔۔۔"

"مایوسی کی ضرورت نہیں!" اس نے ہنستے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "میں تبدیلیوں کی شیدائی ہوں۔ تم نے میرے ساتھ تعاون کیا تو میں تمہیں کسی بھی اعتبار سے مایوس نہیں کروں گی۔"

"اور بل؟ وہ مجھے پھاڑ نہیں کھائے گا؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ خود بہت بے وفا ہے۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ "خدمت کرانے کے لیے ہر رات میرے ساتھ گزارتا ہے لیکن دن بھر درجنوں لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرتا پھرتا ہے۔ ہفتے میں دو چار دن کاروباری مصروفیات کا بہانہ کرکے ان کی نازبرداریاں بھی کرتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اُس کی تمام حرکتوں سے واقف ہوں اسی لیے وہ بھی میری کبھی کبھار کی بے اعتدالیوں سے چشم پوشی کرلیتا ہے۔"

"ہمارے معاشرے میں اول تو بوائے فرینڈ یا گرل فرینڈ کا کوئی تصور ہی ناقابلِ قبول ہے پھر وہ بھی ایسے کہ دن رات ایک دوسرے کے اعتماد کو دھوکا دیتے رہتے ہوں۔ یہ بات تو سراسر ناقابلِ قبول ہے۔"

وہ ایک بار پھر ہنسی اور بولی۔ "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟"

"پاکستان۔" میں نے آخری گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اس کے لہجے میں اشتیاق سمٹ آیا۔ "میں نے سنا ہے کہ پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں سے ہے جہاں گرمیوں کے موسم میں بھی سخت گرمیوں کے ساتھ' کچھ علاقوں میں سردی پڑتی ہے۔"

"واپسی میں تم پاکستان جا ہی رہی ہو۔ کراچی اور پشاور کے موسم کا فرق دیکھ لینا۔"

"اور وہاں بہترین ہیروئن بھی کوڑیوں کے دام ملتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یورپ کی منڈی کے مقابلے میں مفت ہی سمجھو۔" میں نے اسے شہ دی۔

وہ فوراً ہی مزید کھلنے پر مجبور ہو گئی۔ "ہم واپسی پر اپنے بجٹ کے مطابق دو' چار کلو ہیروئن ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ کوشش کامیاب رہی تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔ عمدہ قسم کی ہیروئن کی خریداری میں تم ہماری کوئی مدد کر سکو گے؟"

"ہر پاکستانی ہیروئن فروش نہیں ہوتا۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "لیکن تم جیسی خوبرو' نازک اندام اور بے لگام لڑکیاں انہیں آسانی کے ساتھ بہکا لیتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے تم مجھے بہکا رہی ہو۔ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری مدد کرنی پڑے گی۔"

"عورتوں کے معاملے میں پاکستانی عام طور پر ندیدے ثابت ہوتے ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے ملک میں عورتوں کا شدید قحط ہے۔"

"ایسا بھی قحط نہیں ہے۔ مردوں کی آبادی صرف ترپن فیصد ہے لیکن مذہبی اور معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے عورتوں کی جملہ آبادی منگیتر سے شروع ہو کر بیوی پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"اور عورتیں ان پابندیوں پر احتجاج نہیں کرتیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کر ہی نہیں سکتیں کیوں کہ مذہب نے مردوں اور عورتوں پر یکساں پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں نفسانی اور حیوانی آزادیوں کا وہ تصور نہیں ہے جو مغرب میں سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"خیر' میں اس معاملے پر بحث نہیں کرنا چاہتی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میری تجویز کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس نے اچانک ہی موضوع بدل کر سوال کیا۔

"میں اب بھی خود کو الگ رکھنا چاہتا ہوں۔ تم مُصر ہو تو میں ڈبّا لے لوں گا۔"

"اوہ' تم کتنے شریف آدمی ہو۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ یہ کام بخیر و خوبی ہو گیا تو میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن یہ امید نہ باندھ لینا کہ میں تمہارے ساتھ سویڈن بھی چلوں گا۔ میرے حصے کی رقم تمہیں ایمانداری کے ساتھ خود ہی بھیجنی ہو گی۔"

اس نے اپنا شولڈر بیگ کھولا اور اس میں سے ایک براؤن پیکٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس پیکٹ کا وزن بمشکل ایک ڈیڑھ پونڈ رہا ہو گا۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ اس کاغذ میں پلاسٹک کا مضبوط ڈبا ہے جس میں سات عدد ہیرے' روئی میں لپیٹ کر اس طرح رکھے گئے ہیں کہ ان پر خراشیں نہ آ سکیں۔ اب تم اس کے ذمے دار ہو۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے وہ پیکٹ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم مکاؤ کے کس ہوٹل میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"وان ریان ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ ہیروں کی وصولیابی کے لیے دوسری پارٹی کا آدمی ہم سے وہیں رابطہ کرے گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ذرا میں بل کو بھی یہ خوش خبری سنا دوں تاکہ اس کا ذہنی دباؤ کم ہو سکے۔"

چلتے چلتے وہ پھر واپس آئی اور بولی۔ "اب میں اپنی سیٹ پر ہی رہوں گی۔ اگر فیری پر کوئی میری نگرانی کر رہا ہے تو میرے بار بار آنے جانے سے اسے شبہ ہو جائے گا۔ باہر نکلنے تک ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی بہتر رہے گا۔"

وہ پریشانی مجھے لاحق تھی لیکن روزینی نے آخری تجویز میں اس مسئلہ بھی حل کر دیا۔

حالات کی بھرپور خرابی کے بعد ستارے ایک بار پھر مجھ پر مہربان ہوتے نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف ریور چیانگ نے ڈان نیشی کاؤ کی آمد کے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا اور دوسری طرف روزینی نے ایمسٹرڈیم سے چرائے گئے وہ شاہی ہیرے میرے حوالے کر دیے تھے جن میں ڈون کوانگ فو گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

روزینی نے اپنے خوف کی وجہ سے نہایت آسانی کے ساتھ مجھ پر اعتماد کر لیا تھا لیکن بنیادی طور پر وہ ایک حریص لڑکی تھی۔ تعلیم کے مقدس پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود اس نے ایک بڑی رقم کے لالچ میں جرائم پیشہ لوگوں کا آلۂ کار بننا منظور کر لیا تھا۔ اسی پر بس نہیں تھا بلکہ مزید پیسہ کمانے کے لیے وہ واپسی کے سفر میں پاکستان سے دو چار کلو ہیروئن بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی تاکہ سویڈن میں اسے بیچ کر' بل کے ساتھ اپنا مستقبل سنوارنے کے منصوبے پر کام کا آغاز کر سکے۔

ایسی عورت کو فریب دینا' میری دانست میں کوئی جرم نہیں تھا۔

مجھے ان بیش قیمت اور نادر ہیروں میں براہِ راست کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ ان کے ذریعہ میں بگڑے ہوئے ڈون کو راہِ راست پر لا سکتا تھا۔ غزالہ کے بارے میں وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا کہ صرف ویرا ہی سے بات کرے گا لیکن ہیروں کا ذکر سن کر اسے اپنے موقف میں نرمی لانی پڑ جاتی۔ وہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کے لیے ڈون نے مکاؤ میں ہنگامی پیمانے پر سرگرمیوں کا آغاز کیا ہوا تھا۔

ایک اعتبار سے ان ہیروں کو زرِ تاوان بھی سمجھا جا سکتا تھا کیوں کہ میں ان کے بدلے میں ویرا کو ڈون کی قید سے آزادی دلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کچھ دیر بعد مکاؤ کے آثار نظر آنے لگے۔ اس وقت تک گہری

رات ہو چکی تھی۔ فیری پر تمام روشنیاں جلی ہوئی تھیں اور دور مکاؤ میں اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ اس کا عکس فضا تک کو منور کیے ہوئے تھا۔ روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مکاؤ میں بلند عمارات کی تعداد بہت کم تھی۔

مکاؤ کے ساحل کے ساتھ' کھاڑیوں میں بے شمار کشتیاں اور موٹر بوٹس لنگر انداز تھیں۔ ان میں سے بعض ساحل سے اتنی دور تھیں کہ ان سے متصل دس بارہ کشتیوں پر سے گزر کر ہی ساحل تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ساحل پر جگہ کی کمی کے باعث وہ کشتیاں قطار در قطار لنگر انداز تھیں۔ بعض پر سامان لدا ہوا تھا۔ کچھ خالی تھیں' اس نیم تاریک حصے میں ہر قسم کی سرگرمیاں دیکھی جا سکتی تھیں۔

فیری وہاں سے آگے بڑھتی چلی گئی اور پھر چوبی جیٹی کے ساتھ جا لگی۔ ملاحوں نے اینکر راڈز کے ذریعے فیری کو جیٹی کے ساتھ برابر کیا اور پھر ریمپ گرتے ہی' سامان سے لدے پھندے مسافروں نے ایک بھیڑ کی صورت میں فیری سے اترنا شروع کر دیا۔

روزینی اور بِل پیچھے تھے۔ میں نے ان کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت تک بِل سے میرا سامنا نہیں ہوا تھا اور میرے نئے پروگرام کی روشنی میں' میرا اس کی نظروں میں نہ آنا ہی بہتر تھا۔

ریور چیانگ فیری کے انجن بند کروانے کے بعد اپر ڈیک کے ریمپ پر کھڑا' مسافروں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے مجھے اپنا انتظار کرنے کی یاددہانی کرائی اور میں ہاتھ ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کسٹم ہال میں بالکل وہی منظر تھا جو روزینی مجھے بتا چکی تھی۔ دو کسٹم افسر' مسافروں کی گزر گاہ کے دونوں طرف کھڑے' سفید فام مسافروں کو الگ کر رہے تھے۔ چینی اور دیگر نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو براہِ راست باہر نکلنے کی آزادی تھی۔ الگ کیے جانے والے سفید فام ایک لمبی سی میز پر جمع ہو رہے تھے جہاں ان کے دستی سامان سے لے کر لباس تک کی سخت تلاشی لی جا رہی تھی۔

میں کسی روک ٹوک کے بغیر باہر نکل گیا۔ ہیروں کے پیکٹ کے ساتھ ہی' میری بیم گن بھی کسٹم والوں کی دست برد سے محفوظ رہی تھی اور وہ میرے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔

باہر نکلتے ہی چند چینی دلالوں کا ایک گروہ میری طرف لپکا۔ وہ رٹے رٹائے انگریزی فقروں میں ٹیکسی اور ہوٹل وغیرہ کی پیش کش کر رہے تھے لیکن میں ان سے جان چھڑا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

چند منٹ بعد ہی ریور چیانگ اپنا کوٹ بازو پر لیے آ موجود ہوا۔

"اب یہاں سے نکل چلو۔" میں اس کا بازو تھام کر بولا۔ "میں فوراً بستر کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔۔۔ رات ہوتے ہی مکاؤ کے ہوٹلوں کے سربستہ راز کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت' ہر شخص بستر چھوڑ کر شکار کھیلنے نکل پڑتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"تم مجھے کس ہوٹل میں لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ میں تمہیں کسی اچھے ہوٹل میں ہی ٹھہراؤں گا۔"

"مجھے اچھے یا برے ہوٹل کی فکر نہیں' بس ذرا وان ریان ہوٹل سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

ایک ٹیکسی ہمارے قریب آ کر رکی اور ہم دونوں اس کی عقبی نشست میں دھنس گئے۔ ریور چیانگ نے ڈرائیور کو چینی زبان میں ہدایات دیں اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔

"کیا وان ریان والوں سے کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" اس نے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

"خطرہ نہیں' بس اپنے بوائے فرینڈ سے اکتائی ہوئی ایک لڑکی میری جان کو آ گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی' میرے کمرے میں آ پہنچے۔"

"یہ وہی خوبصورت لڑکی تو نہیں جو سارے راستے تم سے باتیں کرتی آئی ہے؟"

"اس بارے میں تم کیا جانو؟" اس کے سوال پر میں بھونچکا رہ گیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں گولڈن ڈریگن کا کپتان ہوں۔ میں نے عملے کی دو لڑکیوں کو تمہاری خصوصی دیکھ بھال کی ہدایت کی تھی لیکن انہوں نے بتایا کہ تم نے خود اپنی دیکھ بھال کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی اس سے دور بھاگ رہے ہو ورنہ وہ تمہارے لیے نادیدہ دشواریوں کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔"

"ذرا کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی باتوں نے مجھے الجھا کر رکھ دیا۔

"مجھے اندر کی کہانی کا علم نہیں مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وان لِن کا ایک آدمی اس جوڑے کا پیچھا کر رہا تھا۔ وان لِن مکاؤ کا ایک خاصا بدنام آدمی ہے۔ وہ ڈون کا باج گزار ہونے کے باوجود اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے۔ وان ریان ہوٹل اور کلب اسی کی ملکیت ہے اگر وہ اس جوڑے میں دلچسپی لے رہا ہے تو یقیناً کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔"

ریور چیانگ کی باتیں سن کر مجھے وحشت ہونے لگی۔ مکاؤ کے بارے میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں رہنے والے بہ آسانی ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کے باوجود انجان بنے رہنے کے عادی ہو گئے ہوں۔ روزینی نے اپنے جس سفر کے بارے میں انتہائی رازداری کے ساتھ کام کیا تھا۔ اس کے بارے میں ریور چیانگ نے دور ہی سے بہت کچھ جان لیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کسٹم والے بھی اسی انداز میں اس پر ہاتھ ڈال دیتے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ جب روزینی کے پاس سے ہیرے برآمد نہ ہوتے تو وان لِن کے کیمپ میں ہلچل مچ جاتی اور ان دونوں کا تعاقب کرنے والا شخص میری تلاش شروع کر دیتا۔

مکاؤ میں رنگ برنگی عمارات پر متحرک' ساکن اور ناچتی ہوئی تیز روشنیوں کے سائن بورڈ آویزاں تھے اور ان روشنیوں کے سائے میں سڑکیں اور فٹ پاتھیں پُرہجوم نظر آ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عام شہر کے بجائے کوئی رنگا رنگ میلہ ہو جہاں بھانت بھانت کے لوگ سمٹ آئے ہوں۔

ہنکو کلب نامی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ پورٹر نے فوراً ہی میرا ہلکا سا سوٹ کیس لے لیا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں ہوش ربا ماحول کا سامنا کرنا پڑا۔ لاؤنج میں متعدد خوبرو عورتیں بن سنور کر نیچے گریبانوں والے بھڑکدار لباس پہنے سگریٹ اور شراب نوشی میں مصروف تھیں۔ ان میں سے کئی نے ریور چیانگ کو دیکھ کر شناسائی کے انداز میں ہاتھ ہلائے۔ ایک دو نے آنکھ بھی ماری اور ریور چیانگ سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کلب کی عمارت کے اندرونی حصے میں شاید ڈسکو وغیرہ کا پروگرام بھی چل رہا تھا کیوں کہ ڈرم اور تیز سازینوں کی دھمک فرش میں محسوس ہو رہی تھی۔ ساؤنڈ پروفنگ کی عمدگی کی وجہ سے اندر کی تیز آوازیں باہر نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

مکاؤ میں جرائم پیشہ افراد جس انداز میں منظم تھے اس کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ روزینی کے ذریعے میری چال بازی سے واقف ہونے کے بعد وان لِن یا اس کے آدمیوں کو مجھ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ دوسری طرف میں ڈون سے بات کرنے سے پہلے ریور چیانگ کو اعتماد میں نہیں لے سکتا تھا۔ وہ مجھے روزینا کا دوست اور من چلا سیّاح سمجھ کر میری مہمان داری کر رہا تھا اسے میرے چکروں کا علم ہوتا تو وہ بدک کر مجھے اس دعوت نامے سے بھی محروم کر سکتا تھا جس کے سہارے میں ڈون کی حویلی میں پہنچ سکتا تھا۔

ہنکو کلب میں میرا کمرا بک کرانے کے بعد ریور چیانگ لابی سے ہی واپس چلا گیا اور میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے بیم گن سوٹ کیس سے نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی تاکہ ضرورت کے وقت میں اس سے بھرپور کام لے سکوں۔ میرے لیے صورتِ حال یک بیک نازک اور مخدوش ہو گئی تھی۔

اپنا کمرا مقفل کر کے میں نے فون پر ڈون کی حویلی کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی' شاید ڈون کے ایکسچینج پر مقامی فون کالز کے لیے کوئی حفاظتی نظام یا اسکینر نصب نہیں تھا۔

"میرا نام ڈیبی ہے اور میں ڈون سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے چینی کے جواب میں انگریزی میں کہا۔

"ڈون مصروف ہے' تمہیں کیا کام ہے؟" خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میں پاکستان سے آیا ہوں اور اس وقت مکاؤ میں موجود ہوں۔ ڈون کی سیکریٹری میرے معاملات سے واقف ہے۔ میں ہر ایک کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔"

"ہینگ آن!" انگریزوں کی نقل کرتے ہوئے کہا گیا' پھر ریسیور پر نہایت الیہ سی موسیقی سنائی دینے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ لائن شوائے کو منتقل ہو چکی تھی۔

"بالکل نہیں۔" میرا مطالبہ سنتے ہی شوائے نے سرد مہری سے کہا۔ "اس وقت ڈون سے بات ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ وہ آرام کرنے جا چکا ہے اگر تم ڈھیٹ بن کر مکاؤ آ ہی گئے ہو تو میں ڈون سے دریافت کر لوں گی۔ اس نے اجازت دی تو تمہاری بات کرا دی جائے گی۔ تم صبح نو بجے فون کرنا۔"

"معاملہ بہت اہم۔۔۔" میں نے بولنا چاہا لیکن شوائے نے رُکھائی سے میری بات کاٹ دی۔

"سوری' اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ مکاؤ کی راتیں اجنبیوں کے لیے بہت رنگین اور سنسنی خیز ہوتی ہیں۔ ابھی عیش کرو۔ صبح اپنا مقدر آزما لینا۔ ڈون کا موڈ ہوا تو تمہاری اور اس کی بات ہو جائے گی۔"

"یہ دوسرا معاملہ ہے۔" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "اس کا تعلق ایمسٹرڈم کے ہیروں سے ہے۔"

"اوہ۔ تو اب تم نے ڈون کے معاملات میں بھی اپنی ٹانگ اَڑانی شروع کر دی!" شوائے کی غصیلی آواز اُبھری۔ وہ سیکریٹری ہونے کی وجہ سے شاید ڈون کے بہت سے رازوں سے واقف تھی۔

"اس وقت ڈون سے میری بات نہیں ہوئی تو کسی بھی لمحے دشمن مجھے گھیر لیں گے۔ وان لن کے کتے شہر میں چاروں طرف میرے خون کی بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ انہیں میرے ہوٹل کا سراغ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ تم ڈون سے دریافت کرلو۔ بات کرنا یا نہ کرنا اس پر منحصر ہو گا۔"

اس بار شوائے نے قطع کلامی کیے بغیر میری پوری بات سنی' میں نے ریور چیانگ سے سنا ہوا نام زبردستی اپنی کہانی میں ڈال دیا تھا تاکہ میں شوائے پر دباؤ ڈال سکوں اور یہی ہوا۔ میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اس معاملے کے بارے میں واقعی کچھ جان چکے ہو۔ تم ہولڈ کرو۔ میں ڈون سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اسی کے ساتھ ریسیور پر ایک بار پھر رقت آمیز چینی موسیقی شروع ہو گئی۔

خاصے طویل وقفے کے بعد اس موسیقی کا سلسلہ ختم ہوا اور اچانک ہی میرے کان میں کسی بھیڑیے جیسی تیز اور درشت غرّاہٹ ابھری۔ "ہا... آ... لو! تم کس کی اجازت سے مکاؤ آئے ہو اور ہیروں کے بارے میں تم نے کہاں سنا ہے؟"

"ڈون! میں تمہارے پیر پکڑ کر تم سے اس توہین کی معافی مانگنے آیا ہوں جو غزالہ کی وجہ سے تم کو برداشت کرنی پڑی لیکن اسی اثنا میں ایک مشکوک جوڑا میری نظروں میں آگیا اور میں نے محنت کر کے یہ معلوم کرلیا کہ وہ ایمسٹرڈم سے چرائے ہوئے کچھ نادر ہیرے مکاؤ لا رہے ہیں...."

"وہ کون لوگ ہیں؟" میری بات کاٹ کر ڈون کی غصیلی آواز گونجی "مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔ میں ان پر مکاؤ کی زمین تنگ کردوں گا۔ وہ ہیرے ہر قیمت پر میری تحویل میں آئیں گے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم ان ہیروں میں دلچسپی لے رہے ہو جب کہ وہ دونوں وان لن کے لئے کام کر رہے ہیں۔" میں نے بات کو دانستہ طول دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ۔ میں ہزار آنکھیں رکھتا ہوں۔ میں اس جوڑے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جو ہیرے لے کر مکاؤ پہنچا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ خبر دوسرے ذرائع سے کیوں نہیں آئی۔ میں نے ہیروں کی تلاش میں مکاؤ کی تمام داخلی سرحدوں کی ناکہ بندی کرائی ہوئی ہے۔" اس کے غصے پر جھلاہٹ غالب آگئی۔

"اس جوڑے پر برا وقت آیا ہوا ہو گا' ڈون! وہ ہیرے تمہارے اس غلام کے قبضے میں ہیں۔"

"وہاٹ؟" وہ شاید حیرت سے حلق کے بَل دہاڑا تھا "کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے ہو؟ میں جھوٹوں کے بدن سے کھال تک اُدھڑوا لیتا ہوں۔ شاید اس لڑکی کے فراق میں تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

لمحہ بھر کے لئے میرا اعتماد متزلزل ہو گیا۔ روزینی نے مجھے سربند پیکٹ دیا تھا۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں ہیرے ہی تھے یا ان کے وزن کے پتھر رکھے ہوئے تھے۔

"میں نے وہ سربند پیکٹ حاصل کیا ہے جسے وہ دونوں اپنی جان سے لگائے پھر رہے تھے۔ تم اجازت دو تو میں ڈبا کھول کر دیکھ لوں کہ اندر ہیرے ہی ہیں یا کچھ اور بھرا ہوا ہے۔"

"اسے چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" تفصیل جاننے کے بعد ڈون کے غصے میں قدرے کمی آگئی "اگر وہ ہیرے ہی ہیں تو اب تم لڑکی اور اس کے ساتھی کی آزادی کے لئے سودے بازی کرو گے؟"

"ہرگز نہیں!" میں نے جلدی سے کہا "شاید تمہیں علم ہو گا کہ ان ہیروں کی مالیت چالیس کروڑ گلڈرز کے لگ بھگ ہے مگر انہیں بیچنا میری بساط سے باہر ہے۔ میرے پاس وہ پیکٹ تمہاری امانت ہے۔ تم چاہو تو میں ابھی وہ پیکٹ تمہارے محل پہنچائے دیتا ہوں۔ جب تمہارا غصہ فرو ہو گا تو تم ان دونوں کو خود ہی رہا کردو گے۔ میری یہ مجال کہاں کہ تم سے کوئی سودے بازی کروں۔"

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" میری چاپلوسی سے وہ بتدریج نرم پڑتا جارہا تھا۔

میں نے اسے ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر بتایا تو وہ بولا "میرے آدمی ابھی بنگو کلب کے مالک کو مطلع کردیں گے کہ تم میرے مہمان ہو۔ پھر کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ وان لن کے آدمی آبھی گئے تو ہوٹل والے انہیں باہر ہی روک لیں گے۔ میں تمہارے لئے گاڑی بھیج رہا ہوں۔"

میرا دل خوشی سے بلّیوں اچھل پڑا۔ میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں اس عزت افزائی کے لئے تمہارا ممنون ہوں' ڈون۔ لیکن میں تمہارے ڈرائیور کو کیسے پہچانوں گا؟"

"وہ موٹا سا جاپانی ہے۔ اس کا نام فکودا ہے' میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں نے اس کی طرف سے سلسلہ منقطع ہونے پر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے روزینی کے اعتماد کو دھوکا دے کر بہت بڑا جُوا کھیلا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرا تیر نشانے پر بیٹھا تھا اور ڈون میری پیشوائی کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے ہیروں کی تلاش میں جو جال بچھایا ہوا تھا' اس کی موجودگی میں یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ روزینی کسی بھی صورت میں اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ہیرے ہر حالت میں ڈون تک پہنچنے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ ڈون کے سارے شکاری اپنی بنسیاں سنبھالے بیٹھے رہ گئے تھے اور میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ ان کا شکار اُڑا کر ڈون کو رام کرنے کا سامان مہیا کرلیا تھا۔

چند منٹ بعد ہی میرے کمرے میں گویا زلزلہ آگیا۔ ہوٹل کا ادھیڑ عمر مالک ہانپتا کانپتا ہوا میرے کمرے میں پہنچا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر چینی زبان میں کچھ منمنانے لگا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کے چار ملازمین بھی تھے۔ ان میں سے تین کے ہاتھوں میں نئے تولئے' براق چادریں اور دیگر اشیاء تھیں۔ وہ تینوں فوراً ہی کمرے کی ہر چیز بدلنے میں مصروف ہو گئے۔ چوتھا جو ہوٹل کا استقبالیہ کلرک تھا' ترجمانی کے فرائض ادا کرنے کے لئے اپنے آقا کے ساتھ ہی کھڑا رہا۔

اس نے مجھے بتایا کہ وانگ ماؤ نامی وہ شخص اس بات پر معذرت کررہا تھا کہ اسے میرے مرتبے کا علم نہیں تھا۔ اس لئے ہوٹل کے عملے سے میری شان میں کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہو تو میں اسے معاف کردوں۔ اسے ڈون کے محل سے فون پر بتایا گیا تھا کہ میں ڈون کا مہمان تھا اور ڈون کو مکاؤ کے بیشتر شرفا اپنا مجازی باپ تصور کرتے تھے۔ بنگو کلب والوں کے لئے ڈون کے کسی مہمان کی میزبانی' ایک اعزاز سے کم نہیں تھی۔

میں نے نہایت سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ان لوگوں کی ناکردہ غلطیوں کو معاف کردیا۔ پھر وانگ ماؤ نے ترجمان کے ذریعے میری دیگر ضروریات کے بارے میں استفسار کیا۔ مجھے پیشکش کی گئی کہ میں چاہوں تو میری خدمت کے لئے مساج اور دیگر خدمات میں ماہر' چند دلکش لڑکیوں کو میری خدمت پر مامور کیا جاسکتا تھا۔

وہ مذاکرات جاری تھے۔ تین ملازمین کمرے کو نئے سرے سے بنانے اور سنوارنے میں مصروف تھے کہ اچانک ہی ایک پستہ قامت چینی' روزینی کو تقریباً گھسیٹتا ہوا' کمرے میں گھس آیا' افراتفری میں وانگ ماؤ کے ملازمین میرے کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔

روزینی کی پہلی جھلک دیکھتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ اُدھر روزینی نے مجھے دیکھتے ہی ہذیانی انداز میں "یہی ہے.... یہی ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے میری طرف جھپٹنے کی کوشش کی مگر مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر سالخوردہ قالین پر گر گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں دہشت کے سائے ناچ رہے تھے۔ شاید اصل قصہ کھلنے کے بعد اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا تھا کیونکہ اس کے بھرے بھرے' سرخ و سفید رخساروں پر تھپڑوں کا نیلاہٹ مائل ورم بہت نمایاں تھا۔

وہاں کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ روزینی کو لانے والے پستہ قامت چینی نے اچانک ہی پستول نکال کر سب کو چینی زبان میں کوئی حکم دیا اور ہر شخص نے اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے۔ میں اپنی جگہ منجمد کھڑا رہا۔

"اے! یو باسٹرڈ!" پستہ قامت نے جھلّا کر پستول کی نال لہراتے ہوئے' قہربار لہجے میں مجھے للکارا "تم بھی ہاتھ اٹھالو ورنہ میں گولی چلانے میں دریغ نہیں کروں گا۔"

اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی دیوانگی دیکھ کر میں نے ہاتھ اٹھا لئے۔

"مسٹر وان لن!" اچانک مترجم نے خوف سے حلق میں پھنستی ہوئی آواز میں پستہ قامت کو مخاطب کیا "تم بہت سنگین غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ یہ ڈون کا خاص مہمان ہے۔"

اگر وہ وان لن ہی تھا تو وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سرعت کے ساتھ حرکت میں آیا تھا۔

اس نے دانت پیس کر ڈون کو ایک موٹی سی گالی دی پھر بولا۔ "میں نے ساری عمر ڈون کی زیادتیاں برداشت کی ہیں۔ اب میں اس کی چیرہ دستیاں نہیں سہہ سکتا۔ میں اس کے مُنہ پر پہلا اور آخری تھپڑ مار کر' اس علاقے کو ہی خیرباد کہہ دوں گا۔" پھر اس کی شعلے برساتی ہوئی نگاہیں میرے اوپر مرکوز ہو گئیں "وہ پیکٹ کہاں ہے؟"

"میری جیب میں۔" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر' پورے سکون کے ساتھ کہا۔

"نکالو!" اس نے اضطراری لہجے میں حکم دیا "کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہیں ڈھیر کردوں گا۔"

ہیروں کا پیکٹ میری اندرونی جیب میں تھا۔ میں نے آہستگی کے ساتھ اس جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں بیم گن پڑی ہوئی تھی لیکن میں بیم گن نکالنے کی ہمت نہیں کرسکا کیونکہ وان لن کے پستول کی نال براہِ راست میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی انگلی کا خفیف سا اشارہ میرا کام تمام کرنے کے لئے کافی ہوتا۔

اسے پوری طرح میری طرف متوجہ پاکر' وانگ ماؤ کے ملازمین میں سے ایک نے دبے قدموں وان لن کی طرف بڑھنا چاہا لیکن وہ خبیث بیک وقت ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بھڑک کر پلٹا اور میرے لئے وہی ایک لمحہ کارگر ثابت ہوا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے بیم گن نکال کر وان لن کے بائیں پہلو پر فائر کردیا۔

بیم گن کے نوزل سے موت کی نیلگوں شعاعیں کوئی آواز پیدا کئے بغیر وان لن کی طرف لپکیں۔ میری طرف دیکھنے والوں کی آنکھیں دہشت سے ابل پڑیں اور پھر وان لن ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ قالین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے بڑھ کر اس کا بھرا ہوا پستول اپنے قبضے میں لے لیا۔

چند ثانیوں بعد وان لن نے سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ اس واقعہ پر وانگ ماؤ اور اس کے آدمیوں کی زبانیں دہشت سے گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں مرعوب کرنے کے لئے میں نے ٹھوکر سے وان لن کا چہرہ سیدھا کیا پھر بڑھ کر اپنے کمرے کا کھلا ہوا دروازہ بند کردیا۔

"یہاں جو کچھ ہوا ہے' اسے تم سب بالکل بھول جاؤ گے۔"

میں نے باری باری ان سب کو گھورتے ہوئے' سرد لہجے میں کہا۔

"وان لن یہاں آیا۔ اس نے ڈون کی شان میں پے در پے گستاخیاں کیں اور میں نے اسے مار دیا۔ کیسے مارا؟ یہ کسی کو یاد نہیں رہے گا۔ اس واقعہ کی بھنک بھی نکلی تو تم لوگ ڈون کے عتاب سے نہیں بچ سکو گے۔"

میرے خاموش ہوتے ہی مترجم میری بات کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے لگا۔ وہ سب کٹھ پتلیوں کی طرح سر ہلا رہے تھے۔ مترجم نے شاید میری ہدایات میں کچھ موثر حاشیہ آرائی بھی کی تھی کیونکہ وہ خاصی دیر بعد خاموش ہوا تھا۔

"اس لڑکی کو کسی دوسرے غیر آباد کمرے میں ڈال دو۔" میں نے روزیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہوش میں آئے تو اسے بتانا کہ وان لن اسے اس کمرے میں چھوڑ گیا ہے۔ میری اور اپنی موجودگی سے صاف مکر جانا۔ لڑکی کو یہ یقین دلانا ہے کہ اس نے یہاں جو کچھ دیکھا' وہ حقیقت نہیں بلکہ اس کا خواب تھا۔"

فوری طور پر اس ہدایت کا بھی ترجمہ مع تشریح کر دیا گیا۔ مترجم خاموش ہوا تو وانگ ماؤ ڈری سہمی آواز میں کچھ بولنے لگا۔

"لڑکی سے ہم وان لن کے بارے میں کیا کہیں گے اور لاش کا کیا بنے گا؟" مترجم نے وانگ ماؤ کے سوال کا ترجمہ کیا۔

"وان لن اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ لڑکی ہوش میں آنے کے بعد جانا چاہے تو اسے عزت کے ساتھ روانہ کر دینا۔ اس لاش کو ایک بوری میں ڈال دو' اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

دو چینیوں نے مل کر' روزیلی کے مرمریں وجود کو اپنے مضبوط ساتھی کے کندھے پر لادا پھر وہ تینوں ہی باہر نکل گئے۔ شاید مترجم نے میری ہدایت دہرانے کے ساتھ ہی انہیں کام بھی بانٹ دیے تھے۔

پہلے دو چینی آئے اور وانگ ماؤ کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگے۔ پھر تیسرا شخص بھی دو خالی بوریاں لے آیا۔ وہ تینوں وان لن کی لاش کو چھوتے ہوئے بہت خائف نظر آ رہے تھے۔ ان کی دہشت زدہ نظریں اس لاش کے کوئلہ بنے ہوئے پہلو پر مرکوز تھیں جہاں خون کے کسی قطرہ تک کا نشان نہیں تھا۔

اس وقت وان لن کی لاش تازہ اور گرم تھی اس لئے انہیں اس کے ہاتھ پیر موڑ کر بوری کے نچلے حصے میں ٹھونسنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ خالی بوری لاش کے اوپر ٹھونسنے کے بعد انہوں نے نائیلون کی مضبوط ڈوری سے بوری کا منہ باندھ دیا۔

میں نے اضطرار اور مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال تو کر ڈالی تھی لیکن میرے ذہن میں ایک نیا خوف سوار ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ڈون کو انگ تو کو یہ علم نہیں تھا کہ میں شی کا باغی تھا اور ان لوگوں سے چھینی ہوئی ایک بیم گن بھی میرے قبضے میں تھی۔ اگر وان لن کی لاش بوری سے نکالی جاتی تو ڈون اس کے زخم پر پہلی نظر ڈالتے ہی سمجھ لیتا کہ وہ بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ وہ انکشاف میرے لئے بدترین پریشانیوں کو جنم دے سکتا تھا۔ ڈون لازمی طور پر یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ میرے پاس بیم گن کہاں سے آئی ہے۔ میرے انکار کی صورت میں وہ کھوج نکالنے کے لئے اپنے بڑے سے رجوع کرتا اور میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس کر رہ جاتا۔

جمی لائیڈ کے لئے اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی تھی کہ میرے ساتھ ہی میری محبوبہ اور میرا دستِ راست بھی گھر بیٹھے اس کی گرفت میں آ جائیں۔ وان لن اور روزیلی کی بے وقت مداخلت نے میرے لئے یک بیک ایک سنگین خطرہ پیدا کر دیا تھا جس کا کوئی حل نہیں تھا۔

میں نے وانگ ماؤ اور اس کے عملے کو رخصت کر دیا۔ اگر نکودا کے آنے میں دیر تھی تو میں ڈون سے وان لن کی لاش کو فی الفور ٹھکانے لگانے کی اجازت لے کر بیم گن کے استعمال کے ثبوت کو ناپید کر سکتا تھا۔ ڈون کے ایما پر وانگ اور اس کے ملازمین لاش کو ٹھکانے لگانے میں میری مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اصل بات صرف ڈون کو اپنے ڈھب پر لانے کی تھی۔

میں نے ڈون کا نمبر ملایا تو اس بار شوائے نے ہی ریسیور اٹھایا اور وہ فوراً ہی میری آواز پہچان گئی۔

"مبارک ہو۔ تم نے ڈون کو منانے میں کامیابی حاصل کر ہی لی ہے۔"

"لیکن اس کے ساتھ میں ایک مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ میرے کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے!"

"لاش؟" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "کس کی لاش؟"

"وان لن نے میرے کمرے پر دھاوا بول دیا تھا۔ وہ ڈون کو ننگی ننگی گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے موقع ملتے ہی اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ذرا ڈون سے میری بات کرا دو۔ لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے مجھے اس کا مشورہ درکار ہے۔"

"یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔ لیکن ڈون یہاں سے نکل چکا ہے۔ وہ نکودا کے ساتھ تمہیں لینے گیا ہے بس وہاں پہنچتا ہی ہو گا۔"

شوائے کا وہ انکشاف سن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات گیارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں